شیخ القرآن والتفسیر والحدیث حضرت علامہ مفتی
محمد فیض احمد اویسی صاحب مدظلہ

مکتبہ غوثیہ
یونیورسٹی روڈ، بالمقابل عسکری پارک، کراچی۔
فون :4926110-4910584

مصنف

سراج العلماء زبدۃ الفضلاء
حضرت علامہ شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث مولانا ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی مدظلہ

ناشر

مکتبہ غوثیہ ہول سیل

پرانی سبزی منڈی بالمقابل مین گیٹ عسکری پارک
متصل دار العلوم غوثیہ بابا جلال بلڈنگ کراچی۔
فون: 4926110, 4910584

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب .... فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ، روح البیان پارہ نمبر ۹

مصنف .... حضرت علامہ اسماعیل حقی قدس سرہ

مترجم .... حضرت علامہ مفتی فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

سن طباعت ۲۰۰۷ء

مصحح .... چودہری مشتاق احمد خاں، لاہور

ناشر .... مکتبہ غوثیہ ہول سیل، پرانی سبزی منڈی، کراچی

باہتمام .... محمد قاسم جلالی (بانی و چیئرمین ویلکم ویلفیئر ٹرسٹ) کراچی

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ۝ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ
يَعْلَمُونَ ۝ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا
يَسْتَأْخِرُونَ ۝ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ
إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُنْظَرِينَ ۝
إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ۝
وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝ لَا
يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ۝ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ
يَعْرُجُونَ ۝ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ ۝

ترجمہ: (قیامت میں) کافر بہت آرزوئیں کریں گے کہ کاش مسلمان ہوتے۔ انھیں چھوڑ دیجیے وہ (دنیا میں) کھائیں اور نفع اٹھائیں اور انھیں آرزوئے دنیا کھیل میں ڈالے وہ عنقریب جان لیں گے، ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے لیے ایک میعاد معلوم لکھی ہوئی تھی کوئی جماعت اپنے وقت سے نہ پہلے جا سکتی ہے اور نہ وہ پیچھے رہ سکتی ہے اور کافروں نے کہا اے وہ شخص جس پر کتاب اتاری گئی ہے بیشک تم مجنون ہو تم ہمارے ہاں فرشتے کیوں نہیں لاتے اگر تم سچے ہو۔ ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے مگر حق کے ساتھ (اور جب وہ اترتے ہیں تو پھر) اس وقت کافروں کو مہلت نہیں دی جاتی بیشک ہم نے قرآن نازل فرمایا اور بے شک ہم خود اس کے محافظ ہیں اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے اگلی اُمتوں میں رسول بھیجے اور ان کے ہاں کوئی رسول نہیں آتا مگر وہ اس سے ہنسی کرتے تھے ایسے ہی ہم اس ہنسی کو مجرموں کے دلوں میں راہ دیتے ہیں اور وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور یہی پہلے لوگوں کا طریقہ رہا۔ اگر ہم ان کے لیے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں تو وہ دن کو اس میں چڑھتے تو ضرور کہتے کہ ہماری نگاہیں باندھ دی گئی ہیں بلکہ ہم وہ ہیں کہ جن پر جادو ہوا ہے۔

تفسیر عالمانہ رُبَمَا یہ رُبَ تکثیریہ ہے (کما فی مغنی اللبیب) بمعنے بارہا۔ یَوَدُّ آخرت میں آرزو کریں گے الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں قرآن مجید کو نہیں مانا تھا لَوۡ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ کاش وُہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور اوامر و نواہی کے سامنے سرِتسلیم خم کرتے۔

ف : یَوَدُّ کا فعل محذوف ہے اور لو کانوا مسلمین اس فعل محذوف پر دلالت کرتا ہے۔

آیت کا خلاصہ قیامت میں کافر آرزو کریں گے کہ کاش وہ اسلام قبول کر لیتے۔

سوال : لَوۡ تمنائیہ ہے تو اس کا جواب کہاں ہے ؟

جواب : چونکہ آیت میں ان کی آرزو کے مضمون کو حکایتاً بیان کیا گیا ہے اسی لیے اس کے جواب کی ضرورت نہیں۔

سوال : لو کانوا مسلمین بصیغۂ غائب کیوں، حالانکہ کلام کا تقاضا ہے کہ یہ لَوۡ کُنَّا مسلمین ہو۔

جواب : چونکہ قیامت کے حالات میں سے ان کے ایک حال کا ذکر ہے اسی لیے بحیثیت اخبار صیغہ غائب کا موزوں ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ لَوۡ ایسے فعل کے بعد واقع ہوا ہے جس میں تمنا کا معنٰی نہیں اس لیے ان کے نزدیک یہ لَوۡ مصدریہ ہے اس اعتبار سے ان کے نزدیک لو کانوا مسلمین بتاویل مفرد یَوَدُّ کا مفعول بہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ وہ مسلمان کہ جنہیں بعض جرائم و معاصی کی وجہ سے جہنم میں ڈالا جائے گا جہنم میں ان کی کافروں سے ملاقات ہوگی تو کافر مسلمانوں کو کہیں گے کیا تم مسلمان نہیں تھے ؟ وہ کہیں گے یقیناً ہم مسلمان تھے۔ پھر کافر انھیں طنزاً کہیں گے کہ تمھیں اسلام جہنم سے کیوں نہیں بچاتا ؟ مسلمان جواب دیں گے چونکہ دنیا میں ہم سے غلطیاں سرزد ہوئی تھیں ہمیں اُن غلطیوں کی سزا مل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کافروں کی اس طنز سے غصہ آئے گا اور مسلمانوں پر رحم و کرم فرما کر حکم دے گا کہ مسلمانوں کو جہنم سے نکال کر بہشت میں داخل کیا جائے۔ جب مسلمانوں کو جہنم سے نکال کر بہشت میں داخل کیا جائے گا تو اس وقت کافر کہیں گے : لَوۡ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ رحم و کرم سے بہت سے پیارے بندوں کی شفاعت قبول کرتے کرتے آخر میں اعلان فرمائے گا کہ جہنم میں جتنے اہلِ اسلام کسی جرم و خطا سے سزا پا رہے ہیں سب کو نکال کر بہشت میں بھیج دو۔ اس اعلان عام سے کافر حسرت کے طور اسلام کی آرزو کریں گے۔

یعنی اس وقت ان کی آرزو کی ایک خاص عجیب کیفیت ہوگی جو قابلِ دید ہوگی اور وہ جہنم میں ہر وقت اسلام لانے کی تمنا کرتے رہیں گے اور اُن کی یہ آرزو اہل اسلام کے دخول و خروجِ نار سے پہلے بھی ہوگی اور بعد بھی۔ جیسا کہ رُبَ تکثیر یہ اس تقریر کی تائید کرتا ہے۔

تفاسیر میں ⊙ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں کفروا بمعنے فسقوا اور مسلمین بمعنے مطیعین ہے۔ یعنی قیامت میں فاسق و فاجر آرزو کریں گے کہ کاش وہ بجائے نافرمانی کے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے۔

○ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ کفروا بمعنے کسلوا اور مسلمین بمعنے مجتہدین ہے یعنی قیامت میں عبادات سے سُستی کرنے والے آرزو کرینگے کہ کاش وہ عبادات میں جدّوجہد کرتے۔

○ بعض حضرات نے فرمایا کہ کفروا بمعنے غفلوا اور مسلمین بمعنے ذاکرین ہے۔ یعنی قیامت میں غافل لوگ آرزو کریں گے کہ کاش ہم ہر وقت ذکر و فکر میں زندگی بسر کرتے ؎

۱ اگر مردہ مسکین زبان داشتے
بفریاد و زاری فغان داشتے

۲ کہ اے زندہ چون ہست امکان گفت
لب از ذکر چون مردہ برہم مخفت

۳ چو مارا بغفلت بشد روزگار
تو بارے دمے چند فرصت شمار

(ترجمہ : ۱۔ اگر مسکین مردہ زبان رکھتا تو فریاد و زاری سے شور مچاتا۔
۲۔ کہ اے زندہ بھائی! جب تجھے بولنے کا امکان ہے تو پھر مُردوں کی طرح ذکرِ الٰہی سے خاموش کیوں ہے۔
۳۔ ہمارا غفلت سے وقت ضائع ہو گیا تم ان لمحات کو غنیمت جانو۔)

ملامت گر حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دُنیا سے جو بھی رخصت ہوتا ہے وہ نادم ہو کر حسرت کرتا ہوا اور اپنے آپ کو ملامت کرکے مرتا ہے۔ کافر اس لیے ملامت کرتا ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ اسے کفر پر سخت سزا ملتی ہے تو وہ حسرت کرتا ہے کہ کاش وہ مسلمان ہوتا اور مومن اپنی کوتاہیوں پر کہ وہ آدابِ عبودیت نہ بجا لا سکا اور نعمتِ الٰہی پر شکر نہ کر سکا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے انعامات کی عزت و تکریم کر سکا۔

تفسیر صُوفیانہ حضرت ابن العربی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں پر کفر بمعنے کفرانِ نعمت ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کی دی ہُوئی نعمتوں کو بے خبری اور جہالت سے ضائع کر دیتے ہیں حالانکہ ان پر لازم تھا کہ وہ ان نعمتوں کا شکر کرتے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور منّت و کرم کو سمجھتے لیکن قیامت میں جب انھیں اس کا احساس ہوگا تو پشیمان ہوں گے۔

صاحبِ رُوح البیان کا محققانہ فیصلہ فقیر (اسماعیل حقی) عرض کرتا ہے کہ اگرچہ آیت میں لفظ کفر عام ہے اور یہ کفر وحدت اور نعمت دونوں کو شامل ہے لیکن پہلے معنے میں نصّاً اور صراحۃً واقع ہے۔ لیکن دُوسرے معانی سے بھی انکار نہ کرنا چاہیے (جیسا کہ وہابیہ دیوبندیہ مودودیہ کی عادت ہے)

کر تفسیر صوفیانہ کو مطلقاً ٹھکرا دیتے ہیں[1] اس لیے کہ وہ معانی از قبیل اشارات قرآنیہ اور مدلولات محتملہ ہیں۔ اہل حق وہ ہے جو تمام معانی کو حق مان کر سب پر عمل کرتا ہے اس لیے بہترین راستہ یہی ہے کہ قرآن مجید کے تمام معانی محتملہ پر عمل کیا جائے، اسے خیر السبل (تصوّف) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہی راستہ حق اور مبنی بر صدق و عرفان ہے[2]

تفسیر عالمانہ ذَرْهُمْ اے میرے پیارے حبیب کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کو اپنے حال پر چھوڑیئے۔ جن امور کی آپ انھیں نصیحت فرماتے ہیں وہ انھیں ماننے والے نہیں اور نہ ہی وہ ان سے باز آ سکتے ہیں۔

ف: یہ آیت آیت قتال سے منسوخ ہے۔ (کذافی بحر العلوم)

کاشفی نے لکھا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی تحقیر و تذلیل فرمائی ہے۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کافر کسی کام کے نہیں اور نہ ہی وہ کسی حساب میں ہیں فلہٰذا دنیا میں انھیں ان کے حال پر چھوڑیئے۔

يَأْكُلُوا وہ جانوروں کی طرح کھا پی لیں وَيَتَمَتَّعُوا اور دنیا اور شہوات سے نفع اٹھائیں۔

ف: ان کا اس حالت میں دوام مراد ہے نہ احداث اس لیے کہ وہ اس حالت میں پہلے سے ہی ایسے تھے پھر حضور علیہ السلام کو حکم ہوا کہ انھیں اسی حالت پر رہنے دیجئے۔

ف: ان دونوں فعلوں میں لام مقدر ہے جیسا کہ اس پر ذرھم دلالت کرتا ہے یا مجازاً امر کا جواب ہیں بایں معنیٰ کہ یہ دونوں امر کو متضمن ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انھیں نہ صرف اپنی حالت پر چھوڑیئے بلکہ انھیں حکم فرمایئے کہ دنیا و شہوات میں جتنا چاہو انہماک کر لو۔

وَيُلْهِهِمُ اور آپ کی فرمانبرداری یا آخرت کی استعداد سے انھیں غافل کر رہا ہے الْأَمَلُ ان کا لمبی عمریں پانا اور اپنے حالات میں برابر رہنا اور ان کا یہ وہم و گمان کرنا کہ وہ بھلائی میں ہیں۔ صائب نے فرمایا کہ: ؎

درسرایں غافلاں طول امل دانی کہ چیست
آشیاں کردست مارے در کبوتر خانہ

(ترجمہ: غافلوں کا لمبی آرزو سے دھوکا کھانا ایسے ہے جیسے کبوتر خانے میں سانپ گھس جائے۔)

ف: بحر العلوم میں ہے کہ آرزو میں پڑنا بھی اس امت کے لیے رحمت ہے اگر یہ نہ ہوتی تو ان کے بہت سے امور معطل ہو جاتے بلکہ زندگی دوبھر ہو جاتی اور کسی کام کو سرانجام نہ دے سکتے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما الامل رحمۃ اللہ لامتی — بیشک لمبی آرزو میری امت کے لیے اللہ تعالیٰ کی

---

[1] تفصیل فقیر کی کتاب احسن البیان میں دیکھیے ۱۲ اویسی غفرلہٗ
[2] ولکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون۔ اویسی غفرلہٗ

لولا الامل ما ارضعت ام ولدا ولا غرس غارس شجرا۔ (رواہ انس) رحمت ہے اگر یہ نہ ہوتی تو نہ کوئی ماں اپنے بچے کو دُودھ پلاتی اور نہ کوئی درخت بونے والا درخت بوتا۔

نکتہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر خرچہ میں ہر وقت اخلاص ضروری نہیں اور نہ ہوسکتا ہے۔ اور نہ ہر وقت متوجہ الی اللہ ہونا ضروری ہے اور نہ ہوا جا سکتا ہے اور ایسا ہونا بھی منجملہ رحمت ہے اور وہ صرف اسی امت کو نصیب ہوا۔ اس لیے کہ اگر ہر وقت ایسے ہو تو معاش کے جملہ امور میں خلل پڑ جائے۔ اسی لیے عرب کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ:

لولا الحمقی لخربت الدنیا۔ اگر احمق نہ ہوتے تو دنیا برباد ہو جاتی۔

اعجوبہ: بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ اگر تمام لوگ عقلمند ہوتے تو نہ ہمیں ٹھنڈا پانی نصیب ہوتا اور نہ تر کھجوریں نصیب ہوتیں۔ یعنی کھجور توڑنے کے لیے یا ٹھنڈا پانی حاصل کرنے کے لیے عقلمندوں سے کہا جائے کہ وہ لمبی لمبی کھجوروں پر چڑھیں یا کنواں کھودیں تو وہ اسے گوارہ نہیں کریں گے۔ (کذا فی الیواقیت)

ف: شرح الطریقہ میں لکھا ہے کہ الامل یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کا طول چاہے اس سے وہ خواہش رکھے کہ اس کی ہر مراد پُوری ہو غلط ہو یا صحیح۔ ایسی آرزو شرعاً مذموم ہے۔

ف: مذموم امل کے چار اسباب ہیں:

- طاعت میں سُستی کرنا یا اسے دنیوی امور میں ثانوی حیثیت دینا۔
- توبہ کا معاملہ کچھ نہ سمجھنا یا اسے بالکل چھوڑ دینا۔
- ذکر موت پر دل کا سخت ہونا۔
- دنیا جمع کرنے کی حرص کرنا۔ آخرت کے امور چھوڑ کر دنیوی امور میں منہمک ہو جانا۔

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ عنقریب اپنے بُرے اعمال کی سزا دیکھ کر معلوم کرلیں گے۔ اس میں وعید ہے کفّار کو بھی اور فسّاق کو بھی۔

تفسیر صُوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ذرهم یاکلوا ویتمتعوا ویلههم الامل اس میں تہدید ہے ان لوگوں کو جو اسلام کی حلاوت کا ذائقہ پا کر پھر اپنی گندی عادات میں لوٹ جاتے اور دنیوی شہوات میں سخت منہمک ہو جاتے ہیں اور دنیوی نقش و نگار میں خوش رہتے ہیں انھیں شہوات دنیا کے حصول اور دنیوی نعمتوں سے نفع پانے پر تہدید کرتے ہوئے فرمایا فسوف تعلمون انواع سعادات و کرامات اور درجات و قربات سے خسارہ پانے اور اور احوال سنیہ اور مقامات علیہ سے محروم ہو جانے اسی طرح کمینی دنیا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے دُوری اور ذلّت و خواری اور مہجوری مفارقت اور محرومی کی آگ کی سزا پانے کو عنقریب معلوم کرلیں گے۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَهْلَكْنَا یہاں یہ بتانا مطلوب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لیے تاقیامت تاخیر عذاب کیوں، اور اُنھیں دُوسری اُمتوں کے زمرہ میں کیوں داخل نہیں کیا گیا یعنی: یہ دوسری امتوں کو مہلت کے ساتھ عذاب میں مبتلا کیا گیا ویسے اِنھیں (امتِ محمدی) کیوں نہیں مبتلا کیا گیا۔ چنانچہ فرمایا اور ہم نے ہلاک نہیں کیا مِنْ قَرْيَةٍ عالمِ دُنیا کی بستیوں میں سے کسی بستی کو، اگر کسی کو زمین میں دھنسا کر، کسی کے مکینوں کو تباہ کر کے، جیسے بہت سی اُمتوں کے ساتھ ایسا ہوا کہ اس بستی کے مکین تباہ و برباد ہو گئے اور ساتھ بستیاں بھی مٹ گئیں یا صرف ان کے مکینوں کو ہلاک کر کے، جیسے بعض دُوسری اُمتوں سے ہوا کہ بستیاں تو محفوظ رہیں لیکن ان کے مکین ہلاک و فنا ہو گئے۔ اِلَّا وَلَهَا مگر حالانکہ ان کے متعلق كِتَابٌ میعاد مقرر جو لوحِ محفوظ میں مندرج تھی کہ جس کی رعایت ضروری اور لازمی ہوتی ہے اس میں تبدیلی کا امکان بھی نہیں ہوتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا اسی طرح ہوتا ہے جیسے ان کے لیے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا جاتا ہے مَعْلُومٌ معلوم ہے کہ اس سے نہ غفلت کی جا سکتی ہے اور نہ وہ بھول جا سکتی ہے۔ اس کے متعلق تقدم و تاخر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ترکیب نمبر ۱ کتاب مبتدا اس کی خبر ظرف (مقدم) ہے اور جملہ لفظ قریۃ سے حال ہے اس لیے کہ وہ عام ہے خصوصاً اس وقت جب اس پر مِن داخل ہوا تو وہ مؤکد ہو کر اور عام ہو گیا۔ اس معنے پر اس میں موصوفیت کا مفہوم نکلا تو جملہ حال ہوا اس میں صفت کا مفہوم ملحوظ ہے۔ اس کے متعلق پہلے بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے بستیوں میں کسی بستی کو کسی وقت بھی ہلاک نہیں کیا مگر اس کی ہلاکت کے لیے وقتِ مقرر لکھ دیا ہے کہ ہم اس وقت سے پہلے اسے ہلاک نہیں کریں گے۔ وقت سے پہلے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کی ہلاکت سے چشم پوشی کی جا رہی ہے یا اس کی تباہی سے بھول ہو گئی ہے۔ اس سے تقدم و تاخر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ترکیب نمبر ۲ یا یہ قریۃ مقدرہ کی صفت ہے پھر یہی لفظ قریۃ مذکورہ اسی قریۃ مقدرہ سے بدل بنے گا۔ یہی نحویوں کا مختار مذہب ہے۔ اس معنے پر یہ جملہ مذکورہ قریۃ کے لیے بمنزلہ صفت کے ہوگا۔ اب عبارت یوں ہوگی:
وما اھلکنا قریۃ من القریٰ الا قریۃ لھا کتاب معلوم۔

سوال: اگر اسے صفت بنایا جائے تو درمیان میں حرف واو (ولھا کتاب معلوم) کیسا۔

جواب: اگرچہ قیاساً اس واؤ کا نہ ہونا ضروری ہے لیکن اسے اس لیے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ان کا آپس میں قوی تعلق ہے اس لیے کہ واؤ میں جمع و ربط کا معنیٰ ہوتا ہے اور وہ گہرے تعلق پر دلالت کرتا ہے۔

مَا تَسْبِقُ ما نافیہ مِنْ زائدہ ہے اُمَّةٍ ہلاک ہونے والی امتوں سے کوئی اُمت اَجَلَهَا اپنی لکھی ہوئی تقدیر سے۔ یعنی کسی اُمت کی ہلاکت لکھی ہوئی تقدیر سے پہلے واقع نہیں ہو سکتی وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ اور نہ ہی وہ ہلاکت مقررہ سے مؤخر ہوں گے۔

سوال: ومایستاخرون کے بعد عنہ کا ہونا لازمی تھا لیکن اسے حذف کر دیا گیا ہے اس کی وجہ؟

جواب : چونکہ معنوی لحاظ سے اس کا محذوف ہونا معلوم ہوجاتا ہے اس لیے اس کے اظہار کی ضرورت نہ رہی اور محذوف اس لیے ہوا تاکہ آیات کے فواصل برابر رہیں۔

نکتہ : صیغہ مضارع لانے میں اشارہ ہے کہ کفار اگرچہ اپنی ہلاکت کا مطالبہ کریں تب بھی ان کے لیے ہلاکت محال ہے اس لئے کہ ان کی ہلاکت میعاد مقررہ سے پہلے واقع نہیں ہوسکتی۔

سوال : ولہا میں ضمیر مؤنث اور یستاخرون میں صیغہ جمع مذکر۔ یہ کیوں ؟

جواب : ولہا میں قریۃ کے لفظ کا اعتبار ہے اور یستاخرون میں اس کا معنیٰ یعنی اہل کا اعتبار ہے اور قریۃ کے اہل ذوی العقول جمع مذکر ہیں۔ عورتیں مردوں میں تبعًا کالمذکور ہوتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ماتسبق من امۃ اجلہا کوئی اُمت اپنی میعاد پر سبقت نہیں کرسکتی جب تک کہ ان سے وہ اسباب سرزد نہ ہوں جو ان کی ہلاکت اور تباہی کا موجب ہیں۔ یعنی جب وہ حقوق انسانی کو نفسانی وشہوانی امور سے ضائع کرتے ہیں تو تباہی و بربادی کا نشانہ بن جاتے ہیں وما یستاخرون یعنی جب ان کی تباہی و بربادی کے اسباب ان سے سرزد ہوتے ہیں تو ایک لحظہ بھی عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

طریقے بدست آر و صلحے بجوے
شفیعے بر انگیز و عذرے بگوے
کہ یک لحظہ صورت نہ بندد امان
چو پیمانہ پُر شد بدور زمان

(ترجمہ : اچھا طریقہ ہاتھ میں لے کر صلح تلاش کیجئے کوئی سفارشی بھی لے جا اور عذر معقول بھی پیش کرے پھر ایک لمحہ بھی مُہلت نہ ملے گی جب دورِ زمانہ نے گرفت کا منصوبہ بنایا۔)

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ نفس امارہ کے تزکیہ میں جدوجہد کرے اور اس کی گندی اور غلط صفات کو مٹانے کی کوشش کرے۔ اور اہل حق کو یہ تو معلوم ہے ہی کہ دُنیا ایک چھوٹی سی بستی ہے اور آخرت ایک بڑا شہر۔ اور یہ بستی (دنیا) آباد نہیں ہوسکتی جب تک اس پر سواد اعظم (مشایخ کرام) کی توجہ نہ ہو اس لیے کہ وہی ہر ایک کے جائے پناہ ہیں۔ ایسی جائے پناہ کی تلاش میں اگر کوئی سالک راستے ہی میں مرجائے تو بھی اسے اجر وثواب نصیب ہوگا اگرچہ دیر کے بعد۔ سالک پر لازم ہے کہ وہ قریۂ جسد کی تعمیر کے لیے کوشش کرے اور دُنیا کے ان مشاغل میں مشغول رہے جو تعمیر نفس میں مفید ہوں پھر فانی فی اللہ حضرات کی صحبت سے بھی اسے فنا فی اللہ و بقا باللہ کا مقام نصیب ہوجائے گا جب سب کو معلوم ہے کہ موت اپنے وقت پر آئے گی اور وہ کسی کو بھی معلوم نہیں (الا ماشاء اللہ) تو سالک پر لازم ہے کہ وہ اس کی تیاری میں ہر وقت لگا رہے بلکہ موت کو ہر وقت سامنے رکھے اُمیدیں نہ بڑھائے اچھے عمل کیلئے

کرشاں رہے سُستی و کاہلی دُور کرے تاکہ عبادت و طاعت میں فرق نہ آئے۔

ساماں سُو برس کا پل کی خبر نہیں حضرت ابُو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت اسامہ بن زید نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ایک لونڈی سو دینار میں خریدی تھی ایک ماہ کے ادھار پر۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اسامہ پر تعجب ہے کہ اس نے اتنی بڑی امید پر لونڈی خرید لی اسے کیا معلوم کہ وہ اس وقت تک زندہ بچ جائے گا۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میری آنکھ جب جھپکتی ہے اور اس کی اُوپر کی پلک جب اوپر اُٹھتی ہے تو مجھے امید نہیں ہوتی کہ وہ واپس آئے۔ اسی طرح جب میں لقمہ مُنہ میں ڈالتا ہُوں تو مجھے خبر نہیں ہوتی کہ اس لقمہ کو نگل بھی سکوں گا یا اس سے پہلے موت آجائے گی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدم زادو! یاد رکھو کہ اگر تمھیں عقل ہے تو تم اپنی جانوں کو موت کے لیے ہر وقت تیار رکھو۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تمھیں موت کا وعدہ دیا گیا ہے وہ لازماً آئے گی اور تم اسے روک نہیں سکتے۔

ف: حدیث شریف میں "وما انتم بمعجزین" آیا ہے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے کہ وُہ تم پر موت وارد نہ کرے۔ تمھارے لیے موت اور حساب و کتاب اور حشر و نشر کا وعدہ ہُوا ہے وہ لازماً پُورا ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَقَالُوْا اور مشرکینِ عرب اور کفارِ مکہ نے اپنی انتہائی سرکشی اور بہت بڑی گمراہی کے انہماک سے کہا۔

شانِ نزول بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت عبداللہ بن امیہ کے حق میں نازل ہُوئی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اے وُہ شخص کہ جس پر ذکر یعنی قرآن نازل ہوا ہے۔

سوال: کفار و مشرکین تو حضور علیہ السلام پر نزولِ قرآن کے قائل ہی نہیں تھے تو پھر یہاں اُن سے خطاب کیسا؟

جواب: کفار نے یہ خطاب حضور علیہ السلام کو علیٰ طریق تہکم یعنی ٹھٹھا مخول کے طور پر کیا ہے۔

اسی لیے آگے آپ کو مجنون سے تعبیر کیا ہے (معاذ اللہ) چنانچہ کہا اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ بیشک آپ مجنون ہیں (معاذ اللہ) اس سے ثابت ہُوا کہ اُنھوں نے یہ ندا بطور استہزاء کی تھی ورنہ ظاہر ہے کہ نزولِ قرآن کا اعتقاد اور آپ کو مجنون سمجھنے کا تصور جمع نہیں ہو سکتے۔

خلاصہ: اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے نبی علیہ السلام! آپ تو مجنونانہ گفت گو کرتے ہیں (معاذ اللہ) مثلاً کہتے ہیں کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اتارا ہے۔

ف: کاشفی نے کہا کہ کفار کا مطلب یہ تھا کہ اے نبی علیہ السلام! آپ مجنون ہی ہیں (معاذ اللہ) کہ ہم سے نقد چھین کر اُدھار کا سودا کرتے ہیں (ان کا نقد یہی تھا کہ بتوں کی پرستش کرتے اور دنیوی اسباب میں منہمک تھے اور حضور سرورِ عالم

صلی اللہ علیہ وسلم توحید کا درس دے کر سنوارنے کا حکم فرماتے)

ف: اس آیت کا جواب سورہ ن والقلم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا انت بنعمة ربك بمجنون۔ — اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجنون نہیں ہیں۔

کیونکہ آپ کو بہت بلند مرتبہ نبوت سے نوازا گیا ہے اور پھر عقل کا تو حساب ہی کیا کہ دُنیا کے عالم اور سفلی و علوی عقول آپ کے عقل پہ قربان)

جس کو ملا ان سے ملا اورشانِ ولایت و نبوت

فقیر (اسماعیل حقی) عرض کرتا ہے کہ جنون نقصان اور عیب ہے۔ اس نقص و عیب سے انبیاء اور کامل اولیا کا منزّہ ہونا ضروری ہے ایسے نقص و عیب ان کی طرف منسوب کرنا بھی ناروا ہے۔ وہ حضرات تو عقول وافہام کا مرکز و منبع ہوتے ہیں ان کی طرف نقص و عیب کی نسبت کیسی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ:

ولا عقل من العقول الا وهو مستفيض	دنیا کی کوئی عقل ایسی نہیں جو عقل اول سے فیض نہ
من العقل الاول وهو الروح المحمدی۔	پاتی ہو اور عقلِ اول سے روحِ محمدی مراد ہے۔

(ج ۳ ص ۴۴۴)

ف: جسے آخرت کے امور سے تعلق ہے وہ اسی عقل سے نوازا گیا ہے وُہ اس شخص کے نزدیک بے عقل ہے جو دنیوی امور میں منہمک ہو کر اپنے آپ کو عقیل و فہیم سمجھتا ہے اسی طرح اس کے برعکس کہ آخرت کے امور سے تعلق رکھنے والا دنیوی امور کے منہمک کو بے عقل سمجھتا ہے۔

جنونِ مقبول یعنی عشق

ہاں ایک جنون محبوبانِ خدا کے نزدیک مقبول و محبوب ہے وُہ جنون یہ ہے کہ بندہ عشق کی بندگی سے سرشار ہو۔ حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا:

جننا مثل مجنون بليلى

شغفنا حب جيران بسلمى

(ترجمہ: ہم لیلیٰ کے مجنوں جیسے مجنون ہیں ہمیں جیران وسلمیٰ جیسی محبت والفت ہے۔)

شرح البیت، یعنی ہم ازل تا ابد معشوق وجہ حق اور محبوب جمال مطلق کی محبت وعشق کے مجنون ہیں جیسے مجنوں ایک معشوق لیلیٰ مخلوق کے عشق میں مجنون سمجھا جاتا ہے اور وہ ایک محبوب جمال مقید کی محبت میں گرفتار تھا اور ہم محبوب جمال مطلق کے عشق میں مبتلا ہیں۔

حضرت صائب نے فرمایا:

روزن عالم غیبست دل اہلِ جنون

من وآن شہر کہ دیوانہ فراوان باشد

ترجمہ: حقیقی اہلِ جنون (اولیاء اللہ) کا دل عالم غیب کا دریچہ ہے ہم عوام (اولیاء کرام کے عشاق) اسی شہر عالم غیب کے مجنون اور دیوانے ہیں۔

تفسیر عالمانہ لَوْ مَا حرف تحضیض ہے بمعنے هَلَّا اور فارسی میں چرا یعنی کیوں تَأْتِيْنَا ہمارے ہاں نہیں لاتے بِالْمَلٰٓئِكَةِ باء تعدیہ کی ہے۔ فرشتوں کو جو تمہاری نبوت کی اور تبلیغ و انذار میں تمہاری معاونت کریں۔ یہ آیت لولا انزل علیہ ملك فیكون معه نذیرا کی طرح ہے۔ یعنی اس پر فرشتہ کیوں نہیں نازل ہوتا جو ان کے ساتھ ڈرانے والا ہو۔ یعنی اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ اپنی نبوت و رسالت کے معاملے میں سچے ہیں تو فرشتوں کو لائیے تاکہ وہ آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی دیں یا وہ فرشتے کرہمیں آپ کی تکذیب پر سخت عذاب میں مبتلا کریں جیسے پہلی اُمتوں کے ساتھ ہوتا تھا کہ جب وہ اُمتیں اپنے رُسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کرتیں تو فرشتے نازل ہو کر ان کو سخت عذاب میں مبتلا کرتے اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اگر آپ اپنے دعوئ رسالت میں سچے ہیں تو کیجئے جیسا ہمارا مطالبہ ہے۔ اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ میرا خدا تعالیٰ بڑی قدرت رکھتا ہے تو اسے کہو تمہیں اس کی ضرورت بھی کیا ہے کہ تم اپنا مشن کامیاب کرو۔ تو اسکی آسان صورت یہی ہے کہ تم ہمیں سخت سے سخت تر عذاب میں مبتلا کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ ہم فرشتوں کو حق کے موافق نازل کرتے ہیں یعنی جیسے ہماری حکمت کا تقاضا اور جس طرح سنۃ الٰہیہ کا اجرا ہوتا ہے تو فرشتے حق کے موافق ہو کر نازل ہوتے ہیں۔ باقی رہا کفار کے مطالبے کو پورا کرنا، یہ اس لیے ضروری نہیں کہ ان کا یہ مطالبہ مبنی برحقیقت نہیں بلکہ وہ تو بطورِ حقارت ایسا کہہ رہے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ اس لائق بھی نہیں کہ ان کا مطالبہ پورا کیا جائے اس لیے کہ مطالبہ اس کا پورا کیا جاتا ہے جس کی کچھ قدر و منزلت ہو اور یہ لوگ تو ہمارے ہاں ذرہ برابر وقعت نہیں رکھتے۔ قطع نظر اس کے مطالبہ پورا کرنے میں حکمت کا تقاضا بھی ضروری ہے اور ان کے مطالبے میں ہماری حکمت کا تقاضا بھی نہیں پھر کیوں خواہ مخواہ ہم ان کی بات پوری کریں۔ خلاصہ یہ کہ ہم نے سابقہ امتوں کی رُسل کرام علیہم السلام کی تکذیب پر جڑ کاٹ دی تھی۔ اگر ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اجراء تا قیامت کس طرح ہو گا وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ اِذًا جواب وجزا ہے شرط مقدر کی اذن مرکب ہے اِذ سے جو کہ اسم ہے بمعنے حِيْنَ اور اِنْ شرطیہ سے، ان دونوں کو آپس میں ملانے سے اِذًا ہو گیا پھر درمیانی ہمزہ کو بوجہ ثقالت حذف کر دیا گیا۔ حرف اِنْ شرطیہ دلالت کرتا ہے کہ اس کے بعد فعل مقدر ہے۔ یہ عبارت یوں تھی: وما كانوا اذا ان كان ما طلبوه منظرين یعنی مطالبہ کے بعد ان کو اگر مہلت نہ دی گئی تو انہیں فوراً عذاب میں مبتلا کیا جاتا۔ الانظار بمعنے التاخیر ہے یعنی مہلت دینا۔ یعنی اگر فرشتے نازل ہوں تو پھر انہیں آنکھ جھپکنے کی دیر بھی مہلت نہ ملے جیسے دوسری اُمم کا حال ہوا کہ جونہی انھوں نے رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کی اور ان سے استہزاء کیا تو فرشتے اُترے اور مکذبین کو سنبھلنے بھی نہ دیا آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی انہیں نیست و نابود کر دیا۔ اگرچہ یہ بھی اسی عذاب کے استحقاق میں کچھ کم نہیں لیکن چونکہ ہماری قضا و قدر کے قلم نے ان کے لیے قیامت تک عذاب کو مؤخر کر دیا ہے۔ اس لیے

اب انھیں عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم وارادہ میں ہے کہ انھیں مہلت دے کر ان کے عذاب میں اضافہ کرے' اور یہ اگر نہیں مانتے تو جائیں جہنم میں۔ لیکن ان کی اولاد میں بعض ایسے خوش بخت پیدا ہوں گے جنھیں دولتِ اسلام نصیب ہوگی۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ ما ننزل الملٰٓئکۃ الا بالحق کا مطلب یہ ہے کہ ہم فرشتوں کو وحی کے ذریعے حکم دیتے ہیں تو وہ اسی حکم سے عذابِ الٰہی لاتے ہیں یعنی فرشتے اصلی صورت میں تشریف لاکر ان پر عذابِ الٰہی نازل کرتے ہیں۔ جیسے ثمود کی قوم کے عذاب کے وقت جبریل علیہ السلام اصلی صورت میں نظر آئے تھے یا مرتے وقت ہر بندے کو فرشتوں کی اصلی صورت دکھائی دے گی۔ وماکانوا اذن یعنی ہم فرشتوں کو اصلی صورت میں زمین پر بھیجیں تو منظرین یہ مہلت دیلے گئے لوگوں سے نہیں ہوں گے۔ یعنی یہ کافر فرشتوں کی اصلی صورت دیکھتے ہی عذاب کی لپیٹ میں آجائیں گے۔

اِنَّا نَحْنُ بے شک ہم اپنی عظمت شان اور بلندیٔ درگاہ کے باوجود۔

ف : نَحْنُ فاصلہ کا نہیں اس لیے کہ فاصلہ کی ضمیر دو اسموں کے درمیان واقع ہوتی ہے اور یہ دو اسموں کے درمیان واقع نہیں بلکہ مبتدا ہے۔ (کذا فی الحواشی)

نَزَّلْنَا الذِّكْرَ ہم نے اسی ذکر (قرآن) کو نازل کیا جس کا وُہ انکار کرتے ہیں اور انھیں اس سے بھی انکار ہے کہ وہ آپ پر نازل ہوا۔ کیونکہ یہ لوگ تو آپ کو مجنون سمجھتے ہیں۔ (معاذاللہ)

نکتہ : کفار نے نزل علیہ الذکر میں فاعل کا ذکر نہیں کیا بلکہ اسے عام فاعل کی حیثیت سے فعل مجہول استعمال کیا۔ ان کا اس سے ارادہ یہ تھا کہ یہ ایک ایسا فعل ہے جس کا نہ کوئی مصدر ہے نہ فاعل۔

نکتہ : کاشفی نے فرمایا کہ قرآن مجید کو ذکر سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ کتاب بہت شرافت والی ہے اس لیے کہ کبھی ذکر بمعنے شرافت آتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ جو بھی قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اسے دُنیا و آخرت کی شرافت اور بزرگی نصیب ہوگی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : بل اٰتیناھم بذکر بلکہ ہم نے انھیں ذکر کی وجہ سے دیا۔ یعنی قرآن مجید میں ہی ان کی عزت و شرافت ہے۔

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ اور ہم ہی ہر وقت اس کی حفاظت کریں گے کہ طعن بازوں کی طعنہ زنی اور اس کی حقانیت میں جھگڑنے والے کے جھگڑے اور اس کی تکذیب کرنے والے کی تکذیب اور استہزاء کرنے والے کے استہزاء اور تحریف و تبدیل اور زیادۃ و نقصان وغیرہ سے اس کی حفاظت کریں گے۔

ف : تبیان میں ہے کہ ہم قرآن مجید کی شیاطین کے وساوس اور ان کے غلط ملط کرنے سے حفاظت کریں گے۔ یعنی شیطان کو ہمت نہ ہوسکے گی کہ اس میں کچھ باطل اضافہ کرے یا اس کے حق سے کچھ کمی کرے۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے لیے ہماری خصوصی نگرانی ہوگی اگرچہ انسان اس میں تحریف و تبدیل کی قدرت رکھتے بھی ہوں گے لیکن اس میں تحریف و تبدیل نہیں کرسکیں گے جیسے توراۃ و انجیل وغیرہ میں کی گئی۔ فلہٰذا اللہ تعالیٰ ان کے

ارادوں کو اس کی تحریف و تبدیل سے پھیر دے گا۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم قرآن مجید کی حفاظت کریں گے بایں معنی کہ علماء کرام کو اس کی خدمت پر لگا دیں گے کہ اس کے ہر فن پر مستقل تصانیف لکھیں گے۔ مثلاً تفاسیر اور فن قرأت وغیرہ وغیرہ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ مصطفےٰ را وعدہ کرد الطاف حق
گر بمیری تو نمیرد این سبق

۲ من کتاب معجزت را رافعم
بیش و کم کُن را ز قرآن مانعم

۳ من ترا اندر اندر دو عالم حافظم
طاعنانرا از حدیثت دافعم

۴ کس نتاند بیش و کم کردن درو
تو بہ از من حافظے دیگر مجو

۵ رونقت را روز روز افزون کنم
نام تو بر زر و بر نقرہ زنم

۶ منبر و محراب سازم بہر تو
در محبت قہر من شد قہر تو

۷ چاکرانت شہرہا گیرند و جاہ
دین تو گیرد ز ماہے تا بماہ

۸ تا قیامت باقیش داریم ما
تو مترس از نسخ دین اے مصطفےٰ

(ترجمہ : ۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے الطاف حق نے وعدہ کیا کہ اگرچہ آپ کا وصال ہوگا لیکن یہ سبق یعنی قرآن زندہ و پائندہ رہے گا۔

۲۔ میں معجزات کی کتاب کو بلند کرنے والا ہوں قرآن کی کمی و بیشی سے میں خود مانع ہوں۔

۳۔ میں آپ کا دونوں جہانوں کا محافظ ہوں میں طعن و تشنیع کرنے والوں کی طعن و تشنیع دفع کرنیوالا ہوں۔

۴۔ اس میں کمی و بیشی کرنے کی کسی کو طاقت ہی نہیں مجھ سے بڑھ کر اس کا اور کوئی محافظ نہیں ہوگا۔

۵۔ آپ کی رونق کو بلند و بالا کرے گا۔ آپ کا نام زر و سیم سے کندہ کرواؤں گا۔

۶۔ محراب و منبر کو آپ کے لیے سنواروں گا آپ کی محبت میری محبت، آپ کا غضب میرا غضب ہے۔

۷۔ آپ کے غلاموں کو بین الاقوامی شہرت ہوگی اور آپ کا دین ہمہ گیر ہوگا۔

۸۔ قیامت تک آپ کا دین باقی رہے گا اے محبوب! آپ اپنے دین کے نسخ کا خوف نہ کریں۔)

مجدّدِ دین کی پہچان ـــــ حدیث شریف

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ [رواہ ابوداؤد فی سننہ۔]

اللہ تعالیٰ ہر صدی کی ابتداء میں ایک ایسا بندہ مبعوث فرمائے گا جو دین کی تجدید فرمائے گا۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ جب تک قرآن مجید اس عالمِ دنیا میں موجود رہے گا اس وقت تک قرآن مجید کے ماہرین علماء، مفسرین، محدثین، فقہاء اور قُرّاء و حُفّاظ پیدا ہوتے رہیں گے۔

حدیث شریف

مروی ہے کہ:

انہ یرفع القراٰن فی اٰخر الزمان من المصاحف فیصبح الناس فاذا الورق ابیض یلوح لیس فیہ حرف ثم ینسخ القراٰن من القلوب فلا یذکر منہ کلمۃ ثم یرجع الناس الی الاشعار والاغانی واخبار الجاھلیۃ۔ [کما فی فصل الخطاب]

آخری زمانے یعنی قُربِ قیامت میں قرآن مجید مصاحف سے اٹھالیا جائے گا جب قرآن مجید کے حروف اٹھالیے جائیں گے اور لوگ اپنے قرآن مجید کے اوراق کو دیکھیں گے تو وہ صرف کاغذ ہی ہوں گے ان سے حروف منقوش مٹے ہوں گے۔ پھر لوگوں کے دلوں سے قرآن مجید اٹھالیا جائے گا۔ اس کے بعد انہیں قرآن مجید کا ایک حرف بھی یاد نہ رہے گا اس وقت لوگ زمانۂ جاہلیت کے اشعار، غزلیات اور دنیوی اخبارات کے خوگر ہو جائیں گے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ و معانی سے تمسک کرے اور ان کی پوری نگہداشت کرے کیونکہ نجات اسی میں ہے۔

فضیلت حفظ القرآن ـــــ حدیث شریف

حدیث شریف میں ہے کہ،

من استظھر القراٰن خفف عن والدیہ العذاب وان کانا

جو شخص قرآن مجید حفظ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے والدین کے عذاب میں تخفیف فرماتا ہے اگرچہ وہ

مشرکین۔ — مشرک ہی ہوں۔)

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ (حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)؛

اقرأوا القرآن واستظهروه — قرآن مجید پڑھو اور اسے حفظ کرو اس لیے کہ

فان اللہ لا یعذب قلبا وعی القرآن۔ — اللہ تعالیٰ اس شخص کو عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا جس کے دل میں قرآن مجید محفوظ ہوا۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ (حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)؛

لو جعل القرآن فی اھاب ثم القی فی النار ما احترق۔ — اگر قرآن مجید کو ایک چمڑے میں بند کرکے اسے آگ میں ڈالا جائے تو آگ اسے نہیں جلائے گی۔

یعنی جسے اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے حفظ کی دولت سے نوازتا ہے وہ جہنم کی آگ سے محفوظ ہو جائے گا۔

حکایت حافظ فرزدق شاعر فرزدق سے پوچھا گیا کہ جریر تیری ہجو کرتے ہوئے تجھے بیڑی (لوہے کی زنجیر جو پاؤں میں ڈالی جاتی ہے) سے کیوں عار دلاتا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ صحیح کہتا ہے۔ اس لیے کہ ایک دن میرے والد گرامی نے مجھے اپنی معیت میں کہیں لے جانے کا حکم فرمایا۔ جب وہ روانہ ہوئے تو میں ان کے ساتھ ہو لیا۔ ہم ایک مقام پر پہنچے جہاں ایک بزرگ تنہائی میں بیٹھے تھے۔ میرے والد صاحب نے جونہی انھیں دیکھا تو نہایت عاجزانہ ومنکسرانہ صورت اختیار کر لی اور ان کے قریب پہنچ کر سلام عرض کیا لیکن اُنھوں نے ذرہ برابر بھی توجہ نہ فرمائی۔ میرے والد گرامی نے دوبارہ نہایت خشوع وخضوع اور عجز وانکسار سے دوبارہ سلام عرض کیا تو اس بزرگ نے معمولی سا متوجہ ہو کر سلام کا جواب دیا۔ میرے والد ماجد نے پہلے سے کہیں زیادہ عجز ونیاز کے ساتھ عرض کی کہ میرا یہ لڑکا (فرزدق) شاعر ہے اور بڑے بہترین قصائد لکھتا ہے۔ اس بزرگ نے بڑی لاپرواہی اور بے اعتنائی سے میرے والد گرامی کو صرف اتنا فرمایا کہ اپنے بیٹے سے فرمائیے کہ وہ قرآن مجید پڑھے بلکہ اسے حفظ کرلے۔[1]

در قیامت نرسد شعر بفریاد کسے
کہ سراسر سخنش حکمت یونان گردد

(ترجمہ: قیامت میں اسے اشعار کوئی فائدہ نہیں دیں گے اس لیے کہ اشعار تو صرف حکمتِ یونان سے ہیں اور بس۔)

حکایتِ دیگر مولانا سیف الدین المناری (رحمہ اللہ تعالیٰ) جو اپنے زمانے کے بہت بڑے مایۂ ناز عالم دین تھے نے فرمایا کہ

---

[1] اس کا بقایا آگے آتا ہے ۱۲

میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے سخن کی عالمِ دنیا میں دھاک بیٹھی ہوئی تھی، بولتا تو معلوم ہوتا کہ شیر گرج رہا ہے۔ لیکن جب فوت ہوا تو اس کی آواز اتنی لپست تھی کہ کان لگانے سے بھی اچھی طرح سنائی نہ دیتی تھی کیونکہ اس کا وہ دنیوی کلام کسبی تھا اور بہ تکلف اس نے تیار کیا تھا۔ ایسا کلام جب بڑھاپے اور امراض کے حملوں سے سست اور بیکار ہو جاتا ہے تو پھر مفارقتِ روح یعنی نزع کی تکلیف کب برداشت ہو سکتی ہے۔

فرزدق کے واقعہ کا بقایا حصہ

(فرزدق کہتا ہے کہ اس بزرگ سے اتنا سُن کر) میرے والدِ گرامی لوٹے تو راستے میں مَیں نے عرض کی: اباجان! آپ نے کمال کر دیا اتنے قابل ہونے کے باوجود آپ ایسے کمزور انسان کے پاس کیوں گئے؛ پھر ان کی لاپرواہی کا بھی کمال ہے کہ آپ کے سلام کا جواب تک دینا گوارا نہ کیا اور آپ کے عجز و انکسار کے باوجود معمولی توجہ نہ فرمائی۔ والدِ گرامی نے فرمایا: بیٹے! تجھے کیا معلوم وہ کون تھے۔ میں نے عرض کی: بتائیے وہ کون تھے؛ والدِ گرامی نے فرمایا: یہی تو تھے حضرت علی المرتضٰی شیرِ خدا کرّم اللہ وجہہٗ۔ میں نے عرض کی: انہوں نے مجھے حفظِ قرآن کا حکم فرمایا ہے تو اب میں جب تک قرآن مجید یاد نہ کر لوں کوئی دُوسرا کام نہ کروں گا چنانچہ میں نے اپنے پاؤں میں بیڑی ڈال لی اور تہیہ کر لیا کہ جب تک قرآن مجید یاد نہ کر لُوں اس وقت تک اپنے پاؤں سے بیڑی نہیں ہٹاؤں گا۔ بحمدہٖ تعالیٰ ایسے ہی ہُوا کہ میں نے اپنے پاؤں سے بیڑی اس وقت ہٹائی جب مجھے قرآن مجید مکمل یاد ہو گیا۔

سبق: غور فرمائیے کہ یہ لوگ اتنی شہرت کے مالک ہونے کے باوجود قرآن مجید کے حفظ اور اس کی تلاوت میں کس قدر اہتمام فرماتے۔

حکایت امام زفر

حضرت امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ اپنے وصال سے دو سال قبل قرآن مجید کی تعلیم اور تلاوت میں مشغول ہوئے، باقی تمام معاملات ترک کر دیے۔ اسی اثناء میں آپ کا وصال ہو گیا۔ کسی نے آپ سے موت کے بعد خواب میں پُوچھا: حضرت! کیسے گزری؛ فرمایا: اگر زفر کو یہ دو سال نصیب نہ ہوتے تو زفر مارا جاتا۔

عجیب تفسیر

کاشفی نے لکھا کہ آیت میں لہٗ کا مرجع حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم اپنے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے نگہبان ہیں۔ اس معنے کی تائید واللہ یعصمک من الناس سے بھی ہوتی ہے۔

گر ہمہ جہانم خصم گردند
نترسم چو نگہدارم تو باشی
ز شادی در ہمہ عالم نگنجم
اگر یک لحظہ غمخوارم تو باشی

(ترجمہ: اگر سارا جہان میرا دشمن ہو جائے مجھے کسی کا خوف نہیں جبکہ تم میرے نگہبان ہو۔ ہر

حالت میں مَیں پُرمسرت رہتا ہوں جبکہ ایک لحظہ بھر آپ میری غمخواری کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیہ انا نحن نزلنا الذکر (ہم نے ذکر اہل ایمان کے قلوب میں نازل فرمایا) میں اشارہ ہے کہ ذکر سے لا الہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) مراد ہے۔ چنانچہ آیت:

اولئک کتب فی قلوبھم الایمان۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے قلوب پر ہم نے ایمان لکھا۔

اور آیت:

ھوالذی انزل السکینۃ فی قلوب المومنین۔ اللہ وہ ہے جس نے اہلِ ایمان کے قلوب پر سکینہ نازل فرمائی۔

سے تائید ہوتی ہے کہ جب منافق لا الہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) کہتا ہے تو نہ اس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتا ہے نہ اس کے دل پر یہ کلمہ اثر کرتا ہے اسی لیے وہ ایمان حقیقی سے کورا رہتا ہے۔ و انا لہ لحٰفظون اور ہم اہل ایمان کے قلوب کی حفاظت کرتے ہیں اور یہ صحیح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے قلوب میں ذکر محفوظ نہ فرمائے تو مومن اسے محفوظ نہ کر سکے کیونکہ مومن تو فطرۃً نسیان کا مارا ہوا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اور بیشک ہم نے رسل کرام کو بھیجا۔ اگرچہ رسل کرام لفظوں میں مذکور نہیں لیکن مابعد کے قرینہ سے گویا وہ مذکور ہیں۔ مِنْ قَبْلِكَ یہ ارسلنا کے متعلق ہے یعنی آپ سے پہلے فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ پہلے لوگوں میں۔ شِیَع، شیعۃ کی جمع ہے بمعنے الفرقۃ المتفقۃ علی طریقۃ و مذھب یعنی وہ گروہ جو ایک ہی طریقہ اور مذہب پر متفق ہو۔ اور وہ اس سے اس لیے موسوم ہے کہ شیعۃ کا حقیقی معنیٰ ہے تابعداری۔ چونکہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے تابعدار ہوتے ہیں اس لیے انھیں شیعہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اہلِ عرب کہتے ہیں: شایعہ ای تابعہ۔ یعنی فلاں شخص فلاں کے تابع ہُوا۔ اور ان (فرقہ روافض) کو شیعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی اتباع کے مدعی ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ امام (خلیفہ بلافصل) ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ امامت (خلافت) صرف ان کا یا ان کی اولاد کا حق ہے اور بس۔

قاعدہ: شیع کی الاولین کی اضافت اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے۔ یہ فراء کا مذہب ہے۔ اس کے نزدیک عبارت دراصل فی الشیع الاولین تھا اور بصریین کہتے ہیں کہ یہاں مضاف موصوف محذوف ہے۔ یہ دراصل فی شیع الامم الاولین تھا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے پہلی اُمتوں میں رسول بھیجا اور ہر اُمت کا علیٰحدہ علیٰحدہ رسول تھا تاکہ وہ اُمتیں اپنے اپنے رسول کی تابعداری کریں۔

وَمَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اور نہیں آیا ان اُمتوں میں کسی ایک کے ہاں ایک مخصوص رسول اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ مگر تھے وہ ان کے ساتھ استہزاء کرتے، جیسے کفارِ مکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزاء کرتے ہیں۔

مسئلہ: آیت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ان جاہل کافروں کی

باتوں سے ملال نہ کیجئے اس لیے کہ ہمیشہ جہاں حضرات انبیاء علیہم السلام سے استہزا کرتے آئے ہیں۔

قاعدہ : یہ جملہ محلاً منصوب' یا تیھم کے مفعول کی ضمیر سے حال مقدرہ ہے۔ یہ اس وقت ہے جب اتیان سے حدوث مقصود ہو۔ یا یہ جملہ محلاً مرفوع 'رسول کی صفت ہے۔ اس لیے کہ رسول دراصل مرفوع فاعل ہے کہ ما یاتی کا فاعل ہے۔

کَذٰلِکَ یعنی قلوب اولین میں استہزاء داخل کرنے کی طرح نَسْلُکُہٗ ہم اسی ادخال کو داخل کرتے ہیں۔

حلِ لغات : السلك بمعنے ایک شے دُوسری میں داخل کرنا۔ جیسے تاگہ سوئی میں داخل کرنا اور تیر کو تیر خوردہ میں پیوست کرنا۔

فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ مجرمین کے دل میں۔ یعنی استہزاء ان کے قلوب میں پیدا کرتا اور سنوارتا ہے۔ المجرمین سے کفارِ مکہ اور ان کے وہ ساتھی مراد ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے استہزاء و تکذیب میں ان کے تابع ہوئے۔

لَا یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وہ قرآن مجید پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اور یہ جملہ سابقہ کا بیان ہے۔

ف : مولانا ابوالسعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اس سابق کلام کی طرف اشارہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کفار جب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ استہزا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی تسلی دے دیتا تھا۔ اس معنے پر نسلکہ اور بہ کی ضمیر کا مرجع الذکر ہوگا اور لا یؤمنون نسلکہ کی ضمیر سے حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جو رُسل کرام علیہم السلام سے استہزاء کرتے تھے ان کے دلوں میں بھی ہم نے داخل کیا اور اہل مکہ کے دلوں میں بھی استہزاء کا تصور ڈالتے ہیں۔ یا اس سے مطلق مجرمین مراد ہیں۔ جب ان کے دل میں استہزاء کا تصور داخل ہو جاتا تو وہ اپنے نبی علیہ السلام کی تکذیب کرتے۔ جیسے یہ لوگ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سنتے تھے باوجودیکہ قرآن مجید ان کے قلوب میں اتر جاتا لیکن ایمان نہ لاتے اس لئے کہ ان میں قبولِ حق کی استعداد نہیں تھی کیونکہ وہ ازلی محروم القسمت اور رسوائے زمانہ تھے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

کسے را کہ پندار در سر بود

مپندار ہرگز کہ حق بشنود

ز علمش ملال آید از وعظ ننگ

شقائق بباراں نروید ز سنگ

(ترجمہ : جس کے سر میں باطل ہو اس کے متعلق یہ خیال بھی نہ کریں کہ وہ حق سُنے گا۔ اسے تو اپنے علم سے عار اور وعظ سے شرم آئے گی۔ اور ظاہر ہے کہ شقائق (پھول) پتھر سے پیدا نہیں ہو سکتا)

ف : حضرت سعدی مفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اعلانِ نبوت کرتے ہی انھوں نے تکذیب شروع کر دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فلما جاءھم ما عرفوا کفر ...

یعنی نبوت کا اعلان ہوتے ہی انہوں نے بلا توقف بغیر سوچے سمجھے آپ کی تکذیب کر دی۔ اس معنے پر اسے حال مقدرہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ جیسے طیبی نے اسے حال مقدرہ بنایا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نسلکہ یعنی کفر کو داخل کرتے ہیں فی قلوب المجرمین لا یؤمنون مجرمین کے دلوں میں اس کے بعد وہ اپنے اس جرم کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جرم کی وجہ سے کفار کے دل میں کفر داخل ہوتا ہے۔ جیسے عمل صالح سے مومنین کے دلوں میں ایمان داخل ہوتا ہے۔ اس معنے کی نظیر قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے وہ یہ کہ،

بل طبع اللّٰہ بکفرھم فلا یومنون الا قلیلاً۔

یعنی ان کے دلوں پر مُہر ہے ان میں سے بہت تھوڑے ایمان لائیں گے۔

تفسیر عالمانہ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اور بیشک پہلے لوگوں کا طریقہ گزرا ہے۔ یعنی پہلے سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکذبین کو ہلاک و تباہ کرتا رہا ہے۔ ان لوگوں میں جتنے تباہ و برباد ہوئے صرف اسی لیے کہ انہوں نے رسل کرام علیہم السلام کے ساتھ استہزاء کیا اور ان کی تکذیب کی۔

مسئلہ: اس میں اہلِ مکہ کو استہزاء و تکذیب پر وعید سنائی گئی ہے ؎

نہ ہرگز شنیدم دریں عمر خویش
کہ بد مرد را نیکی آمد بہ پیش

(ترجمہ: ہم نے کبھی نہیں سُنا کہ بُرے مرد کو بھلائی نصیب ہو۔)

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اور ان بدبختوں پر جو عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ اگر ہم کوئی دروازہ کھول دیں۔ اس سے مطلقاً کوئی دروازہ مراد ہے نہ کہ خاص۔ گویا کہا گیا کہ ہم ان کے لیے اگر آسمان پر چڑھنا آسان کر دیں فَظَلُّوْا بحر العلوم میں لکھا ہے کہ الظلول بمعنے الصیرورۃ ہے۔ جیسا کہ قاعدہ ہے کہ اکثر افعال ناقصہ صیرورۃ کے معنے میں مستعمل ہیں اب ظلوا بمعنے صاروا ہوگا۔ یعنی پس وہ ہو جائیں فِيْهِ اسی دروازہ میں يَعْرُجُوْنَ چڑھنے والے آلہ کے بغیر، پھر آسمان کے عجائبات اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ انہیں فرشتے آسمان پر لے جائیں تاکہ وہ پہنچ کر آسمانوں کے عجائبات کا مشاہدہ کریں۔

قاعدہ: ظل جب کسی فعل پر داخل ہو تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے کہ وہ فعل دن میں ہوا اس میں رات مراد نہیں ہوتی۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ انہیں ملائکہ آسمان پر لے جائیں تاکہ وہاں کے عجائبات صاف اور واضح طور پر دیکھیں جیسے دن میں کسی شے کو کھلا اور واضح طور پر دیکھا جاتا ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ وہ لوگ آسمانوں پر جا کر فرشتوں کو اوپر جاتے اور نیچے اترتے ہوئے صاف اور واضح طور پر دیکھیں۔

لَقَالُوْٓا اپنے انتہائی عناد اور نہایت وہم و گمان میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کہیں گے اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بیشک ہماری آنکھوں پر جادو کیا گیا ہے یعنی ان سے رویت کا احساس مٹا دیا گیا ہے۔ ان کا خیال ہوگا کہ یہ صورتیں جب عالمِ وجود میں ہیں نہیں تو ہمیں جو کچھ نظر آتا ہے وہم و خیال ہے یا ہم پر جادو ہوا ہے۔

حل لغات: قاموس میں لکھا ہے کہ سکرت ابصارنا' ای جست عن النظر وحیرت او غطیت وغشیت۔ یعنی ہماری آنکھیں دیکھنے سے روکی گئیں اور تحیر میں ڈالی گئیں یا کسی شے سے ڈھانپی گئی ہیں یا ان پر پردہ ڈالا گیا ہے۔

اور تہذیب المصادر میں ہے السکر بمعنے بندبستن یعنی پٹی باندھ دینا۔ اسی لیے کاشفی نے یہی معنٰی کیا ہے کہ کافر کہیں گے ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ کر ان کے دیکھنے سے اندھا بنا دیا گیا ہے۔

بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ بلکہ ہم لوگ جادو کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی ہمارے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جادو کیا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے وہ معجزہ دیکھ کر کہا کرتے تھے سحر مستمر۔ خلاصہ کلام یہ کہ اگر ان کا مطالبہ پورا کر دیا جائے تو بھی اپنی انتہائی سرکشی اور انکار و جحود کی وجہ سے خواہ مخواہ انکار کریں گے۔ کذا فی الحواشی

ف: حصر کے دو حرف لگا کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ اپنی بدبختی میں ایسے مقام پر پہنچ چکے تھے کہ جو شے بھی انہیں نبوت کے واسطے سے دکھائی جاتی اس کی کوئی حقیقت نہ سمجھتے اور اسے محض جادو سمجھتے اور بس۔

ف: حصر ابصار میں ہوگی نہ کہ تسکیر (سُکّرت) میں۔ گویا وہ کہتے کہ جادو صرف ہماری آنکھوں پر اثر انداز ہوا ہے ورنہ ہمارے عقول تو بحال ہیں۔ اگرچہ ہماری آنکھوں پر جادو کا اثر ہے لیکن پھر بھی ہم ان باتوں کو سمجھتے ہیں جو تم ہمیں دکھا رہے ہو۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں اگر ہے تو حقانیت کے برعکس ہے۔ پہلے جملے میں ابصار کی حصر کے قائل رہے لیکن بل نحن کہہ کر ظاہر کرتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جادو آسنا دی اثر ہے کہ وہ عقول پر بھی چل گیا ہے ؎

اے رسول ما تو جادو نیستی
آنچنانکہ ہیچ مجنوں نیستی

(ترجمہ: اے رسول پاک! آپ جادوگر نہیں۔ ایسا نہیں کہ آپ کو جادوگر کہا جا سکے)

ف: جادو بھی خرقِ عادت کے طور پر واقع ہوتا ہے لیکن ہر وہ خرقِ عادت جو اولیاء کرام سے واقع ہو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ یعنی اصل فطرت کے اعتبار سے اصحاب نفوس قویہ سے بھی کبھی خرقِ عادت کا صدور ہوتا ہے۔ یہ دو قسم ہیں:

① طبعاً خیر و برکت کا حامل

② شریر

طبعاً خیر و برکت کا حامل اگر مقام ولایت پر پہنچا ہو تو وہ ولی ہے۔ جو مقام ولایت پہ نہ پہنچیں وہ مومنین صالحین ہوتے ہیں۔ دوسرا شریر' وہ خبیث جادوگر ہوتا ہے۔

ان ہر دو میں عالمِ شہادت میں تصرف کے مجاز ہوتے ہیں۔ جس قدر اسباب مہیا ہوتے ہیں اسی قدر تصرف کا صدور ہوتا ہے اگر انھیں مکمل اسباب میسر ہوں تو عالمِ شہادت پر پورا تصرف رکھتے ہیں جیسے فرعون کے جادوگروں کو حاصل تھا۔ اگر اسباب قلیل ہوں تو جادو کا ظہور بھی کم حیثیت سے صادر ہوتا ہے۔

ف : جادو کو بقا نہیں ہوتی بخلاف معجزہ کے کہ وہ دائمی اور باقی رہتا ہے[1] جیسے قرآن مجید ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اور بفضلہ تعالیٰ تا قیامت باقی رہے گا۔

ف : جادو کو معارضہ کے طور منایا جاسکتا ہے لیکن معجزہ کی کوئی شے معارضہ نہیں کرسکتی۔

ف : جادو، کہانت، رمل، جفر اور اسی طرح کے دیگر طلسمات فاسق و فاجر سے صادر ہوتے ہیں بخلاف معجزہ کے کہ اس کے لیے فسق و فجور کا نہ ہونا لازمی اور ضروری ہے۔

مسئلہ : رمل اور دیگر حسابِ نجوم وغیرہ سے عوض لینا حرام ہے۔ کما فی فتح القریب

ف : الشیخ صلاح الدین الصفدی کتاب اختلاف الائمہ میں رقمطراز ہیں کہ جادو بھی ایک منتر ہے۔ اسی طرح اور ٹوٹکے جو لوگوں میں رائج ہیں کہ ابدان و قلوب پر اثر ڈال کر انھیں بیمار یا قتل کر دیتے ہیں یا عورتوں کو طلاق دلوا دیتے ہیں یہ حق ہے یعنی خارج میں ان کا وجود ہے۔ یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نہ کوئی ان کی حقیقت ہے اور نہ ہی ابدان و قلوب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جعفر استرآبادی رحمہ اللہ شافعی المذہب بھی اسی طرح فرماتے ہیں۔

مسئلہ : مذکورہ بالا فنون کا سیکھنا حرام ہے۔ اسی پر تمام علماء کا اجماع ہے۔

مسئلہ : کہانت، شعبدہ، نجوم اور دیگر حساب و کتاب کا سیکھنا بھی حرام ہے۔

مسئلہ : مرگی والے پر اس ارادے سے جھاڑ پھونک کرنا کہ اسے جن نے پکڑا ہے اور وہ اس جھاڑ پھونک سے بھاگ جائے گا یا وہ اس کے قابو میں آجائے گا یہ خیال غلط ہے۔ یہ بھی منجملہ جادو کی اقسام میں سے ہے۔

مسئلہ : حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا۔

مسئلہ : حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ اگر کوئی اپنی عورت سے کچھ فقدے کر اپنا علاج کرائے جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ شرعاً کسی کو نقصان پہنچانا حرام ہے۔ جب کوئی کسی کو فائدہ پہنچائے تو اسے فائدہ پہنچانا چاہیے۔ چونکہ اس سے اس کا اپنا فائدہ ہے اس لیے جائز ہے۔

مسئلہ : اگر کوئی جادو کو مستقل طور پر موثر مانتا ہے تو وہ مشرک ہے۔ اسی طرح فال، کہانت اور جادو کو مستقل طور موثر سمجھنا کفر ہے اسی طرح جس کے لیے کہانت کی جائے یا فال نکالی جائے یا جادو کیا جائے وہ بھی کافر ہے اگرچہ وہ ان امور کو مستقل طور پر مانتا ہو۔

---

[1] اس سے وہابیوں دیوبندیوں کا رد ہوگیا وہ کہا کرتے ہیں کہ معجزہ وقتی طور پر ہوتا ہے اور بس۔

اسی طرح ان امور کے حق عقیدہ رکھنے والے کی تصدیق کرنے والا بھی کافر ہے۔ اگر عقیدہ نہیں رکھتا لیکن ان کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ کافر تو نہیں لیکن فاسق ضرور ہے اور وہ بندہ حرام فعل کا مرتکب سمجھا جائے گا۔

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیس منا من تطیر او تطیر لہ او تکہن او تکہن لہٗ او سحر او سحر لہ۔

وہ ہم سے نہیں جو فال نکالتا ہے یا اس کے لیے فال نکالی جاتی ہے یا کہانت کرتا ہے یا اس کے لیے کہانت کی جاتی ہے یا جادو کرتا ہے یا اس کے لیے جادو کیا جاتا ہے۔

ف: اس حدیث شریف سے بھی یہی مراد ہے کہ اگر وہ ان امور کو مستقل طور موثر سمجھتا ہے تو وہ خارج از اسلام ہے۔ اگر وہ ان امور کو مستقل طور موثر تو نہیں سمجھتا لیکن ان کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ فاسق و فاجر ہے۔ اب لیس منا کا معنیٰ ہوگا کہ وہ ہماری سنت کے خلاف کرتا ہے اور سنت کے خلاف کرنے والا فاسق و فاجر ہوتا ہے۔ اس لیے لیس منا کا معنیٰ فقہاء کرام نے لیس من اھل سنتنا و عامل طریقتنا و مستحق شفاعتنا کیا ہے۔ یعنی ایسا بندہ اہلسنت نہیں اور نہ ہی ہماری طریقت پر ہے اور نہ ہی وہ ہماری شفاعت کا مستحق ہے۔

مسئلہ: تعویذ گلے میں ڈالنا جائز[1] ہے اس لیے کہ تعویذ ایک دعا مجرب کا نام ہے اس میں آیات قرآنی ہوتی ہیں یا اس میں بعض اسماء الٰہیہ لکھے جاتے ہیں۔ اور ان سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ بلا[2] ٹل جائے۔

مسئلہ: ایسے تعویذ کے لیے ہدایت کر دی جائے کہ قضائے حاجت (یعنی پیشاب اور پاخانہ) کے وقت اور عورت سے جماع کرتے وقت اتار دے۔ کذا فی التاتارخانیہ

مسئلہ: بعض فقہاء فرماتے ہیں:

تعویذ کو ان اوقات میں بھی اتارنا ضروری نہیں اس لیے کہ وہ تعویذ کسی شے (کپڑے، چمڑے، چاندی وغیرہ) سے پوشیدہ ہوتا ہے لیکن اتارنا افضل ہے۔

کذا فی شرح الکردی علی الطریقۃ

---

[1] غیر مقلدین وہابیہ اور مودودی وغیرہ اس کے مخالف ہیں ۱۲

[2] اگرچہ دافع البلاء اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن مفسر نے تعویذ کو دافع البلاء کہا ہے۔ یہ مجازاً اگر تعویذ کے لیے لکھنا کہنا جائز ہے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی جائز ہے ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ اِلَّا
مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ
اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝
وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ
فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ
نُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ۝
وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: بیشک ہم نے آسمان برُج (ستارے) بنائے اور اسے دیکھنے والوں کے لیے سجایا اور اسے ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا مگر وہ جو چھپ کر کچھ سننے جائے تو روشن شعلہ اس کے پیچھے پڑتا ہے اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں ہم نے لنگر (پہاڑ) ڈالے اور اس میں ہم نے ہر شے اندازے سے اگائی اور ہم نے تمہارے لیے اس میں روزی کا سامان بنایا اور انھیں بھی ہم نے بنایا جنھیں تم رزق نہیں دیتے اور کوئی شے نہیں مگر اس کے خزانے ہمارے پاس ہیں ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معلوم انداز سے اور ہم نے پانی سے بھری ہوئی ہواؤں کو بھیجا تو ہم نے آسمان سے پانی اتارا پھر وہ ہم نے تمھیں پینے کے لیے دیا اور تم کوئی اس کے خزانچی نہیں اور بیشک ہم ہی زندہ کرتے اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں اور بیشک ہمیں تمہارے آگے بڑھنے والے معلوم ہیں اور ہمیں تمہارے پیچھے رہنے والوں کا بھی علم ہے اور بیشک تمہارا رب (قیامت میں) انھیں اکٹھا کرے گا بیشک وہی حکمت والا علم والا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ جَعَلْنَا الجعل ھنا بمعنے الخلق والابداع یعنی ہم نے پیدا کیا۔ والمعنی بالفارسیہ [و بدرستی کہ ما آفریدیم و پیدا کردیم] فِي السَّمَآءِ یہ جعلنا کے متعلق ہے بُرُوْجًا آسمان میں بروج یعنی ایسے محلات جہاں سات ستارے اترتے ہیں اور وہ سا توں آسمانوں میں ہیں۔ چنانچہ نصاب الصبیان میں ان ساتوں کو ترتیب وار بیان فرمایا گیا ہے ؎

ہفت کوکب ہفت گیتی را
گاہ ازیشاں مدار و گاہ خلل
قمرست و عطارد و زھرہ
شمس و مریخ و مشتری و زحل

(ترجمہ: سات ستاروں پر زمانے کا دارومدار ہے۔ انہی سے جہان میں خلل پڑتا ہے۔ وہ سات ستارے یہ ہیں:

① قمر ② عطارد ③ زہرہ ④ شمس ⑤ مریخ

⑥ مشتری ⑦ زحل)

ف: بروج بارہ ہیں۔ ان میں ہر ایک کی ہیئت و شکل مختلف ہے اور ان کے خواص اور اسماء بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ وہ بروج یہ ہیں:

① حمل	② ثور	③ جوزا
④ سرطان	⑤ اسد	⑥ سنبلہ
⑦ میزان	⑧ عقرب	⑨ قوس
⑩ جدی	⑪ دلو	⑫ حوت

ہم نے بروج و منازل کے متعلق سورہ یونس کے اوائل میں مفصل تحریر کیا ہے۔

ف: بروج کو قصور سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ بروج محلات کی شکلوں میں ہیں اور بروج تبرج سے مشتق ہے۔ ان کے ظہور کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوتے ہیں۔

ف: شرح التقویم میں ہے کہ البرج بمعنے الحصن ہے اور حصن سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس میں غیر داخل نہ ہو اور نہ کوئی غیر وہاں پہنچنے پائے۔

ف: دورِ فلک کی تقسیم کی جاتی ہے اور ان کی ہر تقسیم کو برج کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر بُرج کا طول تیس درجے اور عرض اسّی درجے ہے اور یہ طول و عرض کا سلسلہ ایک قطب سے دوسرے قطب تک ہوتا ہے۔ ان کی ہر تقسیم کے اندر کے احاطے کا نام بُرج ہے۔

راکٹ بُرج میں نہیں پہنچا

چونکہ انہی اقسام میں وہم ہو سکتا ہے کہ عالم سفلی کا کوئی فرد ان میں داخل ہو جائے اگرچہ معنوی لحاظ سے بروج کا معنیٰ موانع (روکنے والے) کے ہیں لیکن ان میں مجازی معنے کا امکان بھی ہے۔ اس وہم کو دُور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وجعلنا السماء سقفاً محفوظاً۔ اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا ہے۔

یہ جملہ بروج کے لفظی و معنوی مطالب سے مناسبت رکھتا ہے۔

ؔ لیکن افسوس کہ ہمارے دور میں جونہی راکٹوں کا شور اٹھا عوام جہال نے تو ماننا ہی تھا سمجھدار علماء نے بھی تصدیق کر ڈالی کہ واقعی ان برج میں راکٹ پہنچ گیا۔ حالانکہ وہ محض ایک بڑ تھی۔ ۱۲ مزید تحقیق تفسیر اویسی میں دیکھیے۔

وَزَيَّنّٰهَا اور ہم نے اسے سنگارا۔ یعنی ان بروج کو مختلف شکلوں میں تیار کیا اور ستاروں کو بھی مختلف صورتوں میں پیدا کیا، وہ سیارے ہوں یا ثوابت۔

ف: بعض کواکب کو سیارات اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ افلاک پر بہت تیزی کے ساتھ حرکت کر رہے ہیں۔ اور ثوابت کو اس لیے ثوابت کہا جاتا ہے کہ جب سے انھیں پیدا کیا گیا ہے وہ ایک ہی جگہ ثابت اور قائم ہیں یا اس لیے کہ ان کی حرکات ثابت ہیں یا اس لیے کہ وہ بھی حرکت سے افلاک پر چلتے ہیں۔ اس لیے بعض سائنس والوں کا خیال ہے کہ آسمان ساکن نہیں بلکہ متحرک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آسمان تو ساکن ہیں لیکن افلاک متحرک ہیں۔

ف: اکثر متاخرین کی رائے بھی ہے کہ ستر ستھ سال شمسی میں اور اڑسٹھ سال قمری میں ستارہ ثابت کا صرف ایک دورہ ختم ہوتا ہے اور ایک بُرج ایک ہزار سال میں یہ دورہ مکمل کرتا ہے اور اس کے بروج کا گھنے جانے کا کامل دورہ چوبیس ہزار سال میں پورا ہوتا ہے ثوابت کو بیابانیہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ انہی کے ذریعہ جنگلوں کے سفر طے کیے جاتے ہیں۔ اور چونکہ عجمی لوگ اپنے سفر بیابان میں انہی کے وسیلے سے طے کرتے ہیں۔ بنابریں انھیں بیابانیہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ف: تمام ثوابت ستارے آٹھویں فلک پر ہیں۔ اسی کو کرسی بھی کہا جاتا ہے اسے اس اطلس کے کپڑے سے تشبیہ دی جاتی ہے جو نقش و نگار سے خالی ہو۔ اس کے اوپر ہی فلک الافلاک یعنی عرش الٰہی ہے اسے مطلق اطلس سے تعبیر کرتے ہیں اس لیے کہ اس کے اُوپر کوئی ستارہ نہیں اسے بھی اسی اطلس کے کپڑے سے تشبیہ دیتے ہیں جس پر کوئی نقش نہ ہو۔

ف: افلاک کی حرکت بالارادہ اور ستاروں کی حرکت بالعرض ہے اس لیے کہ ہر ستارہ افلاک میں ایسے مرکوز ہے جیسے گیند پانی میں ڈبوئی گئی ہو۔

ف: جن ستاروں کا حکماء کو ان کے اوصاف کے ساتھ علم ہوا ہے وہ کل ایک ہزار انتیس ہیں۔ ان میں بعض سیارے (چلنے والے) اور بعض ثوابت (نہ چلنے والے یا خفیف سی حرکت کرنے والے) ہیں۔

ف: حکماء کو معلوم ہو یا نہ ہو کُل ستارے آسمان کا سنگار ہیں جیسے زمین کے لیے بھی وہ زینت ہیں۔

لِلنّٰظِرِيْنَ دیکھنے والوں کے لیے۔ یعنی ہر اس شخص کو وہ بھلے معلوم ہوتے ہیں جو انھیں دیکھتا ہے۔ یہ ظاہری معنیٰ ہے اور شریعت میں ناظرین بمعنے متفکرین (تفکر کرنے والے) معتبرین (عبرت پکڑنے والے) المستدلین (اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی بہترین حکمت پر استدلال کرنیوالے) مراد ہیں۔ اس معنی پر تزیین بمعنے نظام بدیع پر ترتیب دینا۔ وہ نظام بدیع آثار حسنہ کے تابع ہے۔

ف: ناظرین کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ صرف وہی لوگ اس سے نفع پاتے ہیں۔ باقی لوگوں کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ؎

دو چشم از پے صنع باری نکوست
ز عیب برادر فرو گیر و دوست

غبار ہوا چشم غفلت بدوخت

سموم ہوا کشت عمرت بسوخت

بکن سرمۂ غفلت از چشم پاک

کہ فردا شوی سرمہ در چشم خاک

(ترجمہ : دو آنکھیں صنعت باری تعالیٰ دیکھنے کے لیے ہیں۔ اے دوست ! اپنے بھائی کے عیب سے آنکھ بند کرلے ہوا کے غبار نے تیری آنکھیں سی دی ہیں ہوا کی زہر نے تیری عمر کی کھیتی جلا ڈالی ہے۔ اپنی آنکھ سے غفلت کا سُرمہ نکال لے کرکل مرنے کے بعد تم تو مٹی کی آنکھ کا سُرمہ بننے والے ہو۔)

وَحَفِظْنٰهَا اور ہم نے آسمان کو محفوظ رکھا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ہر شیطان راندۂ درگاہ سے۔

ف : شیطان کو رجیم اس لیے کہتے ہیں کہ جب وہ آسمانوں کی طرف چڑھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے چنگاریاں مار مار کر نیچے بھگا یا جاتا ہے۔ وہ آسمانوں پر چڑھ کر اہلیانِ آسمان میں تصرف کرنا اور ان کے احوال معلوم کرنا چاہتا ہے۔

ف : کلام میں اضافی معنیٰ مطلوب ہے اس لیے ذات شیطان سے حفاظت مطلوب نہیں بلکہ اس کی شرارت سے بچاؤ کی ضرورت ہے۔ جہاں پر بھی شیطان کے اسماء صفات پر الف لام داخل ہوگا وہاں پر شیطان سے استعاذہ مطلوب ہوگا اور یہ وہ الف لام استغراق کا ہوگا۔ اس سے اس کی تمام اجناس مراد ہوں گی۔ کما فی بحر العلوم

مسئلہ : استعاذہ صرف شیطان سے ہوتا ہے یا ہمزاد سے بھی۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ انسان کے لیے اس کا ہمزاد مراد ہے۔ کما قال تعالیٰ :

ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض لہ شیطاناً فہو لہ قرین۔	اور جو بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے رُوگردانی کریگا ہم اس کے اوپر شیطان مسلط کردیں گے وہی اُس کا ساتھی رہے گا۔

شانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ آپ کے ساتھ شیطان کچھ نہیں کر سکتا۔ ہاں آپ کے ساتھ جو شیطان رہتا ہے اس کے متعلق شبہ ہو سکتا تھا لیکن بفضلہٖ تعالیٰ وہ مسلمان ہو گیا۔

شیطان کی سخت شرارت سے پناہ صرف رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم شیطان سے محفوظ ہیں لیکن پھر بھی آپ شیطان سے پناہ مانگتے تھے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ بھی شیطان سے پناہ مانگتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

ولا انا ولكن الله تعالى اعانني عليه حتى اسلم فلا يامرني الا بخير۔

وہ کینہ مجھ پر بھی حملہ کر سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی کہ میرا ساتھی شیطان مسلمان ہوگیا ہے۔ اب وہ مجھے خیر و بھلائی کے سوا اور کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

ازالۂ وہم اس سے ثابت ہوا کہ آپ کو شیطان سے پناہ مانگنے کی ضرورت نہ تھی لیکن آپ نے اپنی اُمت کے سمجھانے کے لیے شیطان سے پناہ مانگی تاکہ ایک طرف انھیں شیطان سے پناہ مانگنے کا طریقہ معلوم ہو جائے اور دوسری طرف انھیں اس پناہ سے ثواب نصیب ہو۔

حدیث شریف ان عرش ابليس على البحر الاخضر وجنوده حوله واقربهم اليه اشدهم باسا ويسئل كلا منهم عن عمله واغوائه ولا يمشى هو الا فى الامور العظام۔

ابلیس کا تخت بحرِ اخضر میں موجود ہے اس کے گرد اس کا لشکر ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے اس کے لشکر میں جو سب سے شریر ہوتا ہے وہ اس کے قریب ترین ہوتا ہے اور ہر صبح و شام وہ ہر شیطان کی کارروائی دیکھتا ہے۔ خود ابلیس بہت بڑے امور کے سوا اپنے تخت کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاتا۔

شانِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اس مختصر تقریر سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر معاملہ مہتم بالشان ہے ان کا کوئی معاملہ انسانوں جیسا نہیں اسی لیے ابلیس کی ذریات کو آپ کے پاس نہیں جانے دیا جاتا۔ اور نہ ہی ابلیس آپ کے ہاں پہنچ سکتا ہے۔

ایک عجیب دلیل درباره شانِ نبوت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق شیطان کے تسلط کا خیال کسی گندے تصور میں آسکتا ہے ورنہ آپ کی امت میں بہت سے ایسے افراد ہیں جن سے خود شیطان (ابلیس) ڈرتا ہے۔ باقی رہا آپ کا شیطان سے پناہ مانگنا، تو اس کی ایک دو وجہیں پہلے بھی عرض کی گئیں، ایک یہ بھی ہے جو فقیر (حقی) عرض کرتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے شیطان سے پناہ مانگتے تھے تاکہ فرمانِ الٰہی کی تعمیل ہو۔

نکتہ وہابیت سوز فقیر (صاحبِ روح البیان) لکھتا ہے کہ شیطان ابلیس اور اس کی اولاد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہیں جا سکتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ آپ کے قریب جاتے تو آپ کے نور سے جل کر راکھ ہو جاتے۔ (صاحبِ روح البیان کی اصل عبارت اس طرح ہے: لانه يحترق من نور

علیہ السلام فلا یقرب منہ)

سوال: قرآن مجید میں ہے:

و امّا ینزغنك من الشیطٰن نزغ فاستعذ باللہ۔	اگر آپ کو شیطان سے کوئی وسوسہ وغیرہ پہنچے تو اللہ سے پناہ مانگو۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر شیطان کا حملہ ہو سکتا ہے۔

جواب: یہ بالفرض والتقدیر کی بنا پر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ دُوسرے مقام پر فرماتا ہے:

ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون۔	بیشک وُہ لوگ جو متقی ہیں انھیں جب شیطان محسوس مس کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں پھر وہ دیکھنے والے ہوتے ہیں۔

اس سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تمام متقیوں کو شیطان مس کرتا ہے بلکہ بعض کے لیے ہوتا ہے۔ وہ بھی ذکر الٰہی کی برکت سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

سوال: قرآن سے ثابت ہے کہ شیطان کا حملہ نبی علیہ السلام پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت و ما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ دلالت کرتی ہے۔ یعنی ہم نے آپ سے جتنے رسول اور نبی علیہم السلام بھیجے ہیں ان کی قرأت میں شیطان بھی اپنی قرأت کر لیتا تھا۔

جواب: آیت کا مطلب ظاہر ہے اس میں اشکال نہیں کیونکہ ان کی قرأت میں اپنی قرأت ملانا کوئی عیب نہیں اور شیطان کو خود اعتراف ہے کہ انبیاء علیہم السلام مخلصین میں سے ہیں۔ اور اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ:

لاغوینھم اجمعین الا عبادك منھم المخلصین۔

یعنی میں ان کو گمراہ کروں گا مگر تیرے مخلص بندوں پر میرا حملہ نہ ہو سکے گا۔ لیکن چونکہ وُہ اپنی عادت پر مجبور ہے اس لیے جب یہ حضرات اللہ تعالیٰ کا کلام تلاوت کرتے ہیں تو وہ اپنی جدوجہد جاری رکھتا ہے اگرچہ سمجھتا ہے کہ وُہ اپنی مراد کو نہیں پہنچ سکے گا۔

مسئلہ: ہر شیطان سے پناہ مانگنا چاہیے خواہ وہ ایذا پہنچائے یا نہ۔ کیونکہ وُہ بنی آدم کے ساتھ بہت پرانی عداوت رکھتا ہے اس لیے بنو آدم کو ان سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

اعجوبہ برائے افہام مسئلہ حاضر و ناظر (ابلیس گمراہ کرنے میں بنی آدم کے قلوب پر بیک وقت تمام پر وسوسہ ڈال سکتا ہے اور وہ خود اپنے مقام پر موجود رہتا ہے جیسے ملک الموت ایک مقام پر بیٹھ کر ارواح قبض کر لیتا ہے (ایسے ہی نبی علیہ السلام کے مسئلہ حاضر و ناظر کو سمجھئے کہ مدینہ طیبہ میں رہ کر عالم کائنات کے ذرہ ذرہ میں جلوہ گر ہیں[1])

---

[1] لکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون ۱۲ اویسی غفرلہ

اِلَّا مَنِ اسۡتَرَقَ السَّمۡعَ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ یہ استثناء متصل ہے باین معنی کہ مسترق (چوری کرنے والا) بھی شیطان کی جنس سے ہے۔ اگر آسمان کی حفاظت سے یہ مراد ہو کہ شیطان کو آسمانوں سے مطلقاً روکا جاتا ہے اور نہ ہی ان میں اسے کسی قسم کا تصرف کرنے دیا جاتا ہے۔ یا یہ استثناء منقطع ہے اب الا بمعنے لکن ہوگا۔ اس وقت حفاظت سے مراد یہ ہوگی کہ شیطان نہ آسمان میں داخل ہو سکتا ہے نہ ان میں تصرف کر سکتا ہے۔

حل لغات : الاستراق از باب افتعال بمعنے چوری کرنا۔ اور المسترق المستمع چپکے سے کسی کی بات سننے والا۔ کذا فی القاموس ۔ اور السمع بمعنے المسموع۔

ف : کاشفی نے کہا کہ شیطان سخن مسموع کو چراتا ہے اور استراق السمع بمعنے اختلاس سرا ہے۔ یعنی شیطان کا راز کو چپیٹ لگانا۔

ف : شیطان کو ڈاکوؤں سے تشبیہ دی۔ اس لیے کہ جیسے ڈاکو سامان چراتا ہے ویسے ہی شیطان بھی آسمان سے کوئی شے چوری کرتا ہے۔

فَاَتۡبَعَهٗ پس اس کے پیچھے لگتا ہے۔ یعنی اس کے پیچھے لگ کر اسے جلا دیتا ہے۔

فرق مابین اتبع و تبع اتبع از اتباع بمعنے دُوسرے کو اپنے ساتھ ملا لینا۔ اور تَبِعَ از تبع بمعنے خود کسی کے پیچھے لگنا۔

شِهَابٌ بمعنے لہبٌ محرق یعنی چمکدار شعلہ ناریہ۔ مُّبِیۡنٌ یعنی آنافاً ہر کہ دیکھنے والے کو صاف اور واضح نظر آئے۔

ف : یاد رہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے یوں ہوتا تھا کہ شیطان آسمان پر جا کر اہل آسمان کے اسرار سے آگاہی حاصل کر لیتا تھا لیکن آقائے کونین رسول ثقلین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو شروع میں شیطان کو آسمان پر جاتے ہوئے نار کی چنگاریاں ماری جاتی تھیں جنہیں ہر ایک واضح طور پر دیکھا کرتا تھا۔ پھر شیطان کی آسمانوں پر جانے کی مکمل طور پر پابندی لگا دی گئی ؎

مہ برآمد و بازار تیرگی بشکست
گلے شگفت و ہیا ہوے خار آخر شد

(ترجمہ : چاند نمودار ہوا تو اندھیرے مٹ گئے۔ گل کھلا تو کانٹے ختم ہو گئے۔)

حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ شیطان کو آسمانوں پر جانے کی اجازت تھی جب عیسیٰ علیہ السلام کا تولد ہوا تو شیاطین کو صرف تین آسمانوں پر جانے سے روکا گیا۔ جب حضور سرور کائنات فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور مبارک ہوا تو چنگاریاں مار کر تمام آسمانوں پر جانے سے شیاطین کو روکا گیا۔

ف : آج مخلوقات میں جنّات کی خبریں مشہور ہیں وہ صرف زمین کی خبریں ہیں جنہیں ہم دیکھ نہیں سکتے۔ وہ بھی ایسے ہے جیسے چور چپ کر مکان سے کوئی چیز اٹھالیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اگر جنّات کوئی آنے والی خبر سناتے ہیں تو نرا جھوٹ ہوتا ہے ۔ کما فی آکام المرجان ۔

حدیث شریف مروی ہے کہ ملائکہ آسمان سے زمین کے کنارے پر آکر کچھ آسمان کی وہ باتیں کرتے ہیں جو قضا و قدر سے تعلق رکھتی ہیں انھیں شیاطین سُن کر کاہنوں تک پہنچاتے ہیں جنھیں کاہن سو قسم کے جھوٹ موٹ ملا کر عوام کو بہکاتے ہیں۔

ف : تفاسیر میں لکھا ہے کہ شیاطین ایک دوسرے پر بیٹھ کر آسمانِ دنیا پر چڑھ جاتے ہیں یا ان کا بڑا شیطان اُوپر چڑھ جاتا ہے تو آسمانوں کی باتیں چُرا کر اپنے نیچے والے کو بتاتا ہے وہ کاہنوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے وُہ اپنی طرف سے کئی باتیں بڑھا دیتے ہیں پھر شیاطین کو چنگاریاں مار کر نیچے کو بھگایا جاتا ہے ۔

ف : ستاروں کو شیاطین پر نہیں مارا جاتا کیونکہ وہ ستارے تو افلاک میں مرکوز ہیں اور وہ ان سے کسی حالت میں الگ نہیں ہو سکتے۔ شیاطین کو نار کی چنگاریاں ماری جاتی ہیں جو دُور سے ستارے کی مانند نظر آتی ہیں سو ان سے بعض شیاطین کے چہرے ، بعض کے ماتھے ، بعض کے ہاتھ جل جاتے ہیں۔ بعض کی ان چنگاریوں سے عقل ماری جاتی ہے ۔ انہی وجوہ سے پھر وہ آسمان پر جانے کا نام نہیں لیتے۔ البتہ وہ ان چنگاریوں کے لگنے سے چھلاوہ کی شکل بن کر جنگلوں میں رہ کر لوگوں کو طرح طرح سے بہلاتے پھسلاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ بہت سے انسانوں کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیتے ہیں۔ چونکہ اس قسم کے چھلاوے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوجاتے ہیں اس لیے ان کی شرارتوں کا شکار ہوجاتے ہیں ۔

ف : ابن الاثیر نے نہایہ میں لکھا ہے کہ الغول بمعنے چھلاوہ الغیلان کی جمع ہے ۔ یہ شیاطین جنّات کی ایک قسم ہے ۔ اہلِ عرب کا گمان ہے کہ چونکہ وہ جنگل میں لوگوں کو نظر آجاتا تھا اس لیے وہ ان سے بچنے کے لیے گوناں گوں شکلیں اختیار کر کے ان کو راستہ بھلا کر ہلاکت کے گڑھے میں ڈالتا ہے ۔

ف : اس سے ثابت ہوا کہ غول یعنی چھلاوے کے وجود کا انکار نہیں ہو سکتا۔ البتہ شریعت مطہرہ نے اس کے مختلف شکلوں میں بدلنے اور بنو آدم کو ہلاکت میں ڈالنے کا انکار کیا ہے ۔ جیسا کہ گزشتہ تفاسیر کے مضامین سے ثابت ہوتا ہے ۔ لیکن چونکہ سابقہ اُمم میں اس کا مختلف شکلوں میں بدلنا اور بنو آدم کو ہلاک کرنا ثابت ہے اس لیے شریعت مطہرہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ سابقہ امم میں اس کی اس کارروائی سے انکار نہیں لیکن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد اس کی یہ کارروائی ختم ہوگئی۔ اب اگرچہ مذکورہ بالا چھلاوہ (غول) عالمِ دنیا بالخصوص جنگلوں میں موجود ہے لیکن مذکورہ بالا شرارتوں پر قادر نہیں ۔

حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لا غول و لکن

(ہماری شریعت میں) غول (گوناگوں شکلیں اختیار

السعالی۔ کرنے والا جن جسے چھلاوہ کہا جاتا ہے) نہیں ہے
اس کے جادو چل جانے کا مسئلہ حق ہے۔

یعنی شیطان چھلاوہ بن کر اب نہ کسی کو راستہ بھلا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو ہلاک کر سکتا ہے جیسا کہ جہال کا غلط گمان ہے۔

ف: حدیث شریف میں السعالی کا لفظ واقع ہے اسے سین مفتوحہ اور عین مفتوحہ سے پڑھنا چاہیے یعنی سحرۃ الجن یعنی جنوں کے جادوگر۔ وہ السعلاۃ بالکسر کی جمع ہے۔ یعنی جنات میں بعض افراد ایسے ہیں جو انسانوں کو گوناگوں توہمات میں مبتلا کرتے ہیں۔

ف: انوار المشارق میں ہے کہ محققین نے فرمایا: الغول (چھلاوہ) ایک ایسی شے ہے جس کا عالمِ دُنیا میں کوئی وجود ہی نہیں وہ ایک ہوا ہے جس سے لوگوں کو خواہ مخواہ ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے کہا: ؎

الجود والغول و العنقاء ثالثة
اسماء اشیاء لم توجد ولو تکن

(ترجمہ: جود، غول، عنقاء ان تینوں کے نام تو ہیں لیکن نہ وہ ہیں اور نہ ان کا کوئی وجود ہے۔)

ف: اہلِ عرب کا (جاہلیت کے دور میں) خیال تھا کہ جب انسان جنگل میں یکہ وتنہا ہو تو غول (چھلاوہ) اس کے سامنے آجاتا ہے جس کی صورت انسانی اور پاؤں گدھے جیسے ہوتے ہیں۔

سوال: مثنوی شریف میں ہے: ؎

ذکرِ حق کُن بانگ غولاں را بسوز
چشم نرگس را ازیں کرگس بدوز

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غول (چھلاوہ) کی آواز مٹا دے اسی کرگس سے نرگس کی آنکھ جلا دے)

ف: اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ غول (چھلاوہ) کا وجود ہے۔ اور مثنوی شریف قرآن کا مغز کہلاتی ہے۔

جواب: چونکہ مثنوی شریف میں عرفانی باتوں کو تشبیہات سے سمجھایا گیا ہے اسی لیے مولانا روم علیہ الرحمۃ نے غول سے شیطان بلکہ ہر وہ شے مراد لی ہے جو ذکرِ حق سے روکے۔ چنانچہ شعر مذکور میں غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا قدس سرہٗ نے سالک کو سبق دیا ہے کہ ذکرِ حق سے وساوس شیطانی و نفسانی کا قلع قمع کر دو اس لیے کہ حدیث شریف میں قاعدہ مرقوم ہے کہ ذکرِ الٰہی سے شیطان دُور بھاگتا ہے۔

الجوبہ: جنات کے دماغ بنی آدم جیسے نہیں ہوتے (یعنی جنات کے دماغ بنی آدم سے کمتر ہوتے ہیں) اس لیے شیاطین جہیر الصوت (بلند آواز) کو برداشت نہ کرتے ہوئے ذکرِ الٰہی بالجہر سے بھاگ جاتے ہیں۔

نکتہ: یہی وجہ ہے کہ مشائخ اپنے مریدین کو ذکر بالجہر کی تلقین کرتے ہیں۔ کیونکہ جب ذکر بالجہر کیا جاتا ہے تو ذکرِ الٰہی کے نُور سے

شیطان جل جاتا ہے اور جہری ذکر کی تاب نہ لاتے ہوئے راہِ فرار اختیار کرتا ہے۔

صوفیانہ مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ نفس امارہ کی شرارت اور شیطان خبیث کو بھگانے کی چنگاری ذکرالٰہی ہے، جسے قرآن کریم نے بیان فرمایا کہ: فاتبعه شهابٌ مبين۔

شرعی مسئلہ ابوبکر رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تکبیر بالجہر صرف ایام تشریق میں ہونی چاہیے۔ ہاں دشمن کو بھگانا یا چوروں کو ڈرانا ہو تو جہر سے تکبیر کہی جا سکتی ہے۔

نکتہ صوفیانہ فقیر (اسماعیل حقی) عرض کرتا ہے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا نفس اور سب سے شریر ترچور شیطان ہے اس لیے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ہر وقت ذکر بالجہر کرتے کراتے ہیں تاکہ اپنے دشمن نفس اور شیطان چور کی شرارت سے بچ جائیں۔

ردِّ وہابیہ (اکثر وہابیہ دیوبندیہ مشائخ کرام کے ان مشاغل پر ردّ و قدح کرتے ہوئے ایسے مشاغل و اوراد بالخصوص ذکر بالجہر سے روکتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کی تردید میں صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ رقمطراز ہیں کہ:)

والعاقل لایستریبُ فیه اصلاً ولا یصیخ	سمجھدار تو اس سے ہرگز شک نہیں کرسکتا اور
الیٰ قول المنکر رأساً۔	نہ ہی منکر کے قول کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

[1] ف: محمد بن طلحہ نے عقد الفرید میں رقم فرمایا ہے کہ بادشاہ وقت کو کلام بارعب بنانے کا ارادہ ہو تو کلام کو جہر (زور) سے بولے تاکہ سامعین پر رُعب چھا جائے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ رُوح اپنے قویٰ و اعضا میں ایسے ہے جیسے بادشاہ رعایا میں۔ جیسے بادشاہ کو اپنی رعایا کا انتظام درست رکھنا لازمی اور ضروری ہوتا ہے ایسے ہی رُوح کو اپنی رعایا کا انتظام و انصرام صحیح رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ہاں بلا ضرورت بھی اعضأ و قویٰ کو تکالیف میں نہ ڈالا جائے بلکہ رُوح پر لازم ہے کہ وہ اپنی رعایا کی ضرورت کے مطابق انتظامی امور پر توجہ رکھے۔ اہل شہود اس نکتہ کو خوب جانتے ہیں انھیں ان امور کا بخوبی علم ہے اس لیے وہ لمحہ بھر بھی اس سے تغافل نہیں برتتے۔

تفسیر عالمانہ وَالْاَرْضَ الارض علیٰ شریطۃ التفسیر کے قانون پر منصوب ہے مَدَدْنٰهَا ہم نے زمین کو تمہارے ٹھہرنے کے لیے بچھونا بنایا۔

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ اب جلسوں میں جو نعرۂ تکبیر زور سے لگایا جاتا ہے کروہ ہے لیکن تاویلاً جائز ہے۔ اگرچہ تاویلاً جائز ہے تو نعرۂ رسالت بھی جائز ہے۔ اس مسئلہ کی مزید توضیح کے لیے فقیر کا رسالہ "مابہ الکفایہ فی اثبات نعرۂ رسالت" ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

ف : یعنی زمین کو کعبہ سے پانی پر بچھانا شروع کیا۔

حدیث شریف سیدنا ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کعبہ معظمہ کو زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے اسی مقام پر پیدا کیا گیا۔ اس وقت وہ برف کا ایک ڈھیلا نظر آتا تھا اور اس پر دو فرشتے مامور تھے جو اس کے گرد تسبیح پڑھتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کا زمین بچھانے کا ارادہ ہُوا تو اسی مقام (کعبہ) سے زمین کو بچھایا گیا۔ اسی کعبہ کو تمام زمین کے درمیان میں رکھا گیا۔

ف : زمین کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش میٹھے پانی پر تھا۔ جب عرش پانی پر تھر تھرایا تو اس پر لکھا گیا لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ۔ (اس کلمہ مبارکہ کی برکت سے) عرشِ الٰہی ساکن ہوگیا۔

تخلیقِ سماوات جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو پانی پر ہوا چلائی۔ پانی ہوا سے اُچھلا تو اس سے ایک دُھواں آسمانوں کی طرف اُٹھا۔ اس دُھوئیں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آسمان پیدا فرمائے۔ اس کے بعد کعبہ والی جگہ سے پانی ہٹا تو وہ جگہ خشک ہوگئی۔

ف : ایک روایت میں ارسل علی الماء ریحاھفافۃ فصفقت الریح الماء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پانی پر تیز ہوا چلائی تو ہوا نے پانی کو متحرک کیا تو اس سے بیت اللہ کے مقام پر ایک پتھر نمودار ہوا جو ایک قبہ کی شکل تھا۔ اسی سے ہی اللہ تعالیٰ نے زمین کو طول و عرض میں پھیلایا۔ یہی مقام بیت اللہ آباد (ربع مسکون) کی درمیانی جگہ ہے۔

ف : کل زمین مسکونہ وغیر مسکونہ کا درمیانی حصہ جہاں سردیوں اور گرمیوں میں موسم معتدل رہتا ہے وہاں دن اور رات ہمیشہ برابر رہتے ہیں۔

ف : زمین کے بعض ٹکڑے بہشت سے تعلق رکھتے ہیں جیسے کہ معظمہ، مدینہ طیبہ، بیت المقدس، تمام مساجد اور وہ مقامات جو عبادتِ الٰہی کے لیے مخصوص کیے جائیں۔ بالخصوص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور قبر انور کا درمیانی حصہ بہشت کی کیاریوں میں سے ایک ہے۔ جو شخص بھی ان مقامات پر نیت خالص اور سچے اعتقاد سے زیارت کے لیے حاضر ہو، وہ تو دنیا و آخرت کے مصائب و تکالیف سے محفوظ ہو جائے گا۔

ایں چہ زمین است کہ عرش بریں
رشک برد با ہمہ رفعت بدیں
چونکہ نیم محرم دیوار تو
می نگرم بر در و دیوار تو
آنکہ شرف یافت بدیدار تو
جان چہ بود تا کند ایثار تو

(ترجمہ: یہ زمین کیسی مبارک ہے کہ اس پر عرش بریں بھی رشک کرتا ہے چونکہ میں تیرا محرم راز نہیں اسی لیے میری نگاہ صرف آپ کی در و دیوار تک نگاہ جاتی ہے اور جس خوش قسمت کو تیرا دیدار نصیب ہو جاتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وُہ تیرے نام پہ جان فدا کرے۔)

وَ اَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ اور ہم نے زمین پر بہت مضبوط پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے اگر وُہ پہاڑ زمین پر نہ ہوتے تو زمین کو قرار نصیب نہ ہوتا اور نہ کوئی شخص اس پر ٹھہر سکتا۔ رواسی رسا رسوا ورستوا سے ہے بمعنے ثبت۔ پہاڑوں کو لنگر سے تشبیہ دے کر ان کی تحقیر اور قلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اگرچہ وہ فی نفسہٖ ایک عظیم مخلوق ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں چند لکڑیوں سے تشبیہ دی جو ہاتھوں میں لے کر کسی شے پر پھینک دی جائیں تاکہ ناظرین کو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ معلوم ہو کہ اگرچہ یہ پہاڑ عظیم مخلوق ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے لاشئے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے زمین پر پہاڑوں کو لنگر بنا دیا جب زمین کی تخلیق کے بعد زمین تھرتھرائی تو اللہ تعالیٰ نے گویا پہاڑوں سے فرمایا ہو جاؤ تو وہ پیدا ہو کر زمین پر لنگر کی طرح جم گئے۔ پہاڑوں کے نمودار ہوتے ہی زمین کی تھرتھراہٹ ختم ہو گئی۔ اس سے کسی کو معلوم بھی نہ ہو سکا کہ یہ کیسے اور کس چیز سے پیدا ہوئے۔

ف: سوائے ٹیلوں کے بڑے چھوٹے کل پہاڑ چھ ہزار چھ سو تہتر ہیں۔ کذا فی زہرۃ الریاض

ف: زمین پر سب سے پہلا پہاڑ ابو قبیس پیدا کیا گیا جو مکہ معظمہ میں ہے۔

ف: سب سے افضل جبلِ اُحد بضمتین ہے اور وہ مدینہ طیبہ میں ہے۔ کذا قال السیوطی

حدیث شریف اس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احد یحبنا و (جبل) اُحد ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

اعجوبہ حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے نکل کر اقلیم ہند کے ایک بہت بڑے پہاڑ پر تشریف لائے۔ اس پہاڑ کو بحر کے باشی ایک دن کی مسافت پر دُور سے دیکھ لیتے ہیں۔ اسی پہاڑ کے ایک پتھر پر آدم علیہ السلام کے قدم مبارک کا نقش موجود ہے۔ یہی پہاڑ آسمان کے قریب تر ہے۔ کما فی انسان العیون۔ یہ پہاڑ سرانذیپ سے منسوب ہے اور سرانذیپ اقلیم ہند کے ایک شہر کا نام ہے۔

ف: پہاڑ زمین پر اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بے شمار فوائد مضمر رکھے ہیں۔

ف: عالم اکوان میں پہاڑ بمنزلہ مردوں کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مردِ کامل کو جبل (پہاڑ) سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

حکایت کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ولی کامل نے خواب دیکھا کہ بغداد پر تیز اور تاریکی سے پُر ہواؤں نے عراق کے پہاڑوں کو تہس نہس کر دیا ہے۔ صبح کو خبر پھیل گئی کہ اسی رات ہلاکو خاں نے بغداد پر چڑھائی کی ہے جس نے

بغداد کے مشاہیر اولیاءؒ، علماءؒ، امراء اور بیشمار لوگوں کو مار ڈالا ہے ؎

سر گشتہ بود خواہ ولی خواہ نبی
در وادیٔ ما ادری ما یفعل بی

(ترجمہ: ہر نبی اور ہر ولی ما ادری ما یفعل بی یعنی فنائیت کا شکار ہوگا۔)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب زمین بشریت بنائی تو تھر تھرانے لگی تو اس پر صفات قلب اور عقل کے پہاڑ کھڑے کر دیے ؎

کشتیٔ بے لنگر آمد مرد شر
کہ ز باد کژ نمی یابد حذر
لنگر عقلست عاقل را امان
لنگرے دریوزہ کن از عاقلاں

(ترجمہ: شریر مرد کی کشتی بے لنگر ہوتی ہے اسے مہلک ہوا کا خطرہ نہیں ہوتا عاقل کے لیے عقل لنگر ہے۔ چاہیے کہ عقل والوں سے عقل کی خیرات مانگی جائے۔

تفسیر عالمانہ

وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا اور ہم نے زمین میں اُگائے۔

ف: زمین کی قید اس لیے لگائی کہ پہاڑوں میں پہلے تو میوے پیدا نہیں ہوتے، اگر ہوتے ہیں تو اکثر ان سے انسان نفع حاصل نہیں کرتا یا اس لیے کہ زمین کے میوہ جات سے ہر چھوٹا بڑا منتفع ہوتا ہے اس سے میوہ جات کا حصول آسان ہے بخلاف پہاڑوں کے کہ ان سے میوہ جات کا انتفاع ناممکن ہے اسی لیے زمین مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ہر طرح کے میوہ جات کے موزوں ہے یعنی ذاتاً و صفتاً و مقداراً میزان حکمت کے مطابق ہے، یہ محاورہ کلام موزوں کے مطابق ہے یعنی ہم نے زمین میں بہترین میوہ جات اُگائے کہ جس سے مکمل طور نفع جات حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اس کی کھیتی اور درخت وغیرہ موزوں طور پر مفید ہیں یا اس کے میوہ جات اور اناج کو تول اور ناپ سے دیا اور لیا جا سکتا ہے وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ معایش پر یا باقی رکھی جائے اس لیے کہ اس کا مادہ عیش ہے۔ اس معنے پر یہ اصلی ہے اور مفاعل کی یاء اصلیہ کو باقی رکھا جاتا ہے معایش معیشۃ کی ہے۔ ہر وہ شے کہ جس سے انسانی معاشرہ قائم ہو جیسے مطاعم (کھانے کی چیزیں) و ملابس (پہننے کی اشیاء) اور دیگر وہ اشیاء جن سے انسانی بقا کا تعلق ہے وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ اس کا عطف معایش پر ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے تمہارے لیے معاش کے اسباب بنانے اور تمہارے لیے وہ لوگ بنائے جنہیں تم رزق دینے والے نہیں۔ مثلاً تمہارے اہل و عیال، نوکر چاکر اور جانور وغیرہ۔ تغلیباً غیر ذوی العقول بھی ان میں شامل ہیں، ہمارے اس اضافے سے وہ اعتراض دفع ہو گیا جس میں کہا گیا ہے کہ من تو ذوی العقول کے لیے آتا ہے اور تم نے ترجمہ میں جانور وغیرہ کیسے مراد لیے۔

اس عبارت سے ان وہموں کا ازالہ ہوگیا کہ ہمارے اہل وعیال اور نوکروں چاکروں کا کیا بنے گا۔ اللہ تعالیٰ نے

ازالۂ وہم فرمایا یہ محض تمہارا خبط ہے (جیسے ہمارے دور میں نئی تہذیب کے کمزور فہم انسان کا خیال ہے۔ اسی غلط فہمی کی وجہ سے منصوبہ بندی جیسی لعنت پر کروڑوں روپے ضائع کیے جارہے ہیں) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں غلط خیالی کیوں جب میں نے فرمادیا ہے کہ تمہارا اور تمہارے اہل وعیال وغیرہم کا رزق میرے ذمہ کرم ہے۔ یا من لستم کا لکم پر عطف ہے اس لیے کہ لکم محلاً منصوب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور تمہارے اہل وعیال کا رازق ہے جنہیں تم روزی نہیں دے سکتے۔ اس معنے پر جار ومجرور کا عطف جار ومجرور پر ہوگا۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اشیائے ممکنہ میں سے کوئی شے ایسی نہیں اِلَّا عِنْدَنَا مگر ہمارے ہاں، یعنی ہمارے فرمان کے تابع ہیں۔ خَزَآئِنُهٗ اسی کے خزانے۔ یہ خزانہ کی جمع ہے بمعنے مخزن۔ یعنی ہر وہ جگہ جہاں صرف نفیس مال محفوظ کیا جائے۔ عرف عام میں ملوک وسلاطین کے وہ مخفی خزانے مراد ہیں جہاں رعایا کے رزق چھپائے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی مقدورات کو خزانوں سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس کے خزانے عوام کی معلومات سے پوشیدہ ہیں اور وہاں کسی کو دسترس کی ہمت نہیں باوجودیکہ لوگوں کو ان کی سخت ضرورت ہے اور ان کی وہ رغبت بھی رکھتے ہیں نیز پوشیدگی کے لحاظ سے بھی انہیں تشبیہ ہے اس لیے کہ وہ مقدورات صرف اللہ تعالیٰ کے ارادے پر موقوف ہیں کہ وہ جب چاہے موجود ہوسکتی ہیں گویا وہ اس قدر تیار رکھی ہیں کہ بمجرد ارادۂ الٰہی کے وہ موجود ہوجائیں گی اور انہیں بادشاہوں کے خزانوں کے نفیس اموال سے بھی اسی معنیٰ پر تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہوا۔ اس تقریر پر خزائنہ میں استعارہ تخیلیہ ہے۔

فائدہ صوفیانہ فقیر (اسمٰعیل حقی) عرض کرتا ہے کہ میرے شیخ کامل اور مرشد اکمل قدس سرہٗ نے فرمایا کہ خزائن میں اعیان ثابتہ کی طرف اشارہ ہے کہ ہر شے اعیان ثابتہ سے فیض پاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کا ظہور معلوم اور احوال کے اقتضاء کے مطابق ہوتا ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کسی قسم کا ظلم نہیں کرتا البتہ لوگ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔

وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اور ہم کسی شے کو نہیں اتارتے یعنی پیدا نہیں کرتے اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ مگر درانحالیکہ وہ شے مقدار معلوم کے ساتھ متعلق ہوتی ہے یعنی جس طرح حکمت کا تقاضا ہوتا ہے وہ شے اسی کی حکمت کے تابع ہوکر پیدا ہوجاتی ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں نقص وعیب کا شائبہ تک نہیں اسی لیے ہر وہ شے جو پیدا ہوگی وہ علم الٰہی کے تقاضوں کے مطابق ہوگی۔

نکتہ: چونکہ فضل الٰہی کے نزول کا مرکز عالم علوی ہے اور اشیاء کا ورود عالم سفلی کی طرف ہوتا ہے اسی لیے اسے منزل سے تعبیر فرمایا ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا،

وانزل لکم من الانعام ثمانیۃ ازواج۔ اور ہم نے تمہارے لیے آٹھ جوڑے نازل فرمائے

جیسے ان اشیاء کے تدریجاً نزول کی وجہ سے انہیں تنزیل سے تعبیر فرمایا ہے۔

ف: تفسیر ابو اللیث میں ہے کہ خزائنہ بمعنے مفاتیح رزقہ۔ انہیں خزائن المطر سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے وما ننزلہ اس کا مرجع المطر ہے الا بقدر معلوم اس سے بارش کا پیمانہ اور وزن معلوم مراد ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بقدر معلوم کا مطلب یہ ہے کہ بارش کے اندازے کو بارش کے نگران فرشتے جانتے ہیں کہ کس مقدار اور کس پیمانے پر بارش نازل کرنی ہے۔ طوفانِ نوح کے وقت اوزان اور پیمانے کا تصور ختم ہو گیا تھا - یہ طوفان مسلسل چالیس روز تک رہا۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ ہر وہ شے جس سے بندے نفع یاب ہوں گے اس کی تخلیق و تکوین پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ اور جسے جتنا عطا فرماتا ہے وہ اس کے لائق ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ بندہ اس مقدار سے زائد کا اہل نہیں ہے۔ وہی جانتا ہے کہ بندوں کے لیے کون سی اور کتنی نعمتیں بہتر اور ان کے منافع کے قریب تر ہیں۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر لفظ علمنا محذوف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ کون سی نعمت سے بندہ ضرر سے محفوظ ہوگا اور کون سی نعمت اسے نفع بخشتی ہے اور کون سی ضرر پہنچاتی ہے۔ اس لیے فرمایا:

و لو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدر ما یشاء انہ بعبادہ خبیر بصیر۔

یعنی اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رزق فراخ فرما دے تو وہ زمین پر بغاوت کردیں گے۔ لیکن وہ اندازے کے مطابق رزق اتارتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حالات سے باخبر اور ان کے معاملات کو جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر شے کے مختلف خزانے ہیں جو انہی اشیاء کے مناسب حال ہیں۔ مثلاً جس جسم کو مقدر فرمایا تو اس کی مناسبت سے ایک خزانہ اس کی صورت کا، ایک خزانہ اسم کا، ایک خزانہ اس کے معنیٰ کا، ایک خزانہ رنگ و بو کا، ایک خزانہ اس کے طعم کا، ایک خزانہ طبیع کا، ایک خزانہ خواص کا، ایک خزانہ احوالِ مختلفہ کے دور کا جو ہر روز گزرتے ہیں، ایک خزانہ نفع و نقصان کا، ایک خزانہ ظلمت و نور کا، ایک خزانہ ملکوت وغیرہ کا مقدر فرمایا۔ یعنی لطف اور قہر الٰہی کے مطابق خزینے مقدر کیے گئے ہیں۔ ہر شے میں لطف و قہر الٰہی کے خزینے مخفی ہیں۔ حضرت انسان جمیع صفاتِ الٰہی کا خزانہ ہے - اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم ازل سے اپنی حکمت کاملہ کے مطابق ہر شے کا خزانہ زمین پر نازل فرماتے ہیں اور ہم ہی اپنی ایجادات کی حکمت کو جانتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ یہ حال مقدرہ ہے۔ الریاح ریح کی جمع ہے ریح لاقح اس ہوا کو کہا جاتا ہے جو بارش برسانے والے بادل ساتھ لائے۔ یہ لقحت الناقۃ سے مشتق ہے۔ یعنی اونٹنی گابھن ہوگئی۔ والقحھا الفحل اور اونٹنی کو اس کے نر نے گابھن بنایا۔ اور چونکہ ہوا پانی کو بادل سمیت اٹھالاتی ہے اس لیے اسے لاقح سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو ہوا ایسے بادل اٹھا کر لائے جن میں بارش نہ ہو اسے عقیم کہا جاتا ہے۔

ف: ابو عبیدہ نے فرمایا کہ لواقح بمعنے ملاقح ہے اور وہ ملقحۃ کی جمع ہے۔ چونکہ ایسی ہوائیں بادلوں اور درختوں کو

تقویت بخشتی ہیں اور انکی نشوونما میں مدد ہوتی ہیں یہاں تک کہ ثمرات کے پکنے تک درختوں کو ان کی ضرورت رہتی ہے ۔ اس لیے اس نام سے موسوم ہوئیں۔

بعض (لغوی) کہتے ہیں کہ انہی ہواؤں کی بدولت بادلوں سے پانی نکل کر اشجار میں ثمرات کی پختگی کا باعث بنتا ہے ۔ اسی لیے انھیں لواقح کہاجاتا ہے ۔

قاعدہ : لفظ الریاح خیر کے لیے اور الریح شر کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی (مندرجہ ذیل) دعا سے (یہی) معلوم ہوتا ہے ؛

اللھم اجعلھا ریاحاً ولا یجعلھا ریحاً ۔	اے اللہ تعالیٰ ! انہیں ریاح بنا ناریح نہ بنانا۔

سوال : قرآن مجید میں ہے ؛

وجرین بھم بریح طیبۃ ۔

اس آیت میں ریح کو خیر میں استعمال کیا گیا ہے ۔ آیت وحدیث اور تمہارے قاعدے میں تطبیق نہیں ۔

جواب ؛ چونکہ ریح کو طیبہ سے مقید کیا گیا ہے اس لیے ریح میں خیر کا معنیٰ پایا گیا ہے ورنہ مطلقاً لفظ ریح شر کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔

حدیث شریف حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب بھی رات یا دن کو ہوا چلتی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھتے بیٹھتے دعا کرتے ؛

اللھم ان کان بك الیوم سخط علیٰ احد من خلقك بعثتھا تعذیباله فلا تھلکنا فی الھالکین وان کنت بعثتھا رحمۃ فبارك لنا فیه ۔	اے اللہ تعالیٰ! اگر آج کسی بندے پر تجھے ناراضگی ہے اور اس ہوا کو اس کے لیے عذاب بنا کر بھیجا ہے تو ہمیں بچانا اور اگر اس ہوا کو رحمت بنا کر بھیجا ہے تو اسے ہمارے لیے بھی بابرکت بنا۔

پھر اگر اس سے بادل نمودار ہو کر بارش برساتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ؛

ربنا لك الحمد وذھب السخط ونزلۃ الرحمۃ ۔	اے رب تعالیٰ ! تیرے لیے حمد و ثنا ہے تیرا غضب گیا اور تیری رحمت کا نزول ہو گیا[1]

ف : مولف رحمہ اللہ نے فرمایا ؛

اگر ایک لمحہ کے لیے ہوا بند ہو جائے تو زمین و آسمان کے درمیان بدبو پھیل جائے ۔

---

[1] ہمیں سبق دیا گیا ہے کہ ایسے حال میں ہمیں بھی ایسا کرنا چاہیے ۔ ۱۲

فَاَنْزَلْنَا ایسے بارش برسانے والے بادلوں کے نمودار ہونے پر ہم نے نازل کیا مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے یعنی اوپر سے۔ قاعدہ ہے کہ سر سے اوپر والی شے کو سماء کہا جاتا ہے اور یہی معنیٰ یہاں پر مراد ہے اس سے مراد فلک نہیں۔ مَآءً پانی کا بعض حصہ اس کی تنکیر سے ہم نے 'بعض حصہ' معنیٰ کیا ہے۔ اس لیے کہ سب کو معلوم ہے کہ بارش کے وقت آسمان کا تمام پانی نازل نہیں ہوتا بلکہ اُتنا نازل ہوتا ہے جتنا بندوں کے لیے نافع اور غیر مضر ہوتا ہے۔ فَاَسْقَیْنٰکُمُوْهُ پس ہم نے تمہیں اس سے پانی پلا دیا اور تمہیں قدرت دی کہ تم اس سے جانوروں کو پانی پلاؤ۔ الارشاد میں ہے کہ یہ سقیناکموہ سے زیادہ بلیغ ہے اس لیے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ہم نے تمہارے لیے اس پانی کو تیار فرمایا اس میں سے جتنا چاہو اور جیسے چاہو استعمال کرو۔

قاعدہ: قرآن مجید میں اس کلمہ کے سب سے زیادہ حروف ہیں اس لیے کہ اس کے گیارہ حروف ہیں اور یہ انلزمکموھا سے بھی زیادہ ہیں کیونکہ اس کے کل دس حروف ہیں۔

وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ اور تم نہیں اس نازل شدہ پانی کو بِخٰزِنِیْنَ جمع کر کے رکھنے والے۔ یعنی ہم ہی اس کی قدرت رکھتے ہیں کہ اسے پیدا کر کے بادلوں میں جمع کر دیا پھر اس میں سے زمین پر نازل کیا لیکن تم اس پر قدرت نہیں رکھتے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے آسمان سے پانی نازل کرنے کے بعد بھی تم اسے قابو میں رکھنے کی قدرت نہیں رکھتے کہ اسے اپنے تالابوں، کنووں یا چشموں میں بند کر سکو بلکہ وہ بھی میری قدرت ہے کہ میں اسے ان خزانوں میں محفوظ رکھتا ہوں تاکہ بوقتِ ضرورت تم ان سے پانی حاصل کر سکو ورنہ پانی کی طبیعت کا تقاضا ہے کہ وہ زمین پر آتے ہی گڑھوں میں گھس جائے۔

ف: الغور بمعنے زمین میں دھنس جانا۔

حضرت امام ماتریدی رحمہ اللہ اپنی تاویلات میں تحریر فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے خزانوں پر کسی قسم کی قدرت نہیں رکھتے وہ اپنے خزانوں کا خود مالک ہے وہ جس طرح چاہتا ہے انہیں خرچ کرتا ہے۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ اور ہم ہی اجسام میں حیات پیدا کرتے ہیں۔ اس میں ضمیر کی تقدیم حصر کے لیے ہے دوبارہ تو پہلی ضمیر کی تاکید ہے یا مبتدا ہے اور اس کی خبر فعل ہے۔ پھر جملہ خبریہ بن کر انا کی خبر ہے اسے ضمیر الفصل بنانا جائز نہیں اس لیے کہ ضمیر الفصل دو اسموں کے درمیان واقع ہوتی ہے اور یہاں ایک اسم ہے تو دوسرا فعل۔ وَنُمِیْتُ اور ہم ہی اجسام سے حیات کو مٹاتے اور زائل کرتے ہیں۔ اور کبھی احیاء و اماتۃ کو عام رکھا جاتا ہے جو حیوانات و نباتات دونوں کو شامل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ حیوانات میں حیات اور نباتات پر بارش برسا کر موسم ربیع میں تازگی بخشتا ہے اور موسم خریف میں ان سے خنکی اور تازگی ختم کر کے انہیں بے رونق کر دیتا ہے اور اہلِ ایمان کو ایمان سے زندگی بخشتا ہے اور اہلِ کفر کو کفر میں مبتلا کر کے ان کے قلوب کو مُردہ بناتا ہے۔

فائدہ صوفیانہ لطائف قشیریہ میں مذکور ہے کہ ہم قلوب کو انوار مشاہدہ سے تازگی بخشتے اور نفوس کو نار مجاہدہ سے مٹاتے ہیں یا یہ معنیٰ ہے کہ طاعات و عبادات سے ہم تمہیں زندہ کرتے اور متابعت شہوات سے ہم تمہیں مارتے ہیں۔

حضرت ابن العربی قدس سرہٗ کی وصیت

حضرت شیخ الاکبر الاطہر نے اپنے ولد حضرت صدرالدین قونوی قدس سرہٗ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے اپنی کتنی اولاد واصحاب کو مار ڈالا اور جو مر گئے ان سے اب تمہیں کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی اب وہ تمہارے کام کے ہیں جنہیں تم نے مارا یا قتل کیا۔ وہ تجلی ذات دائمی ابدی کے مشاہدات ہیں کہ جنہیں کسی قسم کا حجاب اور پردہ نہیں اور نہ ہی کاملین کو ان کے سوا کوئی چارہ ہے۔ اس پر حضرت صدرالدین قونوی نے عرض کی یہ شرف مجھے حاصل ہے کہ اگرچہ مجھ سے میری اولاد واصحاب قتل ہو گئے لیکن بحمدہٖ تعالیٰ آپ جیسا شیخ کامل مُردوں کو زندہ کرنے والا بھی تو ہے فلہٰذا براہِ کرم میرے ان مُردگان کو آپ ہی زندہ فرمادیں۔ اس کی مزید تفصیل شرح الفصوص میں ہے۔

ف: حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ محی و ممیت بمعنے موجد (خالق) ہے۔ اگر تخلیق کا تعلق وجود سے ہو تو اس فعل کو احیاء سے اور اگر اس کا تعلق موت سے ہو تو اسے اماتت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حیات و ممات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ان دونوں صفتوں کا فعل من افعال الٰہیہ سے تعلق ہے۔

وَ نَحۡنُ الۡوٰرِثُوۡنَ اور ہم ہی باقی رہنے والے ہیں۔ وارث کا معنی باقی ہے۔ اور میت کے وارث کو بھی اسی معنے پر وارث کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے موروث کے مرنے کے بعد باقی رہتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم ہی تمام مخلوق کی فنا کے بعد باقی اور تمام مجازی مالکوں کے مرنے کے بعد ہم ہی ہر شے کے واحد مالک ہیں۔ اس معنے پر ہم اولاً و آخراً ہر طرح مالک ہیں فنا کے بعد کسی کو کسی شے پر تصرف کا حق نہیں "نہ صورۃً نہ مجازاً"۔

تنبیہہ: اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح متاخر کا اپنے متقدم کا وارث ہونا ضروری نہیں جیسے عموماً ہمارے ظاہری حال کا قاعدہ ہے کہ ہر متاخر اپنے متقدم کا وارث ہوتا ہے۔ صاحبانِ مکاشفہ وارباب مشاہدہ و معائنہ اب بھی اپنا معاملہ اسی طرح سمجھتے ہیں جیسے انہوں نے عدم سے پہلے سمجھا تھا اس لیے کہ عارفین تو ہر وقت قیامت کے تصور میں رہتے ہیں اور وہ حضرات اب بھی اپنے رب کریم سے ہمکلام ہیں اور اس کے کلام سے محظوظ ہوتے ہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ کا کلام حرف و صوت سے پاک اور منزہ ہے اللہ تعالیٰ اب بھی انھیں فرماتا ہے: لمن الملك اليوم۔ وہ گویا یقین کرکے زبانِ حال سے عرض کرتے ہیں: لله الواحد القهار۔ گویا ہر وقت اور ہر لحظہ یہی سوال و جواب جاری رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وانا لنحن نحیٖ اور ہم ہی اپنے انوار جمال سے اولیاء اللہ کے قلوب کو زندہ کرتے ہیں و نمیت اور ہم ہی نظرات جلال کی سطوت سے ان کے نفوس کو موت دیتے ہیں و نحن الوارثون اور ہم ہی ان کے وجود کو فانی کرکے انھیں اپنی بقا کے ساتھ باقی رکھنے والے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) پشہ آمد از حدیقہ وز گیاہ ۔۔۔ وز سلیمان گشتہ پشہ داد خواہ

(۲) کای سلیمان معدلت می گستری ۔۔۔ بر شیاطین و آدمی زاد و پری

(۳) مشکلات ہر ضعیفی از تو حل — پشہ باشد در ضعیفی خود مثل

(۴) داد دہ ما را ازیں غم کن جدا — دست گیر ای دست تو دست خدا

(۵) پس سلیمان گفت ای انصاف جو — داد و انصاف از کہ میخواہی بگو

(۶) کیست آں ظالم کہ از باد بروت — ظلم کردست و خراشیدہ است روت

○

(۷) گفت پشہ داد من از دست باد — کو دو دست ظلم ما را بر کشاد

(۸) بانگ زد آں شہ کہ ای باد صبا — پشہ افغان کرد از ظلمت بیا

(۹) ہین مقابل شو تو با خصم و بگو — پاسخ خصم و بکن دفع عدو

(۱۰) باد چوں بشنید آمد تیز تیز — پشہ بگرفت آں زماں راہ گریز

(۱۱) پس سلیمان گفت ای پشہ کجا — باش تا بر ہر دو رانم من قضا

(۱۲) گفت ای شہ مرگ من از بود اوست — خود سیاہ ایں روز من از دود اوست

(۱۳) او چوں آمد من کجا یابم قرار — کو بر آرد از نہاد من دمار

(۱۴) ہمچنیں جویای درگاہ خدا — چوں خدا آمد شود جویندہ لا

(۱۵) گرچہ آں وصلت بقا اندر بقاست — لیک ز اوّل آں بقا اندر فناست

(۱۶) سایہای کہ بود جویای نور — نیست گردد چوں کند نورش ظہور

(۱۷) عقل ماند چو باشد سر دہ او — کل شئ ھالکٌ الّا وجھہٗ

(۱۸) ہالک آمد پیش وجہش ہست و نیست — ہست اندر نیستی خود طرفہ ایست

(ترجمہ:) ۱۔ ایک مچھر باغ کی گھاس سے حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا۔

۲۔ اے سلیمان (علیہ السلام)! آپ کا عدل شیاطین، آدمیوں اور پریوں پر ہے۔

۳۔ ہر ضعیف کی ہر مشکل آپ حل فرماتے ہیں اور مچھر تو ضعیفی میں ویسے بھی مشہور ہے۔

۴۔ میرا انصاف فرمائیے اور مجھے غم سے آزاد کیجئے اور میری مدد فرمائیے کیونکہ آپ کی مدد بعینہٖ اللہ کی مدد ہے۔

۵۔ سلیمان (علیہ السلام) نے فرمایا بتا تو سہی تو کس سے انصاف چاہتا ہے۔

۶۔ وہ کون سا ظالم ہے جس نے تجھے ظلم کا نشانہ بنایا اور وہ کون سا ظالم ہے جس نے تجھے ستایا۔

۷۔ مچھر نے کہا یہی ہوا تو ہے جو مچھر پر دونوں ہاتھوں سے ظلم کرتی ہے۔

۸۔ سلیمان (علیہ السلام) نے بادِ صبا کو حکم دیا کہ میرے ہاں جلد حاضر ہو کر تو مچھر پر ظلم کرتی ہے۔

۹۔ اپنے مدعی کے سامنے حاضر ہوکر اس کا جواب دعویٰ بیان کر۔

۱۰۔ ہوا نے فوراً حاضری دی لیکن مچھر ہوا کو دیکھ کر رفو چکر ہوگیا۔

۱۱۔ سلیمان (علیہ السلام) نے مچھر کو فرمایا تاکہ میں دونوں کی بات سن سکوں اور فیصلہ کرسکوں۔

۱۲۔ مچھر نے کہا، حضرت! اس کے ہونے سے ہی تو مجھے موت گھیر لیتی ہے اس کا دھواں تو میرے زخم ابھارتا ہے۔

۱۳۔ اس کے آنے سے مجھے قرار کہاں، کیونکہ یہی تو آکر مجھے تہس نہس کر دیتی ہے۔

۱۴۔ ایسے ہی طالب خدا کا حال ہے کہ جب اللہ کے جلوے اس پر غالب ہوتے ہیں تو وہ فنا ہوجاتا ہے۔

۱۵۔ اگرچہ بندہ اس وصال سے بقا پاتا ہے لیکن اس بقا سے پہلے فنا ضروری ہے۔

۱۶۔ وہ سایہ جو نور کا متلاشی ہو اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جب نور ظاہر ہوتا ہے تو سایہ مٹ جاتا ہے۔

۱۷۔ عقل کب باقی رہ سکتی ہے جبکہ کل شئے ہالک ہے سوائے ذات حق کے۔

۱۸۔ اس کی ذات کے سامنے تمام ہست ونیست کو فنا ہے ہست بھی نیستی کا ایک حصہ ہے۔)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ بے شک ہمیں معلوم ہیں تم سے پہلے مرنے والے یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر تا حال جو لوگ فوت ہو چکے ہیں انہیں ہم جانتے ہیں وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ اور ہمیں وہ بھی معلوم ہیں جو تم سے ولادت اور موت میں متاخر ہیں یعنی قیامت تک آنے والے یا متقدمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلام، جہاد، اطاعت اور عبادت میں تم سے مقدم ہیں۔ اور متاخرین جو اسلام، جہاد، اطاعت اور عبادت میں تم سے متاخر ہیں۔ ان میں سے کسی کے حالات مجھ سے مخفی نہیں وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ اور بیشک تیرا رب تعالیٰ ہی يَحْشُرُهُمْ انہیں اٹھائے گا یعنی جزا و سزا کے لیے قیامت میں متقدمین و متاخرین کو جمع فرمائے گا اور وہ اس پر قادر بھی ہے اور صرف وہی ان کا متولی ہے۔ اس میں قیامت کے منکرین کا رد ہے اِنَّهٗ حَكِيْمٌ وہ بہت بڑا حکیم ہے اپنے جملہ امور میں بہت مضبوطی رکھتا ہے۔ حکمت علم کو متضمن ہے یعنی وہ حقائق الاشیاء کو مکمل طور پر جانتا ہے اور افعال جس طرح صادر ہونا چاہیے انہیں ویسے ہی پورے طور لا سکتا ہے۔ اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے مخلوق میں ایسا کوئی نہیں جس کی اس طرح کی صفت ہو۔

سوال: اگر یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے تو پھر فلاسفہ کو حکیم (صفت حکمت) سے کیوں موصوف کرتے ہیں۔

جواب: وہاں حکمت سے معقولات پر عبور مراد ہے اور عقل کے نتیجے کا دوسرا نام حکمت ہے اور عقل مخلوق کی صفت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر لفظ عاقل کا اطلاق جائز نہیں۔ اسی طرح مخلوق میں سے کسی کو حکیم کہنا بھی ناجائز ہے۔ ہاں بطور مجاز اسے حکیم کہا جاسکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ حکمت سے نوازے۔ کذا فی التاویلات النجمیہ

حاشیہ بر صفحہ نمبر ۴۴

عَلِیۡمٌ علیم ہے۔ یعنی اس کا علم ہر شے کو محیط ہے۔
نکتہ: حکیم کی صفت کی تقدیم موقع محل کے مطابق ہے کہ قیامت میں اٹھا کر بندوں سے حساب و کتاب لے گا۔ اسی مقتضیٰ پر حکیم کو علیم سے مقدم لانا موزوں تھا۔ اسی لیے اسے مقدم کیا گیا ہے۔

شانِ نزول ۱ امام واحدی اپنی کتاب "اسباب النزول" میں رقمطراز ہیں کہ ایک بی بی نہایت حسینہ و جمیلہ نماز کی حاضری دیتی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے پچھلی صف میں کھڑے ہونے کا حکم فرماتے تو نمازی اسے نماز میں دیکھتے رہتے۔ یہاں تک کہ بعض حضرات عمداً مردوں کی پچھلی صف میں کھڑے ہو کر رکوع میں جاتے ہوئے بغلوں کے نیچے سے اس بی بی کو دیکھا کرتے تھے تو یہی آیت نازل ہوئی۔

شانِ نزول ۲ بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب عورتوں کو نماز با جماعت مسجد میں حاضری کی اجازت تھی جب عورتیں نماز میں حاضر ہوتیں تو جس مرد کے دل میں عورتوں کو دیکھنے کی خواہش ہوتی وہ سب سے پچھلی صف میں کھڑا ہوتا اسی طرح جس عورت کو مردوں کے دیکھنے کا شوق ہوتا وہ مردوں کی صف کے قریب تر کھڑی ہوتی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کی سب سے بہتر صف پہلی اور عورتوں کی سب سے بہتر صف پچھلی ہے۔ اسی طرح مردوں کی سب سے بری صف پچھلی اور عورتوں کی سب سے بری صف پہلی ہے۔

مسئلہ: یہ حکم عمومی نہیں بلکہ اس وقت ہے جب مرد عورتیں ایک جگہ اکٹھے نماز پڑھیں ورنہ اگر عورتیں علیحدہ اپنی جماعت کرا رہی ہوں تو اس وقت ان کی بہتر صف پہلی اور کمتر آخری صف ہو گی اس لیے کہ ارتفع الحکم بِرفعِ العلۃ یعنی علت کے ارتفاع سے حکم مرتفع ہو جاتا ہے۔

ف: بری اور بہتر صف سے اجر و ثواب کی قلت و کثرت مراد ہے۔ یعنی جو صف بہتر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انھیں اجر و ثواب بہت زیادہ نصیب ہو گا اور جو صف بُری ہے انھیں ثواب بہت کم ملے گا۔
نکتہ: عورتوں کی آخری صف کو فضیلت اس لیے حاصل ہے کہ وہ مردوں کے اختلاط سے دُور ہو جاتی ہیں۔ اس معنے پر انھیں سکونِ قلب نصیب ہو گا کہ نہ وہ مردوں کی دیکھیں گی نہ غلط قسم کا وسوسہ ان کے دل میں آئے گا۔ اسی طرح مردوں کا حال ہے کہ انھیں پہلی صف میں کھڑے ہونے سے عورتوں سے دُوری حاصل ہو گی تو سکونِ قلب نصیب ہو گا۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) لہ اسی طرح وہابیہ دیوبندیہ کو سمجھنا چاہیے کہ علم غیب، حاضر و ناظر اور دیگر وہ صفات جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں انبیاء و اولیاء پر مجازاً ان کا اطلاق جائز ہے۔ تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب "تسکین الخواطر" دیکھیے۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

ف: جس پہلی صف کی فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے اس سے وہ صف مراد ہے جو امام کو متصل ہے صف کے لوگ امام کے قریب ہوں یا بعید ثواب میں تمام برابر ہوں گے۔

مسئلہ: بعض اوقات صف میں خلل پڑجاتا ہے مثلاً درمیان میں منبر یا چھوٹا بڑا امکان یا کوئی اور شے آڑ بن جاتی ہے تب بھی ثواب میں کسی قسم کا نقص نہیں آئے گا۔ یہی صحیح ہے۔

ف: بعض فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ صف اوّل سے مسجد کے اندر والے لوگ مراد ہیں۔ اگر کوئی مسجد سے باہر صفِ اوّل میں کھڑا ہے تو اسے صفِ اوّل کا ثواب نہیں ملے گا اسی طرح جسے بھی صفِ اوّل میں کوئی شے آڑ بن جائے وہ صف سے منقطع ہو گیا تو اسے پہلی صف والا ثواب نصیب نہیں ہوگا۔ ہاں امام سے متصل بلا آڑ کھڑے ہونے سے صفِ اوّل کا ثواب ملتا ہے خواہ وہ پچھلی صفوں میں ہو۔ (پہلا قول صحیح ہے)

مسئلہ: بعض فقہاء نے فرمایا کہ صفِ اوّل کے حکم میں وہ شخص ہے جو مسجد میں سب سے پہلے داخل ہو خواہ نماز کی ادائیگی کے وقت اسے امام سے دُور پچھلی صف میں ہی جگہ ملے۔

شانِ نزول ۳ اور حدیث شریف

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صف اوّل میں نماز ادا کرنے کے فضائل بیان فرمائے تو صحابہ کرام نمازیں سبقت کرتے جس سے مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہتی۔ قبیلۂ بنو عذرہ کے مکانات مسجد نبوی سے دُور تھے وہ دیر سے پہنچنے پر بارگاہِ رسالت میں شاکی ہوئے اور اجازت چاہی کہ ہم بھی مسجد نبوی کے قریب مکانات خریدیں تاکہ دوسرے صحابہ کرام کی طرح صفِ اوّل کی شرافت سے مشرف ہوں۔ ان کی اس کارروائی پر یہ آیت نازل ہوئی اور انھیں خوشخبری دی گئی کہ تمھیں اپنی نیت کے مطابق اوّلیت کا اجر و ثواب نصیب ہوگا۔

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تمھیں ایسا عمل بتاؤں جس سے تمھاری خطائیں معاف اور درجات بلند ہوں۔ سب نے عرض کی ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تکالیف میں وضو اور مساجد میں حاضری کے لیے زیادہ قدم چل کر آنا اور نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔

مسئلہ: جس کا گھر مسجد سے دُور ہو اور وہ مسجد کی حاضری پر قدرت رکھتا ہے تو اسے مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے چل کر آنے میں بہت بڑا ثواب ہے یہ ہر اس شخص کے لیے ہے جسے مسجد تک آنے کی فرصت بھی ہے اور اس کے آنے سے کوئی اہم دینی کام نقصان پذیر نہیں ہوتا اگرچہ فرض کفایہ میں سے ہو مثلاً اشتغال علمی اور تعلیم و تعلّم میں نقص آتا ہے تو ایسے شخص کے لیے گھر میں نماز ادا کرنا افضل ہے۔ (لیکن ایسے سے کوئی مخصوص بزرگ ہی مستثنیٰ ہو سکتا ہے ورنہ جماعت کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرنا ہر لحاظ سے افضل ہے) اسی طرح جو مسجد تک چل کر آنے کی ہمت نہیں رکھتا مثلاً ضعیف ہے یا بیمار وغیرہ، تو اس کے لیے گھر میں نماز پڑھ لینا جائز ہے۔

سوال: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد کے قریبی گھر کو بعیدی گھر سے وہی فضیلت ہے جو محاذِ جنگ پر لڑنے والے

مجاہد کو جنگ پر نہ جانے والے پر۔ رواہ احمد فی مسندہ

اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ وہی افضل ہے جو مسجد کے قریب ہے لیکن تم نے پہلے ثابت کیا ہے کہ جو مسجد سے دور ہو وہ نماز پڑھنے کے لیے آئے گا تو اسے بہت زیادہ ثواب ہے۔

جواب : حدیث شریف مذکور میں مسجد سے قریبی گھر کی فضیلت بتائی گئی ہے۔ اور مسلم ہے۔ اور پہلے بیان میں نمازی کی حیثیت کا ذکر ہے۔ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے لیکن سمجھدار کی نظروں میں تو اعتراض ہے ہی نہیں کیونکہ دار (گھر) کی فضیلت کا مسئلہ اور ہے اور دُور سے چل کر آنے والے کا مسئلہ اور۔ یہ ایسے ہے جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا:

نحوست تین چیزوں میں ہے:

① عورت

② دار (گھر)

③ گھوڑا

ظاہر ہے کہ جو گھر مسجد سے دُور ہو گا وہاں اذان وغیرہ سنائی نہیں دے گی۔ بایں معنی وہ گھر افضل ہوا جہاں اذان سُنائی دیتی ہے اور وہ عبادت گاہ کے قریب تر ہے۔ اور وہ گھر منحوس ہے جو عبادت گاہ سے دُور ہے نہ اُسے آوازِ حق سنائی دیتی ہے نہ اس کا مکین عبادت کے لیے شوق کرتا ہے۔ (یہ اکثری بات ہے ورنہ بہت سے بدبخت مسجد کے قریب ہونے کے باوجود عبادتِ الٰہی سے محروم ہوتے ہیں اور بعض ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں کہ اگرچہ وہ مسجد (عبادت گاہ) سے دور ہوتے ہیں لیکن عبادتِ الٰہی سے سرشار ہوتے ہیں)

ف : بہتر ہے کہ ائمہ (خلفاء اسلام) کو اس بُعد سے مستثنیٰ رکھا جائے اس لیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد اسلامی خلفاءؓ کے گھر مسجد شریف کے قریب رہے اور انھیں وہی ثواب نصیب ہو گا جیسے دُور سے چل کر آنے والے کو۔

مسئلہ : علماء کا اختلاف ہے کہ دُور چل کر کسی مسجد میں جا کر نماز پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے یا مسجد کے قریبی گھر سے۔ صحیح تر یہ ہے کہ جو گھر مسجد کے قریب تر ہے اس کے مکین کے لیے اسی میں نماز پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے اگرچہ اس میں اکیلے ہی نماز پڑھی جائے (غنیہ)

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف لاصلاۃ لجار المسجد الا فی المسجد۔ رواہ الدار قطنی

مسجد کے ہمسایہ کی نماز مسجد کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ : محلہ والوں (ہمسائیگان) پر مسجد کا حق بنتا ہے۔ اور اس کی ہمسائیگی کا حق اس میں نماز ادا کرنا ہے۔

مسئلہ : قریبی مسجد میں جماعت سے نماز نہیں ہوتی لیکن دُور والی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ہوتی ہے تو شرع پاک کا حکم ہے کہ قریب والی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ اس قریبی مسجد میں اکیلا نماز پڑھے گا تو بھی اسے جماعت کا ثواب ملے گا۔

مسئلہ: مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہوا کہ قریبی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ یہی تمام فقہاء کا مذہب ہے۔ مسجد کی آبادی اس میں نماز پڑھنے کا نام ہے۔ یہ نہیں کہ مسجد تو بنا دی رنگین اور بہترین، لیکن نماز کے لیے ایک وقت جانا بھی نصیب نہ ہو تو ایسی مسجد کو بظاہر تو آباد سمجھا جائے گا لیکن درحقیقت یہ مسجد ویران ہے۔ اس کے برعکس اگر مسجد ہے تو خستہ حال لیکن نمازیوں سے پُر ہے تو وہ مسجد آباد ہے۔ اگر کسی مفلس کو مسجد کی تعمیر کی ہمت نہیں تو وہ اس میں نماز پڑھ کر ہی یہ حق ادا کر سکتا ہے۔

مسئلہ: مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا گویا اس مسجد کو از سر نو زندگی بخشنا ہے۔

مسئلہ: اگر قریبی مسجد میں نماز باجماعت نہیں ملی لیکن بعید والی مسجد میں جماعت مل سکتی ہے تو اس بعید کی مسجد میں جماعت کے لیے جا سکتا ہے۔

مسئلہ: گھر میں نماز پڑھتا ہے تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقعہ نصیب ہوتا ہے اور اگر مسجد میں جائے گا تو نماز تنہا پڑھنی پڑے گی تو اس وقت گھر میں باجماعت نماز پڑھنا افضل ہے۔ یہ اس وقت ہے کہ گھر میں دوسرے نماز باجماعت کا اہتمام کر رہے ہوں اور اس کا اس میں کسی قسم کا دخل نہ ہو۔ اگر اس کا بس چلے تو جماعت کا اہتمام مسجد ہی میں کرے[1]۔

مسئلہ: مسجد کی ہمسائگی دائیں بائیں آگے پیچھے چالیس گھروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ جہاں تک موذن کی اذان کی آواز پہنچے ان گھروں کو مسجد کا ہمسایہ کہا جائے گا۔ پہلا قول صحیح ہے اس لیے کہ آواز آواز میں فرق ہوتا ہے بالخصوص دورِ حاضرہ میں لاؤڈ سپیکر (LOUD SPEAKER) کی وجہ سے مسجد کی ہمسائگی کا معیار قائم نہ رہ سکے گا۔

ف: آیت میں المستقدمین سے مراد اول وقت میں نماز پڑھنے والے نمازی ہیں اور المستاخرین سے دیر سے نماز پڑھنے والے نمازی مراد ہیں۔

حدیث شریف

حدیث شریف میں ہے،

اول الوقت رضوان اللہ و وسط الوقت رحمۃ اللہ و اٰخر الوقت عفو اللہ تعالیٰ۔

(نماز کے) اول وقت میں رضائے الٰہی اور درمیانی وقت میں رحمتِ حق اور آخری وقت میں اللہ تعالیٰ کی معافی نصیب ہوتی ہے)۔

حدیث شریف در تائید مذہب احناف

شرح کتاب الشہاب للقضاعی میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نوّروا بالفجر فانہ اعظم للاجر۔

صبح کی نماز کو روشنی میں ادا کرو اس لیے کہ اسی میں اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔

---

[1] بعض حضرات، بالخصوص علماء و اعظین اور بعض مشائخ (نام کے، گدی نشین اوّلاً تو نماز پڑھتے ہی نہیں، اگر پڑھتے ہیں تو وہ مسجد میں جانے کے بجائے اپنی نشست گاہ پر ہی جماعت کا اہتمام کر لیتے ہیں۔ اللہ ہدایت دے ۱۲ اویسی غفرلہٗ

شرح الحدیث المذکور

(شرح کتاب الشہاب للقضاعی میں ہے کہ) اس حدیث شریف میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی تائید ملتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ صبح کو نماز دیر سے پڑھی جائے لیکن ایسا نہ ہو کہ وہ قضا ہو جائے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز اول وقت میں ادا کرنا افضل ہے اس لیے کہ حدیث شریف میں اول الوقت کو رضوان اللہ سے اور آخر وقت کو عفو اللہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عفو گناہ کے بعد ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخری وقت میں نماز پڑھنا گناہ ہے (تقریباً آجکل کے وہابی غیر مقلدین اور ان کے حقیقی بھائی دیوبندی بھی یہی کہہ دیا کرتے ہیں)

دلیل از احناف

حضرت ابو محمد نیشا پوری نے فرمایا کہ حدیث شریف میں آخر الوقت سے نماز فوت ہو جانے کے بعد کا وقت مراد ہے اور ظاہر ہے کہ نماز قضا کر کے پڑھنا گناہ ہے اسی لیے اسے عفو اللہ سے تعبیر کرنا صحیح ہوا یعنی آخر الوقت سے نماز کی ادائیگی کا آخری وقت مراد نہیں جیسا کہ حدیث شریف کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ اس جواب پر حدیث شریف کے اول الوقت سے نماز کا تمام وقت مراد ہے اور آخر الوقت سے قضاء۔ چنانچہ ان کی اس تقریر کی تائید اسئلۃ الحکم سے ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ وقت دو ہیں،

○ وقت الاداء

○ وقت القضاء

وقت الاداء تو وہی ہے جو نماز کی ادائیگی کا وقت ہے کہ اس میں نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیا جائے۔

وقت القضاء اس کے بعد کا وقت ہے کہ جس میں نماز قضا پڑھی جا سکے۔ اسی کو حدیث شریف میں آخر الوقت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چونکہ بندے سے کوتاہی ہوئی کہ اس نے نماز بے وقت پڑھی اس طرح وہ گناہ کا مرتکب ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اسے معاف کر دیا۔ بایں معنیٰ اسے عفو اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

نکتہ: اول الوقت کو رضوان اللہ کہنے میں ایک یہ نکتہ ہے کہ نماز کا پہلا وقت بمنزلہ کنجی کے ہے۔ جب اسے چابی نصیب ہوئی تو اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے حرم خاص میں داخل ہوا اس معنے پر اسے رضوان اللہ سے تعبیر کیا گیا۔ اور ظاہر ہے جو کسی شے کا آغاز کرتا ہے اسے اختتام بھی حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ جو نہی کام کو ختم کرے گا اسے آغاز بھی نصیب ہوا اور انجام بھی۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ نماز کے لیے اول وقت یا وقت سے پہلے اہتمام کرے جو نہی نماز کا وقت آنے نماز میں مشغول ہو جائے اگرچہ نوافل ہی سہی۔ تاکہ اسے حدیث شریف کے مطابق نوازشات الٰہی نصیب ہوں۔

مسائل فقہیانہ

چند مسائل میں نمازوں میں تاخیر مستحب ہے،

① موسم گرما میں ظہر کی تاخیر

② اول وقت میں پانی نہ ملے تو پانی کی تلاش میں نماز کو آخر وقت میں ادا کرنا۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝ وَالْجَانَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ
السَّمُومِ ۝ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝ فَإِذَا
سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سٰجِدِينَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ۝ إِلَّآ
إِبْلِيسَ ؕ أَبٰٓى أَنْ يَكُونَ مَعَ السّٰجِدِينَ ۝ قَالَ يٰٓإِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ السّٰجِدِينَ ۝
قَالَ لَمْ أَكُنْ لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا
فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ وَّإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلٰى يَوْمِ الدِّينِ ۝ قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِيٓ إِلٰى يَوْمِ
يُبْعَثُونَ ۝ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ۝ إِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَآ أَغْوَيْتَنِي
لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ قَالَ هٰذَا
صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ۝ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِينَ ۝ وَ
إِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ۝

ترجمہ: اور بیشک ہم نے انسانوں کو بجتی ہوئی مٹی سے بنایا جو وہ ایک سیاہ بدبودار اور گارا تھی اور
اس سے پہلے جن کو بے دھوئیں کی تیز آگ سے بنایا اور یاد کرو کہ جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں
آدمی کو بجتی مٹی سے (جو بدبودار سیاہ گارے سے ہے) پیدا کرنے والا ہوں تو جب میں اسے مکمل کر لوں
اور اپنی طرف کی خاص معزز روح پھونک دوں تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔ تو سوائے ابلیس کے
تمام فرشتوں نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو۔ فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا
کہ تو سجدہ کرنے والوں سے نہیں ہوتا کہا میرے لائق نہیں کہ میں بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجتی ہوئی مٹی
سے بنایا جو سیاہ بدبودار گارے سے تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس بہشت سے نکل جا اس لیے کہ تو
مردود ہے بیشک تجھ پر تا یوم قیامت لعنت ہے ابلیس نے عرض کی اے میرے رب تعالیٰ مجھے اس وقت تک
مہلت دے کہ جس میں وہ اٹھائے جائیں فرمایا تو ان میں سے ہے جنہیں اس معلوم وقت کے دن تک مہلت دی گئی ہے
کہا اے میرے رب تعالیٰ جس کی وجہ سے تو نے مجھے گمراہ کیا میں انھیں زمین پر نافرمانی خوبصورت بنا کر دکھاؤں گا اور
ان سب کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے ان (محبوب) بندوں کے جو ان میں سے تیرے چنے ہوئے ہیں فرمایا یہ سیدھا
راستہ میری طرف پہنچتا ہے بیشک میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں سوائے ان گمراہوں کے جو تیرے نقش قدم پہ
چلیں گے اور بیشک دوزخ ان سب کا وعدہ ہے اس کے سات دروازے ہیں ہر ایک دروازے کے لیے ایک
حصہ تقسیم شدہ ہے۔

(بقیہ ص ۴۸)

③ جب طعام کی خواہش کا غلبہ ہو (یعنی بھوک لگی ہوئی ہو) اور طعام بھی موجود ہو۔

④ نماز باجماعت ملنے کا یقین ہو۔

⑤ ایسے مقامات پہ قیام ہے جہاں جانا شرعاً ممنوع ہے تو وہاں سے دوسرے مقام پہ جانے کے لیے تاخیر سے نماز پڑھنا۔ مثلاً ٹیکس وصول کرنے کی جگہ، بازار، سود خوری کا مرکز، سنار کی دکان۔ یعنی جہاں سودی کاروبار ہوتا ہو، جیسے سودی بینک۔ ایسے مقامات پہ نماز تو کجا وہاں محض جانے سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔ جب تک شدید ضرورت نہ ہو وہاں نہ جائے اس لیے کہ ایسے مقامات سود کے مراکز ہیں اور گناہوں کے مراکز سے دُور رہنا بہتر ہے۔

سبق: نماز وغیرہ کی اہمیت معلوم کرنے کے بعد سالک پر لازم ہے کہ وہ عبادت کی سختی میں زندگی بسر کرے تاکہ اس پر نفس و شیطان کا حملہ نہ ہو اس لیے کہ یہ دونوں ہر وقت انسان کو بہکانے کی کوشش میں رہتے ہیں اسی لیے سالک کو لازم ہے کہ ان کی شرارت سے آگاہ رہے تاکہ پھر پچھتانا نہ پڑے بلکہ بعض اوقات ان کا ایسا سخت حملہ ہوتا ہے کہ جس سے انسان کو عمر بھر خون کے آنسو بہانے پڑتے ہیں۔ کذا فی شرح المہذب

مثنوی شریف میں ہے ؎

صوفی ابن الوقت باشد اے رفیق
نیست فردا گفتن از شرط طریق

(ترجمہ: صوفی ابن الوقت ہوتا ہے اسے مہلت سے کسی قسم کی غرض ہوتی ہی نہیں۔)

(تفسیر آیات صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ اور نوعِ انسانی کو ہم نے پیدا کیا۔ یعنی انسان کی اصل تخلیق ہی ایک عجیب امر پر مشتمل ہے کہ اس کی تخلیق اجمالی طور پر گویا تمام انسانی تخلیق کا نمونہ ہے مِنْ صَلْصَالٍ بجتی ہوئی مٹی سے۔ یعنی وہ گارا جو خشک ہو جسے آگ پر پکایا نہ جائے۔ مصلصل بمعنے یصوت عند نقرہ یعنی ٹھوکر لگانے سے آواز دیتا ہے۔ اور جب مٹی کو گارا بنا کر اسے آگ پر پکایا جائے تو اسے عربی میں الفخار کہا جاتا ہے مِنْ حَمَإٍ جب گارے کو پانی میں پڑے ہوئے چند روز گزر جائیں تو اس میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے اسے عربی میں حماء کہتے ہیں مَسْنُونٍ یہ حماء کی صفت ہے بمعنے بدبودار۔ یعنی ہر وہ گارا جو کئی روز پانی میں پڑے رہنے کی وجہ سے بدبودار ہو جائے جیسے حوض یا گندی نالیوں میں بدبودار سیاہ رنگ کا گارا نظر آتا ہے۔ یا مسنون بمعنے مصور من سنۃ الوجہ سے مشتق ہے بمعنے مصبوب من سن الماء صبہ۔ یعنی وہ شے جس سے ہیئت انسانی ڈھالی جائے۔ جیسے قالب میں جواہر سے صورتیں ڈھالی جاتی ہیں۔ جیسے قلعی، تانبہ و دیگر دھاتیں پگھلا کر

اشیاء تیار کی جاتی ہیں۔ اب اس کی تقریر کی جائے گی کہ گویا اللہ تعالیٰ نے سیاہ گارے کو پگھلا کر انسانی ڈھانچہ کو کھلی طرز پر تیار فرمایا۔ خشک ہونے پر اسے ٹھنکا کر دیکھا تو بجنے لگا۔ اسی لیے فرمایا:

فتبارك الله احسن الخالقين ۔ پس اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے اور وہی احسن الخالقین ہے۔

کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے تیار فرمایا بایں طور کہ چند روز اس مٹی پر بارش برسائی وہ مٹی گارہ بن گئی اسی حالت میں کئی روز گزر گئے۔ چونکہ گارہ پانی میں پڑے رہنے سے اس میں سڑاند اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور وہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ مٹی بھی بدبودار اور سیاہ رنگ کی ہو گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تصویر کھینچی یعنی ان کی صورت بنائی۔ اس معنے پر مسنون بمعنے مصنور (بالفتح) ہوگا۔ پھر اسے بھی چند روز تک ایسے ہی چھوڑے رکھا تاکہ خشک ہو جائے۔ جب وہ مٹی خشک ہو گئی تو بجنے لگی۔ اسے صلصال سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ف: ایک حالت سے دوسری حالت تک چالیس روز کا وقفہ رکھا گیا۔ یہ کل چار وقفے تھے۔ جب آدم علیہ السلام میں رُوح پھونکی گئی تو وہ جمعہ کا دن اور عصر کے بعد کی گھڑی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق دنیا کے کسی ایک باغیچہ میں ہوئی۔ یہی اکابر اہل اللہ کا مذہب ہے۔

وَالْجَآنَّ اس سے ابوالجن مراد ہے۔

ف: روضہ میں مرقوم ہے کہ ابلیس ہی ابوالجن ہے اور جان جن کی اسم جمع ہے۔ کما فی القاموس، اور جن چونکہ پوشیدہ ہوتے ہیں اس لیے انہیں جن بمعنے پوشیدہ کہا جاتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے اس سے مطلق جن یعنی اسم جنس مراد ہو۔ جیسا کہ الانسان بول کر مطلق جنس انسان مراد لی جاتی ہے۔ پھر اسم جنس سے ہر فرد مراد لیا جاتا ہے۔ اسم جنس بمنزلہ ایک مادہ کے ہوتا ہے اس سے گویا باقی افراد پیدا ہوئے۔

خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ ہم نے اسے انسان کی تخلیق سے پہلے پیدا فرمایا مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ سخت اور گرم ترین آگ سے۔

ف: السموم لغت میں الریح الحارۃ (گرم ہوا) اور بمعنے الریح الحارۃ فیھا نار (وہ گرم ہوا جس میں آگ ہو) کو کہا جاتا ہے۔

ف: السموم اور الحرور میں فرق یہ ہے کہ السموم اکثر دن کو ہوتی ہے اور الحرور وہ گرم ہوا جو رات کے وقت ہوتی ہے کبھی کبھار یہ دن کو بھی ہوتی ہے۔ کما فی القاموس۔ اور سموم کو اس نام سے اس لیے موسوم کرتے ہیں کہ یہ اپنی لطافت طبع کی وجہ سے مسام میں اثر کر جاتی ہے بالخصوص وہ مقامات جو سوراخ رکھتے ہوں مثلاً منہ، کان، ناک وغیرہ۔ بعض اہلِ لغت کہتے ہیں کہ سموم وہ آگ ہے کہ جس میں دُھواں نہ ہو۔ اور آسمان کی صواعق (بجلیاں) اکثر اسی قسم سے ہوتی ہیں۔ صواعق وہ بجلیاں جو آسمان اور حجاب کے درمیان ہوتی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ بجلی زمین پر گرانے کا ارادہ فرماتا ہے تو پہلے اس حجاب کو پھاڑتا ہے اس سے بجلی نکل کر زمین پر گرتی ہے۔ یہ جو بجلی گرتے وقت زوردار کڑک سنائی دیتی ہے یہ اسی حجاب کے پھٹنے کی آواز ہوتی ہے۔

نکتہ: جن کی تخلیق سے پہلے انسان کی تخلیق کا ذکر محض انسانی شرافت کی وجہ سے ہے تاکہ معلوم ہو کہ انسان جن سے اشرف و افضل ہے۔ ورنہ سب کو معلوم ہے کہ جن انسان سے پہلے پیدا ہوا تھا۔

ف: جنّات اور آدم علیہ السلام کی تخلیق کا درمیانی فاصلہ ساٹھ ہزار سال کا ہے۔

ف: اہلِ علم محققین کا اتفاق ہے کہ عالمِ ملائکہ عالمِ جنّات سے تخلیق میں مقدم ہے جیسے عالمِ جن عالمِ انسان سے پہلے ہے ان سابقین کا ملک حضرت آدم علیہ السلام کو منتقل ہوا تاکہ آدم زادے سابقین کے حالات سے عبرت پکڑیں اور سابقین پر حضرت آدم اور ان کی اولاد کی فضیلت اور شرافت معلوم ہو کہ یہ باوجودیکہ تخلیق میں سب کے بعد ہیں لیکن سابقین کے افسر ہیں۔ آدم زادوں کی مثال سابقین کے لیے ایسے ہے جیسے انگشتری میں نگینہ۔ انھیں اگر خاتم المخلوقات کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا اور وہ اس لائق ہیں کہ انھیں نتیجۃ الکائنات و نسخۃ الکلیات کہا جائے کیونکہ یہ تمام محسوسات و معقولات کا خلاصہ ہیں۔ اسی انسان سے کمالِ وجود کی تکمیل ہوئی کیونکہ یہ ہر دو صفات جمالیہ و جلالیہ اور لطف و قہر کا جامع ہے بخلاف ملائکہ کہ وہ صرف ایک صفت کے حامل ہیں یعنی ان میں صرف صفتِ لطف پائی جاتی ہے حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ملائک را چہ سود از حسن طاعت
چو فیض عشق بر آدم فرو ریخت

(ترجمہ: ملائکہ کو حسنِ طاعت سے نوازا گیا تو کیا ہوا عشق کی چنگاری تو حضرت آدم کو نصیب ہوئی)

ردِّ وہابیہ آدم علیہ السلام سے پہلے مٹی کی ساخت کی کوئی مخلوق نہیں تھی[1]۔ آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو مٹی سے بنایا گیا تاکہ ان میں عبودیت کے لیے تواضع فطری امر ہو اور خاشع خاضع اور منکسر الحال ہو کر زندگی بسر کریں اور انھیں طبعی طور سربسجود ہونے کا شوق دامنگیر ہو اس لیے کہ سجدہ ہی عبودیت کاملہ کا مرکز ہے اور قاعدہ ہے کہ:

کند ہمجنس با ہمجنس پرواز

یعنی مٹی کی جنسیت سے انھیں تواضع جیسی دولت نصیب ہوگی۔ یہی راز تھا کہ آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی سے پیش آئے اور ابلیس نے تکبر کیا اور تواضع سے کوسوں دُور ہٹ کر سجدہ سے انکار کر دیا۔ گویا اس نے اپنی جنس نار کی طرف جھکاؤ کیا۔

نکتہ: اہلِ حکمت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ آدم علیہ السلام کو ابتداءً ہی ایک ہیئت سے پیدا کرتا لیکن تدریجاً تخلیق فرمائی کہ پہلے مٹی، پھر گارا، پھر سیاہ بدبودار گارا، پھر بجنے والی مٹی۔ تاکہ حکمتِ کاملہ کا اظہار ہو یا اس لیے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ملائکہ کو مشاہدہ ہو۔ اس میں ان کی بھی مصلحت تھی اور دُوسری مخلوق کی بھی۔ اس لیے کہ انسانی تخلیق بہ نسبت دوسری مخلوق کے عجیب تر ہے

---

[1] بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] سال پہلے موجود تھے۔ ہم اہلسنت اسی وجہ سے حضور علیہ السلام کو نور کہتے ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ ہم آپ کی بشریت کے بھی قائل ہیں۔ ۱۲ اویسی

شکل وصورت کے اعتبار سے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ کے رب تعالیٰ نے فرمایا لِلْمَلٰٓئِكَةِ ملائکہ سے خلافتِ زمین کے بارے میں۔

ف: فقیر (حقی) عرض کرتا ہے کہ ان سجدہ کرنے والے ملائکہ کے متعلق سخت اختلاف ہے لیکن صحیح قول وہی ہے جو اکابر اہل اللہ نے فرمایا ہے کہ ان سے وہی فرشتے مراد ہیں جو عالمِ ارواح سے عالمِ اجسام میں تشریف لاتے ہیں ان میں جبریل علیہ السلام بھی داخل ہیں اسی طرح ان کے تمام اکابر واصاغر فرشتے شامل ہیں وہ سماوی تھے یا ارضی، اس لیے کہ وہ سب کے سب جسمانی ہیں اگرچہ ان کے اجسام لطیف ہیں۔ اس معنے پر الملٰئکۃ کی لام استغراق جنس کی ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے:

استکبرت ام کنت من العالین۔

اس میں العالین سے وہ فرشتے مراد ہیں جو عالمِ ارواح میں نورِ شہودِ حق میں ہمہ وقت مستغرق ہیں یہاں تک کہ انہیں اپنی بھی خبر نہیں چہ جائیکہ انہیں آدم علیہ السلام وغیرہ کا علم ہو۔ وہ اس نوعِ عالمِ انسانی سے افضل ہیں لیکن صرف شرافت حال میں نہ کہ جمعیت وکمال میں۔ یاد رہے کہ انسان ارضیہ سماویہ ملائکہ سے رتبہ وفضیلت وکمال بلکہ شرف حال سے اعلیٰ ہے اس لیے کہ وہ ایسا عنصر ہے جو اللہ کے ہاتھ سے پیدا شدہ ہے اسی لیے ملائکہ کو نہ یہ شرف نصیب ہے نہ وہ اس کے رتبہ کمال کو پہنچ سکتے ہیں۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فرشتہ عشق نداند کہ چیست قصہ مخوان
بخواں جام وگلابے بخاکِ آدم ریز

(ترجمہ: فرشتہ عشق کو نہیں جانتا اس لیے یہ قصہ نہ چھیڑیئے ہاں خاکِ آدم میں گلاب چھڑک دیجئے یعنی عشق صرف آدم سے مخصوص ہے)

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا میں پیدا کرنے والا ہوں اور وہ پیدا ہو کر رہے گا۔ اس کے تحقق پر صیغہ اسم فاعل دلالت کرتا ہے بَشَرًا قاموس میں ہے کہ البشر محرکہ ہے یعنی پہلے دونوں حرفوں کو زبر سے پڑھنا چاہیے۔ یعنے آدم زادہ مرد ہو یا عورت ایک ہو یا زیادہ اسے تثنیہ بھی پڑھا جا سکتا ہے یعنی بشرین اور اس کی جمع البشار آتی ہے۔ انسانؔ کے ظاہری جسم کو کہا جا سکتا ہے۔ مِنْ صَلْصَالٍ یہ خالق کے متعلق ہے یا بشر کی صفت ہے یعنی وہ بشر جو بجنے والی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کالی اور بدبودار مٹی سے۔ اس کی تفسیر ہم نے پہلے بیان کی ہے۔

لہٰذا اس معنے پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بشریت اطلاق صحیح ہے اس لیے کہ آپ بشریت کے لباس میں ہیں لیکن اسے آپ کی حقیقت کہنا حماقت وجہالت ہے۔ ۱۲

ف : اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق بطور امتحان ملائکہ کرام سے مشورہ لیا تاکہ ان میں طیب اور خبیث کا امتیاز ہو جائے یعنی ان سے ابلیس علیحدہ ہو جائے۔ چنانچہ اس امتحان میں ملائکہ کرام کامیاب ہو گئے اور ابلیس تباہ و برباد ہوا۔ اسی لئے عرب کا مشہور مقولہ ہے :

عند الامتحان یکرم الرجل او یھان ۔ بوقت امتحان انسان کی عزت ہوتی ہے یا ذلت۔

ف : بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے ملائکہ کرام کو خبر دی تاکہ ملائکہ کرام یقین کریں کہ آخر فنا ہے اور دنیا اور اس کی چمک دمک مٹ کر رہ جائے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ :

اسکن انت و زوجك الجنۃ۔

قاعدہ ہے کہ سکونت عاریۃ کے مکان میں ہوتی ہے اسی لیے آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کو سکونت کا لفظ کہہ کر انھیں یقین دلایا کہ بالآخر تم نے یہاں ہمیشہ نہیں رہنا۔ صائب نے فرمایا : ؎

مہیائے فنا را از علائق نیست پروائے
نیندیشد ز خاک آنکس کہ دامن در کمر دارد

(ترجمہ : فنا کے لیے یقین رکھنے والے کو تعلقات کی پروا نہیں ہوتی جس کا دامن کمر سے مضبوط بندھا ہو وہ مٹی سے نہیں گھبراتا۔)

ف : آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات سے اس لیے بعد میں پیدا فرمایا تاکہ انھیں خاتم المخلوقات کے لقب سے نوازا جائے۔ جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد تشریف لائے تو آپ کو خاتم الانبیاء کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ یہ مرتبہ بڑا ذی شان ہے جیسے بادشاہ کے خاص دروازۂ خزانہ پر مُہر ثبت ہوتی ہے اس میں اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ مقام نہایت مہتم بالشان ہے۔

فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ جب میں نے آدم علیہ السلام کی صورت کو صورت انسانیہ اور خلقت بشریہ میں برابر کیا وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ اور اس میں میں نے اپنی رُوح پھونکی۔ النفخ بمعنے اجراء الریح الی تجویف جسم صالح یعنی اچھے جسم کی کوکھ میں ہوا ڈالنا۔ اس ہوا کو بند کرنے اور اس کی خالی جگہ کو پُر کرنا، اس سے آدم علیہ السلام کی حیات کی ایجاد مراد ہے ورنہ اس وقت نہ نفخ تھا نہ منفوخ بلکہ وہاں تو صرف موجد (بصیغہ اسم فاعل یعنی اللہ تعالیٰ) کی موجَدہ (بصیغہ اسم مفعول) یعنی آدم علیہ السلام سے ملاقات کا ایک خاص طریقہ تھا یا کہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہویت کے جلوؤں اور اپنی صفات و افعال کے انوار سے آدم علیہ السلام کو نوازا۔

ف : الشیخ عزالدین قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہاں پر نفخ سے یہ مراد ہے کہ آدم علیہ السلام کے جسم میں روح کے نور کا ایک شعلہ اٹھا۔ چونکہ یہی نفخ اس شعلہ کے اُٹھنے کا سبب بنا تھا اسی لیے اس شعلہ کو نفخ سے تعبیر کیا گیا ہے ورنہ نفخ

پھونکنے کا مفہوم اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے۔ ہاں اس سے یہ جو نور کا شعلہ مراد لیا گیا ہے وہ محال نہیں۔ بہرحال نفخ سے جو شے حاصل ہوئی یعنی شعلۂ نور، اسے نفخ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ف : وہ سبب کہ جس روح کا نور شعلہ زن ہو وہ کسی فاعل کی صفت ہے اور وہی اس محل کے قابل کی بھی صفت ہے۔ فاعل کی صفت جو تو اس وقت اس سے مطلق مراد ہے یعنی وہ وجود جو تمام موجودات وجود کا سرچشمہ ہے وہی ہر موجود کا بالذات فیض رساں ہے باقی موجودات کا وجود اسی کے وجود سے ہے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو قدرت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی مثال سورج کے فیضان کی ہے کہ اس کا نور ہر اس شے کو فیض پہنچا رہا ہے جو اس کے نور کے حصول کی استعداد رکھتا ہے جبکہ اس شے اور سورج کے درمیان سے حجابات اُٹھ جائیں۔ یاد رہے کہ نور کو ملونات قبول کرتے ہیں نہ کہ ہوا اس لیے کہ ہوا میں تلون نہیں ہے اور محل قابل کی صفت یہ ہے کہ اس میں استواء و اعتدال ہو اور وہ تسویۃ میں ہے۔ چنانچہ فرمایا، فاذا سویتہ اور قابل محل کی مثال شیشے کے صیقل کی ہے کہ جیسے شیشہ صیقل سے پہلے کسی صورت کو قبول نہیں کرتا اگرچہ اسی صورت کو اس کے سامنے بھی رکھ دیا جائے لیکن جب اسے صیقل کیا جائے تو صاحبِ صورت کی صورت اس میں صاف نظر آتی ہے جب وہی صاحبِ صورت اس شیشہ کے سامنے ہو۔ اسی طرح جب نطفہ میں استوا حاصل ہو جائے تو اس میں روح پیدا ہو جاتی ہے ؎

آن صفائے آئینہ وصف دلست
صورت بے منتہا را قابلست
اہل صیقل رستہ انداز بو و رنگ
ہر دمے بینند خوبی بے درنگ

(ترجمہ : جس کا دل شیشے کی طرح صاف و شفاف ہے بے منتہا صورت کے قابل وہی ہے۔
اہل صیقل ہر بو و رنگ سے پاک ہیں وہ ہر آن حسن حقیقی کا نظارہ دیکھتے ہیں۔)

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے نفخ و تسویۃ وغیرہ کو اپنی ذات کی طرف اس لیے منسوب فرمایا ہے کہ ان امور کو بلا واسطہ بلا کیف خود ذات حق نے سرانجام دیا۔ اسی طرح رُوح کو بھی اپنی طرف منسوب فرمانے میں یہی راز ہے کہ نفس رحمانی سے حضرت انسان کو نوازا۔ اس کے اس وجود کو ظلِ رحمانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی ظل رحمانی کی طرف الم تر الی ربک کیف مد الظل میں اشارہ فرمایا ہے۔ اور اسے نفخ سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ جب ذات حق نے بلا واسطہ حضرت انسان کی تخلیق فرمائی تو اسے تسویہ بالیدین ست مراد جمالیہ لطفیہ اور جلالیہ قہریہ کی معرفت بھی عطا ہوئی۔

الجوبہ : حضرت الشیخ عزالدین نے فرمایا کہ روح جہت و مکان سے منزہ ہے اس کے اندر جمیع اشیاء کے جم و ادراکات کی قوت ہے اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب فرمایا اور نہ دوسرے جسمانیات بھی اسی کے ہیں لیکن ان میں مذکورہ بالا اوصاف نہیں ہیں۔

نکتہ: حضرت امام الجلد کی قدس سرہٗ کتاب البرہان کی فصل کتاب الانسان میں رقمطراز ہیں کہ فطرت اولی میں جوہر انسانی کی حقیقتِ واحدہ صاحب قوائے کثیرہ ہے۔ اسی کو صوفیہ کرام روح و قلب سے تعبیر کرتے ہیں اور حکما اسے نفسِ ناطقہ کہتے ہیں۔ جب اس کا بدن سے تعلق ہوا تو اس کے وہی قوائے کثیرہ منتشر ہونے ان سے اسی جوہر کا نور چھپ گیا اسی تعلق سے اسے مراتب کثیرہ حاصل ہوئے جب جوہر انسان تخلیق انسانی کے ڈھانچے کے پردوں سے محجوب ہوا تو اس کے اندر امور طبعیہ نے حلول کیا تو اسے نفس سے تعبیر کیا گیا اور جب یہ ان حجابات سے متجرد ہوا اور اس کا نور کھل جائے تو اسے عقل کہتے ہیں۔ جب متوجہ الی اللہ اور راجع الی العالم القدسی ہو۔ اور اسے اس عالم کا مشاہدہ بھی نصیب ہو تو اس وقت اسے رُوح سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر اسے معرفت حق اور اس کے صفات و اسماء جمعاً و تفصیلاً کی اطلاع حاصل ہو تو اسے قلب سے موسوم کرتے ہیں اور اگر اسے جزئیات کا ادراک ہو اور اسے ملکات و الہیات (جو کہ یہی افعال کے مراکز ہیں) کی اطلاع نصیب ہو جانے تو اسے نفس کہتے ہیں۔

رازورموز فقیر (حقی) عرض کرتا ہے کہ اہل سنت کی جماعت جس میں امام غزالی و رازی رحمہما اللہ تعالیٰ بھی ہیں اس مسئلہ میں حکماء و صوفیہ سے متفق ہے کہ روح ایک امر مجرد (بلا جسم) ہے۔ یہ بدن میں حلول نہیں رکھتا اسے بدن سے وہی تعلق ہے جو عاشق کو معشوق سے۔ اور جسم کے جملہ امور ایسی خوش اسلوبی سے انجام دیتا ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

ف: روح دو قسم ہے:

- سلطانی
- حیوانی

پہلا عالم امر سے تعلق رکھتا ہے اسے مفارق بھی کہتے ہیں اس لیے کہ یہ جسم سے جدا ہو جاتا ہے اور یہی جسم کے تصرف و تدبیر کا مالک ہے۔ یہی روح جسم فانی کے فنا ہونے سے خراب نہیں ہوتا البتہ موت کے بعد وہ روح اس جسم میں تصرف نہیں کر سکتا۔ اس کا جسم میں رہنے کا مرکز قلب صنوبری ہے اور قلب بھی عالم ملکوت کی شے ہے۔ یاد رہے کہ 'تعریفات' میں مرقوم ہے کہ روح اعظم یہی روح انسانی ہے یہی مظہر ذات الٰہیہ ہے۔ دُوسرا یعنی روح حیوانی، یہ عالم خلق سے ہے اسے قلب و عقل و نفس بھی کہا جاتا ہے۔ یہی روح تمام اعضائے بدن میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ چنانچہ 'تعریفات' میں ہے کہ:

الروح الحیوانی جسم لطیف منبعه تجویف	روح حیوانی ایک لطیف جسم ہے جس کا مرکز قلب
القلب الجسمانی و ینتشر بواسطة العروق	جسمانی کا اندرونی حصہ ہے وہ عروق و ضوارب
الضوارب الی سائر اجزاء البدن و اقوی	کے ذریعے وہ اجزائے بدن کی طرف پھیلتا ہے
مظاهره الدم ومحل تعینه هو الدماغ و	اور روح کے اقوی مظاہر سے خون ہے۔ اسی
هو اثر الروح السلطانی و مبدأ الافعال	روح حیوانی کا مرکز دماغ ہے لیکن یہ روح حیوانی
والحرکات وهو بمنزلة الصفت من الذات	روح سلطانی کا جلوہ ہے۔ یہی روح حیوانی افعال

فكما ان الافعال الالهية تبتنى على اجتماع الذات بالصفة كذلك الافعال تتفرع من اجتماع الروح السلطانى بالروح الحيوانى وكما ان الصفات الالهية الكمالية كانت فى بطن غيب الذات الاحدية قبل وجود هذه الافعال والآثار كذلك هذا الروح الحيوانى كان بالقوة فى باطن الروح السلطانى قبل تعلقه بهذا البدن ۔	حرکات انسانی کا مبدأ ہے یہی روح ذات سے بمنزلہ صفت کے ہے جیسے افعال الٰہی کا صدور ذات کی صفت سے متعلق ہونے سے ہوتا ہے اسی طرح روح سلطانی وحیوانی کے اجتماع سے افعال انسانی کا صدور ہوتا ہے جیسے صفات الٰہیہ کمالیہ بطون غیب ذات احدیت میں پوشیدہ تھیں یعنی یہ افعال وآثار اس وجود سے قبل صفات الٰہیہ کمالیہ میں مخفی تھے۔ پھر جونہی افعال و آثار ظاہر ہوئے تو وہ صفاتِ الٰہیہ بھی ظاہر ہو گئیں اسی طرح روح حیوانی اس بدن کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے روح سلطانی کے بطون میں بالقوۃ موجود تھا۔

اسرارِ صوفیانہ (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) میرے شیخ (پیرو مرشد) قدس سرہٗ نے اپنی بعض تحریروں میں رقم فرمایا کہ غیب السر کا دُوسرا نام السر الاخفی ہے۔ یہی وجود مطلق کا ستر السر ہے۔ یعنی وہ وجود مطلق جو جمیع تعینات سلبیہ وایجابیہ علی الاطلاق بے قید تھا اسے الذاتی الاصلی الحقیقی الوجودی کہتے ہیں اسے اطلاق النسبی الوھمی الاعتباری نہیں کہا جا سکتا۔ اور قاعدہ ہے کہ السر التعین الاول الاحدی کا مظہر ہے اور روح سلطانی تعین ثانی صفاتی واحد فرقی کا مظہر ہے۔ اور روح حیوانی تعین ثالث فعلی کا مظہر ہے درحقیقت ذاتِ حق کے درمیان کوئی حجاب و نقاب نہیں۔ اگر کچھ نظر آتا ہے تو یہ نفس کی ذاتی جہالت ہے اور یہ سب کچھ نفس کی اپنی غفلت ہے اگر نفس سے جہالت اور غفلت دُور ہو جائے تو ذاتِ حق کا اس طرح مشاہدہ و معائنہ ہوگا جیسے سورج کو سر کی آنکھوں سے کھلم کھلا دیکھا جاتا ہے۔ اے اللہ تعالیٰ! ہمارے دلوں سے حجابات دُور فرما دے تاکہ غیوب کے دروازے ہمارے سامنے آجائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتب سماویہ میں نازل فرمایا:

اعرف نفسك يا انسان تعرف ربك ۔	اے انسان! پہلے اپنے آپ کو پہچان پھر مجھے بھی پہچان لے گا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعرفكم بنفسه اعرفكم	میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے پہچانتا ہوں

بہ رتبہ ۔ اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے نفوس سے پہچانتا ہوں ۔۔

ف : اللہ تعالیٰ کا انسان پر بہت بڑا فضل وکرم ہے کہ اسے اپنے عرفان کے طریقے خود سکھاتا ہے باوجودیکہ انسانی ڈھانچہ نہایت ہی چھوٹا ہے لیکن اس کے اندر اتنے بڑے عجائبات جمع فرمائے ہیں کہ عالم کبیر کے جملہ عجائبات اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اسے جملہ عالم کا خلاصہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا ؎

آدمی چیست برزخی جامع
صورت خلق و حق درو واقع
متصل با دقائق جبروت
مشتمل بر حقائق ملکوت

ترجمہ : اگر حق پوچھو تو آدمی ایک برزخی جامع ہے یعنی حق وخلق کا مجموعہ ہے دقائق جبروتی دیکھنے ہوں تو اسی انسان میں ہیں اور حقائق ملکوتی بھی اسی میں ملتے ہیں ۔

یہ صرف اس لیے کہ انسان کو تفکر کا موقعہ نصیب ہو تاکہ اسے عرفانِ حق آسانی سے حاصل ہو اور یہی (تفکر) اشرف العلوم و اجل المعارف ہے ۔
اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی استعداد مکمل کی تو اس میں رُوح پھونکی یہاں تک کہ اس روح کے آثار اعضاءِ انسانی کے ذرّے ذرّے میں اثر کر گئے ۔ اس پر انسان زندہ ہو کر حسّاس اور متنفس ہوا ۔

فَقَعُوْا لَهٗ پس گر جاؤ ۔ یہ وقع یقع کا امر ہے اس سے معلوم ہوا کہ صرف سر جھکانے کا حکم نہیں ہوا جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے بلکہ پورے طور پر سجدہ کیا تھا کما قال ای اسقطوا له ۔ سٰجِدِیْنَ درانحالیکہ وہ سجدہ کرنے والے تھے کیونکہ انھیں ایسے ہی حکم ہوا تھا ۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی تھی اور آدم علیہ السلام کو جھک کر سلام کیا تھا اس میں ان کی تعظیم بھی مطلوب تھی گویا دراصل انھیں یوں حکم ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو اور آدم علیہ السلام کو قبلہ بناؤ تاکہ اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت وقدرت کے آثار کا ظہور ہو ۔

صاحب روح البیان رحمہ اللہ کی تحقیق فقیر (حقی) کہتا ہے کہ مجھے میرے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہٗ کی خواب میں زیارت ہوئی بہت مسرور نظر آتے تھے میں نے موت کے متعلق چند باتیں پوچھیں ۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہمیشہ باوضو رہتا تھا جب میری روح قبض ہوئی تو مجھے ایک گلی نظر آئی میں اس میں داخل ہو گیا اس میں ایک چشمہ دیکھا اس سے وضو کیا کیونکہ نزع روح سے وضو ٹوٹ گیا تھا ۔ اس کے بعد میری روح کو آسمان پر لیجایا گیا پھر جب جنازہ تیار ہوا تو میری روح لوٹ آئی میں نے اپنا جنازہ حاضرین کے ساتھ ادا کیا ۔ میں نے عرض کی کہ کیا موت کے بعد بھی ویسے ہی عقل و ادراک باقی رہتی ہے جیسے ہم اس دنیا میں فہم وادراک رکھتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا ہاں مرنے کے بعد بھی فہم وادراک باقی رہتا ہے ۔ اس کے بعد میرے پیر و مرشد نے مجھ سے ملایا اور چل پڑے ۔ تھوڑی دیر تبسم فرماتے رہے اور نہایت راحت و سرور سے فرمایا کہ

میرے ساتھ اعتقاد کو مضبوط رکھنا۔ اور یہ کلمہ آپ نے تاکیداً دو بار فرمایا۔ اس کے بعد میں جاگ اٹھا۔

اس خواب سے چند فائدے حاصل ہوئے ؛

فائدے

○ نزعِ روح کے وقت وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ تجدیدِ غسل کی مشروعیت میں ایک وجہ یہ بھی ہے۔

○ مومن کامل حیات و ممات دونوں حالتوں میں پاک رہتے ہیں بے وضو ہو جانے سے بندہ نجس نہیں ہو جاتا۔ اگر نجس ہو جانا مان لیا جائے تو یہ نجس ناقص ہے۔ خلاصہ یہ کہ مومن کامل نجس نہیں ہو جاتا اسے غسل دینے میں شریعت کی تکمیل کی وجہ سے ہوتی ہے اس لیے کہ دنیا ناقص ہے اور اس کے جملہ امور بہ نسبت کامل کے ناقص ہیں۔

○ موت کے بعد عقل و ادراک اپنے حال پہ رہتا ہے اس لیے کہ عقل و ادراک و ایمان و ولایت روح کی صفات ہیں اور رُوح کی صفات موت سے تبدیل نہیں ہوتیں۔

○ کامل کی رُوح اپنے جنازہ پر تشریف لاتی ہے نماز میں لوگوں کے برابر ہوتے ہیں۔ اس معنے پر کہا جاتا ہے کہ کامل ساجد بھی ہے مسجود لہ بھی۔ اور مرتبۂ حقیقت میں یہی ہے کہ خود اور خود مسجود لہ ہے۔

○ انسان کی نمازِ جنازہ میں یہی راز ہے کہ وہاں آدم علیہ السلام کو ملائکہ نے مسجود الیہ بنایا۔ اب یہاں انسان خود اسے مسجود الیہ بنا رہے ہیں تاکہ انھیں ملائکہ کی سنت نصیب ہو اور حضرت انسان کے اعزاز و اکرام کا اظہار ہو۔

سوال : یہاں تو سجدہ نہیں بلکہ ثناء و درود و دعا ہوتی ہے اس طرح سے مناسبت کا ثبوت نہ ملا۔

جواب : چونکہ ملائکہ کرام کے لیے آدم علیہ السلام کو بہیئت سجدہ روا تھی اور ہمارے لیے دعا و درود اور ثنا اس قدر اعزاز و اکرام کے لیے کافی ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے فاذا سویتہ جب میں نے اسے اپنے نفخ کے قابل بنایا تو اسی لیے اس کی طرف اپنی رُوح کو مضاف فرمایا و نفخت فیہ من روحی اس اضافت میں شرافت انسانی کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ روح کو ملکوت اعلیٰ کے مراتب حاصل ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کا مکمل طور قرب نصیب ہے۔ کما قال تعالیٰ ؛

نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔

بایں معنیٰ اسے نفخ سے خصوصیت ہے اس لیے کہ یہ شرافت صرف اسی روح کو نصیب ہوئی باقی مخلوقات کو یہ شرف نہیں ملا فقعوا لہ ساجدین انھیں سجدہ کا اس لیے حکم ہوا کہ جب روح کو نفخ حق سے اعلیٰ مراتب کے قُرب سے نکال کر اسفل السافلین جسم میں مقید کیا گیا۔ پھر رُوحانیات اور ملائکہ مقربین کو عبور فرمایا اگرچہ یہ نور سے پیدا کیے ہیں لیکن حضرت انسان کے نور صفاتی میں ملائکہ کے نوری صفاتی مندرج ہو گئے جیسے سورج کے نُور میں ستاروں کے انوار میں مندرج ہو جاتے ہیں پھر اس نے جن و شیاطین کو عبور فرمایا اسی سے حواس و قوٰی نے استفادہ کیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے قدرت کے ہاتھ سے روح کو جسم سے متعلق فرمایا اسے لطف و قہر الٰہی سے خمیر اگیا اور اسے تجلی حق کی استعداد بخشی :

تفسیر عالمانہ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ یعنی آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ان کے ڈھانچہ کی تکمیل اور نفخ روح کے بعد ملائکہ کرام نے سجدہ کیا کُلُّهُمْ سب کے سب۔ یہاں تک کہ ان میں کوئی ایک بھی باقی نہ رہا ارضی وسماوی تمام ملائکہ ساجد ہوئے اَجْمَعُوْنَ تمام۔ یعنی پس وپیش ہو کر سجدہ نہ کیا بلکہ سب نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا۔

فقیر (اسمٰعیل حقی) عرض کرتا ہے کہ :

نور محمدی کو سجدہ

هذا فی الحقیقة للنور	یہ درحقیقت اس نور کی تعظیم تھی جو آئینۂ آدم
المنطبع فی مرأة آدم علیه السلام	علیہ السلام میں تھا اور وہ نور محمدی وحقیقت
وهو النور المحمدی والحقیقة الاحمدیة	احمدی تھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت حافظ (رحمہ اللہ) نے کیا خوب فرمایا : ؎

ملک در سجدۂ آدم زمیں بوس تو نیت کرد
کہ در حسن تو لطفے یافت بیش از طور انسانی

ترجمہ : آدم علیہ السلام کو سجدہ کرتے وقت فرشتے کے سجدے سے آپ کی ذات پاک مراد تھی اس لیے کہ فرشتے کو جو لطف آپ سے نصیب ہوا وہ اسے انسانی حقیقت سے نہ ملا۔

ف : اجمعون تاکید در تاکید ہے لیکن ان دونوں معنوں میں وضع کے لحاظ سے جمع اور معیت کا معنیٰ موجود ہے جیسا کہ عام قاعدہ ہے ہر لفظ کے استعمال (مجازی) میں اصلی معنیٰ ضرور ملحوظ ہوتا ہے جب ہم معنی دوسرے ہم معنی کی تاکید کے لیے واقع ہو تو دونوں میں معنے کا اعتبار ضرور ہوتا ہے یہاں پر بھی ایسے ہے کہ اگرچہ دونوں احاطہ کلی کو چاہتے ہیں لیکن چونکہ دوسرا معنیٰ پہلے کے لیے تاکید کے طور پر واقع ہوا اسی لیے اس میں بھی تاکید کے وقت احاطہ کا معنیٰ ملحوظ ہے یہ اس لیے کہ قرآن مجید کا کوئی لفظ زائد اور لغو نہیں۔ علاوہ ازیں سجدہ ایک اہم عمل ہے اس میں ضروری ہے کہ سجدے کا بہترین مفہوم لیا جائے ۔ اور بہترین مفہوم یہی ہے کہ سب ملائکہ نے مل کر سجدہ کیا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ یہ آیت تفسیر القرآن بالقرآن کی نظیر ہے۔ مثلاً فسجد الملٰئکۃ میں ظاہر ہے کہ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا۔ معلوم ہوا کہ صیغہ جمع پر الف لام کے داخل ہونے سے اس میں عموم کا مفہوم لازم آتا ہے کہ اس کے جملہ افراد اس کے حکم میں داخل ہیں۔ لیکن یہ مفرد کی طرح ہے کہ جب اس پر الف ولام داخل ہو تو اس میں جملہ افراد مراد ہوتے ہیں۔ لیکن اس قاعدہ پر تخصیص کا بھی اس میں احتمال ہے۔ اس میں بعض افراد بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ واذ قالت الملائکۃ میں جمع کے صیغے پر الف ولام کے داخلے کے باوجود صرف جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔ اسی طرح فسجد الملائکۃ میں جمع کا صیغہ ہے لیکن اس میں بعض بھی مراد ہو سکتے تھے۔ پھر جب کلھم فرمایا تو یہ احتمال بھی منقطع ہو گیا۔

سوال : اس میں ابلیس کا استثناء کیا گیا ہے اس لحاظ سے بھی احتمال پیدا ہو گیا کہ الملائکۃ کلھم جمع با مؤکد سہی لیکن تخصیص ابلیس سے

ہو تو دیگر تخصیص کا احتمال بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ علم اصول کا قاعدہ ہے۔

جواب : یہ استثناء تخصیص کے لیے نہیں بلکہ ابلیس کی شرارت کے اظہار کے لیے ہے۔

اِلَّآ اِبْلِیْسَ مگر ابلیس۔ از ابلاس یعنی ناامید ہوا اور حیران ہوا۔ یا یہ عجمی اسم ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا کہ لفظ ابلیس کسی سے مشتق نہیں۔ یہی جمہور کے نزدیک صحیح تر ہے یہ استثناء متصل ہے کیونکہ استثناء متصل اصل ہے اور یہ ابلیس ملائکہ میں پوشیدہ رہتا تھا اگرچہ جن تھا لیکن تغلیباً ملائکہ میں شمار ہوتا تھا اسی لیے سجدہ کے لیے وہ بھی ملائکہ کی طرح مامور تھا۔ بایں معنی تغلیباً فسجد الملائکۃ میں داخل تھا جیسے احکام شرعیہ میں مردوں کا نام لیا گیا ہے لیکن عورتیں بھی تغلیباً شامل ہیں۔ اسی طرح یہ بھی تغلیباً ملائکہ میں شامل تھا، انہی سے مستثنیٰ ہوا۔ سو ایتھم الاھند ا کی طرح یہ بھی استثناء متصل ہے۔

عجوبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی ایک جماعت کو آدم علیہ السلام کے سجدہ کے لیے حکم فرمایا اس جماعت نے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نارِ جہنم سے جلا ڈالا۔ اس کے بعد تمام ملائکہ کو حکم ہوا جن میں ابلیس بھی شامل تھا ان سب نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا صرف ابلیس نے انکار کیا۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہاں پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں :

اعتراض ۱ : عبادت کرنا ملائکہ کی عادت طبعیہ ہے تو پھر انہوں نے تردد کیوں کیا۔ اور پھر ابلیس اگر ملائکہ میں داخل سمجھا جائے تو پھر اس کا انکار و امتناع کیوں بالخصوص جبکہ آدم علیہ السلام کے اندر نورِ جلال موجزن تھا اسے ابلیس نے مشاہدہ کیا ہوگا تو اسے خوفِ الٰہی سے سجدہ لازم تھا۔

جواب : یہ حکمت الٰہی پر مبنی تھا اور ابلیس کو نورِ محبوبِ خدا نظر بھی نہ آیا تھا۔

اعتراض ۲ : پہلے تم تحقیق کر چکے ہو کہ تمام ملائکہ جمع ہو کر ساجد ہوئے اب تم نے ایک جماعت کے لیے علیحدہ سجدے کی روایت بیان کر دی ان دونوں میں مطابقت کیسی ؟

جواب : روایت ثانی غیر معتبر ہے اگر اعتبار کیا جائے تو بھی سجدہ کرنے والوں کے لیے اجتماع و معیت کا معنیٰ اپنے مقام پر حق ہے۔

اَبٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ اس نے انکار کیا کہ وہ کسی کو مسجود الیہ بنا کر سجدہ کرے۔

حلِ لغات : یابٰا ء و یَأْبِیْہِ اباء و اباءۃ بمعنے کرھہ و ابیتہ ایتاء۔ یعنی کسی شے سے کراہت کرنا کما فی القاموس۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ کسی نے کہا کہ شیطان نے سجدہ کیوں نہ کیا ؟ جواب ملا کہ اس کا سجدہ کسی تردد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس نے عمداً تکبر کرتے ہوئے سجدہ سے انکار کر دیا۔

ف : یہ استثناء منفصل بھی ہو سکتا ہے پھر اسے مابعد سے متصل کرنا پڑے گا وہ یہ کہ شیطان (ابلیس) نے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔

ف : یہ ابلیس کی خفتِ عقل کی دلیل ہے کہ اس نے ایک معصیت سے تین گناہوں کا ارتکاب کیا :

① مخالفت امر الٰہی

② آدم علیہ السلام کی تحقیر کرتے ہوئے تکبر کا ارتکاب

③ ملائکہ مقربین کے سلک میں شمولیت سے انکار

ف : حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ نے روح القدس میں لکھا کہ ابلیس کو آدم علیہ السلام اور اس کی ہر حالت دکھ میں ڈالتی ہے جب وہ سربسجود ہوتے ہیں تو اس وقت اسے سخت ترین تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ اس کی خطا سجدہ نہ کرنے سے تھی اس لیے کثرت سجود سے اسے سخت غم و حزن لاحق ہوتا ہے۔ انسان شیطان کی شرارت سے کسی وقت بھی نہیں بچ سکتا ہاں بوقتِ سجدہ شیطان کی شرارت سے بچ جاتا ہے اس لیے کہ انسان کے سجدہ کے وقت غم و حزن میں پڑکر اپنی پریشانی میں مصروف ہو جاتا ہے اسی لیے اس وقت انسان اس کی شرارت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف جب انسان تلاوتِ قرآن کے سجدۂ تلاوت پر سجدہ کرتا ہے تو شیطان اس سے ہٹ کر خوب روتا ہے اور کہتا ہے کہ ابنِ آدم کو سجدہ کو حکم ہوا اس نے فرمانِ الٰہی پر عمل کر کے بہشت حاصل کی اور میں نے سجدہ سے انکار کیا تو مجھے جہنم نصیب ہوئی۔

ف : اس سے ثابت ہوا کہ بوقت سجدہ انسان شیطان کی شرارت سے محفوظ ہو جاتا ہے باقی تمام حالتوں میں شیطان انسان پر حملہ کرتا رہتا ہے۔

سوال : سجدہ کے وقت بھی تو غلط قسم کے خطرات و وساوس کا ہجوم رہتا ہے لیکن حدیث شریف میں اس کے خلاف بتایا گیا ہے

جواب : یہ وساوس ربانی، ملکی یا نفسانی ہوتے ہیں اس میں شیطان کو لامحالہ کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا۔ ہاں جب انسان سجدہ سے فراغت پاتا ہے تو اس کے بعد شیطان غم و حزن سے نجات پاکر بدستور سابق انسان پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) آدمی را دشمن پنہان بسیست
آدمی با حذر عاقل کسیست

(۲) خلق پنہاں زشتشان و خوبشان
می زند بر دل بہر دم کوبشان

(۳) بہر غسل ار در روی در جویبار
بر تو آسیبی زند در آب خار

(۴) گرچہ پنہاں خار در آبست پست
چونکہ در تو می خلد دانی کہ ہست

(۵) خار خار و حیلہا و وسوسہ
از ہزاراں کس بود یک کسہ

(۶) باش تا خسہاے تو مبدل شود
تا ببیٔ شان و مشکل حل شود

ترجمہ : ۱۔آدمی کے پوشیدہ دشمن بہت ہیں وہ آدمی عقلمند ہے جو ہر وقت خطرے میں رہے۔
۲۔پوشیدہ مخلوق انسان پر برائی اور نیکی ڈالتی ہے یعنی ہر وقت دل پر ان کے اثرات پڑتے ہیں۔
۳۔غسل کے لیے جب نہر میں غوطہ لگاتا ہے تو نہر کے اندر کانٹے بچھا دیتے ہیں۔
۴۔اگرچہ کانٹا پانی میں پوشیدہ ہوتا ہے لیکن چبھنے پر محسوس ہوتا ہے۔
۵۔خار سے مراد شیطان کے حیلے اور وسوسے ہیں جو ہزاروں کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔
۶۔تم ایسا طریقہ اختیار کرو کہ وہ وسوسے نہ آئیں اس کے بعد تمہاری مشکل حل ہو جائے گی۔

قَالَ یہ جملہ مستانفہ اور سوال مقدر کا جواب ہے۔سوال یہ ہے کہ کسی نے پوچھا کہ جب شیطان نے سجدے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ جواب ملا قال فرمایا اللہ تعالیٰ نے یَاۤاِبْلِیْسُ مَالَكَ اے ابلیس! تجھے کیا ہوا اور سجدہ نہ کرنے کا سبب تو بتا۔ اَنْ لَّا تَكُوْنَ یہ کہ تو نہیں ہے مَعَ السّٰجِدِیْنَ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ۔یعنی باوجودیکہ وہ ملائکہ بھی شرافت اور بزرگی میں تجھ سے کم نہیں تاہم انہوں نے سجدہ کیا اور تو اس سے محروم ہوگیا۔

ف : اور یہ توبیخ کے لیے ہے اور اس میں صرف ایک گناہ پر اسے نہیں ڈانٹا گیا بلکہ اسے مذکورہ بالا تینوں گناہوں پر زجر و توبیخ کے لیے ہے۔

قَالَ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔یعنی شیطان نے جواب دیا اَكُوْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ یہ لام نفی کی تاکید کے لیے ہے یعنی یہ میری شان کے منافی ہے اور میرے لائق نہیں کہ میں سجدہ کروں لِبَشَرٍ ایک بشر کو جو کثیف جسم والا ہے اور میں جوہر روحانی ہوں خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ تو نے اسے ایک خشک مٹی سے پیدا فرمایا مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ اور وہ بھی کالی سیاہ اور بدبودار۔ اس کی تفسیر ہم نے پہلے عرض کر دی ہے۔یعنی آدم علیہ السلام خسیس تر عنصر یعنی مٹی سے پیدا ہوئے۔ اور میں اس سے اشرف ہوں میرا جوہر آتشی ہے پھر جوہر روحانی لطیف کثیف جسم کی کس طرح فرمانبرداری اور کیسے اسے سجدہ کرے۔

ف : ابلیس لعین نے آدم علیہ السلام کے ظاہر کو دیکھا اس بدبخت کی آدم علیہ السلام کے باطن پر نگاہ نہ گئی۔ اس نے آدم علیہ السلام کی کثافت کی ویرانگی کو دیکھا لیکن اس بدبخت نے نہ دیکھا کہ اسی ویرانہ کے اندر ایک گنج بے بہا مدفون ہے۔

گنجست دریں خانہ کہ در کون نگنجد
ایں گنج خراب از پے آں گنج نہانست
فی الجملہ ہر آنکس کہ دریں خانہ رہے یافت
سلطان زمین و سلیمان زمانست

ترجمہ: اس گھر ایسا خزانہ ہے جو عالم کون میں نہیں سما سکتا اور یہ ویرانہ صرف مخفی خزانے کے لیے ہے خلاصہ یہ کہ جسے اس گھر کی راہ ملی وہ زمین کا بادشہ اور اپنے زمانے کا سلیمان ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فسجد الملئکۃ کلھم اجمعون تمام ملائکہ نے اس لیے سجدہ کیا کہ ان میں انقیاد نوریہ کا جوہر تھا اور ان کے اندر نصیحت قبول کرنے کی خصوصیت تھی الا ابلیس ابیٰ ان یکون مع الساجدین اور ابلیس اس لیے محروم رہا کہ اس کے اندر تمرد ناریہ موجود تھا اور اس کے اندر جہالت نے گھر کیا ہوا تھا اور وہ اسی گھمنڈ میں مارا گیا کہ وہ عالم ہے قال شیطان کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا ابلیس مالك ان لا تكون مع الساجدین اے ابلیس! بتا تیرے سجدہ نہ کرنے کی کون سی دلیل ہے قال الم اکن لا سجد لبشر خلقتہ من صلصال من حما مسنون شیطان نے جواب دیا کہ میرے ہاں یہ دلیل ہے کہ تُو نے مجھے جوہر لطیف نورانی علوی سے بنایا اور آدم علیہ السلام کو کثیف ظلمانی سفلی سے پیدا کیا اس لیے میں اس سے اعلیٰ اور بہتر ہوں۔ اس دلیل سے شیطان نے ثابت کیا کہ آدم علیہ السلام مسجود الیہ بننے کے اہل نہیں اس لیے کہ وہ کم درجہ والے ہیں اور اس کا گمان یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کرام کو آدم علیہ السلام کی بشریت کے پیش نظر سجدہ کا حکم دیا ہے۔ اور سمجھا کہ وہ تو مٹی سے بنائے گئے ہیں لیکن وہ بدبخت اس راز سے غافل رہا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ ان کی اس خلافت کی وجہ سے کرایا ہے جو ان کی رُوح میں امانت کے طور رکھی تھی اور پھر ان کی روح کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور اس نے نفخ کی شرافت کو بھی نہ دیکھا اور نہ ہی اس کا خیال اس طرف گیا کہ اسی آدم یعنی مٹی کے مجسمے کو اسماء کی تعلیم سے نوازا ہے۔ انہی شرافتوں اور بزرگیوں سے وہ جلال وجمال کی تجلیات کے مستحق ہوئے ہیں۔

اعجوبہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ابلیس کو اگر بھینگا یکچشم کہا جائے تو بجا ہے کہ اس نے گویا ایک آنکھ سے آدم علیہ السلام کی بشریت کو دیکھا اور اس کی نگاہ کوتاہ بین ان کی صفات مذمومہ حیوانیہ سبعیہ پر پڑی کہ ان سے فساد اور خونریزی جیسی قباحتیں سرزد ہوں گی، اس کی دوسری آنکھ بند رہی کہ یہی آدم خلافت کے اسرار کا رازدان ہے ان کی روحانیت کو خلافت کے اسرار و رموز کا مرکز بنایا گیا ہے اور ان کو یہ شان و شرف علم اسماء اور نفخ روح اور اللہ تعالیٰ کی طرف خصوصی اضافت سے نصیب ہوا ہے۔ ان کے علاوہ آدم علیہ السلام اور بھی بہت بڑے کمالات کے حامل تھے لیکن دیدۂ کور کو نظر نہ آئیں اسی لیے وہ (ابلیس) ملعون ٹھہرا۔

ف : فقیر (حقی) عرض کرتا ہے کہ میرے شیخ کامل اور مرشد اکمل نے بعض تحریرات میں رقم فرمایا کہ ارض اور حقائق ارض اپنے وجود میں اطمینان و احسان سے معمور ہیں یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ ساکن ہے اور سکون رکھتی ہے اور خاموشی سے بھرپور ہے اس لیے کہ یہ اپنے مقاصد و مطالب میں فائز و کامیاب ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بلندی در اصل پستی میں ہے اسی لیے ارض نے اپنے قلب میں رضا و تسلیم کو محفوظ کر رکھا ہے اسی لیے اس کا مقام بھی رضا و تسلیم ہے اور یہی اس کا دین ہے یہی اس کا اسلام ہے۔

کسی شاعر نے میرے شیخ کامل کے کلام کو یوں ادا فرمایا ہے : ؎

ارس را در بیابان جوش باشد
بدریا چون رسد خاموش باشد

ترجمہ : ارس کو جنگل میں جوش ہوتا ہے لیکن جب دریا میں پہنچتا ہے تو خاموش ہو جاتا ہے۔

صائب رحمہ اللہ نے فرمایا : ؎

عاشقان را تا فنا از شادی و غم چارہ نیست
سیل را پست و بلندی ہست تا دریا شدن

ترجمہ : عشاق کو فنا کے بعد نہ غم نہ خوشی۔ جیسے سیلاب کو بلندی و پستی کی منزلیں اس وقت طے کرنی پڑتی ہیں جب دریا تک نہیں پہنچتا جب دریا میں پہنچ جاتا ہے تو بلندی و پستی سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاخْرُجْ مِنْهَا بہشت سے نکل جا۔ یہ اہانت اور دھمکی کا امر ہے۔ جیسے فَاذْهَبْ میں دھمکی اور اہانت ہے۔ منہا کی ضمیر الجنۃ کی طرف راجع ہے اس کا بہشت میں داخلہ وسوسہ کے لیے ممنوع نہیں تھا اسی طرح اس کا آسمانوں سے نکلنا بھی اس کے منافی نہیں جیسے اس سے ملکوتی لباس اتارنا اور اس سے ملکوتی صفات چھین لینا اس کے منافی نہیں جیسے کہ مطرودین و مغضوبین کے لیے ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اس نے فخر و تکبر کیا تو اس کی شکل تبدیل کر دی گئی یعنی پہلے سفید تھا تو پھر کالا سیاہ بنا دیا گیا۔ پہلے حسین تھا پھر قبیح بنا دیا گیا۔ پہلے ملکوتی صفت تھا پھر اسے اظلم بنا دیا۔

ف : ابوالقاسم انصاری نے فرمایا کہ ملک، جن اور انسان کو علیحدہ علیحدہ صورتیں دی گئی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو ظاہراً و باطناً انسانی صورت بخشتا ہے تو اسے ملکیت سے نکال دیتا ہے۔ اسی طرح باقیوں کا قیاس کیجئے۔

فَإِنَّكَ رَجِيمٌ کیونکہ تو رجیم ہے۔ یہ الرجم بالحجر سے ہے یعنی کسی شے کو پتھر سے مارنا۔ اس سے اس کا درگاہ سے ہٹانا مراد ہے اس لیے کہ جسے اپنے قرب سے ہٹاتے ہیں تو اسے پتھر مار کر بھگاتے ہیں۔ یعنی اے ابلیس! تو راندۂ درگاہ ہے تجھ سے خدا کی رحمت و بھلائی اور ہر کرامت ہٹالی گئی ہے۔ یا یہ رجم بالشھب سے لیا گیا ہے یعنی وہ جسے چنگاریوں سے

مارا گیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اسے شیطان بنایا گیا۔ یعنی یہ بھی منجملہ شیاطین کے ہے جسے چنگاریاں مار کر بھگایا جاتا ہے۔ اس میں اس کے شبہے کا جواب بھی ہے اور وعید بھی اس لیے کہ جو بھی نص قطعی کے سامنے اپنا قیاس پیش کرتا ہے وہ رجیم ملعون ہے۔ وَاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اور بیشک میری لعنت ہے تیرے اوپر اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ قیامت تک یعنی یوم جزا و عقوبت کے دن۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسے سزا ملے گی لیکن بدیر۔ اگرچہ لعنت بھی اس کے لیے ایک بہت بڑی سزا ہے لیکن اس کا نتیجہ دیر سے صادر ہوگا اور شیطان کی انتہا جزا کے دن ہوگی۔ یعنی دنیا میں اس پر لعنت برستی رہے گی جب قیامت کا دن آئے گا تو اس پر لعنت ہوگی اور اس کے ساتھ عذاب بھی مقترن ہو جائے گا۔ لیکن عذاب الٰہی سے اسے لعنت محسوس نہ ہوگی۔

ف: تبیان میں ہے کہ یہ الیٰ تابیدی ہے توقیتی نہیں۔ جیسے ایک مقام پر مادامت السمٰوٰت فرما کر تابید مراد لی گئی ہے اس پر قیامت میں بھی لعنت واقع ہوگی۔ اس کی دلیل فاذن موذن بینھم ان لعنۃ اللہ علی الظالمین بھی ہے۔ یہ لعنت بھی دردناک عذاب سے مقارن ہو کر واقع ہوگی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے کامیابی اور عافیت کی درخواست کرتے ہیں شیطان کو لعنت کا اس لیے مورد ٹھہرایا کہ وہ فطری طور پر اس کا مستحق تھا اور ازل میں اس کے لیے ایسے ہی لکھا تھا۔ گویا لعنت شیطان کے لیے ابدالآباد تک غذا بنا دی گئی۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

گر جہاں باغی پر از نعمت شود

قسم مور و مار ہم خاکی بود

کرم سرگین درمیان آں حدث

در جہاں نقلے نداند جز خبث

(ترجمہ: اگرچہ جہان کا باغ نعمت سے پُر ہو جائے تب بھی مور و مار کی قسمت میں جو کچھ لکھا ہے وہی ملے گا۔ گوبر کا کیڑا گوبر کھا کر بھی گندگی نکالے گا کیونکہ وہ گندگی کے سوا کچھ نہیں جانتا)

آیت میں اشارہ ہے کہ ابلیس نفس کو حکم ہوا کہ وہ آدم یعنی روح کو سجدہ کرے اور نفس کی عادت ہے کہ طاعت الٰہی سے انکار کرے اور خلیفۃ اللہ سے بغض و عداوت رکھے اور اس کے سجدے سے رُک جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور وہ دونوں کفر و ایمان کی قبولیت کی استعداد رکھتے ہیں فانک رجیم اس لیے کہ تو ہمارے جوار سے مطرود ہے اس لیے کہ تو نے ایمان کے بجائے کفر کو قبول کیا وان علیک اللعنۃ اور تیرے اوپر لعنت ہے اس لیے کہ لعنت صفت قہر الٰہی کے نتیجے کا نام ہے۔ یعنی اے نفس! تو ہمارے مقبول بندوں سے دور ہے الیٰ یوم الدین جزا کے دن تک۔ یعنی جب دین کی رات دین کے دن میں داخل ہوگی اور ہمارے شواہد روح کے مشرق سے طلوع ہوں گے جن سے نفوس کی زمین انوار و شواہد سے چمک اٹھے گی۔ ان سے ان نفوس کو اطمینان نصیب ہوگا اور ان کے مذموم حیوانیہ مظلمہ اور گندے عادات و اخلاق روحانیہ حمیدہ نورانیہ اخلاق سے تبدیل ہو کر ارجعی کے خطاب کے اہل ہو جائیں گے۔ کذا فی التاویلات النجمیہ۔

قَالَ ابلیس لعین نے کہا رَبِّ اے میرے پروردگار فَاَنْظِرْنِیْ یہ فعل محذوف سے متعلق ہے جس پر فاشرح دلالت
کرتا ہے۔ یعنی ابلیس نے کہا کہ اے میرے پروردگار! جب تونے مجھے رجیم بنایا ہے تو مجھے مہلت دے دے اور میری عمر بڑھا دے
اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ قیامت تک یعنی جب آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سزا وجزا کے لیے اٹھائے جائیں یعنی ان کے فنا ہونے کے
بعد بھی میں زندہ رہوں۔ البعث النشر کی طرح مرنے کے بعد اٹھنے کو کہا جاتا ہے۔ اس سے شیطان کا ارادہ یہ تھا کہ مجھے بنی آدم کو
گمراہ کرنے اور ان پر ہر طرح کے مکروفریب کے جال بچھانے اور ان کے مرنے کے بعد زندہ رہنے کی قوت عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی
پہلی بات تو مان لی لیکن دوسری بات سے انکار فرمادیا کما قال تعالیٰ قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ پس بیشک
تو مہلت دیے ہوؤں سے ہے یعنی تو منجملہ ان لوگوں سے ہے جن کے لیے ازل سے حیات کی گھڑیاں بڑھا دی گئی ہیں۔ اس سے
ثابت ہوتا ہے کہ ابلیس کے علاوہ اور بھی ایسے افراد ہیں جو بنو آدم کے فنا ہونے کے بعد کچھ عرصہ تک زندہ رہیں گے وہ ملائکہ کرام ہیں
نہ وہ نر ہیں نہ مادہ اور نہ وہ بچے جنتے ہیں نہ وہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں قیامت تک ان پر موت نہیں آئے گی۔

ف: شیاطین نر بھی ہیں مادہ بھی لیکن وہ بچے جنتے ہیں اور انہیں ابلیس کی طرح ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔ جن بچے جنتے ہیں ان میں
نر بھی ہیں اور مادہ بھی اور ان پر موت بھی وارد ہوتی ہے۔

حکایت

حجاج بن یوسف کو معلوم ہوا کہ ارضِ چین میں ایک ایسی جگہ ہے جہاں کوئی راستہ بھول جاتا ہے تو بھولے
ہونے کو غیبی آواز آتی ہے کہ ادھر آؤ راستہ یہاں ہے۔ لیکن بولنے والے نظر نہیں آتے تھے۔ حجاج
نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ تم وہاں پہنچ کر عمداً راستہ بھول جانا لیکن "جب ادھر آؤ" کی آواز آئے تو ان پر فوراً حملہ کر دینا۔ چنانچہ
جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو عمداً راستہ بھول گئے۔ حسبِ دستور آواز آئی انہوں نے حملہ کیا تو وہی غیبی آواز پھر آئی کہ تم ہمارا کچھ
نہیں بگاڑ سکتے۔ انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ اور یہاں کب سے مقیم ہو؟ جواب ملا کہ ہمیں صدیوں کا تو کوئی علم نہیں البتہ اتنا جانتے ہیں
کہ یہ چین آٹھ بار برباد ہو کر آٹھ بار آباد ہوا ہے ہم اس وقت سے آج تک یہاں موجود ہیں۔ چین ایک سلطنت کا نام ہے جو جانب
مشرق واقع ہے وہاں کے برتن مشہور ہیں اور خطۂ ہند کے منتہیٰ پر ملک چین شروع ہو جاتا ہے۔

الاعجوبہ

ابلیس پر جب بڑا عرصہ گزر جاتا ہے تو اسے بڑھاپے کے بعد جوانی بخشی جاتی ہے اور وہ تیس سال کا جوان ہو جاتا ہے۔
ف: مروی ہے کہ ابلیس کو خضر علیہ السلام ہر ایک سو بیس سال کے بعد نئی جوانی بخشتے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ بڑھاپے
سے جوانی پاتا ہے انک من المنظرین کا یہی مطلب ہے۔ کذا فی الاخبار الصحیحہ

ازالۂ وہم

اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب ابلیس کے علوِ مرتبت پر دلالت نہیں کرتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اہانت کے طور
یہ خطاب فرمایا تھا اور اس گفتگو سے اسے ذلیل کرنا مطلوب تھا۔ کذا فی التفاسیر

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بالمشافہ کلام نہیں فرمایا اور نہ ہی درمیانی حجابات اٹھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے
اس کے ساتھ فرشتے کے واسطے سے کلام فرمایا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر کلام جو بلا واسطہ ہو وہ رحمت اور خوشنودی اور اعزاز

اکرام کے طور پر ہوتا ہے۔ دیکھیے موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلامی ہوئی تو انہیں ہمارے نبی اکرم اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے سوا باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے۔ اس طرح جتنا کلام ابلیس سے ہوا تمام کا تمام بواسطہ ملک تھا۔

سوال : فرشتے سے ہمکلامی بھی تو اس کی شرافت کی دلیل ہے۔

جواب : کو کسی پیغام رسانی کے لیے بھیجنے سے کسی کی شرافت ثابت نہیں ہو جاتی جیسے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون و ہامان کی طرف بھیجا گیا تو اس سے فرعون و ہامان کی بزرگی ثابت نہیں ہوئی اور نہ ہی اس سے ان کی شرافت و کرامت مطلوب تھی۔ کذا فی اکام المرجان۔

اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ وقتِ معلوم تک یعنی وہ دن جو اللہ تعالیٰ کے ہاں معین ہے نہ اس سے آگے بڑھے گا نہ پیچھے۔ یعنی نفخۂ اولیٰ سے خلقِ خدا کی موت کے بعد تک اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی زندہ نہیں رہے گا۔ اس حالت کو چالیس سال گزریں گے۔ چالیس سال کے بعد نفخۂ ثانیہ ہوگا ؂

ہمہ تخت و ملکے پذیرد زوال
بجز ملک فرمان دہ لایزال

ترجمہ : تمام تخت و ملک فنا ہو جائیں گے بجز احکم الحاکمین کے ملک کے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ مخلوق کی فنا کا زمانہ نفخۂ اولیٰ ہے اسے نفخۂ صعقہ سے تعبیر کرتے ہیں اس لیے کہ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کہ اسی صعقہ سے تمام مخلوق کی موت واقع ہوگی پھر نفخۂ ثانیہ سے تمام مخلوق زندہ ہوگی۔ ان دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ گزرے گا۔ یہی قول مشہور تر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ابلیس چالیس سال مُردہ رہے گا اس کے بعد اسے بھی دوسری مخلوق کے ساتھ اٹھایا جائیگا۔

ف : سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ یہ نفخۂ ثانیہ وہی ہے جس سے پہلے نفخۂ فزع واقع ہوگا کہ اس سے تمام زمین و آسمان والے گھبرا جائیں گے یعنی انہیں غنا ہیبت ہوگی اس وقت زمین ایسے ہوگی جیسے کشتی دریا میں ہچکولے کھاتی ہے جسے موجوں کے تھپیڑے سے ایک جگہ قرار نہ ہو۔ اس وقت پہاڑ بادلوں کی طرح تیز دوڑتے ہوئے نظر آئیں گے اور آسمان پھٹ جائیں گے اور سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے۔

ف : حضرت وہب نے فرمایا کہ ابلیس نے جس دن کی مہلت مانگی اس سے بدر کا دن مراد ہے اس لیے کہ اسی دن اسے ملائکہ کرام نے قتل کر دیا تھا

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے طلوع الشمس من المغرب کا دن مراد ہے جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو ابلیس سجدہ میں گر جائے گا اور زور زور سے پکار کر کہے گا کہ اسے اللہ تعالیٰ ! اب مجھے جس کے لیے سجدے کا حکم دے گا میں اسے سجدہ کروں گا اس کی اس گریہ وزاری پر اس کی تمام اولاد جمع ہو جائے گی اور کہے گی حضرت ! اتنی گریہ وزاری کیوں ! وہ جواب دے گا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک دن تک زندہ رہنے کی اجازت چاہی تھی۔ اب وہ دن گزر گیا ہے اس لیے روتا ہوں اس کے بعد ایک پرندہ (جسے دابۃ الارض کہا جاتا ہے) صفا کے ایک سوراخ سے نکلے گا

اس کا پہلا قدم الطاکیہ پر پڑے گا وہ ابلیس پر اگر قدم رکھے گا اس کے قدم رکھنے سے ابلیس مر جائے گا۔ پہلا قول ان اقوال سے مشہور تر ہے۔

حکایت

احنف بن قیس نے کہا کہ میں مدینہ منورہ میں حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا، دیکھا کہ آپ کے گرد بہت بڑا ہجوم ہے ان کے درمیان کعب الاحبار باتیں سنا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ جب آدم علیہ السلام کی موت کا وقت قریب آیا تو عرض کی، یا اللہ! آج مجھے میرا دشمن ابلیس دیکھ کر خوش ہوگا کہ میں مر رہا ہوں اور وہ قیامت تک زندہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! اے آدم! آپ کو موت آئے گی تو آپ بہشت میں تشریف لے جائیں گے اور وہ ابلیس بدبخت جتنی دیر زندہ رہے گا اسے سخت ترین عذاب ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اولین و آخرین کی موت کا عذاب اس (ابلیس) اکیلے کو ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ملک الموت سے فرمایا کہ مجھے ابلیس کی موت کا کچھ نمونہ بتا دیجیے۔ ملک الموت علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کو ابلیس کی موت کا نمونہ بتایا تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی، یا اللہ! اتنا ہی کافی ہے۔ اس کیفیت کی وضاحت کے لیے لوگوں نے آدم علیہ السلام سے استفسار کیا تو آپ نے فرمایا، چپ رہو یہ بتانے کی بات نہیں۔ لیکن جب لوگوں نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ملک الموت علیہ السلام کو نفخہ اولیٰ کا حکم دے گا کہ اے عزرائیل! میں نے تجھے چودہ طبق یعنی ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کی طاقت بخشی ہے اور میں تمہیں اپنے تمام غیظ و غضب کا لباس پہناتا ہوں تم میرے غیظ و غضب کو لے کر ابلیس رجیم کے ہاں جاؤ اور اپنے ساتھ جہنم کے ستر ہزار سخت گیر فرشتے لے جاؤ جو سرتاپا غیظ و غضب ہوں اور ان میں ہر ایک کے ساتھ جہنم کی بیڑیاں اور جہنم کے طوق ہوں، اس کے بعد اس ابلیس کی بدبودار روح کو جہنم کے ستر ہزار چابک مار کر نکالو اور جہنم کے دارو غہ کو حکم دو کہ وہ جہنم کے دروازے کھول دے۔ یہ حکم سن کر ملک الموت ابلیس کے ہاں اسی غضبناک صورت میں تشریف لائیں گے جس کا انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔ ان کی وہ ڈراؤنی شکل اگر دنیا والے دیکھ لیں تو مر جائیں۔ جب ملک الموت علیہ السلام ابلیس کے قریب آئیں گے تو ابلیس سے فرمائیں گے، ٹھہر جا اے خبیث! میں تجھے موت کا مزہ چکھاتا ہوں تو نے کتنے زمانے پانے اور بے شمار خلق خدا کو گمراہ کیا، اب تیری موت کا وقت آ پہنچا ہے۔ ابلیس یہ سن کر مشرق کی طرف بھاگے گا لیکن ملک الموت اس کے سامنے آ جائیں گے تو وہ سب سے مغرب بھاگے گا لیکن ملک الموت پھر سامنے آ جائیں گے۔ اس کے بعد ابلیس دریا کے اندر غوطہ لگائے گا اور اس سے پناہ مانگے گا۔ مایوسی کے بعد پھر وہ زمین کے اندر غوطہ لگائے گا مگر وہ بھی اسے بچا نہ سکے گی۔ علیٰ ہذا القیاس کوئی شے اسے پناہ نہ دے گی اور نہ ہی وہ ملک الموت علیہ السلام کی گرفت سے بچ سکے گا۔ یہاں تک کہ حضرت آدم علیہ السلام کی قبر انور پر جائے گا وہاں سے زمین کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک منہ پر مٹی ملتا ہوا بھاگتا رہے گا یہاں تک کہ اس جگہ پہنچے گا جہاں آدم علیہ السلام آسمان سے زمین پر اترے تھے وہاں دوزخ کے فرشتے جو ملک الموت کے ساتھ آئے تھے اس کو لوہے کی بیڑیاں پہنا دیں گے۔ زمین اس کے نیچے آگ کے انگارے بن جائے گی۔ جہنم کے فرشتے اسے پکڑ لیں گے اور ان جہنم کی بیڑیوں سے اسے خوب جکڑ لیں گے۔ اس وقت اس پر نزع روح طاری ہوگا اور وہ بہت بڑے عذاب میں مبتلا ہوگا۔

ع

ہر کسے آں درود عاقبت کار کہ کشت

(ترجمہ : جس نے جو کچھ بریا وہی کاٹے گا)

کہا جاتا ہے کہ ابلیس کی موت کی اطلاع حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو دی جائے گی اور انھیں کہا جائے گا آج اپنے دشمن کا حال دیکھیے کہ اسے کیسے دردناک عذاب سے موت کا مزہ چکھایا جا رہا ہے جب آدم وحوا علیہما السلام ابلیس کی حالتِ زار دیکھیں گے تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کریں گے :

اعجوبہ

ربنا اتممت علینا نعمتک ۔ اے اللہ تعالیٰ ہم تیری عطا کردہ نعمتوں پر شکر گزار ہیں۔

ط

شکر خدا کہ ہر چہ طلب کردم از خدا

بر منتہاے ہمت خود کامراں شدم

(ترجمہ : اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے اس سے جو مانگا وہ مجھے مل گیا اور میں اپنے مقصد میں انتہائی طور پر کامیاب ہو گیا)

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اس کی درخواست پر اسے عرصہ دراز کی مہلت دے دی تاکہ اس کی طویل المدۃ عبادت کا بدلہ ہو جائے۔ جیسا کہ منقول ہے کہ اس نے زمین و آسمان کے چپہ چپہ پر عبادت کی۔ اس سے بندوں کو تنبیہ ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی ضائع نہیں فرماتا دنیا میں کافر کو اور آخرت میں مومن کو جزا دیتا ہے۔ کذا فی اسئلۃ الحکم ۔

نکتہ : ایک اور مقام پر کتاب مذکور میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے دشمنوں کو مہلت نہ دی بلکہ انھیں فوراً ہلاک و تباہ کر دیا۔ جیسا کہ فرعون، نمرود اور شداد کا حال سب کو معلوم ہے۔ لیکن آدم علیہ السلام کے دشمن ابلیس کو بہت بڑی مہلت ملی اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ابلیس آدم علیہ السلام کا بالواسطہ دشمن تھا بالاصالۃً وہ اللہ تعالیٰ کا باغی تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے باغیوں کو ایک لمبا رستہ دے دیتا ہے اور عذاب میں انھیں بہت بڑی ڈھیل دیتا ہے اور انھیں اس کا علم تک نہیں ہونے دیتا پھر انھیں ایسے سخت عذاب میں مبتلا فرماتا ہے جو دوسرے بدبختوں کے عذاب سے سخت تر ہوتا ہے اور ابلیس کو اسی لیے قیامت تک مہلت ملی تاکہ عاقل اس سے عبرت حاصل کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ لمبی عمر کوئی خصوصی نعمت نہیں بلکہ بسا اوقات یہ طوالت عمر عذاب الٰہی کا سبب بھی بن جاتی ہے جیسے رئیس الکفار والاشرار ابلیس ملعون کا حال ہے اور اس کو یہ سزا بے ادبی گستاخی اور نافرمانی کی وجہ سے نصیب ہوئی اور لمبی عمر مانگنا بھی اس بدبخت ابلیس کا خاصہ ہے ورنہ بڑے بڑے متکبرین، فراعنہ اور باغی گزرے ہیں کسی نے اپنی بدبختی کے دوران لمبی عمر کی آرزو نہیں کی۔

قَالَ ابلیس نے کہا رَبِّ اے میرے پروردگار بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ جس کی وجہ سے تُو نے مجھے گمراہ کیا

بآ قسمیہ اور مآ مصدریہ اور جواب قسم لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ ہے۔ یعنی مجھے تیرے گمراہ کرنے کی قسم میں آدم زادوں کو معاصی اور شہوات بھلے کر کے دکھاؤں گا اس معنے پر اس کا مفعول محذوف ہے۔ الاغواء بمعنے بے راہ کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے؛ غوی غوایۃً بمعنے ضل۔ اور التزیین بمعنے سنگارنا۔ فِي الْاَرْضِ زمین یعنی دنیا میں جو دار الغرور ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ ؛

اخلد الی الارض۔

اس میں الارض سے دنیا مراد لی گئی ہے۔ ایسے ہی یہاں پر زمین کو دنیا سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ زمین دنیا کے مال و متاع وغیرہ کا مرکز ہے۔

ف ؛ تبیان میں ہے شیطان نے کہا کہ میں آدم زادوں کے لیے زمین کو ایسا سنگاروں گا کہ اس پر ان کا خوب دل لگ جائے گا اور صرف اس کو ہی اپنی قرار گاہ اور آرام و چین کا مرکز سمجھیں گے۔

سوال ؛ شیطان نے یہاں اغواء کی قسم اور دوسرے مقام پر بعزتک کہہ کر اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال اور اس کی سلطنت و عزت کی قسم کھائی یہ کیسے۔

جواب ۱ ؛ ان دونوں قسموں میں منافات نہیں اس لیے اغواء عزت کے فروع کی ایک فرع اور اس کے آثار کا اثر ہے۔

جواب ۲ ؛ ممکن ہے اس نے دونوں قسمیں کھائی ہوں جنھیں مختلف طریق پر بیان کیا گیا ہے کہ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کے افعال کی ایک صفت یعنی اغواء کو اور دوسرے مقام پر اس کی ذات کی صفت یعنی عزت کا ذکر کیا گیا۔

ف ؛ کاشفی نے لکھا ہے کہ مفسرین کی جماعت کا خیال ہے کہ اغویتنی میں با سببیہ ہے یعنی شیطان نے کہا کہ اے اللہ تعالیٰ! جس کے سبب سے تو نے مجھے گمراہ کیا میں اس کی اولاد کی نظروں میں گناہ سنگار کر کے دکھاؤں گا۔

ف ؛ سعدی المفتی بھی اس معنے کو ترجیح دیتے ہیں اور فرمایا کہ اغواء کی قسم غیر متعارف ہے اور قسمیں عرف پر موقوف ہیں۔ فلہٰذا یہاں پر باء قسمیہ کے بجائے باء سببیہ بنانا چاہیے یعنی قاعدہ شرعیہ ہے کہ جو الفاظ قسم عرف عوام میں ہوں انہی الفاظ سے قسم کھائی جائے اور جو الفاظ غیر معروف ہوں ان سے قسم نہ کھائی جائے۔

صوفیانہ نکتہ فقیر (حقی) عرض کرتا ہے کہ میں نے اپنے شیخ کامل اور رہبر اکمل سے سنا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی شان ذاتی کا اظہار کرتے ہوئے ادب کے لیے میں عرض کیا ربنا ظلمنا انفسنا۔ اور ابلیس دولتِ ادب سے محروم تھا اسی لیے کہہ دیا بما اغویتنی۔ یعنی اغواء کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیا۔

ف ؛ غوایۃ اس کے عین علمی اور شان غیبی میں ثابت تھی اس کا اس عالم میں ظہور کا تقاضا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ظاہر فرمایا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ محال شے کو ظاہر نہیں فرماتا اور نہ ہی ایسی شے کو جو مقدر نہ ہو اسی لیے ماننا پڑے گا کہ غوایۃ بھی ازل میں عین علمی اور شان غیبی میں ثابت تھی لیکن اسے صراحۃً اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا گمراہی ہے۔

سوال ؛ صوفیہ کرام تو صرف سعادت کو ازلاً مانتے ہیں۔ چنانچہ کہا کرتے ہیں ؛ السعادۃ الازلیۃ والعنایۃ الرحمانیۃ۔ الرطوایۃ

بھی ازل سے ہوتی تو اسے بھی السعادۃ کی طرح کہا جاتا۔

جواب : پہلے عرض کیا گیا ہے کہ اسے صراحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بے ادبی ہے اسی ادب کے پیشِ نظر صوفیہ کرام نے سعادت کو ازلی کہا اور شقاوت کا ذکر نہیں کیا ورنہ ہر وہ شے جو ظاہر ہونے والی تھی ہر ایک کے وجود کا مرکز اصلی وجود حق ہے۔ اس مسئلہ کو سوچ سمجھ کر یاد رکھو کیونکہ اس میں بہت باریکی ہے۔

حضرت حافظ رحمۃ اللہ نے فرمایا ؎

پیر ما گفت خطا بر قلم صنع نرفت
آفرین بر نظر پاک خطا پوشش بود

ترجمہ : ہمارے شیخ نے فرمایا کہ خطا صنعت کے قلم پر نہیں چلی نظرِ پاک پر آفرین ہو کہ وہ خطا پوش ہے

وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اور سب کو گمراہ کرنے یعنی غوایۃ وضلالۃ پر ابھاروں گا اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ سوائے تیرے مخلص بندوں کے، یعنی تیرے وہ بندے جنہیں تو نے اپنی اطاعت کے لیے چُن لیا اور انھیں شرک جلی و خفی سے محفوظ و معصوم فرمایا ان پر میرا فریب اور دھوکا اثر انداز نہ ہوگا اس لیے کہ وہی حقیقی اہلِ توحید اور اچھی بصیرت کے حامل ہیں وہ میری فریب کاریوں سے پورے طور پر آگاہ ہونے کی وجہ سے میری دستبرد سے بچ جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے عبادك المخلصين سے وہ حضرات مراد ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے جذبات الطاف کے ساتھ حبس الوجود سے خالص کر کے انھیں اپنی ہویت میں فنا کیا۔

(صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے میرے شیخ و مرشد قدس سرہٗ نے لکھا کہ صادق اور مخلص بکسر اللام ہم معنیٰ ہیں یعنی وہ شخص جو صفاتِ نفسانیہ کے شوائب سے مطلقاً خالص ہو۔ اور المخلص بالفتح اور الصدیق ہم معنیٰ ہیں یعنی وہ شوائب غیریت سے خالص ہو۔

ف : دوسری قسم بہ نسبت اوّل کے افضل و اعلیٰ ہے اور احاطہ کے لحاظ سے اکثر و اوسع ہے۔ سالک پر لازم ہے کہ دُوسرے گروہ میں شمولیت کی جدّوجہد کرے ان کے ساتھ شامل ہونے کی برکت سے اغیار بلکہ تمام مصائب و مشکلات سے حفاظت نصیب ہوگی۔

نکتہ برائے صدق سچائی کی شرافت اور بزرگی کی دلیل اور کیا چاہیے جسے شیطان لعین جیسے خبیث نے بھی جھوٹ بولنا گوارا نہ کیا یہاں تک کہہ دیا کہ سب کو گمراہ کروں گا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

طریق صدق بیاموز از آب صافی دل
براستی طلب آزادگی چوں سرو چمن

ترجمہ وبھائی کا طریقہ صاف پانی سے اور آزادی کا طریقہ سرو چمن سے سیکھئے۔

حدیث شریف حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سُنا کہ ابلیس لعین نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا اللہ! آدم زادوں کو اس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ارواح ان کے اجسام میں ہیں اور یہ بات اس نے اللہ تعالیٰ کی عزت و جلال کی قسم کھا کر کہی اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح قسم یاد کر کے فرمایا کہ اے ابلیس! مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے کہ وہ جب تک مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے میں بھی اُن کی غلطیاں معاف کرتا رہوں گا۔

حدیث شریف دیگر مروی ہے کہ جب ابلیس کو لعنتی بنا یا گیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ اے رب العالمین! مجھے تیری عزت کی قسم کہ میں بنوآدم کے قلوب پر ان کے مرتے دم تک قبضہ جماؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ مجھے اپنی عزت کی قسم کہ میں بھی ان کی موت تک توبہ کا دروازہ ان کے لیے کُھلا رکھوں گا۔

نکتہ در تخلیق ابلیس اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اس لیے پیدا فرمایا تاکہ آدم زادوں میں امتیاز ہو جائے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا دوست کون ہے اور دشمن کون۔ ان میں سعادت مند کون ہے اور بدبخت کون۔ اس کے ساتھ حضرات انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے تاکہ سعادت مند انہی کی اقتداء کریں اور ابلیس کی تخلیق اس لیے ہوئی کہ بدبخت اس کی اقتداء کریں۔ اس طرح سعادت مندوں اور بدبختوں کے درمیان فرق ہو گا۔

ف: اس تقریر سے واضح ہوا کہ ابلیس جہنم کا دلال ہے اور اس کا سامان دنیا ہے اور اس نے اپنا یہی سامان جب کافروں کو پیش کیا تو انہوں نے پُوچھا کہ اس کی قیمت کیا ہے۔ تو شیطان نے کہا دینِ حق کا چھوڑنا۔ کافروں نے دین بیچ کر دنیا خرید لی لیکن زہاد نے دنیا کو سہ طلاق دے کر دین اختیار کیا اور دنیا سے رغبت والوں نے شیطان سے کہا کہ ہمیں اس کی جنس چکھائیے۔ شیطان نے انہیں کہا چونکہ تمہیں دین کی رغبت نہیں بلکہ دنیا سے محبت رکھتے ہو اس لیے چکھنے کے لیے تمہیں پہلے اپنی آنکھیں اور کان گروی رکھنے پڑیں گے۔ انہوں نے مان لیا۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ دُنیا کا دنیا کی خبروں اور اس کی چہل پہل اور رونق سے دل لگا رہتا ہے اس لئے کہ انہوں نے اپنی آنکھیں اور کان شیطان کے پاس گروی رکھے ہیں اور اس نے انہیں یہ دنیا صرف چکھنے کے لیے دی ہے اب نہ تو یہ اہلِ دُنیا دین سے بالکل بے بہرہ ہیں اور دنیا سے مکمل طور پر بہرہ مند ہیں اسی لیے یہ نہ دنیا کا عیب سن سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے قبائح دیکھ سکتے ہیں بلکہ اس کی چہل پہل اور رونق پر فریفتہ رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں کہا گیا ہے:
حبك الشئ یعمی و یصم۔ محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔

حکایت بعض لوگ حضرت ابو مدین کے ہاں حاضر ہوئے اور شیطان کے وسوسہ کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: ابھی تھوڑی دیر ہوئی مجھ سے شیطان چلا گیا ہے وہ تمہاری شکایت کرتا تھا۔ یعنی تم اس سے شاکی ہو اور وہ تم سے۔ بلکہ اس نے مجھ سے عرض کی کہ آپ اپنے مریدین معتقدین متعلقین علیہم سے فرمائیے کہ وہ میری دنیا کا نام نہ لیں میں ان کے دین کا نام نہیں لوں گا، وہ میری دنیا کے درپے آزار ہوتے ہیں تو میں ان کی آخرت کے پیچھے لگ جاتا ہوں۔

ف : حضرت احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انسان کے چار دشمن ہیں :

① دنیا اس کا ہتھیار خلقِ خدا کا میل جول ہے۔ اگر اسے قید کرنا مطلوب ہو تو دنیا کے جیل خانہ یعنی خلقِ خدا سے علٰحدگی اختیار کرو اسی لیے کہ :

السلامة فی الوحدة بلامتی تنہائی میں ہے۔

(حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ے)

جامی بملک و مال جو ہر سفلہ دل مبند
کنج فراغ و کنج قناعت ترا بس است

ترجمہ : اے جامی ! ملک و مال ایک گھٹیا جوہر ہے اس سے دل لگانا اچھا نہیں تیرے لیے گوشۂ فراغت اور گوشۂ قناعت ضروری ہے۔

② انسان کا دوسرا دشمن شیطان ہے اس کا ہتھیار پیٹ بھر کر طعام کھانا ہے اسے قید کرنا ہو تو بھوکے رہو۔

ے

جوع باشد غذائے اہلِ صفا
محنت و ابتلائے اہلِ ہوا

ترجمہ : اہلِ صفا کی غذا بھوک ہے لیکن شہوت پرستوں کے لیے بھوک محنت اور دُکھ درد ہے۔

③ انسان کا تیسرا دشمن اس کا اپنا نفس ہے اس کا ہتھیار نیند ہے اسے بیداری سے قید کیا جا سکتا ہے۔

ے

نرگس اندر خواب غفلت یافت بلبل صد وصال
خفتہ تا بینا بود دولت بہ بیداراں رسد

ترجمہ : نرگس غفلت میں سوتی رہی بلبل بیداری کی وجہ سے وصلِ یار سے ہمکنار ہوئی سونے والے کو کیا نصیب ہو جبکہ جاگنے والے دولت لے جاتے ہیں۔

④ انسان کا چوتھا دشمن خواہشاتِ نفسانی ہیں اس کا ہتھیار زیادہ بولنا ہے اسے خاموشی سے قید کیا جائے۔

ے

اگر بسیار دانی اندکے گوئے
یکے را صد مگو صد را یکے گوئے

ترجمہ : بہت زیادہ معلومات کے باوجود کم بیان کرو ایک کلام کو سَو بار بیان کرنے کے عادی مت ہو

بلکہ سو بات کو ایسا سمیٹ لو کہ اسے صرف ایک بار کہو۔

تفسیرِ عالمانہ قَالَ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا ھٰذَا مخلصین کا تیرے اغواء سے بچ جانا۔ صِرَاطٌ ایک حق راستہ ہے عَلَیَّ میری رعایت کی وجہ سے۔ یعنی یہ وہ راستہ ہے جس کے لیے ہمارے ذمۂ کرم حق بنتا ہے کہ ہم اس کی نگرانی کریں اور اس کا ثابت ہونا ضروری اور اس کا وقوع لازم ہے۔ ہم نے عَلَیَّ کا معنی ذمۂ کرم اس لیے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی شے واجب اور ضروری نہیں۔ یہی اہلسنت کا مذہب ہے۔ (خلافًا للمعتزلہ) مُسْتَقِیْمٌ ایسا سیدھا راستہ ہے کہ اس میں ذرا ٹیڑھا پن ہے اور نہ ہی اس سے انحراف ہو سکتا ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ یہی راستہ خالص حق کا راستہ ہے اور یہی موصل الی اللہ ہے اس میں ٹیڑھا پن نہیں کہ بندہ اس پر چل کر گمراہ ہو جائے۔

سوال: لفظ علیّ کی ضرورت کیا تھی جب اللہ تعالیٰ پر واجب بھی کوئی شے نہیں اس کے بجائے کوئی اور حرف مثلاً الیٰ لایا جاتا۔

جواب: لفظ علی سے استقامت یعنی راستے کے مستقیم ہونے کی تاکید مطلوب تھی اور واضح کرنا تھا کہ جو بھی اس راہ پر چل رہا ہے وہ لازماً منزلِ مقصود پر پہنچے گا جیسے کوئی کسی شے پر سوار ہو کر اسی شے پر ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے ایسے ہی اس راہ پر چلنے والا اپنی راہ پر گویا قدرت رکھتا ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ اس میں بندے کو مقصود پر کامیابی کی خوشخبری دی گئی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ پر کسی شے کے وجوب کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اِنَّ عِبَادِیْ بیشک میرے وہ بندے جن کے متعلق پہلے تصریح کی گئی ہے کہ وہ مخلصین ہیں وہ اس لائق ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب (مضاف) ہوں اس لیے کہ وہ اپنے ایمان میں مخلص اور اپنے وجود سے بالکل فارغ ہو کر فنا سے وجودِ حق میں فانی ہیں اور انہیں ماسوی اللہ سے کسی قسم کا تعلق ہی نہیں لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ اے شیطان! تجھے ان کے دلوں پر سُلْطٰنٌ کسی قسم کا تسلط نہیں اور نہ ہی تو ان پر کسی قسم کا تصرف کر کے انہیں گمراہ کر سکتا ہے۔

شیطان کی کہانی اس کی اپنی زبانی شیطان ابلیس سے کسی نے دریافت کیا کہ تم ابومدین (ولی کامل) کو گمراہ کرنے میں کس حد تک کامیابی کی امید رکھتے ہو؟ اس نے جواب دیا ہمارا انہیں گمراہ کرنا ایسے ہے جیسے بحرِ محیط میں پیشاب کیا جائے۔ یعنی ہم اپنی عادت پر مجبور ہو کر اگر انہیں کچھ کہتے بھی ہیں تو انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا جیسے بہت بڑے دریا میں اگر پیشاب کر دیا جائے تو دریا کا کیا بگڑتا ہے یا جیسے سورج کے انوار کو پھونکوں سے بجھایا جائے۔ یعنی جیسے انوارِ شمسی کو پھونکوں سے بجھانے والا ایک احمق اور پاگل سمجھا جاتا ہے ایسے ہی حضرت ابومدین رضی اللہ عنہ کو گمراہ کرنے والے کو ہم اپنی برادری (شیطانوں) میں اسے پاگل اور مجنون سمجھتے ہیں۔ کذا فی اسئلۃ الحکم۔

ولی کامل شیطان سے بے خبر کسی نے اللہ والے سے پوچھا کہ آپ کو جب شیطان بہکاتا ہے تو آپ اس کے

ساتھ کیا کارروائی کرتے ہیں ؛ اللہ والے نے فرمایا ہمیں کیا معلوم کہ شیطان کیا بلا ہے ہم نے تو جب سے اللہ تعالیٰ سے لو لگائی ہے اس وقت سے ہمیں سوائے حق کے کسی چیز کی خبر ہی نہیں۔ مندرج ذیل قطعہ ہمارے حال پر دلالت کرتا ہے : ؎

تسترت عن دھری بظل جنابہ

فعینی تری دھری و لیس یرانیا

فلو تسأل الایام ما اسمی مادرت

و این مکانی ما عرفنا مکانیا

(دیوان امام شافعی)

ترجمہ : اس نے اپنی جناب میں ہمیں ایسا چھپایا ہے کہ نہ میری آنکھ زمانے کو دیکھتی ہے اور نہ ہی وہ نظر آتا ہے اگر مجھ سے کوئی میرا نام مکان پوچھے تو میں کہوں گا کہ مجھے نہ نام آتا ہے اور نہ مجھے اپنے مکان کی خبر ہے۔

اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِيْنَ مگر وہ لوگ جو تیری تابعداری کرینگے ان کو تو گمراہ کر سکے گا۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ شیطان جنھیں گمراہ کرتا ہے وہ اس معنے پر نہیں کہ سلطان بمعنے قہر و غلبہ ہے بلکہ اس معنے پر ہے کہ وہ لوگ شیطان کی تابعداری کرنے سے گمراہ ہوں گے اور وہ بھی غلط طریقہ اختیار کرنے کی وجہ سے۔ جس پر شیطان کو انھیں وسوسہ میں ڈالنے کا موقع مل جائے گا۔ اسی کو شیطان اپنے لیے سلطان یعنی تصرف یا قہر و غلبہ سے تعبیر کرتا ہے اور کبھی اسے تزیین کہتا ہے۔

سوال : اس آیت سے تو صراحۃً واضح ثبوت ملتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور بعض اولیاء کرام پر شیطان کا تسلط ناممکن ہے حالانکہ شیطان کا حملہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ثابت ہے اسی طرح بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام کیلیے بھی۔

جواب : شیطان اپنی عادت سے مجبور ہے اس نے اگرچہ حملہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کے حملوں سے محفوظ رکھا اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کو بھی۔ بلکہ حدیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والا شیطان مسلمان ہو گیا تھا (بخلاف دوسرے انسانوں کے کہ ان کا شیطان کافر ہی رہتا ہے)۔

اعجوبہ ایک دفعہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر شیطان نے حملہ کیا تو آپ نے اس کے گلے میں چادر کا پھندنا ڈال کر گرفتار کر لیا حتیٰ کہ اسے حضور علیہ السلام سے معافی مانگنی پڑی اور آپ نے شانِ رحمۃ للعالمینی کے پیشِ نظر اسے معاف فرما کر چھوڑ دیا اور شیطان کا حضور علیہ السلام پر حملہ کرنے کا حال ایسے ہے جیسے پروانہ چراغ کی روشنی پر حملہ کرتا ہے تو آگ سے جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔

وسوسۂ شیطانی ایمان کی علامت

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہماری اور اہلِ کتاب کی نماز میں یہی فرق ہے کہ ہماری نمازوں میں شیطان وسوسہ

ڈالتا ہے اور ان کی نمازوں میں نہیں ڈالتا اس لیے کہ انھیں جب کفر جیسی لعنت میں مبتلا کر چکا ہے تو اب ان کے دوسرے اعمال میں وسوسہ ڈال کر کیا کرے گا۔ جب کوئی اس کی کارکردگی سے موافقت کر لیتا ہے یعنی جب کوئی کفر کا ارتکاب کر لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے اب تو میرے وسوسے سے محفوظ ہو گیا کیونکہ تو نے میرے ساتھ موافقت کر لی ہے۔ لیکن اہلِ ایمان سے اس کی ہر وقت لڑائی رہتی ہے کیونکہ مومن شیطان کے مشن کے مخالف ہیں اور مخالف سے لڑائی لازمی امر ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الشیطان یوسوس لکم ما لو تکلمتم بہ لکفرتم فعلیکم بقراءۃ قل ھو اللہ احد۔

شیطان تمہارے دل میں ایسے گندے وسوسے ڈالتا ہے اگر تم اسے زبان پر لاؤ تو کافر ہو جاؤ گے اسی لیے تم پر لازم ہے کہ جب وہ تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے وسوسہ ڈالے تو تم پڑھ لیا کرو قل ھو اللہ احد۔

صاحبِ روح البیان کے پیر و مرشد کی تقریر دلپذیر

(صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ) میرے شیخ کامل و مرشد اکمل قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عباد الرحمٰن سے علماء باعمل اور صلحاء اکمل مراد ہیں۔ الذین یمشون علی الارض ھونًا و اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما (الآیہ) یہی وہ لوگ ہیں کہ وہ جب زمین پر چلتے ہیں تو وقار سے، اگر انھیں جاہل لوگ بکتے ہیں تو وہ انھیں سلامتی کی دعا سے نوازتے ہیں۔ یہی حضرات ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان عبادی لیس لک علیھم سلطان اور علماء بے عمل اور فساق جاہل وہ ہیں جو زمین پر چلتے ہیں تو تکبر اور رعونت سے۔ اور جب ان سے علماء باعمل کوئی بات کرتے ہیں تو وہ انھیں سخت اور فحش کلام سے جواب دیتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے حق میں کہا گیا ہے الا من اتبعک من الغاوین۔

سبق: اے عقل والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ایسے علم خبیث سے بچو جو خبیثوں کو نصیب ہوا۔ یعنی خبیث علم سے اجتناب سے یہ مراد ہے کہ اس پر عمل نہ کیا جائے کیونکہ قاعدہ ہے کہ الخبیثٰت للخبیثین والخبیثون للخبیثٰت۔ اور اے قلب سلیم والو! علم طیب (پاکیزہ) حاصل کرو۔ یعنی علم کے مطابق عمل کرو۔ اسی لیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے، الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات۔ علم پر عمل کرنے والے حضرات راشدین مہدیین ہیں تم بھی ان کے زمرہ میں شریک ہو کر کامیابی حاصل کرو گے۔ دنیا بھی سنور جائے گی اور آخرت میں شد مر جائے گی جب تمہارے قلوب کو علم نافع اور عملِ صالح حاصل ہو۔

ف: جمیع علوم سے نافع تر علمِ الٰہی (تصوف) ہے جو تجلّی الٰہی و فیض رحمانی و الہام ربانی سے نصیب ہوتا ہے۔ اس کی تاکید آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ میں بار بار کی گئی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ علم اس تجلی رحمانی و فیضِ ربانی اور الہام یزدانی سے اس وقت تک نصیب نہیں ہوتا جب تک شریعتِ مطہرہ کے مطابق طبیعت کی اصلاح نہ کی جائے طریقت کے موافق نفس کا تزکیہ نہ کیا جائے اور جب تک

قلب کی صفائی اور فوادکو معرفت سے جلا نصیب نہ ہو۔ اسی طرح جب رُوح و سر کا تصفیہ حقیقت کے ذریعہ سے ہو تب کہیں مکمل و اکمل توحید کی دولت نصیب ہوگی۔ ان اصولوں کی پابندی سے اکمل التجرید و افضل التحرید ہی نہیں بلکہ جمیع ماسوی اللہ کا ترک بھی نصیب ہوگا۔ حتیٰ کہ طلب و قصد و توجہ ماسوی اللہ یعنی سفلیات فانیہ بالکل دل سے محو ہو جائیں گی۔ اسی لیے بزرگانِ دین نے فرمایا صرف اللہ تعالیٰ کی طرف جاؤ۔ یاد رہے کہ یہ مقام مُفردون سابقون کو نصیب ہوا، یہی لوگ مقربینِ حق کہلاتے ہیں۔ انتہیٰ کلام الشیخ فی اللائحات البرقیات۔

حضرت جامی قدس سرہ السامی نے فرمایا: ؎

از عالم صورت کہ ہمہ نقش خیالست

رہ سوئے حقیقت نبری در چہ خیالی

ترجمہ: اس عالم ظاہری میں تمام نقوش صرف خیالی ہیں جب تک حقیقت کی طرف نہ جاؤ گے تو یہ سمجھو کہ خیالی نقوش میں مبتلا ہو۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ اور بیشک جہنم۔ یہ لفظ فارسی الاصل اور معرب ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے رکیۃ جھنام یعنی وُہ گڑھا جس کی گہرائی لامتناہی ہو۔ گویا فارسی میں اس کا ترجمہ ہے: چہنم۔

ف: تفسیر الفاتحۃ للفناری میں مرقوم ہے کہ جہنم کو اس نام سے اس لیے موسوم کرتے ہیں کہ اس کی گہرائی بہت زیادہ ہے۔ اسی لیے بئر جھنام اس کنویں کو کہا جاتا ہے جس کی گہرائی کی کوئی انتہا نہ ہو۔

ف: جہنم کی گہرائی بہتر سو سال کی مسافت ہے اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے یہی دوزخ بڑی ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے باغیوں کے لیے یہی جیل خانہ بنایا ہے (نعوذ باللہ منہا بجاہ حبیبہ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)۔

لَمَوْعِدُهُمْ شیطان کے تبعین کے وعدہ کی جگہ یعنی انکار جوع اَجْمَعِيْنَ سب کا۔ یہ هُمْ ضمیر کی تاکید اور اس کا عامل اس کی اضافت ہے موعد اس کا عامل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ وہ اسم مکان ہے اور اسم مکان عامل نہیں ہوتا لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ اس جہنم کے سات دروازے ہیں انہی دروازوں سے جہنمیوں کو داخل کیا جائے گا وہ دروازے ایک دُوسرے کے اوپر نیچے طبقات کے مطابق ہیں ہر طبقے کا علحدہ دروازہ ہے لِكُلِّ بَابٍ ہر دروازہ کھلا ہوا ہے یعنی طبقات کے مطابق ہر طبقے کا دروازہ ہے مِّنْهُمْ شیطان کے تبعین میں سے یہ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ سے حال ہے یعنی ہر ٹکڑا تقسیم شدہ ہے اور ہر طبقہ کے مطابق جدا جدا ہے جس کی جس طرح کی استعداد ہوگی اسی کے مطابق اسی دروازہ سے اسے داخل کیا جائے گا۔ طبقہ اولیٰ ان مسلمان گنہگاروں کے لیے ہے جو معاصی اور جرائم کی سزا پائیں گے۔

ف: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ جہنم کا طبقہ عُلیا خالی رہے گا وہ اس لیے کہ یہ طبقہ اہلِ ایمان گنہگاروں سے مختص ہے لیکن چونکہ انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بخش دے گا اسی لیے وُہ طبقہ خالی پڑا رہے گا۔ باقی طبقات کفار و مشرکین سے پُر ہوں گے۔

ف : جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان یعنی معرفتِ الٰہی ہوگی اسے جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

رمز صاحبِ روح البیانؒ برائے شیخ اکبر قدس سرہٗ (صاحبِ روح البیانؒ نے فرمایا کہ) شیخ اکبر قدس سرہٗ کے ارشاد مذکورہ کا ایک مطلب وہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا۔ دُوسرا مطلب اور بھی ہے لیکن چونکہ وہ ایک راز ہے جو صرف اہلِ عرفان جانتے ہیں اسی لیے اسے ظاہر کرنا مناسب نہیں۔

ف : ○ طبقہ اُولیٰ اہلِ ایمان گنہگاروں کے لیے جو بعد کو بالکل خالی رہے گا۔

○ طبقہ ثانیہ یہودیوں کے لیے۔

○ طبقہ ثالثہ نصاریٰ کے لیے

○ طبقہ رابعہ صابئین (ستارہ پرستوں) کے لیے

○ طبقہ خامسہ مجوس کے لیے

○ طبقہ سادسہ مشرکین کے لیے

○ طبقہ سابعہ منافقین کے لیے ہے۔

ف : اہلِ علم کا نار کے طبقات کی ترتیب میں اختلاف ہے اکثر اہلِ علم کا خیال ہے کہ

○ پہلے طبقے کا نام جہنم ہے۔ اس کے مابعد طبقات میں بدستور اختلاف ہے کما فی حواشی سعدی چلپی المفتی۔

ف : جہنم کی وجہ تسمیہ ہم نے بیان کر دی ہے۔

○ دوسرے طبقے کا نام لظیٰ ہے۔ وہ اس لیے کہ لظیٰ آگ کی شدت کو کہا جاتا ہے۔

○ تیسرے طبقے کا نام ہے الحطمۃ ہے بمعنے روندنے والی (چونکہ اس میں داخل ہونے والے آگ کی سختی سے چکنا چور ہو جائیں گے اسی لیے اسے حطمہ کہا جاتا ہے)

○ چوتھے طبقے کا نام السعیر بمعنے سخت شعلوں والی ہے (اس کے شعلے بہت سخت ہوں گے، اس لیے اس نام سے موسوم ہوا)

○ پانچویں کا نام سقر ہے بمعنے سخت بھڑکنے والی (چونکہ اس کے شعلے سخت بھڑک اُٹھنے والے ہیں اس لیے اسے سقر کہا جاتا ہے)

○ چھٹے کا نام الجحیم ہے بمعنے سخت گہرائی والی۔

○ ساتویں کا نام الہاویۃ ہے بمعنے اپنے نچلے حصے میں دبا دینے والی۔ (چونکہ جو بھی اس کے اندر ڈالا جائے گا وہ فوراً اس کی تہہ میں چلا جائے گا اس لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا۔ اللھم اجرنا من النار بجاہ النبی سید الابرار صلی اللّٰہ علیہ وسلم)

ف : بحر العلوم میں ہے ان ساتوں طبقات جہنم میں وہ داخل ہوگا جو اللہ تعالیٰ کا ان ساتوں اعضاء سے نافرمانی کرتا ہے :

① آنکھ ② کان

④ زبان ⑦ پیٹ

⑤ فرج ⑨ پاؤں

⑥ ہاتھ

ان اعضاء اور جہنم کے طبقات کی بہتر ترتیب وہی ہے جو فتوحات شریف میں درج ہے۔ اعضاء کی ترتیب یہ ہے:

① سمع ② بصر

③ لسان ④ دونوں ہاتھ

⑤ دونوں پاؤں ⑥ فرج

⑦ بطن

یہی اعضاء ابواب جہنم کے طبقات کے مراتب ہیں جو شخص ان اعضاء کو مناہی (برائیوں) سے محفوظ رکھتا ہے وہ جہنم کے طبقات سے بچ جائے گا ورنہ انہی اعضاء کی خرابیوں سے جہنم میں جانا پڑے گا ؎

ہفت در دوزخند در تن تو
ساختہ نقشثان در و در بند
~~ہین کہ در وحت~~ تست قفل امروز
در ہر ہفت محکم اندر بند

ترجمہ: تیرے جسم میں سات دوزخ ہیں انھیں تیرے جسم میں منقش کیا گیا ہے آج اس کا تالا تمہارے ہاتھ میں ہے اس لیے ان ساتوں دروازوں کو مضبوطی سے بند کر لو (ورنہ پچھتاؤ گے)۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے و ان جہنم سے بُعد و فراق کی سزا مراد ہے کہ عشاق کو ہجر و فراق کی آگ سے جلایا جائے گا۔ لموعدهم اجمعين لها سبعة ابواب یعنی اس بُعد و فراق کے اسباب سات اعمال ہیں،

① حرص ② شرہ (لالچ)، ③ حقد (کینہ)، ④ حسد ⑤ غضب ⑥ شہوت ⑦ تکبر

لكل باب یعنی ابلیس کے متبعین یعنی نفس امارہ کے اوصاف کے موصوفین کے لیے جزء مقسوم مقرر کردہ حصہ ہے یعنی نفس کے جس قدر اوصاف سے موصوف ہوگا اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے بعید ہوگا۔

ف: دوزخ کے سات دروازے اور اس کے طبقات اوپر نیچے ہیں اور بہشت کے آٹھ دروازے ہیں اس کے بھی مختلف درجات بلندی و پستی میں مقرر کیے گئے ہیں اس لیے کہ بہشت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور فضل میں زیادہ کرنا بھی اس کا کرم ہے اور دوزخ سزا ہے اور سزا میں زیادہ کرنا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے۔

③ زبان ④ پیٹ

⑤ فرج ⑥ پاؤں

⑦ ہاتھ

…یقات کی بہتر ترتیب وہی ہے جو فتوحات شریف میں درج ہے۔ اعضاء کی ترتیب یہ ہے:

① سمع ② بصر

③ لسان ④ دونوں ہاتھ

⑤ دونوں پاؤں ⑥ فرج

⑦ بطن

…کے طبقات کے مراتب ہیں جو شخص ان اعضاء کو مناہی (برائیوں) سے محفوظ رکھتا ہے وہ جہنم کے طبقات سے…
…ن اعضاء کی خرابیوں سے جہنم میں جانا پڑے گا ؎

ہفت در دوزخند در تن تو
ساختہ نقشسان در و در بند
ہین کہ ~~وقت~~ تست قفل امروز
در ہر ہفت محکم اندر بند

…تیرے جسم میں سات دوزخ ہیں انھیں تیرے جسم میں منقش کیا گیا ہے آج اس کا تالہ تمہارے…
…ہے اس لیے ان ساتوں دروازوں کو مضبوطی سے بند کر لو (ورنہ پچھتاؤ گے)۔
تاویلات نجمیہ میں ہے وان جہنم سے بُعد وفراق کی سزا مراد ہے کہ عشاق کو ہجر وفراق کی آگ…
…ـمـہ جلایا جائے گا۔ لموعدھم اجمعین لہا سبعة ابواب یعنی اس بُعد وفراق کے ابواب…

② شرہ (لالچ)، ③ حقد (کینہ)، ④ حسد ⑤ غضب ⑥ شہوت ⑦ کبر
…یس کے تبعین یعنی نفس امارہ کے اوصاف کے موصوفین کے لیے جزء مقسوم مقرر کیا ہے جو…
…ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے بعید ہوگا۔
…موصوف ہوگا اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے بعید ہوگا۔ … اور بہشت کے آٹھ دروازے ہیں اس کے بھی لطف…
…کے طبقات اوپر نیچے ہیں اور فضل میں زیادہ کرنا بھی اس کا کرم ہے اور…

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ○ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ ○ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ
مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ○ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ○
نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ○ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ○ وَنَبِّئْهُمْ
عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ○ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ط قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ○
قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ○ قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَنْ مَسَّنِيَ الْكِبَرُ
فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ○ قَالُوا بَشَّرْنَاكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَانِطِينَ ○ قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ
مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ○ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ○ قَالُوا إِنَّا
أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ○ إِلَّا آلَ لُوطٍ ط إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ○ إِلَّا امْرَأَتَهُ
قَدَّرْنَا ۙ إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ ○

ترجمہ: بے شک پرہیزگار لوگ باغات اور چشموں میں ہوں گے (حکم ہوگا) ان میں سلامتی سے امن والے ہوکر داخل ہو جاؤ اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے پر جو کینے تھے ہم سب کھینچ لیں گے اور آپس میں بھائی بھائی ہو کر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھیں گے۔ نہ انھیں اس میں کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔ میرے بندوں کو خبر کر دو کہ صرف میں ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہوں اور بے شک میرا ہی عذاب دردناک عذاب ہے اور انھیں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا حال سناؤ جب وہ اس کے پاس آئے تو عرض کی السلام علیکم۔ فرمایا: ہمیں تم سے ڈر محسوس ہوتا ہے انہوں نے عرض کی مت ڈرو ہم آپ کو ایک علم والے لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں فرمایا کیا اس کی خوشخبری دیتے ہو کہ مجھے بڑھاپا آگیا ہے تو پھر مجھے کاہے کی خوشخبری دیتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو سچی خوشخبری دی ہے آپ ناامیدوں سے نہ ہوں۔ فرمایا کہ گمراہوں کے سوا اپنے رب تعالیٰ کی رحمت سے اور کون ناامید ہو سکتا ہے۔ فرمایا اے رسولو! تو پھر تمہارا کیا کام ہے۔ عرض کی ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں سوائے لوط علیہ السلام کے پیروکاروں کے کہ ان سب کو ہم بچالیں گے مگر اس کی بیوی کہ ہم اس کے لیے مقدر کر چکے ہیں کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہے۔

(بقیہ ص ۸۰)

ف: بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ اذان کے سات اور اقامت کے آٹھ کلمات ہیں جو شخص محض رضائے الٰہی کے لیے اذان و اقامت پڑھتا ہے اس پر جہنم کے دروازے بند اور بہشت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں گے۔

ف : جہنم میں سخت ترین عذاب ابلیس کو ہوگا اس لیے کہ شرک کی بنیاد اسی نے رکھی بلکہ ہر برائی کا سرچشمہ ابلیس لعین ہے ۔ اسی لیے اسے سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور چونکہ اس کی اصل تخلیق آگ سے ہے اس لیے اسے زمہریر یعنی آگ کے برعکس عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ ۔ اتقا تین قسم ہے ،

۱۔ اتقا عن محارم اللہ باوامر اللہ

۲۔ اتقا عن الدنیا وشهواتها بالاخرة و درجاتها

۳۔ اتقا عما سوی اللہ باللہ وصفاتها

یعنی پہلا عوام کا اتقا ہے ، دُوسرا خواص کا ، تیسرا اخص الخواص کا۔

فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ یعنی متقین باغات اور چشموں میں ٹھہرنے والے ہیں یعنی ہر ایک کو علیٰحدہ علیٰحدہ بہشت اور چشمہ نصیب ہوگا ۔ جیسا کہ قاعدہ عربیہ کا تقاضا ہے کہ جمع کا جمع کے یا استغراق کے بالمقابل ہو تو مجموعی طور پر ہر فرد علیٰحدہ علیٰحدہ مراد ہوتا ہے۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ ہر فرد کے لیے وہ دونوں تیار کیے گئے ہیں ۔ اسی معنے پر یہ الف ولام استغراق افرادی ہوگا۔

ف : کاشفی میں لکھا ہے کہ بہشت کے چشمے چار چیزوں سے رواں دواں ہوں گے :

① دودھ

② شراباً طہورا

③ شہد

④ ٹھنڈا اور میٹھا پانی

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اہلِ اتقا آخرت میں باغات اور چشموں میں ایسے قرار پائیں گے جیسے دنیا میں پاتے تھے وہ اس لئے کہ ان کو دنیا کے اسباب سے حاصل کیا تھا ۔ اس کی نظیر کفار کی سزا ہے ۔ چنانچہ ان کے حق میں بھی اسی طرح فرمایا کہ ،

۱۔ الذین یأکلون اموال الیتامیٰ ظلما انما یاکلون فی بطونهم نارا۔

یعنی آگ کے انگارے ان کے پیٹ میں اسی لیے ڈالے جائیں گے کہ یتامیٰ کے اموال کھانے کا سبب دنیا میں یہی پیٹ بنا۔

اُدْخُلُوْهَا یعنی فرشتوں کے ذریعے انہیں کہا جائے گا ۔ یعنی جب اہلِ اتقا بہشت کے دروازے پر پہنچیں گے یا ایک بہشت سے دُوسری بہشت کی طرف متوجہ ہوں گے تو انہیں فرشتے کہیں گے اے متقیو! انہی بہشتوں میں داخل ہو جاؤ حالانکہ تم متلبس ہو ۔ بِسَلٰمٍ سلام کے ساتھ ۔ یعنی اب تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پہنچیں گے ۔ یاد رہے

سو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے بندے کو جذبا الیہ سے نوازا جائے گا۔ کذا فی التاویلات النجمیہ۔۔

اٰمِنِیۡنَ درانحالیکہ تم امن وسلامتی سے درکنار ہو گے۔ یہ دوسرا حال ہے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ متقین وصول الی اللہ کے موانع اور وصول کے بعد خوف سے امن وسلامتی میں ہوں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ سیر الی اللہ سوائے اللہ تعالیٰ کی مدد کے محال ہے۔جب تک بندے کو جذباتِ الٰہیہ نصیب نہ ہوں وہ واصل باللہ نہیں ہو سکتا۔جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ میں ٹھہر گئے۔لیکن آگے کا سفر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جذباتِ الٰہیہ کے ذریعے سے کیا۔

چناں گرم در تیہ قربت براند
کہ در سدرہ جبریل ازو باز ماند

قاب قوسین کے مقام پر رفرف نے چھوڑا تو اَوادنیٰ کے مقام پر قربِ الٰہی کا نہایت اعلیٰ مقام ہے۔"اُدنُ منّی یا حبیب" کے جذباتِ الٰہیہ سے پہنچے۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے امن وسلامتی کا یہی مطلب ہے کہ بندے کو دخول کے بعد سے موانع امن وسلامتی سے نہ کوئی شے مانع ہو اور نہ وصول کے بعد خروج ہو۔

وَنَزَعۡنَا اور ہم نکالیں گے مَا فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ جو کچھ بہشتیوں کے سینوں میں ہوگا مِّنۡ غِلٍّ کینے سے۔ یعنی وہ جو آپس میں ایک دوسرے سے دنیا میں کسی وجہ سے دشمنی رکھتے تھے وہ آخرت میں ختم ہو جائے گی۔

شیعہ کا ردّ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
قیامت میں میں، عثمان، طلحہ اور زبیر (امیر معاویہ) (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) انہی سے ہوں گے۔

مسئلہ صوفیانہ اس سے معلوم ہوا کہ کینہ بھی نفسِ امّارہ کے اوصافِ ذمیمہ اور بشریت کے صفات سے ہے۔اس کا نفوس انسانی سے نکلنا محال ہے ہاں جس سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے نکال لے۔جس سے اللہ تعالیٰ غل وغش نہ نکالے تو اس کے لیے بہشت میں دخول کے باوجود خروج کا خوف رہے گا جیسے حضرت آدم علیہ السلام تزکیۂ نفس کے بغیر اور صفات ذمیمہ کو اپنے سے نکالے بغیر بہشت میں داخل ہوئے تو بہشت سے اس غل وغش کی وجہ سے نکالے گئے جو اسی نفس امّارہ اور بشریت کے اوصاف میں سے ایک تھی۔اسی لیے ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وعصٰی اٰدم ربہ ۔اس کے بعد ان کے حق میں فرمایا ثم اجتباہ ربہ۔اس کے باوجود بھی آدم علیہ السلام سے جب تک توبہ کی وجہ سے یہ غل وغش نہیں نکالی وہ بہشت میں داخل نہیں ہوئے۔

ف: (فقیر حقی) کہتا ہے کہ غل وغش بعض خوش قسمت لوگوں سے دنیا میں نکالی جاتی ہے۔یعنی اوصافِ قبیحہ سے نفس کا تزکیہ اور اخلاق رذیلہ سے قلب کی صفائی کی جاتی ہے جیسے اولیاء کاملین کو حاصل ہوا۔اور بعض سے آخرت میں

جیسے ناقص انسانوں کی کیفیت ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صاف قلوب والوں سے بنائے۔ آمین۔ اِخْوَانًا بھائی بھائی۔ یہ جنات کی ضمیر سے حال ہے ۔

ف : کاشفی نے فرمایا کہ جب بہشتی بہشت میں آجائیں گے تو آپس میں بھائی بھائی ہو کر گزاریں گے کسی کی کسی کے ساتھ مخالفت نہ ہو گی ۔ اور گزشتہ را صلوٰۃ کہہ دیں گے ۔

شانِ نزول اس آیت میں لفظ اخوانا کے اضافہ کے متعلق مفسرین نے فرمایا کہ چونکہ یہ آیت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں نازل ہوئی۔ اسی لیے انہیں بھائی بھائی کہا گیا کہ دنیا میں اگرچہ ان کا آپس میں کتنا اختلاف رہا لیکن بہشت میں بھائی بھائی ہوں گے (لیکن شیعہ پارٹی کا تعصب دیکھیے کہ ان میں اختلاف نہ ہونے کے باوجود بھی ان کا اختلاف ظاہر کرتے ہیں) عوام اہل ایمان کے لیے بھی اسی طرح ہو گا ۔

نکتہ فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان آپس میں مخاصمت وغیرہ ہوئی لیکن تاہم وہ معارف وعلوم کے لحاظ سے متفق و متحد تھے۔ بھائی بھائی تھے اور دنیاوی جھگڑے اور اختلاف کی وجہ سے آخرت میں مراتب و درجات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے کم نہ ہوں گے ۔

عَلٰی سُرُرٍ بھائی بن کر تختوں پر بیٹھے نظر آئیں گے اور سب کے تخت جواہر سے مرصع ہوں گے ۔ مُّتَقٰبِلِیْنَ آمنے سامنے ۔ یعنی ایک دوسرے کو پیٹھ دیے ہوئے نہیں بلکہ ایک دوسرے کے بالمقابل چہرے نظر آئیں گے ۔

مسئلہ : دنیا میں اختلافات کے باوجود ایک دوسرے سے حسد و بغض اور عداوت و کینہ سے مبرا تھے ۔

ف : حضرت مجاہد نے فرمایا کہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کے چہرے فرحت و سرور سے بھر جائیں گے جیسے ایک مہجور دوست کی عرصہ کے بعد ملاقات میسر آتی ہے تو خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ ایسے ہی ان کی حالت ہو گی اور اپنے جمیع احوال میں ایک دوسرے کے موافق ہوں گے صرف اس لیے کہ دنیا میں بظاہر ان میں اختلافات ہوئے لیکن اس وقت ان کے دل آپس میں صاف تھے ۔

لَا یَمَسُّھُمْ انہیں نہیں پہنچے گا فِیْھَا بہشت میں نَصَبٌ کوئی دکھ اور رنج و مشقت، اس لیے کہ بہشت عیش و عشرت اور راحت و فرحت کا گھر ہے پھر اس میں رنج و مشقت کیسی۔ نصب کی تنکیر بھی تعلیل ہے ۔

ف : الارشاد میں ہے کہ نصبٌ بمعنے تعبٌ ہے یعنی کسی شے کے حاصل کرنے کے لیے انہیں کسی قسم کی تکلیف اور مشقت نہیں اٹھانی پڑے گی جیسے دنیا میں کسی شے کے حصول کے لیے کئی طرح کے حیلے کرنے پڑتے ہیں یا اس کے لیے کم یا زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے ۔ بہشت میں ایسے نہیں ہو گا بلکہ وہاں ہر شے فراوان اور بلا تکلف میسر ہو گی ۔ ادھر بہشتی کو خیال آئے گا ادھر شے تیار ملے گی ۔

وَمَا ھُمْ مِّنْھَا بِمُخْرَجِیْنَ اور وہ بہشت سے نکالے بھی نہیں جائیں گے بلکہ ابدالآباد تک اس میں اقامت پذیر رہیں گے کیونکہ کامل نعمت وہی سمجھی جاتی ہے جو دائمی ہو ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ لا یمسّھم فیھا نصبٌ یعنی کسی کی بہشت میں بلندیٔ درجات دوسرے کو حسد میں نہیں ڈالے گی بلکہ جو کوئی جس درجہ میں ہوگا اسی پر خوش ہوگا اور وہ اسی میں مقیم ہوگا اسے نہ تو نکال کر نیچے والے درجے پر مجبور کیا جائے اور نہ ہی اوپر والے درجے پر پہنچایا جائے گا بلکہ وُہ اپنے درجے پر راضی ہوگا اسی لیے کہ اس وقت حسد کی جڑ کاٹ دی جائے گی ؎

پاک وصافی شو واز چاہ طبیعت بدر آئے
کہ صفائی ندہد آب تُراب آلود

ترجمہ : پاک وصاف ہو جاؤ اور طبیعت کے کُنویں سے باہر آجاؤ اس لیے کہ جس پانی میں مٹی ہو وہ صاف نہیں ہوتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ سب سے پہلا زمرہ جو بہشت میں داخل ہوگا ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکدار ہوں گے اس میں نہ وہ تھوکیں گے نہ کھنکار ڈالیں گے اور نہ ہی پاخانہ کریں گے۔ بہشت میں سب کے برتن سونے کے ہوں گے اسی طرح ان کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی اور ان کی انگیٹھیاں خوشبودار اور ان کے پسینے مشک کی طرح ہوں گے ہر ایک کی دو عورتیں ہوں گی جن کے حُسن کی وجہ سے ان کی پنڈلیوں کی ہڈیاں گوشت میں سے نظر آئیں گی یعنی ان کی سفیدی اور نمکینی طبعی حُسن نکھرا ہوا ہوگا لیکن باوجود اس کے ایک کو دُوسرے پر حسد نہ ہوگا اور نہ ہی بغض وعداوت بلکہ ہر صبح وشام تسبیح وتہلیل میں منہمک رہیں گے۔ (رواہ البخاری)

ف : فتح القریب میں مرقوم ہے کہ وہاں کی تسبیح وتہلیل اندازوں پر ہوگی یعنی دنیا کی صبح وشام کے مقدار۔ ورنہ وہاں نہ صبح نہ شام۔ نہ دن نہ رات۔ اس لیے کہ یہ اوقات لیل ونہار کے اختلاف سورج اور چاند کی گردش سے ہوتے ہیں اور وہاں نہ اختلاف اللیل والنہار اور نہ شمس وقمر۔

ف : قرطبی نے فرمایا کہ بہشت کی تسبیح وتہلیل مکلّفانہ اور بطریق وجوب نہیں ہوگی اس لیے کہ بہشت میں تکلیف اور وجوب کہاں۔ کیونکہ وہ تو جزا کا مرکز ہے البتہ بطریق الہام وتیسیر ہوگا۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تسبیح وتہلیل وتکبیر ان کے دلوں پر الہام فرمائے گا ایسے جیسے ہمیں دنیا میں مختلف خیالات دل میں گزرتے ہیں وہاں تصورات وخیالات ہوں گے لیکن وہ تصورات وخیالات یہی تسبیح وتہلیل وتکبیر ہوگی۔

نکتہ اس تسبیح وتہلیل نفس کے خیالات وتصورات سے تشبیہ میں یہ نکتہ ہے کہ نفس میں یہ خیالات بلا تکلف اُبھرتے ہیں اور ان کے بغیر چارہ ہی نہیں اور نہ ہی انسان انہیں دُور کر سکتا ہے اسی طرح بہشت میں اس قسم کے تصورات وخیالات (تسبیح وتہلیل وتکبیر) بلا تکلف دل پر گزریں گے۔

نکتہ چونکہ آخرت میں بندوں کے قلوب انوارِ الٰہی کی معمور اور آنکھیں دیدارِ الٰہی کی دولت سے معمور ہوں گی۔ اسی لیے اب نعمت الٰہی کی یاد اور اس کی محبت کے سوا اور کیا تصور ہو سکتا ہے۔ اسی لیے زبانیں ذکر میں مشغول اور قلب اس کے تصور میں

مصروف ہوں گے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے اسی کا ذکر ہوتا ہے اور اسی کا فکر۔

تفسیر عالمانہ نَبِّئْ عِبَادِیْٓ میرے بندوں کو خبر دو اور انھیں جتلا دو کہ اَنِّیْٓ بے شک میں اَنَا صرف میں یہ مسند کو مسند الیہ پر قصر کی وجہ سے کہا گیا ہے الْغَفُوْرُ بخش دیتا ہوں اُسے جو بخشش کا طالب ہو الرَّحِیْمُ اور بخشتا ہوں اسے جو گناہوں سے توبہ کرتا ہے یعنی ان کے عیوب کی ستاری اور ان کے ذنوب کی غفاری اور ان کی توبہ کو قبول صرف میں اکیلا کرتا ہوں اور انھیں نعمتوں سے مالا مال صرف میں کرتا ہوں۔ میرے سوا ان امور کا اہل کوئی دوسرا نہیں ہے۔ وَاَنَّ عَذَابِیْ اور بے شک میرا عذاب صرف اس کے لیے جو گناہ کرتا ہے اور نہ ہی توبہ سے منحرف ہے بلکہ بغاوت کر کے مجھ سے منہ موڑتا ہے هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ تو اس کے لیے میرا عذاب دردناک ہے۔ یہ بھی پہلے جملے کی طرح ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے فرمایا کہ انھیں خبر دیجیے کہ اگر کسی شے کا نام عذاب ہے تو وہ صرف میرا ہے۔ اور کسی کو عذاب دینا نہیں آتا۔ اگر کوئی کسی کو عذاب دیتا ہے تو وہ عذاب نہیں۔ اگر ہے تو وہ صرف میری طرف منسوب ہے۔

نکتہ جیسے مغفرت و رحمت کو صراحۃً اپنی صفت بتلایا یہاں عذاب میں اپنی صفت کو صراحۃً نہیں فرمایا۔ مثلاً فرمایا انی المعذب المولم صرف اس لیے کہ بندوں کو معلوم ہو مغفرت و رحمت اللہ تعالیٰ کی ذات کا تقاضا ہے لیکن عذاب کرنا اس کا ذاتی تقاضا نہیں بلکہ عذاب کسی خارجی وجہ سے متحقق ہوتا ہے اور وعدۂ لطف کو ترجیح دیتا ہے اور صفت عفو سے اسے پیار ہے (وغیرہ وغیرہ) ؎

گرچہ جرمِ من از عدد بیش است
سبقت رحمتے ازاں بیش است
چہ عجب گر عذاب ننماید
بر گنہ پیشگاں بخشاید

ترجمہ: اگرچہ میرے گناہ گنتی سے باہر ہیں لیکن تیری رحمت اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔ کیا عجب کہ تو کریم گناہ پر سزا دے بلکہ گناہوں سے پہلے ہی بخش دیا جاؤں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جو حضرات عبودیت سے مخصوص ہیں حقیقۃً وہ خالص مخلص (احرار) بندے ہیں کہ انھیں ماسوی اللہ کی عبودیت سے آزادی حاصل ہے۔ نہ انھیں خواہش نفسانی ستاتی ہے نہ دنیوی امور سے پریشان ہوتے ہیں اور نہ ہی عقبیٰ و آخرت کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔ یہی حضرات صفات لطف و رحمت کے مظہر ہیں۔ اور عذاب ہر اس شخص کو ہوگا جو خواہشِ نفسانی اور دنیا فانی اور ماسوی اللہ کا پجاری ہے۔ ایسے لوگ صفات قہر و عزت و جلال کے مظہر ہیں۔

دوسری تقریر صوفیانہ سیر الی اللہ والے سیّاحوں کی سیر اور اسی طرف پرواز کرنے والوں کی پرواز ہوائے عبودیت اور

فضائے ربوبیت میں ہوتی ہے۔ اور یہ لوگ ایسی سیر میں خوف و رجا کے قدموں پر چلتے اور انس و محبت کے پروں پر مستقل طور پر اُڑتے ہیں یعنی ایسی سیر میں زیادتی و کمی سے ہٹ کر پرواز کرتے ہیں۔

حکایت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کی ایک مقام پر ملاقات ہوئی تو عیسیٰ علیہ السلام یحییٰ علیہ السلام کے سامنے ہنسے یحییٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ آپ کی ہنسی پر مجھے تعجب ہے کیا آپ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ آپ کو میں غمگین پاتا ہوں کیا آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہیں۔ دونوں نے یہی مشورہ کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی کا انتظار کریں جو حکم ہوگا اس پر عمل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی پیغام بھیجا کہ آپ دونوں میرے محبوب ہیں کیونکہ آپ دونوں کو میرے ساتھ نیک گمان ہے۔ لیکن مجھے خوش چہرہ اور ہنستا رُخ زیادہ پسند ہے جبکہ اسے میری رحمت سے وابستگی ہے۔

حکایت حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ہروقت مغموم دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے الہ العٰلمین! میں نے تجھ سے بچہ مانگا تھا راحت کے لیے۔ اب اس کے غم سے بھی میں غمگین ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ آپ نے مجھ سے ولی مانگا تھا اور آپ کو ولی مل گیا ہے اور ولی اسی طرح ہوتے ہیں۔

ف: حضرت مسروق نے فرمایا کہ خوف امید سے پہلے ہونا چاہیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت کو ایسے مقام پہ بنایا ہے جہاں پہلے دوزخ کو عبور کرنا پڑتا ہے۔

ف: فقیر (حقی) عرض کرتا ہے کہ واقعی خوف کا امید سے پہلے ہونا لازمی ہے اس لیے کہ خوف اصل ہے اور رجا اس کی فرع اور خوف سے دل کی صفائی ہوتی ہے اور تمام فاسد آرزوئیں خوف سے مٹ جاتی ہیں اگرچہ رجا کا متعلق یعنی عفو و رحمت اصل ہیں لیکن شے کے متعلق اصل ہونے کی وجہ سے وہ شے خود اصل نہیں ہوتی یہ ہم مانتے ہیں کہ رجاد کا متعلق رحمت سابق اور واسع اور اصل ہے لیکن یہ صفات الٰہی کی نسبت کی حیثیت سے ہے۔

حدیث شریف اسی لیے حدیث شریف میں ہے اگر بندے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ ہوتا تو کسی حرام کو چھوڑتا یعنی ہر برائی کا ارتکاب کرتا کیونکہ اسے یقین ہوتا کہ وہ بخشا جائے گا۔ اسی طرح اگر اسے اللہ تعالیٰ کی سزا کا علم ہو جائے تو اپنا گلا گھونٹ کر مرجائے۔ یعنی عبادتِ الٰہی میں اتنا مصروف رہے کہ ایک سیکنڈ بھی نفس کو آرام اور قرار نہ ہو۔ تو لازماً اسے موت گھیر لیتی اور تادمِ زیست گناہ کا خیال نہ کرتا۔

عشق کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت کے اسباب ویسے تو بیشمار ہیں لیکن سب سے بلند و بالا اور افضل و اعلیٰ عشق و محبت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انس و جان صرف اس عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے جو موصل الی المعرفۃ الالٰہیۃ و الجذبۃ الربانیہ ہو۔ اور اس کا دوسرا نام عشق و محبت ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا:

ہر چند غرق بحرِ گناہم ز شش جہت
گر آشنائے عشق شوم غرق رحمتم

ترجمہ : میں شش جہات سے گناہوں کے دریا میں غرق ہوں اگر میں عشق آشنا ہو جاؤں تو رحمت میں غرق ہو جاؤں۔

ف : عذاب کے اسباب بھی لاتعد و لاتحصیٰ ہیں۔ ان سب کا سرتاج جہل یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت سے لاعلمی اور اس کی صفات سے بے خبری، عذاب الٰہی کا سب سے بڑا سبب ہے۔

سبق عاقل کو چاہیے کہ طریق عشق و محبت و معرفت اتنی بڑی سعی و جہد کرے کہ منزل مقصود تک پہنچ جائے اور دنیا کے تمام جھگڑے ختم کر کے طلب و اجتہاد میں زندگی بسر کرے۔ اس کے بعد راحت و سرور کے سوا اور کچھ نہیں اس لیے کہ جو اپنے مقصود کو پا لیتا ہے وہ تمام تکالیف و مصائب سے راحت حاصل کر لیتا ہے۔ اسی لیے صوفیہ کرام کا مشہور مقولہ ایسے شخص کے لیے صادق آتا ہے :

الصوفی لا مذھب لہ ۔ صوفی کا کوئی مذہب نہیں۔

یعنی صوفی اللہ تعالیٰ کی طلب میں صرف ایک راہ پر نہیں چلتا بلکہ اس سے جس طرح بن پڑتی ہے اللہ تعالیٰ کو پانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ اس سے بعض جاہلوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ صوفی لامذہب ہوتا ہے۔ البتہ اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ چونکہ راہ سلوک کو طے کر رہا ہوتا ہے اور اس کی باگ ڈور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ہاتھ میں ہوتی ہے اس لیے کہ وہ ایک طور طریق پر نہیں رہ سکتا بلکہ وہ ہر وقت تبدیل ہوتا رہتا ہے بلکہ وہ گاہے خوف میں ہوتا ہے تو گاہے امن میں، یہاں تک کہ وہ ان تمام اضافات کو عبور کر کے مقصد حاصل کر لیتا ہے جس کی وجہ سے اس کا علم و عمل برابر ہو جاتا ہے اس حالت میں عبادت میں ایسا منہمک ہوتا ہے کہ مرتے دم تک اسے سوائے عبادت کے اور کوئی مشغلہ نہیں بھاتا۔

تفسیر عالمانہ وَنَبِّئْهُمْ اور اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت کو خبر دیجیے عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق۔

ف : لفظ ضیف قلیل و کثیر دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ اس وقت ملائکہ کرام بھیس بدل کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں تشریف لائے۔ وہ گیارہ حضرات تھے ان کے سردار حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔

انجوبہ ان ملائکہ کرام نے نہ صرف بھیس بدل رکھے تھے بلکہ بہت بڑے حسین و جمیل بے ریش لڑکوں کی شکل میں حاضر ہوئے اور انہیں ضیف (مہمان) سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر بصورت مہمان تشریف لائے تھے یا اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ مہمان نوازی کے تصور میں تھے آپ نے اسی تصور پر انہیں مہمان سمجھا۔ ان کی اسی سمجھ پر اللہ تعالیٰ نے انہیں مہمان (ضیف) سے تعبیر فرمایا ہے۔

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ یہ ظرف ضیف کے متعلق ہے اس لیے کہ ضیف دراصل مصدر ہے۔ یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں ملائکہ کرام حاضر ہوئے فَقَالُوا تو ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوتے ہی کہا سَلَامًا السلام علیکم۔ یعنی ہم آپ کے لیے سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وعلیکم السلام۔ کہہ کر ابراہیم علیہ السلام

گھر تشریف لے گئے اور بکرے کا بُھنا ہوا گوشت لائے. لیکن مہمانوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیے۔ ابراہیم علیہ السلام کو ان کا یہ فعل بہت عجیب معلوم ہوا قَالَ تو فرمانے لگے اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ہمیں تم سے خطرہ ہے۔ الوجل سے مشتق ہے بمعنے اضطراب النفس لتوقع مکروہ۔ (کسی دکھ اور درد کے وقوع کے خطرے سے نفس کا بے چین ہو جانا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے خطرے کا اظہار اس لیے فرمایا کہ آپ نے مہمان نوازی کے شوق میں بہترین بکرے کا گوشت گھی میں بُھون کر پیش کیا لیکن انھوں نے اسے منہ تک نہ لگایا۔ اس لیے آپ کا ان سے خطرے کا احساس لازمی امر تھا۔ علاوہ ازیں ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں جب کوئی کسی کے گھر کا کھانا نہ کھاتا تو لازماً اس کا یہ فعل صاحبِ خانہ کے لیے کسی سختی اور تکلیف پر محمول کیا جاتا تھا۔ اسی قاعدہ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف کھانا ایک لازمی امر تھا۔ نہ یہ کہ محض انھی ملائکہ کرام کے اس فعل سے ابراہیم علیہ السلام کو گھبراہٹ ہوئی (جیسا کہ وہابی دیوبندی کہا کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو لاعلمی سے یہ خطرہ لاحق ہوا[۱]) قَالُوْا ملائکہ کرام نے فرمایا لَا تَوْجَلْ اے ابراہیم علیہ السلام! گھبرائیے نہیں۔ اِنَّا نُبَشِّرُكَ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اور لا توجل کی علت بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم آپ کو خوشخبری سناتے ہیں اور خوشخبری کے ساتھ گھبراہٹ کیسی، بلکہ خوشی کے ہوتے ہوئے غم والم چھوڑ جاتے ہیں اور بالخصوص ایسا مژدہ بہار جس میں ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے اہل وعیال کی بقا اور تادیر سلامتی وعافیت کی اطلاع ہو۔ البشارۃ بمعنے ایسی خبر دینا کہ جس سے مخبر کا سرور ظاہر ہو۔ خلاصہ یہ کہ فرشتوں نے ابراہیم علیہ السلام سے عرض کی گھبرائیے نہیں ہم آپ کو خوشخبری دیتے ہیں بِغُلٰمٍ صاحبزادے کی ولادت کی جن کا اسم گرامی حضرت اسحاق علیہ السلام ہے عَلِیْمٍ[۲] بالغ ہوتے ہی صاحبِ علم ہوں گے یعنی جب بالغ ہوں گے تو انھیں نبوت عطا ہوگی تو اس معنے پر بہت بڑے علوم کے حامل ہوں گے قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کیا تم مجھے بچے کی خوشخبری دیتے ہو عَلٰۤی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ اس وقت جبکہ بڑھاپا میرے ساتھ بایں انداز ہو چکا ہے۔ یہ استفہام تعجب واستبعاد کا عادۃً ہے عَلٰی بمعنے مع ہے یعنی باوجودیکہ بڑھاپا مجھے محیط ہو چکا ہے پھر بھی مجھے بچہ پیدا ہوگا!

---

[۱] علم یا لاعلمی کی بحث فقیر کی تصنیف "تفسیر اویسی" میں دیکھیے۔

[۲] یہاں پر دیوبندیوں اور وہابیوں کی غلط فہمی دُور ہونی چاہیے جبکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت کسی نبی یا ولی (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔ یہی وجہ ہے وہ کہتے ہیں نبی کریم علیہ السلام کے لیے علم غیب (کلی)، انھیں حاضر وناظر ماننا، نور کہنا، ان سے غائبانہ مدد مانگنا وغیرہ شرک ہے۔ دلیل یہی دیتے ہیں کہ یہ صفات باری تعالیٰ کے ہیں اور انھیں نبی علیہ السلام کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔ ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ بعض صفاتِ باری تعالیٰ انبیاء و اولیاء بلکہ عام انسانوں کے لیے ثابت ہیں مگر عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ صفات اللہ تعالیٰ کے ذاتی ہیں اور مخلوق کے لیے عطائی۔ مثلاً علیم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لیکن آیت ہذا میں علیم اسحاق علیہ السلام کے لیے وارد ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن عطائی طور پر اسحاق علیہ السلام کے لیے ہے۔ ایسے ہی علم غیب (کلی)، حاضر وناظر، نور و استمداد وغیرہ سمجھیے۔ اویسی غفرلہٗ

کیونکہ عادتاً یہ بات بعید از قیاس ہے۔ میں بھی بوڑھا اور میری اہلیہ بھی بوڑھی ہے ایسے جوڑے سے بچے کی پیدائش عجیب معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ علیٰ ان مسنی الکبر ، البشرتمونی سے حال ہے۔اب معنیٰ یہ ہوا کیا تم مجھ کو خوشخبری دیتے ہو درانحالیکہ میں بوڑھا ہوں۔ یا علیٰ بمعنے بعد ہے۔ یعنی کیا مجھے خوشخبری دیتے ہو بعد اس کے کہ مجھے بڑھاپے نے آگھیرا ہے **فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ** یہ ما استفہامیہ تعجب کے معنے پر داخل ہوا ہے۔اب معنیٰ یہ ہوا کہ مجھے کیسے اعجوبہ کی خوشخبری سناتے ہو۔

ف : تفسیر فارسی میں لکھا ہے کہ مجھے کس نوعیت کی خوشخبری سناتے ہو۔

ف : تبشرون کا نون مخفف اور مفتوح ہے اس لیے کہ یہ نون جمع کا ہے۔ اسے مخفف کے طور مکسور بھی پڑھا گیا ہے اس لیے کہ یہ در اصل تبشرونی تھا۔ یاء کو حذف کر کے کسرہ کو اس کے قائم مقام کھڑا کر دیا گیا ہے۔

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فرشتوں نے کہا کہ ہم آپ کو حق یعنی ہر اس امر کی خوشخبری سناتے ہیں جو ہو کر رہے گا **فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ** پس آپ ناامید نہ ہوں یعنی ان لوگوں سے نہ ہوں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہو جاتے ہیں۔ بلکہ آپ تو ان خوش بختوں سے ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ ماں باپ کے بغیر بھی انسان کو پیدا فرما سکتا ہے۔ پھر اس کی قدرت سے کون سی بڑی بات ہے کہ وہ شیخ فانی (سخت بوڑھے) اور بانجھ بوڑھی عورت سے بچہ پیدا کر دے۔

ف : در اصل اس کلام سے ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ مجھ جیسے بوڑھے پر اتنا فضل عمیم اور لطفِ عظیم ہو رہا ہے ورنہ عادۃً یہ بات بعید از قیاس ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس نعمتِ عظمیٰ کو اظہار تشکر کے لیے تعجب کے رنگ میں بیان فرمایا ہے ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شان قدرت سے بعید سمجھ کر تعجب کریں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اس کا قرینہ فلا تکن من القٰنطین بھی ہے ورنہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو واقعی شک ہوتا تو اس کے بجائے اللہ تعالیٰ فرماتا فلا تکن من الممترین[1]۔ یا اس جیسے الفاظ جو شک پر دلالت کرتے۔

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بھلا کون ناامید ہوتا ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی مجھے کسی قسم کا شک نہیں **مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ** اپنے رب تعالیٰ کی رحمت سے ، وہ قادر ہے اپنے بندوں سے جس طرح کا معاملہ کرے ، اس میں وہ شک نہیں کرتے **اِلَّا الضَّآلُّوْنَ** مگر گمراہ لوگ یعنی جنھیں طریق معرفت وصواب نصیب نہیں۔ اس لیے انھیں اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت اور اس کے کمال علم وقدرت کی معرفت حاصل نہیں۔ اسی طرح یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

لا ییأس من روح اللہ الا القوم الکٰفرین ۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر کافر۔

ف : اس جملہ سے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے سے ناامیدی کی نفی بلیغ ترین طریقہ سے کی ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کسی قسم کی ناامیدی نہیں میں نے صرف اپنے بڑھاپے کو دیکھ کر کہا کہ باوجودیکہ مجھے اس سن میں

---

[1] شک کرنے والوں سے نہ ہو۔ ۱۲

ناامیدی ہونی چاہیے لیکن اس کا فضل وکرم ہے اور اس کی کریمی سے میں نے اپنے لیے تعجب کیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ محترمہ کے بڑھاپے کے باوجود صاحبزادے کی ولادت کی خوشخبری سے سالک کو اشارہ ہے کہ اگر وہ طالب صادق ہے اگرچہ بڑھاپے میں ہی سہی، طلب صدق پر مبنی ہو تو جسم و قویٰ کی کمزوری اور نفس سے جہاد سے عجز اور اس کی شرارتوں کی تاب نہ لانے اور طاعات میں مجبور کرنے اور اعمال بدنیہ کی طاقت مسلوب ہونے اور شیطان کے وسوسہ میں مبتلا کرنے کے باوجود بھی مطلوب حاصل ہو سکتا ہے اگرچہ انسانی کمال کا حصول جوانی اور عمر کے کمال پر مبنی ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ فضل وکرم کرے تو ناممکن نہیں۔ بلکہ حقیقت ہے کہ وہ اپنے بندوں پر جس طرح چاہے فضل وکرم فرمائے۔ اسی لیے صوفیاءِ کرام کا مقولہ مشہور ہے کہ:

صوفی چالیس سال کے بعد ٹھنڈا پڑ جاتا ہے لیکن پھر بھی اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیے۔ یہ خلوص قلب سے طاعات میں لگا رہے اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے محروم نہیں فرمائے گا کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ کو بڑھاپے میں صاحبزادہ عطا فرمایا ایسے ہی اس طالب صادق کے روح کی صلب اور قلب کی رحم غلام علیم یعنی علوم لدنیہ اور رسوم دینیہ سے نوازیگا اس غلام سے اللہ تعالیٰ کا وہ واعظ مراد ہے جو ہر مومن بندے کے قلب پر وعظ کرتا ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ بہت سے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بڑھاپے میں اس دولت سے نوازے گئے۔ جیسے حضرت قفال و حضرت قدوری رحمہم اللہ تعالیٰ۔ یہ حضرات اگرچہ بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکے تھے تاہم طلب حق میں صادق تھے اسی لیے ایسے بے پایاں علوم سے نوازے گئے کہ ان کے معاصرین دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم ہر حال میں نصیب ہوتا ہے بشرطیکہ طلب سچی اور خلوص قلبی ہو۔

تنبیہ شرح الحکم میں ہے کہ جو شخص اس تصور میں رہے کہ مجھ پر تو ہر وقت شہوت کا بھوت سوار ہے اور میں ہر وقت غلط کاریوں میں مبتلا رہتا ہوں مجھے اللہ تعالیٰ کیسے اس غلطی سے بچائے گا تو سمجھو وہ احمق ہے اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید سمجھ کر ایسے پراگندہ تصور جما رہا ہے۔ ورنہ وہ بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اور وکان اللہ علیٰ کل شئ مقتدرا اسی کا ارشاد گرامی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر ایک کو شامل ہے۔ بظاہر وہ شے اس کی صلاحیت رکھتی ہو یا نہ، ہم سوچیں کہ بہت سے ایسے بندے جو بظاہر بہت بڑے ابتر اور گندے تھے جب ان پر فضل باری ہوا تو دنیا والے ان پر رشک کرتے رہ گئے۔ مثلاً حضرت ابراہیم بن ادھم، فضیل بن عیاض، ابن المبارک، ذی النون (مصری) اور مالک بن دینار وغیرہم۔ اسی طرح اور کاملین اولیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ جن کی ابتدائی زندگی غلط کاریوں میں گزری لیکن بعد میں وہ کمال پایا کہ اہلِ کمال کے قبلہ و کعبہ بن گئے۔ ؎

تا سقاھم ربھم آید جواب
تشنہ باش واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ: سقاھم ربھم کا جواب آنے تک پیاسا رہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ف : تاج العروس میں ہے کہ جس کی عمر متصور ہے اسے چاہیے کہ جو ایسے ذکر میں مشغول ہو جو جامع الاذکار ہو مثلاً :

سبحان اللہ عدد خلقہ ۔ اللہ کی تسبیح ہے اس کی مخلوق کی گنتی کے برابر۔

اسی طرح کے اوراد و اذکار۔

ف : عمر متصور سے مراد یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو، اور اس تصور میں ہو کہ موت کا گھڑیال بج رہا ہے نہ معلوم اس کی روانگی کس وقت ہوتی ہے۔ گویا وہ سمجھتا ہے کہ موت سر پر ہے، یا وہ ایسے امراضِ مہلکہ میں مبتلا ہے جو جان لیوا ثابت ہوتے ہیں۔ تو اسے چاہیے کہ وہ مذکورہ دعائیں یاد کر کے ان کا بہت زیادہ ورد رکھے۔

ٮ

دع التکاسل تغنم قد جری مثل

کہ زاد راہروان چستیست و چالاکی

ترجمہ: سستی چھوڑ کر وقت کو غنیمت جانیے جیسے مثل مشہور ہے

کہ راہروانِ حق کا زاد چستی اور چالاکی ہے۔

تفسیر عالمانہ قَالَ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ اے فرشتو! بتاؤ تمہارا معاملہ کیا ہے اور کس کام کے لیے آئے ہو۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تم کو کوئی بھاری مہم درپیش ہے۔

ف : حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قرائن سے معلوم کر لیا کہ یہ فرشتے انہیں بشارت دینے نہیں آئے بلکہ انہیں کسی دوسرے کام کے لیے بھیجا گیا ہے۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم صرف بشارت دینے کے لیے تو نہیں آتے بلکہ تمہیں کوئی اور مہم درپیش ہے۔ اب بتاؤ وہ مہم کون سی ہے جسے تم سر کرنے آئے ہو۔

قَالُوْٓا وہ بولے اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ کہ بے شک ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو جرائم و معاصی کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں اور معصیت کی حدود پھلانگ چکے ہیں۔ ان سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم مراد ہے۔ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ مگر لوط علیہ السلام کا خاندان۔ یہ استثناء متصل ہے۔ اس کا مستثنیٰ منہ مجرمین کی ضمیر ہے۔ یعنی ہم (فرشتے) ان سب لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں جنھوں نے لوط علیہ السلام کی قوم سے جرائم اور زیادتیاں کیں سوائے لوط علیہ السلام کے خاندان عالیشان کے۔ لیکن یہاں پر آل[1] سے ان پر ایمان لانے والے لوگ مراد ہیں۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ لفظ قوم اور ملائکہ کا ارسال ہر دو مجرمین کو شامل ہیں۔ اسی طرح غیر مجرموں کو بھی۔ یعنی ہم عذاب پہنچانے

---

[1] اس سے شیعہ کا رد ہے جبکہ وہ آل صرف اولادِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مانتے ہیں۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات، صحابہ کرام اور مومنین بھی آل ہیں۔ تفصیل فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں دیکھیے۔

کے لیے آئے ہیں۔ لیکن مجرمین پر پتھر برسائیں گے اور اہلِ ایمان کو نجات دیں گے۔

سوال : آلِ لُوط میں خود لُوط علیہ السلام تو شامل نہیں۔ اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ (معاذ اللہ) لُوط علیہ السلام استثنا میں شامل نہیں ہوئے۔

جواب : چونکہ آل کی نجات لُوط علیہ السلام کی وجہ سے ہے جب تابع مذکور ہونے تو متبوع بطریقِ اُولیٰ شامل ہو گیا۔

ف : حضرت لُوط بن ہاران بن تارخ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ یہ (لوطؑ) حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے۔ نارِ گلزار بن جانے کے واقعہ کے بعد انہی کے ساتھ شام کے علاقہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ انھوں (لوطؑ) نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ختنہ کرایا تھا جبکہ ان کی عمر ترپنؔ سال تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اسّی یا ایک سو سال کے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں قیام پذیر ہو گئے۔ فلسطین شام و مصر کے درمیانی علاقے کا نام ہے۔ اس میں رملہ، غزہ، عسقلان و دیگر بلاد و قصبات شامل ہیں۔ اور حضرت لُوط علیہ السلام اردن میں ٹھہر گئے۔ اردن شام کے علاقے کا ایک شہر ہے یہیں سے حضرت لوط علیہ السلام سدوم (بالدال) والوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ یہ لوگ لواطت (لونڈے بازی) جیسے قبیح عمل میں مبتلا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ملائکہ کرام کو بھیجا۔

اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ہم لوط علیہ السلام کے ماننے والوں کو اس عذاب سے بچالیں گے جس میں دُوسرے مجرم مبتلا ہوں گے حالاں کہ لُوط علیہ السلام کے ماننے والے ان مجرمین کے شہروں کے درمیان میں مقیم تھے **اِلَّا امْرَاَتَهٗ** مگر لُوط علیہ السلام کی عورت۔ یہ هُم ضمیر کا مستثنیٰ ہے اور اس کا اسم و اهله ہے۔ **قَدَّرْنَا** ہم نے مقدر کیا اور حکم فرمایا کہ **اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ** بے شک وہ کافر مجرم لوگوں کے ساتھ رہ جائے گی تاکہ وہ بھی ان کے ساتھ تباہ و برباد ہو۔

سوال : قدرنا کے فعل کا اسناد اللہ تعالیٰ کے لائق ہے لیکن اسے فرشتوں نے اپنی طرف کر دیا۔ یہ شرک ہے[1]

جواب : چونکہ ملائکہ کرام کو کمال قرب حاصل ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ جو کسی کے ساتھ قرب و اختصاص رکھتے ہوں تو مالک کے بجائے اپنے نام اسناد کریں تو جائز ہے۔ جیسے بادشاہ کے مخصوص نوکر کہہ دیتے ہیں امرنا کذا ہم نے حکم دیا۔ حالانکہ وہ حکم ان کا نہیں ہوتا بلکہ ان کے مالک کا ہوتا ہے۔ ایسے ہی فرشتوں کا کہنا اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے[2]

---

[1] جیسے وہابی دیوبندی کہتے ہیں ۱۲

[2] جیسے ہم اہلسنت انبیاء و اولیاء کے لیے کہتے ہیں : ؎

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

لیکن وہابی اسے شرک کہتے ہیں۔ ناظرین خود غور فرمالیں کہ یہ شرک کیونکر ہوا۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلُوْنَ ۙ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ
يَمْتَرُوْنَ ۝ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ
وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ
هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ
فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۙ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ
هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۭ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ
الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۙ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝
وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۙ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝

ترجمہ : پھر جب فرشتے لوط علیہ السلام کے گھر آئے لوط علیہ السلام نے فرمایا تم اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہو۔ انھوں نے عرض کی بلکہ ہم تو آپ کے پاس وُہ لاتے ہیں جس میں یہ لوگ شک و شبہ کرتے تھے اور ہم آپ کے ہاں سچا حکم لائے ہیں اور بے شک ہم سچے ہیں۔ سو آپ اہل کو کچھ رات رہے لے کر باہر چلے جائیے اور آپ ان کے پیچھے چلیے اور تم میں کوئی بھی پیچھے مُڑ کر نہ دیکھے اور چلے جاؤ جہاں کا تمھیں حکم ہوا ہے اور ہم نے اسے اس حکم کا فیصلہ سنا دیا کہ صبح ہوتے ہی کافروں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔ اور شہر والے لوط علیہ السلام کے ہاں خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔ لوط علیہ السلام نے فرمایا یہ میرے مہمان ہیں، مجھے رسوا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، مجھے شرمسار نہ کرو۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے تمھیں جہاں کے معاملے میں دخل دینے سے نہیں روکا تھا۔ لوط علیہ السلام نے فرمایا قوم کی یہ لڑکیاں میری بیٹیاں ہیں اگر تم کرنا چاہتے ہو۔ اے محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آپ کی جان کی قسم بے شک وہ اپنی بدمستی میں اندھے ہو رہے تھے سو سورج نکلتے ہی انھیں ایک ہولناک آواز نے آپکڑا تو ہم نے اس بستی کو تہ و بالا کر دیا اور ہم نے ان پر کنکر کے پتھر برسائے۔ بے شک اس میں فہم و فراست والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور بے شک وہ بستی ایک دائمی چلتے راستے پر ہے بیشک اس میں اہلِ ایمان کے لیے نشانیاں ہیں اور بے شک جھاڑی والے ظالم تھے تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور بیشک یہ دونوں بستیاں کھلے راستے پر واقع ہیں۔

تفسیر عالمانہ

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلُوْنَ پس وہ فرشتے جب لوط والوں کے ہاں آئے قَالَ لوط علیہ السلام نے فرمایا اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ بے شک تم اجنبی لوگ ہو یعنی مسافر معلوم ہوتے ہو

لیکن تمہارے اوپر سفر کے آثار بھی نمایاں ہیں اور یہ بھی ہمیں یقین ہے کہ تم اس شہر کے نہیں ہو اس لیے مجھے تم سے خطرہ محسوس ہوتا ہے
قَالُوْا فرشتوں نے کہا کہ تم خطرہ محسوس نہ کرو۔ ہم آپ کو نقصان پہنچانے یا اضطراب میں ڈالنے کے لیے نہیں آئے بَلْ جِئْنٰكَ
بلکہ ہم آپ کے لیے وہ چیز لائے ہیں بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ جس میں یہ لوگ شک کرتے ہیں، یعنی وہ عذاب جسے دیکھ کر آپ
خوش ہوں گے اور اپنے دشمنوں کو تباہ ہوتے دیکھ کر دل کو تسکین دیں گے۔ آپ کے دشمن اس میں شک کرتے تھے اور آپ کی تکذیب کرتے
تھے۔ وَ اٰتَيْنٰكَ اور ہم آپ کے پاس لائے ہیں بِالْحَقِّ یعنی وہ یقینی امر کہ جس کے وقوع میں حبہ بھر بھی شک کی گنجائش نہیں ۔
اور وہ یقیناً ہو کر رہے گا وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ اور بے شک ہم سچے ہیں، یعنی ہم نازل ہو کر جس عذاب کی خبر دیتے ہیں اس میں ہم
سچے ہیں فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ پس اپنے اہل کو لے جائیے ۔ اَسْرِ ، اَلسُّرٰی سے ہے بمعنے رات کو جانا ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے یعنی اپنے اہل کو شہر سے باہر رات کے وقت لے جائیے ۔

بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ رات کے ایک حصہ میں، یعنی جب رات کا ایک حصہ گزر جائے وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ ادبار، دبر
کی جمع ہے۔ بمعنے ہر شے کا پیچھا۔ یعنی آپ ان کے پیچھے انہیں شہر سے فی الفور لے جائیے اور آپ ان کے پیچھے ہو کر چلیں تاکہ آپ کو
ان کے حالات مکمل طور پر معلوم ہو سکیں یا ان میں سے کوئی پیچھے رہ جائے تو اس کا پتہ چل سکے۔ علاوہ ازیں آپ سے حیا کرتے ہوئے
پیچھے بھی نہیں دیکھیں گے اور نہ ہی کوئی غلطی کر سکیں گے ۔

ف : برہان القرآن میں ہے کہ جب لوط علیہ السلام نے انھیں روانہ کیا تو ان کے پیچھے ایک جھنڈا لگایا گیا وہی لوط علیہ السلام
کے ماننے والوں کی دلالت کرتا تھا۔ اسی لیے لوط علیہ السلام کو حکم ہوا کہ وہ اپنے ماننے والوں کے پیچھے چلیں ۔

وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اور متوجہ نہ ہو تم میں سے اور نہ ان میں سے اَحَدٌ کوئی ایک، تاکہ پیچھے نہ دیکھے کیونکہ ہولناک عذاب
سے خطرہ لاحق ہوگا یا پیچھے دیکھنے سے اس لیے روکا گیا ہے تاکہ چلنے میں کمی واقع نہ ہو۔ اس لیے کہ جو شخص چلتے چلتے پیچھے دیکھے
تو اس کی رفتار میں کمی آجاتی ہے۔

سوال : یہاں الا امرأتك کیوں نہ کہا، جیسا سورہ ہود میں فرمایا۔

جواب : چونکہ یہاں الا امرأته پہلے کہا گیا ہے۔ اسی قرینے پر اکتفا کرتے ہوئے الا امرأتك نہیں کہا ۔

وَامْضُوْا اور جاؤ حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ جہاں حکم دیے جاتے ہو۔ یعنی جس علاقہ کے لیے تمہیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے یعنی
شام یا مصر یا زغر کو چلے جاؤ۔

ف : زغر ایک بستی کا نام ہے جو شام کے علاقے میں ہے ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ لوط علیہ السلام کے ماننے والوں کے شہر کبھی تباہ نہیں ہوں گے ۔

وَقَضَيْنَا اِلَيْهِ اور ہم نے فیصلہ کیا یعنی ہم نے لوط علیہ السلام کی طرف وحی بھیج کر قطعی فیصلہ کیا ہے۔ ذٰلِكَ الْاَمْرَ
اس امر کا الامر مبہم ہے۔ اس کی تفسیر یہ جملہ کرتا ہے اَنَّ دَابِرَ هٰۤؤُلَآءِ بے شک ان لوگوں کی جڑ مَقْطُوْعٌ کاٹی ہوئی ہے بلکہ ان کی

بنیادیں جلا دی جائیں گی۔ یعنی ان لوگوں کو ایسا تباہ و برباد کیا جائے گا کہ سرے سے ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی یہاں تک کہ ان کا نام و نشان تک مٹا دیا جائے گا۔ مُصْبِحِيْنَ یہ ھؤلاء سے حال ہے یعنی ان کی ہلاکت صبح کے وقت ہو گی۔ یعنی ان کی تباہی و بربادی کا وقت صبح متعین کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ان موعدھم الصبح (بے شک ان کا وعدہ صبح کا وقت ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہم نے لوط علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ آپ کے دشمن صبح کے وقت تباہ و برباد ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

مسائل فقہیہ آیات میں اشارہ ہے کہ قرابت داری، رشتہ داری، نسب یا کسی کے ساتھ زندگی بسر کرنا بے سود ہے جب تک اس میں علم نافع اور عمل صالح نہ ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کی اہلیہ کو استثنا کر کے اسے تباہ و برباد ہونے والوں میں شامل کر دیا۔ یہاں تک کہ زوجیت کا رشتہ بھی اسے فائدہ نہ دے سکا۔ ایسے ہی ابوۃ و بنوۃ کا رشتہ کنعان کو مفید نہ ہوا۔ کسی نے کیا خوب فرمایا: ~~

با بداں یار گشت ہمسرِ آل لوط

خاندانِ نبوت گم شد

(ترجمہ: بروں کے ساتھ آلِ لوط نے صحبت کی تو نبوت کے خاندان سے علٰحدہ ہوئی)

نکتہ: چونکہ لوط علیہ السلام کی گھر والی حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ صورۃً اکٹھی رہی لیکن سیرت کے لحاظ سے کافروں کے ساتھ رہی اور لوط علیہ السلام کی سیرت نہ اپنا سکی۔ اندرونی طور پر وہ کافروں کے ساتھ تھی اور ظاہری طور پر لوط علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ اسی لیے لوط علیہ السلام کے ساتھ ازدواجی رشتہ اسے نافع نہ ہوا۔

~~

بیش انسانس صورت ونسناس سیرتان

خلقے کہ آدم اند بخلق وکرم کم اند

(ترجمہ: بظاہر تو انسان ہے حقیقت میں نسناس ہیں تخلیق میں آدمی ہیں لیکن خلق و کرم سے خالی)

ف: نسناس ایک بحری حیوان ہے جس کی ظاہری صورت انسانی ہے وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ: شک کرنا کافروں کی صفت ہے۔ جیسے یقین اہلِ ایمان کا شیوہ ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ~~

افت و خیزاں میرود مرغ گماں

با یکے پر بر امید آشیاں

چوں ز ظن وارست علمش رو نمود

شد دو پر آں مرغ پرہا را کشود

(ترجمہ: تیر خوردہ پرندہ افتاں خیزاں اس امید پر ابھی گھونسلے میں پہنچتا ہوں۔ جب گمان سے علم تک پہنچا تو اس کے دونوں پر کھل گئے)

مسئلہ : سالکِ طریق پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی طرف ملتفت نہ ہو، اس لیے کہ اس کا انتہائی مقصد اور مطلب اعلیٰ یہی ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ اپنی زندگی امرِ الٰہی کے مطابق ڈھالے۔ امرِ الٰہی سے عالمِ حقیقت مراد ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اسی لیے بلند تر سمجھا گیا ہے کہ آپ شبِ معراج سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی جانب متوجہ نہ ہوئے بلکہ اپنی توجہ صرف قابَ قوسین کی طرف رکھی۔ اسی کو عالمِ صفات سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر مقامِ اَوْ اَدنیٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہی عالمِ ذات ہے۔ آپ کو کوئی شے آڑے نہ آسکی۔ ایسے ہی مہاجرین حضرات کا حال تھا یعنی وہ جو ایک مرتبہ یا ایک مقام سے دوسرے مرتبہ یا مقام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

نشانِ عشق چہ پرسی زہر نشان بگسل

کہ تا اسیر نشانی بہ بے نشان نرسی

(ترجمہ : نشانِ عشق کیا پوچھتے ہو، ہر نشان کو چھوڑ دے کیونکہ جب تک نشان میں گرفتار ہو بے نشان کو نہ پاسکو گے)

اے اللہ تعالیٰ ! ہمیں موطن نفس میں ٹھہرنے سے بچنے کی توفیق عطا فرما اور میدانِ قدس وانس میں پہنچنے کا موقع بخش (آمین)

وَجَآءَ اَهۡلُ الۡمَدِيۡنَةِ اور شہر والے آئے۔ جب لوط علیہ السلام کی گھروالی نے لوط علیہ السلام کے گھر میں نہایت حسین وجمیل بے ریش مہمان لڑکے دیکھے تو فوراً اپنی برادری کو اطلاع دے دی۔ تو وہ سنتے ہی حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں پہنچ گئے۔ المدینہ سے اہلِ سدوم مراد ہیں۔ سدوم کے ساتھ لوط علیہ السلام کی قوم کے دیگر کل چار یا سات شہر تھے ان میں سب سے بڑا شہر سدوم تھا یہاں کا حاکم ظلم میں اپنی مثال نہ رکھتا تھا۔

ف : دریاق الذنوب لابن الجوزی میں ہے کہ ان کے کل شہر بستیوں سمیت پچاس تھے۔

يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ خوشیاں مناتے ہوئے۔ الاستبشار بمعنے خوش ہونا۔ یعنی اظہارِ مسرت کرتے ہوئے آئے۔ انھیں یہی خوشی تھی کہ لوط علیہ السلام کے گھر جو پری وش بے ریش لڑکے ہیں ان سے چھین کر مزے اڑائیں گے قَالَ جب لوط علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ بدبخت ان کے مہمانوں پر بدنیتی سے ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں تو فرمایا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيۡفِىۡ یہ میرے مہمان ہیں چونکہ ملائکہ کرام مہمانوں کے لباس میں حاضر ہوئے تھے اسی لیے لوط علیہ السلام نے انھیں مہمان سے موسوم فرمایا۔ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ سو مجھے ان کے سامنے شرمسار نہ کرو۔ یعنی ان کی برائی کے درپے ہوئے ہو تو مجھے سخت رسوائی ہوگی اور یہ سمجھیں گے کہ میری اپنی قوم میں میری کوئی عزت وتوقیر نہیں۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مہمانوں کی بے عزتی کرکے مجھے رسوا نہ کرو کیونکہ مہمان کی بے عزتی دراصل میزبان کی بے عزتی ہوتی ہے۔ جیسے ہمسایہ کی بے عزتی اپنی بے عزتی ہوتی ہے۔

حلِ لغات : فَضَحَهٗ، مَنَعَهٗ کی طرح، یعنی کسی کے عیوب اور وہ امور ظاہر کرنا جو اس کے لیے عار کا سبب بنیں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ یعنی ایسے گھناؤنے فعل کا ارتکاب کر رہے ہو جو میری اور تمہاری بدنامی کا موجب ہے۔ خدا تعالیٰ سے ڈر کر اس قبیح فعل سے باز آجاؤ۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ تم ایسی برائی کا ارتکاب کر رہے ہو جو نہ صرف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا موجب ہے بلکہ میرے خلاف محاذ آرائی ہے۔ یہ تمہارے لیے نہایت نامناسب ہے۔ تمہارے لیے ضروری ہے کہ اس سے اجتناب کرو۔ وَلَا تُخْزُوْنِ اور مجھے ذلیل وخوار نہ کرو ان مہمانوں کی بے عزتی کرکے جنہیں میں نے اپنے گھر پناہ دے رکھی ہے۔ میری لاج رکھو تم ان سے ایک گندے فعل کا ارادہ کرکے آئے ہو۔ مختصر یہ کہ تم مجھے مہمانوں کے سامنے خوار و خجل نہ کرو۔ یہ اَلْخِزْیُ سے مشتق ہے بمعنے الھوان یعنی ذلت وخواری۔ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ کافروں نے کہا کیا ہم آپ کو دنیا والے تمام لوگوں سے نہیں روکا تھا۔ یعنی ہم نے آپ کو بار بار کہا کہ ایسے لوگوں کی حمایت سے باز آجاؤ۔ حضرت لوط علیہ السلام کی عادت کریمہ تھی کہ جب وہ بدبخت غریب لوگوں کے لڑکوں سے بدفعلی کرتے تو لوط علیہ السلام غریبوں کی حمایت کرتے ہوئے ان نالائقوں کو ملامت کرتے اور ایسی برائی سے بچنے کی تلقین فرماتے اور وہ بدبخت لوط علیہ السلام کو ہر بار یہی کہا کرتے کہ آپ ہمیں ایسی وعظ ونصیحت کرنے سے باز آجائیں ورنہ ہم آپ کو اپنے شہر سے نکال دیں گے۔ اس دفعہ بھی جب وہ بدبخت لوط علیہ السلام کے مہمانوں سے زیادتی کی نیت سے آپ کے گھر آئے تو آپ نے پہلے کی طرح نصیحت فرمائی۔ لیکن وہ عادت سے مجبور تھے زبردستی لوط علیہ السلام کے مکان میں گھسنے لگے۔ جب لوط علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ نالائق اپنی حرکتِ قبیحہ سے نہیں رکتے تو قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِیْٓ فرمایا یہ میری لڑکیاں ہیں یعنی مجھ پر ایمان لانے والوں کی بالغ لڑکیاں موجود ہیں تم ان سے نکاح کرلو۔

ف : یہ دراصل بنات قومی تھا اس لیے کہ معتقدین کی لڑکیاں اپنی لڑکیاں ہوا کرتی ہیں۔ قاعدہ ہے ہر نبی علیہ السلام شفقت و تربیت کے لحاظ سے اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔ ان کے لڑکے لڑکیاں اور عورتیں سب اس کی روحانی اولاد ہوتی ہے۔ یا بنات سے لوط علیہ السلام کی اپنی حقیقی لڑکیاں مراد لی جائیں۔ لوط علیہ السلام کا مقصد یہی تھا کہ اے بدبختو! اگر تم واقعی اپنی ہوس رانی میں مجبور ہو تو میری لڑکیوں سے نکاح کرلو لیکن میرے مہمانوں کو کچھ نہ کہو۔

ف : لوط علیہ السلام نے یہ پیش کش اسی لیے فرمائی کہ قبل ازیں وہ لوگ لوط علیہ السلام سے آپ کی لڑکیوں کا رشتہ مانگتے تھے مگر آپ نے انکار کر دیا تھا ایک تو ان کی خباثت کی وجہ سے اور دیگر وہ آپ کے قریبی رشتہ دار بھی نہیں تھے۔ یہ بات نہیں تھی کہ ان کا نکاح آپ کی صاحبزادیوں سے نہیں ہوسکتا تھا بوجہ ان کے کفر کے۔ پہلی شریعتوں بلکہ ابتدائے اسلام میں کافروں سے رشتہ ناطہ جائز تھا۔

ف : حضرت لوط علیہ السلام کی مہمان نوازی اور ایثار کی داد دیجیے کہ آپ مہمانوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کی خاطر اپنی لڑکیاں بھی غیروں کے حوالے کرنے کو تیار ہوگئے۔

ف : بعض مفسرین کہتے ہیں کہ سدوم والوں سے دو بڑے لیڈر تھے۔ ان دونوں کی بات ان سب کے لیے حرفِ آخر

سمجھی جاتی تھی کو لوط علیہ السلام نے سوچا ہوگا کہ اپنی صاحبزادیوں کا رشتہ ان دونوں کو دے دوں تاکہ مہمانوں کی عزت بچ جائے۔
اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ اگر تم کچھ کرتے ہو۔ یعنی اگر تم شہوت رانی کے خواہشمند ہو تو جائز طریق سے کرو۔ یعنی وہ طریقہ اختیار کرو جو تمہارے اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا۔ حرام کا ارتکاب کیوں کرتے ہو؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو مردوں کی شہوت رانی کے لیے پیدا فرمایا نہ کہ لڑکوں کو۔

مسائل فقیہہ ① مہمان نوازی، غربا پروری انبیا علیہم السلام و اولیاء کرام کی سیرت ہے۔ اور یہ بھی ذکر جمیل کے اسباب میں داخل ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

تیمار غریباں سبب ذکر جمیلست
جانا مگر این قاعدہ در شہر شما نیست

(ترجمہ: ذکر جمیل کا سبب غریبوں کی تیمار داری ہے لیکن اے محبوب! شاید تمہارے شہر میں یہ عادت نہیں ہے)۔
اور شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

غریب آشنا باش و سیاح دوست
کہ سیاح جلاب نام نکوست

(ترجمہ: غریبوں کی قدر پہچاننے والا ہو اس لیے سیاح نام مشہور کرتے ہیں)

حدیث شریف جس نے نماز ادا کی، زکوٰۃ دی اور رمضان کا روزہ رکھا اور مہمان نوازی کی تو وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ (کما فی الترغیب)

② ہر مومن متقی پر لازم ہے کہ وہ امکانی صورت میں برائی کا انسداد کرے۔ مثلاً حضرت لوط علیہ السلام لواطت کو روکنے کیلیے اپنی لڑکیاں ان کے نکاح میں دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ حالانکہ وہ لوگ آپ کی برادری کے بھی نہیں تھے۔ آپ کی آمادگی صرف فساد اور برائی کے تدارک کے لیے تھی۔

③ شہوت رانی عورتوں سے ہونی چاہیے نہ کہ لڑکوں سے۔
اسی لیے فقہا کرام فرماتے ہیں؛

ضرر النظر فی الامرد اشد لامتناع الوصول فی الشرع لانہ لا یحل الاستمتاع بالامرد ابدا۔	بے شک بے ریش کو محض دیکھنا بھی خطرے سے خالی نہیں بلکہ سخت تر خطرہ بے ریش کو دیکھنے میں ہے شریعت نے ان کو دیکھنے سے بھی روکا ہے اور شہوانی حیثیت سے ان سے کسی قسم کا نفع اٹھانا حرام ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ خرابت کند شاہد خانہ کن

بروخانہ آباد گرداں بزن

۲ نشاید ہوس باختن با گلے

کہ ہر بامدادش بود بلبلے

۳ مکن بد بفرزند مردم نگاہ

کہ فرزند خویشت بر آید تباہ

۴ چرا طفل یکروزہ ہوشش نبرد

کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خرد

۵ محقق ہمی بیند از آب و گل

کہ در خوبرویاں چین و چگل

ترجمہ: ۱۔ تجھے محبوب خراب کرے گا لہٰذا اس سے بچ کر نکاح کر۔ یعنی گھر بیوی سے آباد ہوگا لڑکوں سے نہیں۔

۲۔ اس گل سے خواہش پوری نہ ہوگی جس کا ہر صبح کو نیا عاشق ہو۔

۳۔ غیروں کے لڑکوں کو بری نگاہ سے نہ دیکھ ورنہ تیرا اپنا لڑکا تباہ ہوگا۔

۴۔ بھلا شیرخوار بچے نے اس کا ہوش کیوں نہ اڑایا۔ کیونکہ صنعتِ باری تعالیٰ میں بڑا چھوٹا برابر ہے۔

۵۔ محقق تو آب و گل کو اسی نگاہ سے دیکھتا ہے جیسے چین و چگل کے خوبرؤوں کو دیکھا جاتا ہے]

لَعَمْرُكَ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی قسم یاد فرمائی ہے۔ یہی قول مشہور ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔

ف: العمر بالفتح والضم کا ایک ہی معنیٰ ہے بمعنٰے البقاء۔ لیکن اہلِ عرب تخصیص کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر بالفتح ہو تو اس میں قسم کا معنیٰ ہوگا اس لیے کہ قسم کثیر الاستعمال ہے اور اس کی کثرتِ استعمال کی وجہ سے ہلکی حرکت دی گئی ہے اور اخف الحرکات فتح ہے قسم کی کثرت استعمال میں تخفیف ملحوظِ خاطر ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی خبر بھی حذف کر دی گئی ہے۔ یہ در اصل لعمرك قسمی تھا اور کہیں اس کا فعل محذوف کر دیتے ہیں جیسے تاللہ میں۔ وغیرہ وغیرہ

اِنَّهُمْ بے شک وہ قوم لوط علیہ السلام **لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ** یعنی اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے آپ کی جان کی قسم بےشک وہ اپنی مستی میں ہیں۔ اس سے گمراہی مراد ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ لواطت کی نحوست میں ایسے پھنسے ہیں کہ ان کی عقل ماری گئی جنہیں خطا و صواب کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں تھا ورنہ اگر انہیں سمجھ ہوتی تو انہیں یقین ہوتا کہ لواطت نہایت قبیح فعل ہے اور لڑکیوں سے نکاح نہایت اعلیٰ اور مبنی بر صواب ہے۔ **يَعْمَهُوْنَ** مدہوش رہتے۔ یعنی متحیر اور شک تھے پھر وہ کب نصیحت قبول کرتے۔

حلِ لغات، قاموس میں ہے:

العمه التردد فی الضلال والتحیر فی منازعة او طریق او ان لا یعرف الحجة۔ یعنی ضلال میں تردد منازعہ یا طریق میں تحیر، یا ہر وہ جسے حجۃ کی پہچان نہ ہو۔ بروزن جعل و فرح، اس کا مصدر عمہا و عموہا و عموہتہ و عمہانا۔ اور اس کا فاعل عَمِہٌ و عَامِہٌ آتا ہے۔ اور یعمہون ضمیر جار مجرور سے حال ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ: ماخلق اللہ تعالیٰ نفسا اکرم علی اللہ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم وماسمعت اللہ اقسم بحیاۃ احد غیرہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے مکرم تر کسی کو پیدا نہیں فرمایا اور نہ ہی ہم نے سنا کہ آپ کے سوا کسی اور کی حیات کی قسم یاد فرمائی ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ وہ مرتبہ ہے جو عالمِ دنیا میں سوائے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو نصیب نہ ہوا نہ ہوگا۔ ازل سے ابد تک اللہ تعالیٰ نے یہ مرتبہ صرف اپنے محبوب کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے باوجودیکہ آپ کی ذات فانی اور اللہ تعالیٰ کی ذات باقی ہے۔ باقی نے فانی کی قسم یاد فرمائی حالاں کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا:

انك میت۔ بے شک تم دنیا سے رخصت ہونے والے ہو۔

۱ چوں نبی از ہستیٔ خود سر بتافت
فرق پاکش از لعمرک تاج یافت

۲ داشت از حق زندگی در بندگی
شد لعمرک جلوۂ آں زندگی

[ترجمہ: ۱۔ جب نبی علیہ السلام نے اپنی ہستی کا دعویٰ ختم کیا تو لعمرک کا تاج آپ کے سر پر رکھا گیا۔
۲۔ آپ نے اپنی زندگی بندگی کے لیے وقف فرمائی تو آپ کی زندگی لعمرک میں جلوہ گر ہوئی۔]

ف: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم قرآن مجید میں صرف سات مقامات پہ یاد فرمائی ہے باقی قسمیں مخلوق کی ہیں۔ مثلاً والتین والزیتون، والصّٰفّٰت، والشمس، والضحیٰ وغیرہ وغیرہ۔

سوال: اللہ تعالیٰ کی قسم یاد کرنے کا کیا معنیٰ، اگر مومن کے لیے ہے تو مومن تو اس کے ہر ارشاد گرامی پر ایمان رکھتا ہے اسے قسم کی ضرورت ہی نہیں اگر کافر کے لیے ہے تو وہ ہرگز نہیں مانے گا خواہ ہزار قسمیں ہوں پھر قسم کا کیا فائدہ؟

جواب: چونکہ قرآن مجید اہلِ عرب کی لغت پر اترا ہے اور ان کی عادت ہے کہ وہ کسی معاملہ کو مؤکد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے قسم اٹھاتے ہیں۔

سوال : اگر یہی مقصد ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کی قسم کی کیا ضرورت ہے۔ غیر اللہ کی قسم سے ممانعت بھی فرمائی۔

جواب : ① بعض مفسرین نے یہاں مضاف محذوف مانا ہے اور فرمایا کہ یہ قسم خود اللہ تعالیٰ کی ہے۔ مثلاً والتین دراصل ورب التین اور والشمس دراصل ورب الشمس اور لعمر دراصل واھب عمرك تھا۔

② اہل عرب انہی اشیاء کو معظم سمجھتے تھے، انہی کی تعظیم کے پیش نظر قسمیں یاد کر کے قرآن مجید اتارا گیا۔

③ قسم سے مقسم بہ کی تعظیم و تکریم مطلوب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے اور کوئی شے معظم و مکرم تر نہیں۔ اسی لیے کبھی اپنی ذات کی قسم یاد فرمائی تاکہ مخلوق کو اس کی تعظیم و تکریم کا تصور ہو اور کبھی اپنی مخلوق کی قسم یاد فرمائی تاکہ معلوم ہو کہ مصنوعات کی تعظیم درحقیقت صانع کی تعظیم و تکریم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ مفعول کا ذکر فاعل کو مستلزم ہے کیونکہ کوئی مفعول فاعل کے تصور کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ وہ مالک و مختار جس کی قسم چاہے یاد فرمائے۔ البتہ مخلوق کے لیے ممانعت ہے کہ اس کے بغیر کسی کی قسم نہ کھائے۔ مخلوق کو اس کی نظیر منت جتلانے سے روکا کہ کسی غیر پر منت نہ جتلائے لیکن خود اپنے لیے فرمایا:

بل الله یمن علیکم۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اُوپر احسان فرماتا ہے۔

اور مخلوق کو فرمایا کہ اپنی بڑائی بیان نہ کریں لیکن اپنی بڑائی متعدد مقامات پر بیان فرمائی۔

شانِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی قسم پر لعمرك وغیرہ اس لیے یاد فرمایا تاکہ امت کو معلوم ہو کہ محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کی اللہ جل وعلا کے ہاں کتنی قدر ہے۔ مختصر یہ کہ قسم یا تو کسی منفعت کے پیش نظر ہوتی ہے یا اس سے مقسم بہ کی عظمت مطلوب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی قسم یاد کر کے ان اشیاء کی عظمت کا اظہار فرمایا ہے۔ مثلاً والتین' والزیتون وغیرہ۔

مسئلہ : دورِ جاہلیت میں اپنے آباؤ اجداد کی قسم کھانے کی عادت تھی، رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرما دی کہ آباؤ اجداد کی قسمیں مت کھاؤ۔ اور یوں ہی غیر اللہ کی قسموں سے احتراز کریں۔

مسئلہ : مخلوق کی قسمیں کھانے میں ائمہ میں اختلاف ہے۔ مالکی مکروہ بتاتے ہیں اور حنابلہ حرام۔ اور امام نووی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ہمارے (شوافع) کے نزدیک حرام نہیں مکروہ ہے۔ لیکن عراقی نے شرح ترمذی میں قید لگائی کہ یہ اس وقت حرام ہے جب اس میں لات وعزیٰ وملت اسلام کا لفظ ہو۔

نکتہ : غیر اللہ کی قسم سے ممانعت کی وجہ ظاہر ہے کہ قسم میں مقسم بہ کی تعظیم و تکریم مطلوب ہوتی ہے اور حقیقی عزت وعظمت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے اس لیے کہ تعظیم و تکریم میں کوئی بھی اس کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ چونکہ خود مالک و مختار ہے وہ جس کی چاہے تعظیم و تکریم کا اظہار فرمائے۔ کون ہے اس سے پوچھنے والا۔ وہ چاہے تو اپنی ذات کی قسم یاد فرمائے چاہے تو اپنی مخلوق میں کسی کو یاد فرمائے۔ (کما فی فتح القریب)

مسئلہ : لعمری و دیگر وہ قسمیں جن میں مخلوق کی قسمیں مذکور ہوتی ہیں بظاہر تو وہ قسمیں ہیں لیکن درحقیقت ان سے مضمون کی تاکید مطلوب

ہوتی ہے اس لیے کہ تاکید کا سبب سے مضبوط اور مستحکم مضمون وہ ہوتا ہے جس میں قسم مذکور ہو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کی قسم میں امتیاز کے طور کفارہ وغیرہ لازم کیا جاتا ہے اور غیر اللہ کی قسم میں کفارہ وغیرہ نہیں ہوتا۔ اس معنے پر غیر اللہ کی قسم شرعی نہ ہوئی بلکہ لغوی ہوئی۔ باقی رہا تعظیم و تکریم کا شبہ، تو وہ ظاہر ہے کہ تعظیم و تکریم غیر اللہ کے لیے مجازاً شرعاً جائز ہے۔ اس تقریر کی بنا پر اگر کوئی غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے تو عند الاحناف لا بأس بہ (جائز) ہے یعنی مباح ہے حرام یا مکروہ نہیں۔ جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

قد افلح وابیہ۔ مجھے اس کے باپ کی قسم وہ کامیاب ہوگیا۔ (کذا فی الفروق)

تفسیر عالمانہ فَاَخَذَتْهُمُ انہیں لوط علیہ السلام کو پکڑا الصَّيْحَةُ جبرائیل علیہ السلام کی سخت آواز نے مُشْرِقِيْنَ صبح کے وقت یعنی درانحالیکہ وہ سورج کے طلوع کے وقت میں داخل ہونے والے تھے شروق الشمس بمعنے طلوع الشمس ہے۔

ف: عذاب کی ابتدا صبح صادق کے وقت سے ہوئی۔ جیسے فرمایا گیا:

ان دابر هؤلاء مقطوع مصبحين۔

اور اس کی انتہا طلوعِ شمس کے وقت ہوئی۔ اس لیے کہ جب جبرائیل علیہ السلام نے ان کی زمین کو جڑ سے اکھاڑا اور اسے آسمان پر لے جا کر دے مارا۔ اس کے بعد ایک سخت اور تیز آواز آئی۔ اس معنے پر مصبحین و مشرقین میں مطابقت ہوگئی کہ ان کے عذاب کی ابتدا صبح سے ہوئی اور انتہا طلوعِ شمس کے وقت۔ اس تقریر سے مقطوع کا معنیٰ بھی بحال رہا اس لیے کہ اسم فاعل و مفعول حال کے معنے میں آتے ہیں اور قطع ابتدائی حالت میں ہوئی۔ فلہذا ہم نے عرض کردیا ہے کہ انتہاءً اگر قطع کا اعتبار ہو تو معنیٰ مجازی ہوگا۔ اس تقریر پر مقطوع بمعنے حال القطع عن قریب ہوگا۔

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا پس ہم نے ان بستیوں کے بالائی حصّے کو سَافِلَهَا نیچے کردیا یعنی ان کی بستیاں زیر و زبر ہوگئیں۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ بستیوں کو زمین سمیت آسمان پر لیجایا گیا، جونہی وہ آسمان کے قریب پہنچیں تو انھیں الٹ دیا گیا۔

ف: عالیہا، جعلنا کا مفعول اول اور سافلہا مفعول ثانی ہے۔ یہ طریقہ زیادہ ہولناک ہے بہ نسبت انھیں اپنی حالت میں اوپر سے نیچے گرانے سے۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ بستیوں کو اُلٹنے سے پہلے عذاب کو دُہرانے کی خاطر ہم نے ان کے اوپر برسائے حِجَارَةً پتھر مِّنْ سِجِّيْلٍ کھنکریوں کی شکل میں یعنی پتھروں کو گارے میں گوندھ کر پختہ کر کے ان پر بارش کی طرح پھینکے گئے۔ بایں معنیٰ ان پر دو قسم کے عذاب نازل ہوئے، زمین میں دھنسنا اور پتھروں سے مارا جانا۔

ف: قاموس میں ہے السجیل بروزن السکیت، وہ پتھر جو مٹی کے ڈھیلوں کی طرح ہوں۔ سنگ، گل کا معرب ہے۔ ایک قسم کا کچا پتھر۔ یا اس سے مٹی کے وہ روڑے مراد ہیں جنھیں جہنم کی آگ میں پکایا گیا اور ان میں ہر ایک پر قوم لوط کے ایک ایک کافر کا نام لکھا گیا۔ یا من سجّیل، سجیل ما کتب لھم سے ہے۔ یعنی ان کے لیے لکھا جا چکا تھا کہ وہ اس قسم کے عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وما ادراک ما سجین کتاب مرقوم تمہیں کیا معلوم کہ سجین کیا ہے۔ وہ ایک

کتاب ہے لکھی ہوئی۔ اس تقریر پر السجیل بمنے السجین ہوگا۔

ف : ازہری نے فرمایا میرے نزدیک یہ تمام توجیہات سے صحیح اور واضح تر ہے۔

ف : کراشی نے لکھا کہ ہم نے ان پر روڑے برسائے جو ان سے الگ ہو گئے تھے یعنی جو افراد شہر میں موجود نہ تھے ان کو بھی انہی کنکریوں سے عذاب پہنچایا گیا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بے شک اس قصہ میں جو ابھی مذکور ہوا کہ قومِ لوط کا ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے درپے آزار ہونا اور ان کے شہروں کا الٹایا جانا اور شہروں کے مقیمین اور ان سے غائبین پر کنکریوں کا برسنا۔ لَاٰیٰتٍ علامات ہیں کہ ان سے حقیقۃ الحال پر استدلال کرکے عبرت حاصل کریں۔ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ بصیرت والوں کے لیے۔ یعنی وہ لوگ تفکر و تدبر کرتے اور حقیقتِ حال کو سمجھتے اور اس میں گہری نظر رکھتے ہوئے۔

ف : متوسمین سے فراست والے حضرات مراد ہیں کہ وہ ایسی باتوں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ انھیں اپنی فراست اور ہر شے کی علامات سے اس کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

توسمت فی فلان کذا ای عرفت وسمہ فیہ ای اثرہ و علامتہ یعنی میں نے فلاں کو علامت اور نشانی سے پہچانا۔

اور کہتے ہیں :

توسم الشئ تحیرہ وتفرسہ۔ یعنی کسی شے کی حقیقت کو معلوم کرنا وغیرہ۔

وَ اِنَّهَا اور بے شک وہ الٹی ہوئی بستیاں لَبِسَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ ایک شارع عام پر واقع ہیں۔ یعنی ان کا محلِ وقوع ایسے موقع پر ہے جہاں ہر ایک ہر وقت گزرتا ہے اور ان بستیوں کے نشانات اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ آج بھی مکہ معظمہ اور ملک شام کے درمیان ان بستیوں کی بربادی کے نشانات محسوس ہوتے ہیں۔ ان بستیوں کے نشانات ابھی تک باقی ہیں تاکہ آنے والی نسلیں انھیں دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ بالخصوص اے اہلِ قریش [یعنی اے مکے والو' اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفو!] جب تم وہاں سے گزرو تو ان سے عبرت پکڑو کیونکہ یہ بستیاں تمہاری گزرگاہ پر ہیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بے شک ان بستیوں میں یعنی ان کے نشانات لوگوں کی گزرگاہ پر واقع ہیں یعنی آتے جاتے ہر وقت دیکھ سکتے ہیں۔ لَاٰیَةً البتہ بہت بڑی عبرت ہے لِّلْمُؤْمِنِیْنَ اہلِ ایمان کے لیے۔ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں انھیں یقین ہے کہ قومِ لوط علیہ السلام کو جو سخت ترین عذاب لاحق ہوا ان کی شامتِ اعمال کی وجہ سے ہوا۔

ف : اہلِ ایمان کے برعکس منکر لوگ کہتے ہیں کہ یہ قضیہ اتفاقیہ یا گردشِ افلاک کی وجہ سے ہوا۔

ف : پہلی آیت میں جمع اور اس میں آیت کو واحد لانے میں اشارہ ہے کہ آج قصہ والی تمام نشانیاں تو موجود نہیں بلکہ ان کا بقیہ ہے اور وہ واحد ہے۔ اور پہلی آیت میں تمام قصہ سنا کر لَاٰیٰتٍ کہا گیا۔

قاعدہ : برہان القرآن میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں بعض مقامات پر جمع آیات لانے میں دلائل کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور واحد

آیت لانے میں مدلول علیہ مطلوب ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں آیت کو واحد لانے کے بعد مومنین کا ذکر ہوا ہے ۔ وہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے مقر ہیں لہٰذا ان کے لیے آیہ واحد [مفرد] کافی ہے بخلاف مخالفین کے کہ انھیں وحدانیتِ حق کا اقرار نہیں اسی لیے ان کے لیے آیات یعنی دلائل کی طرف اشارہ کیا گیا۔

مسئلہ : آیت میں فراست کی تعریف کی گئی ہے۔ یعنی شے کی حقیقت پر غور و خوض کر کے اسے صحیح اور حق معلوم کرنا۔

حدیث شریف مع شرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ان کان فیما مضی قبلکم من الامم محدثون۔ تم میں سے پہلے لوگوں میں محدث گزرے ہیں ۔ المحدث بفتح الدال الشدہ ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے دل میں منجانب اللہ کوئی بات القا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات کو فراست کے طور پر بیان کرے۔ پھر جیسے وہ کہے اسی طرح واقع ہو۔ گویا اسے ملأ الاعلیٰ (ملکوتی فرشتوں) نے بتایا تو اس نے بیان کیا۔ اولیاءکرام کے لیے یہ بہت بڑا مرتبہ و عہدہ سمجھا جاتا ہے۔ فانہ ان کان فی امتی ھذہ فانہ عمر بن الخطاب [رضی اللہ عنہ] میری امت میں اگر اس قسم کا کوئی ہے تو وہ عمر بن خطاب [رضی اللہ عنہ] ہیں[1]۔

سوال : اس سے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بال برابر بھی ثابت نہیں ہوتی اس لیے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مضمون کو حرفِ شک سے بیان کیا ہے جب خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معاملہ میں شک ہے تو فضیلتِ فاروقی کیسی ؟

جواب : نہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں بلکہ اس کے دوسرے جملہ میں بھی حرفِ شک واقع ہوا ہے۔ یعنی اگر اُمم سابقہ میں اس قسم کا محدث ہوگا تو میری امت میں ہوگا۔ کیونکہ میری امت افضل الامم ہے۔ اور یقین ہے کہ پہلی اُمتوں میں محدث تھے۔ اس سے لا محالہ ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یقیناً محدث ہیں۔ اس طرح سے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں تحقیقِ انیق ہوئی اس لیے کہ ضابطہ منطقیہ میں ایسے قضایا ابلغ طور پر کہ سمجھے جاتے ہیں اور اصولی قاعدہ پر اسے کنایہ کے طور ذکر کیا گیا ہے اور قاعدہ ہے الکنایۃ ابلغ من الصراحۃ۔ یہ ایسے ہے جیسے میں کہوں ان یکن لی صدیق فھو فلان یعنی اگر میرا کوئی دوست ہے تو فلاں ہے۔ اس سے تاکید اور تحقیق مطلوب ہے کہ تم سب کو معلوم ہے کہ ضرور میرا کوئی دوست ہے اور وہ فلاں ہے۔ اس طرح سے اس دوست کو اپنے دوست کی دوستی کی اپنے سے تخصیص اور اس کی دوستی میں تاکید و تحقیق مقصود ہے تاکہ اس کی دوستی میں کمال صداقت کا اظہار ہو۔ اس سے کوئی احمق بھی یہ سمجھے گا کہ اس محاورہ میں متکلم نے تمام دوستوں کی نفی کی ہے۔ اسی طرح کوئی بیوقوف ہی یہ سمجھے گا کہ حدیث مذکور میں حضور علیہ السلام نے اپنی امت سے محدث کی نفی فرمائی ہے۔ محاورہ مذکورہ سے قاعدہ منطقیہ و ضابطہ اصولیہ سے روزِ روشن کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہو گئی۔

---

[1] یہ ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، شیعہ حضرات انھیں نہ معلوم کیا سے کیا بکتے ہیں۔ لیکن الحمدللہ شانِ فاروقی میں تو کمی نہیں آنے گی۔
(اویسی غفرلہٗ)

فضائلِ فراست

حدیث شریف ۱: [حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:]

اتقوا فراسة العلماء لا يشهدوا عليكم بشهادة فيكبكم الله بها يوم القيمة على مناخركم فى النار فوالله انه لحق يقذ فه الله فى قلوبهم و يجعله على ابصارهم۔

علما کی فراست سے بچو اگر انھوں نے تمہارے جرائم کی گواہی دے دی تو پھر تم جہنم میں اوندھے ڈالے جاؤ گے بخدا یہ فراست حق ہے جو اللہ تعالیٰ ان کے قلوب پر القا کرتا ہے اور ان کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے۔

حدیث شریف ۲: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله و ينطق بتوفيق الله۔

مومن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا اور اس کی توفیق سے بولتا ہے۔

اس کے بعد حضور علیہ السلام نے پڑھا،

ان فی ذالك لآيت للمتوسمين۔

بے شک اس میں فراست والوں میں نشانیاں ہیں۔

تاکہ مضمون زیادہ مؤکد ہو جائے۔ (کذا فی بحر العلوم)

خواجہ عبد الخالق عجدوانی قدس سرہٗ کا قصہ

منقول ہے کہ حضرت خواجہ عبد الخالق عجدوانی قدس سرہ کی مجلس گرم تھی آپ کے متقدمین مریدین جمع تھے۔ آپ ان کو معرفت کی باتیں سنا رہے تھے اچانک ایک نوجوان حاضر ہوا جس کی ظاہری صورت زاہدوں جیسی تھی، خرقہ بغل میں اور مصلیٰ کاندھوں پر رکھے ہوئے تھا۔ حضرت خواجہ کی مجلس کے آداب کے پیشِ نظر ایک گوشہ میں بیٹھ گیا جب مجلس برخاست ہونے لگی تو اس نوجوان نے سوال کیا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله۔

مومن کی فراست سے ڈرو اس لیے کہ وہ نورِ الٰہی سے دیکھتا ہے۔

اس حدیث کا مطلب بتائیے؟ حضرت خواجہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ زنار کو اپنے سے باہر پھینک کر دولتِ ایمان حاصل کر۔ نوجوان نے کہا، میں اور زنار، یہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت خواجہ نے اپنے ایک مرید سے فرمایا کہ اس کے کاندھے سے مصلیٰ ہٹائیے۔ جونہی مصلیٰ کاندھے سے ہٹا اس کے نیچے سے زنار نمودار ہوا۔ آپ کی کرامت دیکھ کر اس نوجوان نے زنار توڑ ڈالا اور فوراً ایمان لے آیا۔ خواجہ صاحب نے مریدین سے فرمایا اب آؤ مل کر اس مسلم نوجوان کی باطنی زنار توڑیں جس طرح اس نے ظاہری زنار کو توڑا ہے۔ خواجہ صاحب کی اس تقریر کا ایسا اثر ہوا کہ مجلس میں آہ و فغاں کا شور برپا ہوا اور حاضرین خواجہ صاحب کے قدموں میں آگرے اور تجدیدِ توبہ کی۔ ~

توبہ چوں باشد پشیماں آمدن
بر در حق نو مسلماں آمدن
عام را توبہ ز کار بد بود
خاص را توبہ ز دید خود بود

(ترجمہ: توبہ کا مطلب ہے پریشان ہونا یعنی حق تعالیٰ کی درگاہ میں از سرِ نو مسلمان ہو کر حاضر ہونا۔
عام توبہ ہے گناہوں سے باز آنا اور خاص توبہ اپنے آپ کو دیکھنے سے باز رہنا)

سبق امم سابقہ کے کافروں کی تباہی اور اہلِ ایمان کی نجات میں ہمارے لیے تنبیہ ہے اور ہمیں سمجھایا گیا ہے کہ اہلِ حق کا راہ اختیار کرو گے تو فلاح پاؤ گے۔ اگر اہلِ کفر کے راستہ پر گامزن ہوگے تو تباہ و برباد ہو گے۔ اور ہمیں سبق دیا گیا ہے کہ ان کے دیار کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔

حکایت یحییٰ علیہ السلام حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام بہت گریہ وزاری فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ آنسوؤں سے آپ کا چہرہ مبارک تر ہو جاتا۔ گریہ وزاری کے جوصورت سے اس قدر روتے کہ آپ کی داڑھ کھل جاتی۔ ایسے نبی علیہ السلام کا یہ حال تھا تو پھر ہم جیسے دنیا پرستوں کا کیا حال ہوگا جب دنیا ایک زہرِ قاتل ہے اور ہمارے نفوس ہم پر سوار ہیں تو ہمیں ایسا مرتبہ کہاں مل سکتا ہے۔ اس کے باوجود ہم غافل ہیں۔ ہمارے لیے نعائم کے کئی دَور گزرتے ہیں لیکن ہم ان کی پرواہ تک نہیں کرتے اور انھیں ضائع کر دیتے ہیں اور انھیں یاد تک نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت بخشے اور ہمیں جہل و سفاہت سے بچائے اور ہمیں نفوس کے شرور سے محفوظ رکھے اس لیے کہ نفس ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اور ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو قرآنی نصائح سُن کر عمل کرتے ہیں اور اس کے آیات دیکھ کر عبرت پکڑتے ہیں۔ اور ہماری مذکورہ بالا استدعا قبول فرمائے جب تک ہمارے جسم میں جان ہے اور جب تک ہم دُنیا میں قیام پذیر ہیں۔ [آمین]

وَاِنْ كَانَ یہ اِن مخففہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان کا محذوف ہے اور لظالمین کی لام فرق بتانے کے لیے ہے کہ یہ اِن مخففہ ہے نہ شرطیہ۔ اب عبارت یوں ہوئی و ان شان کان۔ **اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ** ان سے شعیب علیہ السلام کی قوم مراد ہے۔ گھنے درختوں کو اَیکہ کہا جاتا ہے۔ ان کے ہاں بیشتر درخت بیری کی طرح گھنے تھے اس لیے انھیں اصحابِ ایکہ کہا جاتا تھا۔

ف: قاموس میں ہے المقل المکی ایک درخت کے ثمر کو کہا کرتے ہیں۔ بہرحال وہ لوگ چونکہ ایسے درختوں کے باشی تھے اور تھے غلط کار۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاں شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا جیسے انھیں اہلِ مدین کا نبی بنایا گیا تھا۔ اُنھوں نے بھی حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا۔

ف: بعض کہتے ہیں مدین اور ایکہ ایک ہی قوم ہے اس لیے کہ ایکہ مدین کے قریب ہے اور یہ چند درختوں کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئے۔ یہ اصح ہے۔ (کما فی تفسیر ابی اللیث)

ف : جوہری نے فرمایا کہ بعض نے اسے لیکہ پڑھا ہے اور لیکہ بھی ایک بستی کا نام ہے۔
لَظٰلِمِیْنَ بمعنے حد سے تجاوز کرنے والے، یعنی اصحاب ایکہ بہت ظالم تھے۔ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ پس ہم نے یوم الظلہ میں عذاب بھیج کر ان سے بدلہ لیا۔

ف : تبیان میں لکھا ہے کہ مدین والوں کو صیحہ اور صاحب ایکہ کو نار کے عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ وہ اس طرح کہ ان پر سات دن مسلسل گرم ہوا چلتی رہی اس کی گرمی سے تنگ آکر گھروں سے نکل کر درختوں کے سائے میں پناہ گزیں ہو گئے۔ جب سب کے سب درختوں کے تلے جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آگ کی ہوا بھیجی جس سے سب کے سب جل کر راکھ ہو گئے۔

ف : بعض تفاسیر میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک بادل بھیجا۔ انھوں نے سمجھا کہ یہ بادل بارش برسانے والا ہے۔ وہ بارش کی امیدیں تھے کہ اس سے انگارے برسے جس سے وہ جل کر راکھ بن گئے۔ اسی لیے اس عذاب کو عذاب یوم الظلہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا حال دیکھ کر بعض اہل عرب کا مقولہ مشہور ہوا کہ:

الشر اذا جاء من حیث لا یحتسب کان اغم۔ ناگہانی شر سے غم بہت زیادہ ہوتا ہے۔

وَاِنَّهُمَا اور وہ دونوں یعنی قوم لوط کا مرکزی شہر سدوم اور ایکہ لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ کھلے راستہ پر واقع ہیں کہ وہ ایسے شارع عام ہیں کہ جہاں سے ہر خاص و عام کا ہر وقت گزر ہوتا ہے اور انھیں ہر وقت دیکھتے رہتے ہیں۔

ردِ شیعہ جس کی اقتدا کی جائے اسے امام کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انی جاعلك للناس اماما۔ اے ابراہیم علیہ السلام! ہم نے آپ کو لوگوں کا امام بنایا۔ یعنی لوگ آپ کو اپنا مقتدا سمجھ کر آپ کی پیروی کریں گے، اور کتاب کو بھی امام کہا جاتا ہے اس لیے کہ کتابِ الٰہی میں جو احکام مذکور ہیں ہم ان کی اقتدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یوم ندعو کل اناس بامامھم۔ ہم ہر ایک کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔
ای بکتابھم یعنی کتاب کے ساتھ بلائیں گے۔

اور فرمایا:

وکل شیء احصیناہ فی امام مبین۔ اور ہر شے کو ہم نے کتاب روشن میں گن رکھا ہے۔
یعنی لوحِ محفوظ میں۔ اور وہ [لوحِ محفوظ] بھی ایک کتاب ہے۔ راستے کو بھی امام کہتے ہیں اس لیے کہ مسافر اس کی اقتدا کرتا ہوا منزلِ مقصود تک پہنچتا ہے۔ اور وہ دھاگہ جس کو معمار مکانات بناتے وقت استعمال کرتا ہے 'امام' کہلاتا ہے۔ مطمر البناء فارسی لفظ زہ کا معرب ہے۔

قصۂ قومِ شعیب علیہ السلام ابو الفرج بن الجوزی فرماتے ہیں کہ شعیب علیہ السلام کی قوم کے افراد ناپ تول میں کمی کرتے تھے حضرت شعیب علیہ السلام نے انھیں دعوتِ توحید کے ساتھ ساتھ اس بدعملی سے روکا اور فرمایا کہ ناپ تول میں کمی بیشی نہ کیا کرو۔

حدیث شریف مع حکایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص سے گزرے جو طعام کی بیع و شرا کرتا تھا۔ آپ نے اس سے پُوچھا تو کس طرح بیع و شرا کرتا ہے؛ تو اس نے اپنا طریقِ کار بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعے سے مطلع فرمایا کہ آپ اس کے طعام کے اندر دیکھیں۔ آپ نے اس کے اندر ہاتھ پھیرا تو اندر سے پانی نکلا۔ آپ نے فرمایا:

لیس منا من غش۔ جو کھوٹ کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں۔

ف: قاموس میں ہے غشہ ہر وُہ شے جو خالص نہ ہو۔ اور پوشیدہ امر کے خلاف ظاہر کرنا۔ المغشوش بمعنے غیر خالص۔ اس کا اسم الغش بالکسر آتا ہے۔

ف: تہذیب المصادر میں ہے الغش بمعنے خیانت کرنا۔ اس کا مادہ الغشش ہے بمعنے گدلا پانی۔

ف: الفتح القریب میں ہے کہ اس کا اصل اللبن المغشوش ہے۔ یعنی وہ دُودھ جس میں پانی کی ملاوٹ ہو۔ جیسے دودھ فروش دھوکہ کر کے دودھ میں پانی ملا کر بیچتے ہیں۔

حکایت وحدیث شریف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک طعام بیچنے والے سے گزرے۔ اس نے اپنے طعام کو بڑا سجا کر رکھا ہوا تھا۔ آپ نے اس طعام کو ادھر ادھر پھیرا تو ردّی اور بے کار نکلا۔ آپ نے فرمایا:

بِع هذا على حدة وهذا على حدة فمن غشنا فليس منا۔ اچھے کو علٰحدہ اور ردی اور بیکار کو علٰحدہ کر کے بیچو اس لیے کہ جو کھوٹ کرتا ہے وہ ہم سے نہیں۔

حکایتِ عجیبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص زمانۂ سابق میں شراب بیچا تھا جبکہ اس زمانے میں شراب نوشی جائز تھی اور کشتی کا کاروبار بھی کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بندر بھی رہتا تھا۔ وہ اپنے شراب میں کھوٹ کر کے پانی ملا دیتا تھا۔ وہ اپنی پُونجی ایک بٹوے میں محفوظ رکھتا تھا۔ ایک دفعہ اس کا بٹوہ بندر کے ہاتھ لگ گیا۔ وہ بندر بٹوہ لے کر کشتی کے بالائی حصے پر جا بیٹھا۔ بندر بٹوہ کھول کر ایک ایک دینار دریا میں پھینکتا رہا۔ اس طرح اس شخص کو یہ سبق مل رہا تھا کہ جو تیرا حق ہے وہ تجھے مل رہا ہے اور جس قدر تُو نے پانی ملایا اتنے دینار پانی کی نذر ہو رہے ہیں۔

حدیث شریف: اذا ضیعت الامانة فانتظر الساعة۔ جب دیکھو کہ امانتیں ضائع ہو رہی ہیں تو یقین کرنا کہ قیامت قریب ہے۔

حدیث شریف: لیأتین علی الناس زمان لایبالی المرؤ مم اخذ المال من حلال او من حرام۔ لوگوں پر ایک دَور ایسا آئے گا کہ کسی کو پروا نہ ہوگی کہ مال کہاں سے آ رہا ہے، حلال کا ہے یا حرام کا۔

سبق: اے ابنِ آدم! تیری آنکھ اب حرام میں لگی ہوئی ہے اور تیری زبان گناہوں میں ملوث ہے اور تیرا جسم مالِ دنیا حاصل

(بر صفحہ ۱۱۱)

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ وَكَانُوْا
يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۝ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ
مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ
لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا
مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا
تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ۝ كَمَآ
اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَسْــَٔـلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝
عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ
الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ
اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ وَ
اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝

ترجمہ : اور بے شک حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ہم نے انھیں اپنی نشانیاں دیں تو وہ ان سے رُوگردان ہوئے
اور وہ بے خوف ہو کر پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے ۔ صبح ہوتے ہی انھیں ہولناک آواز نے آلیا پس جو کچھ وہ کماتے
تھے ان کے کسی کام نہ آیا اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے حق کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے اور
بے شک قیامت آنے والی ہے تو تم خیر و خوبی سے درگزر کرتے رہو بیشک تمہارا رب تعالیٰ ہی پیدا کرنے والا علم
والا ہے بیشک ہم نے آپ کو وہ سات آیتیں دیں جو بار بار دُہرائی جاتی ہیں اور عظیم الشان قرآن بھی ۔ اور اپنی آنکھ
اٹھا کر اس چیز کو نہ دیکھو جو ہم نے ان کے کئی قسم کے لوگوں کو چند روزہ سامان دیا ہے اور ان کے لیے غم نہ کھائیے اور
مسلمانوں کو اپنی رحمت کے پروں میں لے لیجیے اور فرمائیے کہ میں وہی ہوں جو (عذاب سے) کھلے طور ڈرانے والا ہوں ،
جیسا کہ ہم نے بانٹنے والوں پر نازل کیا کہ جنھوں نے کلام خدا کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سو مجھے آپ کے رب تعالیٰ کی قسم جو کچھ
وہ عمل کرتے تھے ہم ان سے ضرور پوچھیں گے ۔ آپ کو جس بات کا حکم ہے انھیں آپ صاف صاف کہہ دیں اور مشرکین
سے منہ پھیر لیجیے ۔ آپ کی طرف سے ان ہنسنے والوں کے لیے ہم کافی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں
، وہ عنقریب جان لیں گے ۔ اور بیشک ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہو جاتا ہے سو آپ اپنے رب
تعالیٰ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہیں اور سجدہ کرنے والوں سے ہو جائیے اور آخری سانس تک اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیے

(صفحہ ۱۰۹ سے آگے)

کرنے میں چکنا چور ہے۔ ابھی وقت ہے سمجھ لے۔ اے مسکین! تیری عمر ختم ہو جائے گی اور غفلت کے نشے میں تو چور چور ہے، تو اپنی حفاظت کے لیے کون سی تدبیر رکھتا ہے! ؎

علیك بالقصد لا تطلب مكاثرة

فالقصد افضل شئ انت طالبه

فلمرؤ يفرح بالدنيا و بهجتها

ولا يفكر ماكانت عواقبه

حتى اذا ذهبت عنه و فارقها

تبين الغبن فاشتدت مصائبه

[ترجمہ: میانہ روی اختیار کیجیے بہت زیادہ کی طلب نہ کیجیے اس لیے کہ تیری طلب میں میانہ روی بہتر ہے جو شخص دنیا اور اس کی رونق سے خوش ہوتا ہے وہ اس کے انجام سے بے خبر ہے۔ جب دنیا اس سے جدا ہوتی ہے اس وقت اس کی خرابی ظاہر ہوتی ہے اور اس کے نہ ہونے سے مصائب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔]

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

قناعت کن اے نفس بر اند کے

کہ سلطان و درویش بینی یکے

مبر طاعت نفس شہوت پرست

کہ ہر ساعتش قبلۂ دیگر ست

[ترجمہ: اے نفس تھوڑے پر اکتفا کیجیے اس لیے کہ شاہ و گدا کو برابر سمجھیے۔ نفس شہوت پرست کا کہنا مت مان، اس لیے کہ ہر لحظہ اس کا نیا قبلہ ہے۔]

(تفسیر آیاتِ صفحہ ۱۱۰)

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ [اور بے شک حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا]

حلِ لغات: الحجر بکسر الحا صالح علیہ السلام کی قوم یعنی ثمود کے علاقے کا نام ہے۔ وہ مدینہ طیبہ اور شام کے درمیان وادی القریٰ کے نزدیک واقع ہے۔ وہ لوگ یہاں ٹھہرتے تھے اور وہ خالص عربی تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام نسب کے لحاظ سے ان سے افضل تھے اللہ ﷻ تعالیٰ نے انھیں ان میں رسول بنا کر بھیجا۔ آپ اس وقت نوجوان تھے آپ نے انھیں تبلیغ فرمائی یہاں تک کہ بوڑھے ہو گئے۔ چند غربا نے آپ کی اتباع کی باقی کورے کے کورے رہ گئے۔

ے

گوئے توفیق وسلامت درمیان افگندہ اند

کس بمیداں درنمی آید سوارانرا چہ شد

[ترجمہ: توفیق وسلامت کی گیند درمیان میں رکھی گئی ہے کوئی بھی میدان میں نہ آیا تو قصور کس کا]

اصحاب الحجر یعنی قوم ثمود نے مرسلین یعنی صالح علیہ السلام کی تکذیب کی۔

سوال: صالح علیہ السلام ایک تھے انھیں المرسلین سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب: ایک نبی کی تکذیب گویا تمام انبیا کی تکذیب ہے کیونکہ باوجود مختلف ادوار و اعصار کے ان کی دعوتِ توحید اور اصولِ دین ایک تھے۔ یہ ایسے ہے جیسے ہم کہتے ہیں: فلان یلبس الثیاب و یرکب الدواب۔ یعنی فلاں کپڑے پہنتا اور سواریوں پر سوار ہوتا ہے حالانکہ اس کی صرف ایک سواری اور ایک کپڑا ہوتا ہے۔

اولیاءِ کرام جیسے اصول الشرائع میں انبیاء علیہم السلام کا کوئی اختلاف نہیں ایسے ہی اولیاء کرام کو آپس میں اصول الحقائق میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ بسا اوقات ان کی عبادات بھی ایک ہوتی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ ان حضرات کا مشرب ایک ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ سے بطور کشف والہام حاصل کرتے ہیں انہیں جو کچھ نصیب ہوتا ہے ذات وصفات وافعال سے نصیب ہوتا ہے ایسے ہی جو ایک ولی اللہ کا دشمن ہے گویا وہ سب کا دشمن ہے۔ ؎

بے خبر کازار ایں آزار اوست

آب ایں خم متصل باآب جوست

[ترجمہ: وہ بے خبر ہے اسے معلوم نہیں کہ اس کا ایذا ہے کیونکہ مٹکے کا پانی درحقیقت دریا کا پانی ہے]

وَاٰتَيْنٰهُمْ اور ہم نے قوم ثمود کو دیں اٰيٰتِنَا اپنی آیات یعنی ناقہ جس میں آیات الٰہی تھیں۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اونٹنی کا پتھر سے نمودار ہونا بے شمار غرائب پر مشتمل تھا:

۱۔ اتنی موٹی اور لمبی چوڑی اونٹنی تھی کہ اس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔

۲۔ پتھر سے نکلتے ہی بچہ جننا اور وہ بھی اتنا موٹا اور طویل وعریض کہ وہ بھی اپنی نظیر آپ تھا۔

۳۔ دودھ اس قدر کثرت سے تھا کہ تمام قوم ثمود کو کفایت کرتا تھا۔

۴۔ ایک بار تمام کنوؤں کا پانی پی جانا وغیرہ۔

ف: فتح القریب میں ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے کافی عرصہ قوم ثمود کو تبلیغ فرمائی تو انھوں نے یہی معجزہ طلب کیا کہ پتھر سے اونٹنی نمودار ہو۔ چنانچہ ان کے مطالبے کے مطابق اونٹنی پتھر سے نکلی۔ اس کا مفصل واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

فَكَانُوْا عَنْهَا پس ہوئے ان آیات سے مُعْرِضِيْنَ بالکل رُوگردان۔ نہ صرف روگردانی کرنے والوں سے بلکہ ان سے معارضہ

مقابلہ کرنے لگے۔ جیسا کہ تفصیل سے گزرا کہ اونٹنی سے کیا کیا گیا۔ الاعراض بمعنے کسی شے سے مُنہ پھیرنا۔

ف : اونٹنی کو قتل کر کے اس کا گوشت بدھ کے روز آپس میں تقسیم کیا۔

ف : ابن الجوزی نے لکھا کہ نہ انھوں نے اونٹنی سے عبرت حاصل کی اور نہ ہی اس کا مزے سے دُودھ پینے پر شکر کیا۔ بلکہ منعمِ حقیقی سے سرکشی کی اور اکڑ گئے۔ اس کے لطف و کرم کو بھول گئے۔ اور ایسے اندھے ہُوئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر آیت کو دیکھ کر کفر کرتے۔ چونکہ طبعاً خبیث تھے اس لیے اپنی گندی عادت سے باز نہ آئے۔ اور گمراہی ان کے مقدر میں تھی اس لیے گمراہ رہے اور گمراہ ہو کر مرے۔ حضرت حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

باٰبِ زمزم و کوثر سفید نتواں کرد
گلیم بخت کسے را کہ بافند سیاہ

[ترجمہ: گلیم اللہ اس بدبخت کے سیاہ بخت کو آبِ زمزم و آبِ کوثر سے سفید نہ بنا دے گا]

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ اور تراشتے تھے۔ النحت بمعنے تراشنا۔ **مِنَ الْجِبَالِ** پہاڑوں سے۔ الجبال، جبل کی جمع ہے بمعنے پہاڑ۔ فارسی میں کوہ۔

ف : قاموس میں ہے الجبل محرکۃ [بفتحتین] بمعنے وہ موٹی اور لمبی میخ جو زمین میں گاڑی جائے۔ اگر اکیلی ہو تو اسے امکۃ یا قنۃ کہتے ہیں۔ زیادہ ملی جلی ہوں تو انھیں جبل کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے پہاڑ کو جبل سے موسوم کرتے ہیں۔

بُيُوْتًا بیت کی جمع ہے۔ اس جگہ کا نام ہے جو مسقف ہو۔ اور جس کے داخل ہونے کا ایک مقام ہو۔ اور وہ رات بسر کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ خواہ اس کی دیواریں چار ہوں یا تین۔ اور الدار وہ خالی میدان جو بلا لحاظ بنا کے ہو۔

اٰمِنِيْنَ درانحالیکہ وہ انہدام اور چوروں کی نقب اور تخریبِ اعدأ سے محفوظ تھے کیونکہ وہ مضبوط طریقے سے تیار کیے گئے تھے۔ یہ حال مقدرہ ہے۔ یا وُہ لوگ اگرچہ غافل تھے لیکن عذاب و حوادث سے محفوظ تھے۔ **فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ** پس انھیں جبریل علیہ السلام کی چیخ نے آ دبوچا۔ جبریل علیہ السلام نے ان میں ایک دم چیخ ماری تو وہ سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے۔

ف : بعض روایات میں ہے کہ آسمان سے ایسی سخت آواز آئی جو زمین پر اٹھنے والی سب آوازوں کا مجموعہ تھی۔ اس سخت آواز سے ان کے قلوب پھٹ گئے۔ اور سورۂ اعراف میں فاخذتھم الرجفۃ ہے۔ الرجفۃ بمعنے الزلزلہ۔ سخت آواز کے بعد جو ہوا کی موجوں سے اُٹھتی ہے اسے زلزلہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس معنے پر الرجفۃ کو الصیحۃ کہنا مجاز ہو گا۔

مُصْبِحِيْنَ یہ ضمیر منصوب سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ چوتھے دن یعنی اتوار کے دن صبح کے وقت داخل ہوئے۔

ف : صبح کا غیر ممتد وقت جو ضحوۂ کبریٰ [چاشت تک یعنی قبل زوال] تک ختم ہوتا ہے۔ ہفتہ کے پہلے تین دنوں میں پہلے دن کافروں کے چہرے زرد، دوسرے دن سُرخ، تیسرے دن سیاہ ہو گئے۔ اسی دن تباہی و بربادی کے مستعد ہو گئے۔

قاعدہ ہے کہ سعادت مندوں کے سفید چہروں کے مقابلے میں بدبختوں کے چہرے زرد ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وجوہ یومئذ مسفرۃ۔ اس دن بعض چہرے سفید، چمکدار اور روشن ہوں گے۔

اور کافروں کے سرخ چہروں کے مقابلہ میں نیک بختوں کے چہروں کا ذکر یوں ہوا:

وجوہ یومئذ ضاحکۃ۔ اس دن بعض چہرے ہنستے ہوں گے۔

اس کے بعد بدبختوں کے سیاہ چہروں کے مقابلے میں نیک بختوں کے چہروں کا ذکر مستبشرۃ [خوش چہرے] سے ہوا۔ مستبشرۃ ان چہروں کو کہا جاتا ہے جن سے سرور و فرحت کے آثار نمودار ہوں۔ جیسے بدبختوں کے چہرے سے بدبختی کا نشان سیاہی سے ظاہر ہوگا۔

فَمَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ پس انہیں بچا نہیں سکے گا یعنی جب ان پر عذاب نازل ہوگا تو کوئی انہیں عذاب سے نہیں بچائے گا۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

مایغنی عنک ھذا ای مایجدی عنک و ماینفعک۔ یعنی تمہیں وہ کسی قسم کا فائدہ نہیں دے گا۔

مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ وہ جو کرتے تھے یعنی بڑے مضبوط گھر، کثرتِ مال اور وفرتِ افراد انہیں عتابِ الٰہی سے بچا نہیں سکیں گے۔

ف: مروی ہے کہ صالح علیہ السلام کی قوم جب تباہ و برباد ہوئی تو آپ اپنی ایمان دار جماعت کو لے کر شام کے علاقہ کو روانہ ہو گئے۔ اور رملہ یعنی فلسطین میں مقیم ہو گئے۔ پھر وہاں سے مکہ معظمہ چلے گئے۔ اپنی قوم کو بیس سال تبلیغ کرنے کے بعد وہاں اٹھاون برس کی عمر میں رحلت فرمائی۔

حدیث شریف حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقامِ حجر سے گزرے، آپ نے ہمیں فرمایا کہ ظالمین یعنی کافرین [صالح علیہ السلام کی قوم کے افراد] کے گھروں سے روتے ہوئے گزرو اس خطرہ سے کہ کہیں تم بھی ان کی طرح عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ پھر حضور علیہ السلام نے سواریوں کو تیز کر دیا یہاں تک کہ ہم لوگ مقام حجر سے بہت دور نکل گئے۔ یہ غزوۂ تبوک کے موقع کا معاملہ ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر خائف ہوئے کہ شاید وہ یہاں سے گزرتے ہوئے نصیحت نہ پکڑیں اس لیے آپ نے انہیں تنبیہ فرمائی۔

سبق: اس سے ثابت ہوا کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ ایسے مقامات پر سکونت پذیر نہ ہو جہاں ظالمین کافرین تباہ و برباد ہوئے اس خطرہ سے کہ جیسے ان پر عذاب نازل ہوا کہیں اس پر بھی نہ نازل ہو جائے۔ یا ان کی عادات اس پر اثر انداز نہ ہوں۔ ان مقامات کو خالی رکھا جائے تاکہ آنے والی نسلیں ان کی ویرانی سے عبرت حاصل کریں۔ اس لیے کہ وہ مقامات آنے والے لوگوں کے لیے نصیحت کا موجب بنتے ہیں۔ اگر انسان ان مقامات پر سکونت کا پروگرام بنائے تو وہی مقامات قساوتِ قلبی اور ظلم و جرم کا سبب بنیں گے۔

مسئلہ : فقیر [حقی] کہتا ہے کہ جس طرح ایسے مقامات پر سکونت اور قیام کرنا ممنوع ہے اسی طرح وہاں نماز پڑھنا اور سیر و سیاحت کے لیے بھی آنا جانا ممنوع ہے بلکہ بضرورت بھی نہ جانا چاہیے۔[1]

ف : اللہ تعالیٰ نے جس طرح ازمنہ کو متفاوت بنایا ہے اسی طرح امکنہ کو بھی کہ ان میں بعض افضل ہیں بعض ان سے کم بلکہ بعض منحوس اور منحوس ترین۔

مسئلہ : اوپر کا مسئلہ مبنی بر تقویٰ ہے۔ یعنی عزیمت کا تقاضا ہے کہ ایسے مقامات پر نہ جانا بہتر ہے ورنہ بوقتِ ضرورت و بلا ضرورت رخصت بھی ہے۔

نسخہ روحانی بندہ جب ظاہری اعضا کو مطلق العنان چھوڑ دے تو اس کے باطنی اعضا بھی مطلق العنان ہو جاتے ہیں۔ ظاہری اعضا کی خرابی سے بندے کا باطن بھی خراب ہو جاتا ہے بلکہ قلب کا ماسوی اللہ کی طرف میلان ہو جاتا ہے اور عرفان اس وقت نصیب ہوتا ہے جب بندہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اس کے دل سے غیر کا تصور بھی اٹھ جائے۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں اثنائے سفر میں ایک شہر کے کنارے پہنچا ارادہ ہوا کہ شہر میں داخل ہوں۔ شہر کے کنارے ایک ذی شان بلڈنگ دیکھی اس کے نیچے نہر جاری نظر آئی، میں نے اس سے وضو کیا۔ عمارت کے اوپر دیکھا تو ایک نہایت حسین و جمیل دوشیزہ نظر آئی اس نے مجھے دیکھ کر کہا کہ اے ذوالنون! میں نے تمہیں پہلی بار دیکھ کر سمجھا کہ تم مجنون ہو، لیکن جب تم نے وضو کیا تو سمجھا کہ عالم ہو۔ وضو کر کے جب آپ روانہ ہونے تو سمجھا کہ آپ عارف ہیں۔ لیکن اب مجھے معلوم ہوا کہ آپ نہ مجنون ہیں نہ عالم ہیں، نہ عارف۔ میں نے کہا، وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ اگر آپ مجنون ہوتے تو وضو نہ کرتے۔ اگر آپ عالم ہوتے تو پرائے گھروں اور غیر محرم عورتوں کو نہ دیکھتے۔ اگر تم عارف ہوتے تو تمہارا دل غیر اللہ کی طرف مائل نہ ہوتا۔ خجندی نے فرمایا ؎

سالک پاک رو نخوانندش
آنکہ از ماسوی منزہ نیست
آستیں کوتہی چہ سود آنرا
کہ ز دنیا دست کوتہ نیست

[ترجمہ : سالک اسے پاکباز نہیں کہتے جو ماسوی اللہ سے منزّہ نہیں۔ وہ آستین جو خالی ہو اس کا کیا فائدہ کہ وہ دنیا سے خالی ہاتھ نہیں]

---

[1] لیکن دورِ حاضرہ نے اس کے برعکس ان مقامات کو یادگاریں ٹھہرا کر سیر و تفریح کے اعلیٰ مراکز بنا دیے اور قوم کے کروڑوں روپے ضائع کر دیے اور کر رہے ہیں ۱۲ اویسی غفرلہٗ

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اور ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں اور زمینوں اور ان کے مابین کو یعنی زمین و آسمان کی جنسوں کے مابین۔ اگر ان کے مابین کے اجزا مراد ہوتے تو وما بینھن ہوتا۔

ف : اس سے واضح ہوا کہ اولاً تمام آسمان ایک تھے پھر بعد کو ان کی تقسیم ہوئی۔ (کذا فی الکواشی)

اِلَّا بِالْحَقِّ مگر حق کے ساتھ۔ یعنی ان کی تخلیق نہیں، مگر درانحالیکہ وہ حق اور حکمت کے ساتھ متلبس ہے ان کی تخلیق نہ باطل ہے اور نہ عبث۔ یا بالحق بمعنے الی الحق ہے اس لیے کہ باء ' الی کی جگہ استعمال ہوتی ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ آسمان و زمین کی تخلیق اس لیے ہے کہ بندے انھیں دیکھ کر عبرت حاصل کریں ؎

دو چشم از پے صنع باری نکوست
ز عیب برادر فرو گیر دوست
در معرفت دیدۂ آدمیست
کہ بکشودہ بر آسمان و زمیست

[ترجمہ : دو آنکھیں اللہ تعالیٰ کی صنعت کو دیکھنے کے لیے ہیں۔ اے دوست! اپنے بھائی کے عیب سے آنکھ بند کر، معرفت کے لیے بینائی عطا کی گئی تاکہ آسمان و زمین کو دیکھ کر معرفتِ الٰہی حاصل کرے]

وَاِنَّ السَّاعَةَ اور بے شک قیامت۔ چونکہ اس کے وقوع کی ہر وقت توقع رہتی ہے اس لیے اسے الساعۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ (کما فی المدارک)

ف : ابن الملک نے فرمایا : الساعۃ اس وقت کا نام ہے جس وقت قیامت قایم ہوگی۔ اسے اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ اس معمولی سی گھڑی میں ایک بہت عظیم حادثہ ہوگا۔

ف : اور ابن الشیخ نے فرمایا کہ ساعۃ کو اس لیے الساعۃ کہتے ہیں کہ اس کی جانب وقوع میں سعی کی جا رہی ہے اور اس کی مسافت انفاس سے طے ہو رہی ہے اس لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

لَاٰتِيَةٌ لا محالہ آئے گی۔ جیسا کہ اس کے بارے میں ایک فارسی مقولہ مشہور ہے :

اگرچہ قیامت دیر آید و لے می آید ۔ یعنی اگرچہ قیامت دیر سے آئے لیکن آئے گی ضرور۔

پھر اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم! تیرا رب تیرے دشمنوں سے تیرے لیے بدلہ ضرور لے گا کیونکہ انھوں نے آپ کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی نیکیوں کی جزا دے گا اور انھیں ان کی برائیوں کی سزا دے گا۔ فلہٰذا زمین و آسمان کی تخلیق اسی لیے ہوئی ہے کہ نیک کو نیکی کی جزا اور بد کو بدی کی سزا دی جائے۔ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ صفح عنه بمعنے عفا یعنی معاف کیا اور صفح بمعنے اعرض و ترک ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مکذبین سے اچھے طریقے کے ساتھ درگزر فرمائیے اور ان کی ایذا پر حوصلہ کیجیے۔ ان کے بدلے میں عجلت نہ فرمائیے بلکہ ان کے ساتھ درگزر

اور حوصلہ کرنے والوں جیسا معاملہ کیجیے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ آپ ان کو اپنے حقوق معاف کرکے ان سے بدلہ لینے کے درپے نہ ہوں۔

اِنَّ رَبَّكَ بے شک تمہارا رب کہ جس نے تمہیں اتنے بلند مرتبے پر پہنچایا ہے هُوَ الْخَلّٰقُ وہی تمہارا اور ان سب کا بلکہ علی الاطلاق جمیع موجودات کا خالق ہے ۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ :

اوست آفرینندۂ خلائق و افلاک یعنی خالق افلاک و انجم و حیوان و مردم و دیو و پری و مرغ را۔ — وہی افلاک و انجم اور جن و انس اور دیو پری اور پرندوں کا خالق ہے ۔

خالق دریا و دشت و کوہ و تیہ

ملکت او بے حد و او بے شبیہ

نقش او کردست و نقاش من اوست

غیر اگر دعوٰی کند او ظلم جوست

[ترجمہ : وہ دریا و جنگل اور پہاڑ اور ویران کا خالق ہے ۔ اے اللہ! تیرا ملک بے حد اور بے مثال ہے ۔ اسی کو اس نے اور مجھے بھی اس نے بنایا ۔ اس کے سوا اگر کوئی دعوٰی کرے تو ظالم ہے]

الْعَلِيْمُ وہ وفاق و نفاق کو جانتا ہے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ وہ تمہارا اور ان کا تفصیلی حال جانتا ہے ۔ تمہارے اور ان کے درمیان جتنے امور ہوئے یا ہو رہے ہیں یا ہوں گے، ایک ایک کو جانتا ہے ۔ اور وہ اسی لائق ہے کہ جملہ امور اسی کے سپرد ہوں وہ جیسے چاہے فیصلہ فرمائے ۔

مسئلہ : آیت میں حکم ہے کہ مخالف کے ساتھ اچھے خلق سے برتاؤ کیا جائے ۔

شانِ حبیبُ الرحمٰن صلی اللہ علیہ وسلم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ خوش خلق، حلیم تھے بہت زیادہ معاف کرنے والے اور بہت زیادہ سخی تھے ۔

مسئلہ تصوف : حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لوگوں کے عیوب سے درگزر کرنا مروّت و فتوت ہے ۔

حکایت حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ درگزر کرنے اور معاف کرنے میں مشہور تھے یہاں تک کہ ایک دن آپ کو کسی نے گالی دی تو آپ سُنی اَن سُنی کرکے چل دیے ۔ اس نے خود کہا کہ میں آپ کو ہی گالی دے رہا ہوں ۔ آپ نے اسے جواب دیا کہ میں بھی تجھ سے ہی درگزر کر رہا ہوں ۔ اس مضمون کو دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا :

خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاھلین [معافی کا طریقہ اختیار کرکے ان لوگوں کو نیکی کا حکم دیجیے

اور جاہلوں سے درگزر فرمائیے۔

حضرت امام مالک کی عجیب کہانی حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کو جعفر بن سلیمان عباسی حاکم مدینہ طیبہ نے بہت زیادہ مارا، یہاں تک کہ امام صاحب بیہوش ہو گئے۔ آپ کو بیہوشی کے عالم میں ہی اٹھا کر گھر لیجایا گیا۔ آپ کو جب ہوش آیا تو فرمایا کہ جس نے مجھے مارا میں نے اسے بخش دیا۔ عرض کی گئی: اتنی جلدی کیوں معاف فرما دیا۔ آپ نے فرمایا: اگر میں اسی حالت میں مرجاتا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی تو میں ان کے ہاں شرمسار ہوتا کہ میری وجہ سے ان کا کوئی رشتہ دار جہنم میں جائے۔

حکایت منصور جب مدینہ طیبہ میں حاکم بن کر آیا تو اسے کہا گیا کہ جعفر سے بدلہ لو۔ تو اس نے جواب دیا کہ میں نے اس کی تمام غلطیاں معاف کر دیں محض اس لیے کہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار ہے۔

مقولہ عرب: الحلم ملح الاخلاق ۔ اخلاق کا نمک حوصلہ ہے۔

حکایت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی ایک لونڈی کی وفات پر خُوب روئیں۔ سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھے اس کی بُری عادات پر حوصلہ کرنے کا موقع نہ ملا، میں اس کوتاہی سے حسرت کے طور پر روتی ہوں۔ میری یہ لونڈی بیوقوف اور بدخلق بھی تھی۔ مجھ سے اس کی بدخلقی اور بیوقوفی پر حوصلہ نہ ہوتا تھا۔

تفسیر صوفیانہ وما خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینھما بالحق ارباب حق یعنی کاشفین بصفات الحق کے لیے آیاتِ حق کو حق کے ساتھ ظاہر کرنے والا ہے کیونکہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے مابین کا شعور صرف انسان کو ہے اس لیے کہ یہی آیاتِ حق کا مظہر ہے۔ بنابریں ان کا شعور بھی صرف اسی کو ہونا چاہیے کما قال: ان فی خلق السمٰوٰت والارض و اختلاف اللیل والنہار لاٰیٰت لاولی الالباب [آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق اور شب و روز کے مختلف ہونے میں اولی الالباب کے لیے آیات ہیں] اولی الالباب سے وہ حضرات مراد ہیں جن کے اخلاق ربانیہ کا ثمر صفاتِ انسانیہ کی آلائش سے صاف ہے۔

تقریر صُوفیانہ وما خلقنا السمٰوٰت میں السمٰوٰت سے سمٰوٰتِ الارواح والارض میں ارض سے ارض الاشباح اور وما بینھما سے نفوس و قلوب و اسرار و خفیات مراد ہیں۔ الّا بالحق یعنی مذکورہ بالا اشیا کو صرف مظہرِ حق یعنی حضرت انسان کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس لیے کہ مذکورہ بالا اشیا صرف حضرت انسان کے لیے مختص ہیں دیگر مخلوق کا ان میں کسی قسم کا حصہ نہیں کیونکہ حضرت انسان مبانی ظاہرہ و معانی باطنہ کے لحاظ سے ذات و صفات حق کا آئینہ ہے۔ حضرتِ انسان تزکیہ و تصفیہ اور تخلیہ و تحلیہ کے بعد مظہرِ حق ہے اور اس کا اسے شعور بھی ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی سمجھتا ہے کہ شیشے کا زنگ و آلائش دُور ہو گا تو اس میں چہرہ صاف نظر آئے گا۔ ایسے ہی جو شخص اپنے سے انانیت کا زنگ دُور کرتا ہے تو اس پر ہویت کے شہود کی تجلیات کا ورود ہوتا ہے، وہ ربوبیت بالحق کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس وقت انا الحق کہنا اس کے لیے روا ہے۔ اسی طرح جو انانیت کے مٹنے کے بعد سبحانیت کی بقا پر سبحانی ما اعظم شانہ کہے تو اسے

کوئی ممانعت نہیں ۔ وان الساعۃ لاٰتیۃ میں قیامتِ عشق مراد ہے کہ جب طالبین صادقین کے نفوس کو عشق محیط ہوتا ہے نفس مضمحل ہو کر مجاہدات و ریاضات سے مٹ جاتا ہے۔ اسے فنا کے بعد بقا نصیب ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ طلب وصدق و اجتہاد قلبی عشق سے حاصل ہوتا ہے۔ عشق قلبی کی یہ برکت ہوتی ہے کہ نفس خود بخود مٹ جاتا ہے کیونکہ کثرتِ اجتہاد و ریاضات سے قیامتِ عشق نے نفس کے صفات کو مار ڈالا۔ اور قاعدہ ہے کہ موت کے بعد قیامت قایم ہو جاتی ہے۔ فاصفح الصفح الجمیل اسے طالبِ صادق! نفس کی رعونت مٹنے کے بعد اس کی تسلیم و رضا پر اس سے نرمی کیجیے۔ مثلاً اسے کسی کامل کی صحبت اور اس کے ملفوظات سے نفس کو تسلی دیجیے۔ اس پر سخت بوجھ مت ڈال اور نہ اسے ایسے مجاہدات و ریاضات میں ڈال جن کا یہ متحمل نہ ہو سکے۔ تزکیۂ نفس سے ایک ہی لحظہ سے نفس کو قیامت نصیب ہو سکتی ہے اور عشق کے بغیر ہزاروں سال کے بعد بھی نفس کو ایسی قیامت حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ عشق جذبۂ حق کا دوسرا نام ہے ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جذبات حق کا صرف ایک جذبہ عمل الثقلین کے برابر ہے"۔ ان ربك هو الخلاق العلیم میں اس کے مبالغہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی صورتیں، ان کے معانی اور حقایق پیدا کرتا ہے اور اپنی مخلوق کو جانتا ہے کہ ان میں ذات و صفات کی مظہریت کی استعداد کس میں ہے اور ان میں کون ذات و صفات کا مظہر بننے کی تیاری کا شعور رکھتا ہے ۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ [اور بے شک ہم نے آپ کو دیں]

تفسیر عالمانہ **شانِ نزول** : حسین بن الفضل نے فرمایا کہ سات قافلے مختلف ساز و سامان لے کر بصریٰ سے مکہ معظمہ پہنچے ۔ اس سامان میں جواہر و عنبر اور دیگر قیمتی اشیا تھیں ۔ اور یہ تمام سامان دشمنانِ اسلام کا تھا۔ مسلمانوں نے دیکھا تو کہنے لگے کاش! یہ سامان ہمارا ہوتا اور ہم اسے راہِ خدا میں خرچ کرتے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم نے جو آپ کو سات آیتیں دی ہیں یہ سات قافلوں [کے ساز و سامان] سے بہتر ہیں۔ اس کی تائید آنے والی آیۃ لا تمدن عینیك سے بھی ہوتی ہے ۔ (کما فی اسباب النزول للواحدی)

ف : تیسیر میں ہے کہ قریش کے ہفت قافلے ایک ہی دن مکہ معظمہ میں آئے ۔ ان کے ساز و سامان میں بہترین پوشاکیں تھیں۔ حضور علیہ السلام کے دل میں خیال گزرا کہ مومن بھوکے اور کپڑوں سے تنگ ہیں اور مشرکین کے پاس اتنا زیادہ مال۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا، اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! ہم نے آپ کو دیں سَبْعًا سات آیتیں۔ اس سے سورہ فاتحہ مراد ہے ۔ اس میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اس کے ایک سو تینتیس حروف اور پچیس کلمات اور سات آیات ہیں۔ بعض کے نزدیک انعمت علیہم آیت ہے اور بسم اللہ اس میں شامل نہیں [یہی احناف کا مذہب ہے] اور بعض کے نزدیک انعمت علیہم آیت نہیں بلکہ بسم اللہ اس میں شامل ہو کر اس کی ایک آیت ہے ۔

مِنَ الْمَثَانِیْ قرآن مجید سے ۔ یہ مِن تبعیضیہ ہے جیسا کہ سورۂ زمر میں فرمایا :

اللہ نزل احسن الحدیث کتاباً متشابهاً مثانی ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر احسن الحدیث یعنی قرآن نازل فرمایا ہے۔ جس کے آیات ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

حل لغات : المثانی ، مثنی کی جمع ہے کہ اس میں احکام مکررہ نازل کیے گئے ہیں۔ یعنی وعدہ وعید اور امر و نہی اور ثواب و عقاب اور قصص وغیرہ۔ (کذا فی الکواشی)

وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ اور سورۃ فاتحہ کے ساتھ قرآن عظیم بھی آپ کو عنایت کیا گیا ہے اور اس کی قدر و منزلت ہمارے ہاں بہت بڑی ہے اور اس کا ثواب بھی بے شمار ہے۔ یہ عطف الکل علی البعض کے قبیل سے ہے۔ یعنی السبع جزء ہے اور القرآن العظیم کل۔ اور یہ بھی ہے کہ یہ مِن بیانیہ ہو۔ اس معنے پر السبع اور المثانی ایک شے ہے۔ جیسے فاجتنبوا الرجس من الاوثان میں مِن بیانیہ ہے۔ یعنی الرجس سے اجتناب کرو [کیونکہ وہ بت ہیں]

ف : فاتحہ کو مثانی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہے۔ یا اس لیے کہ ایک رکعت میں اس کے ساتھ کوئی سورۃ ملا کر، پھر دوسری رکعت میں اسے [فاتحہ کو] دوبارہ پڑھ کر پھر سورۃ پڑھی جاتی ہے۔ یا اس لیے کہ اس کا نصف اللہ تعالیٰ کی ثنا پر اور دوسرا نصف بندے کے مقصد پر مشتمل ہے۔ اس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سعید سے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی سورۃ سکھاؤں جو فضیلت کے لحاظ سے قرآن مجید میں بہت بڑی ہے۔ انہوں نے عرض کی وہ کون سی سورت ہے؟ آپ نے فرمایا: الحمد للہ رب العالمین الخ۔ یہی السبع المثانی اور القرآن العظیم ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی ہے۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے بعض حصے کو قرآن مجید کہنا جائز ہے۔

ف : فتح القریب میں ہے القرآن العظیم کا السبع المثانی کا عطف عطف الشئ علیٰ نفسہ کے قبیل سے نہیں، کیونکہ یہ اس قبیل سے ہے کہ شے کے دو وصفوں کو ایک دوسرے پر عطف ڈالا جائے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قرآن مجید وہ ہے جو دو وصفوں کا جامع ہے۔

ف : فقیر [اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ] کہتا ہے چونکہ قرآن مجید کے بعض آیات سے سورۃ فاتحہ اعظم و افضل ہے اور بہت سے حقایق کی جامع ہے اس لیے اس پر کل قرآن کا اطلاق جائز ہے۔ یا یہ بایں معنیٰ مثانی ہے کہ اس کی ہر آیت دو رکعت والی نماز میں دو بار پڑھی جاتی ہے۔ اور یوں بھی ہے کہ چونکہ اس میں کل قرآن کے اوصاف پائے جاتے ہیں اور یہ قرآن کا جزو بھی ہے۔ اس معنے پر اس میں کل قرآن کی حیثیت ملحوظ رکھ کر اسے کل قرآن کہا جائے۔

لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اور اپنی آنکھیں نہ پھیلائیے۔ مد النظر بمعنے تطویل النظر ہے۔ یعنی منظور الیہ یعنی جس شے کو دیکھا جا رہا ہے اس کے حسن کے پیش نظر اس کی طرف رغبت کرتے ہوئے آنکھ پھاڑ کر دیکھنا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اسے محبت و رغبت سے بار بار نہ دیکھیے **اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ** اس کی طرف کہ جس سے ہم نے نفع دیا ہے یعنی دنیا کی رونقوں اور اس کی زینت اور اس کے محاسن اور اس کے نقش و نگار کو رغبت و تمنا کی نگاہ سے نہ دیکھیے کہ آپ کا خیال ہو کہ ہمیں بھی یہی مل جاتا۔ **اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ** کافروں کے ہر اقسام کو۔ مثلاً یہود و نصاریٰ اور مجوس و مشرکین کو، اس لیے کہ جو کچھ

کافروں کو دنیوی ساز و سامان مثلاً اموال و ذخائر وغیرہ ملے ہیں آپ کے فضائل و کمالات اور نعمت قرآن کے بالمقابل کچھ بھی نہیں۔ آپ کا کمال بالذات دوام للذات ہے کہ نعمت عظمیٰ ہے اس کی کوئی نعمت مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور انھیں جو کچھ ملا ہے وہ عارضی ہے۔ ۵

پیش دریائے قدر حرمت تو
نہ محیط فلک حبابے نیست
داری آں سلطنت کہ در نظرت
ملک کونین در حسابے نیست

[ترجمہ : آپ کی قدر و منزلت کے بالمقابل نو آسمان ایک حباب ہیں۔ آپ تو ایسی سلطنت کے مالک ہیں جس کے سامنے کونین کی کوئی وقعت نہیں]

اسی لیے آپ اپنی نعمت پر مسرور و مفروح رہیے۔ ان کے ساز و سامان کو تصور میں نہ لائیے کیونکہ وہ صرف دنیوی اسباب ہیں۔

حدیث شریف : لیس منا من لم یتغن بالقرآن۔ ہمارے سے نہیں جو قرآن سے استغنا حاصل نہیں کرتا۔

شرح الحدیث اس حدیث کے حافظ نے چار وجوہ بیان فرمائے ہیں :

① التغنی بالقران سے مراد بلند آواز سے پڑھنا۔ ② الاستغنا بالقرآن یعنی صرف قرآن مجید کو اپنے جملہ احکام کے لیے کافی سمجھنا، کسی دوسری کتاب یا قانون کی ضرورت دل میں نہ لانا، اس لیے کہ جو فضیلت قرآن کو نصیب ہوئی اور کسی کتاب اور قانون کو نصیب نہیں ہوئی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جسے قرآن کی دولت نصیب ہے اور اس کے باوجود وہ سمجھتا ہے کہ فلاں کو فلاں دنیوی جاہ و جلال مجھ سے زیادہ نصیب ہوا ہے تو وہ بے وقوف ہے کیونکہ وہ اپنی عظیم دولت کو حقیر اور دوسرے کی حقیر چیز کو عظیم سمجھ رہا ہے۔ ③ تغرید الصوت یعنی قرآن مجید کو ایسے لہجے سے ادا کرنا کہ جس سے معنے میں خلل نہ پڑ جائے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ کو اختیار فرمایا تاکہ عرب کے جملہ اشعار کو چھوڑ کر قرآن مجید پڑھیں اسی طریق سے جس طرح وہ اشعار پڑھتے ہیں۔ لیکن لازم ہے کہ اشعار کی طرح پڑھنے سے قرآن مجید کے معنی

---

۵ اس سے دور حاضرہ کے جدید مسلم کو غور و فکر کرنا چاہیے جب وہ سمجھتا ہے کہ اسلام فرسودہ نظام ہے پھر وہ سوشلزم کا دامن پکڑتا ہے کبھی سیکولرازم کا۔ ۱۲

۵ آج کل قرآن مجید کو اشعار کے طرز پر پڑھتے ہوئے معنے میں خلل ڈالنے والے حفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت دے۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

میں خلل واقع نہ ہو۔ ④ تحسین الصوت یعنی قرآن مجید کو حسین لہجے سے پڑھنا جس میں اشعار کی طرز پیدا نہ ہو۔

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ اور کافروں کے ایمان نہ لانے پر غم نہ کھائیے۔ اگر وہ آپ کی اتباع نہیں کرتے تو نہ کریں ان کے اتباع نہ کرنے سے اہلِ ایمان کو کوئی نقصان نہیں کیونکہ میں نے ان کے لیے کفر مقدر کر دیا ہے۔

ف: کاشفی نے اس کا ترجمہ یوں لکھا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنے یاروں کی غریبی و مفلسی کا غم نہ کھائیے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ اور اہلِ ایمان کے لیے تواضع کیجیے اور اپنے فقراً مومنین سے خلق سے پیش آئیے اور ان کے ساتھ نرمی کیجیے اور دولت مند مومنوں پر اہلِ ایمان فقرا کو ترجیح دیجیے۔ خفض الجناح یعنی پَر بچھانا بمعنے تواضع کرنا۔

ف: تہذیب المصادر میں ہے: الخفض بمعنے کسی شے کو نیچے لے جانا۔ الرفع کی ضد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں لفظوں کو یکجا بیان فرمایا: خافضة رافعة یعنی ایک قوم کو بہشت کے بلند درجات میں بٹھائے گا اور دُوسری قوم کو جہنم کے گڑھوں میں دبائے گا۔

ف: کشف الاسرار میں مرقوم ہے کہ خفض جناح سے خوش خلقی مراد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خوش خلقی کا تاج صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا ہے ؎

ذات ترا وصف نکو خوبیست
خوبیِ تو سرمایہ نیکوئیست
روزِ اوّل دوختہ حکیم و قدیم
بر قد تو خلعت خلق عظیم

[ترجمہ: آپ کی ذات اچھے اوصاف سے متصف ہے۔ آپ کا وصف تمام اچھائیوں کا سرمایہ ہے۔ روزِ اوّل سے ہی حکیم قدیم نے آپ کے قدِ مبارک پر خلقِ عظیم کو سی دیا تھا]

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایئے کہ میں ڈر سنانے والا اور عذابِ الٰہی کے نزول کو ظاہر کرنے والا ہوں۔

شانِ نزول

انسان العیون میں ولقد اٰتینٰک سبعًا من المثانی والقراٰن العظیم کے شانِ نزول کے متعلق مذکور ہے کہ ابوجہل کے لیے شام سے اس قدر مالِ کثیر لایا گیا جو سات قافلوں پر مشتمل تھا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ رہے تھے اس وقت بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کپڑوں کے محتاج اور بھوکے تھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں صحابہ کرام کی حالتِ زار پر ترس آیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ ہم نے آپ کو سبعًا من المثانی دی جو ان کے ساتوں قافلوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس لیے آپ ابوجہل کے قافلوں کو نہ دیکھیے کیونکہ وہ تو متاعِ دنیا اور نہایت خسیس شے ہے اور اپنے صحابہ کرام کے لیے بجائے غم کھانے کے ان کے ساتھ خوش اخلاقی

استعمال کیجیے۔ اس لیے کہ ان کے لیے آپ کی خوش اخلاقی دنیا بھر کی نعمتوں سے بہتر اور اعلیٰ ہے۔

سورہ فاتحہ کے فضائل

○ زوائد الجامع الصغیر میں مرقوم ہے کہ سورۃ فاتحہ کو ایک پلڑے میں اور سالم قرآن مجید کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے تو سورۃ فاتحہ سات بار قرآن مجید سے بھاری ہوگی۔ [یعنی افضل ہوگی]

○ سورۃ فاتحہ ہر مرض کی دوا ہے۔

○ خواص القرآن میں مذکور ہے کہ سورۂ فاتحہ کو پاک برتن پر لکھ کر اسے پانی سے دھو کر مریض کو پلایا جائے تو مریض شفایاب ہو جائے گا [ان شاء اللہ تعالیٰ]

○ سورۃ فاتحہ کو شیشے کے برتن میں مشک سے لکھ کر گلاب کے پانی سے دھو کر کسی کند ذہن کو پلایا جائے تو وہ ذہین ہو جائیگا۔ اسی طرح اسے سات روز مسلسل پلایا جائے۔ [ان شاء اللہ تعالیٰ]

تفسیر صوفیانہ

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم انسان کامل ہیں آپ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛ ولقد اٰتینٰک سبعًا ہم نے آپ کو سات ذاتی صفات عنایت فرمائی ہیں؛

۱۔ سمع ۲۔ بصر ۳۔ کلام ۴۔ حیات ۵۔ علم ۶۔ ارادہ ۷۔ قدرت

من المثانی یعنی المثانی کی خصوصیت سے۔ اس سے مظہریت ذاتی وصفاتی مراد ہے۔ یعنی مظہریت ذاتی وصفاتی جو صرف حضرتِ انسان کو نصیب ہوتی ہے وہ آپ کو ہم نے عنایت فرمائی۔ یاد رہے کہ مظہریتِ ذاتی وصفاتی انسان کے سوا کسی دوسری مخلوق کو نصیب نہیں ہوئی اور نہ ہوگی۔ اگرچہ ملائکہ نوری مخلوق ہیں لیکن وہ بھی اس دولت سے محروم ہیں۔ اسی سے وعلم اٰدم الاسماء کلھا کا بھید کھلا کہ آدم علیہ السلام اسی مظہریت ذاتی وصفاتی سے مسجودِ ملائکہ ٹھہرے۔ الاسماءُ میں بعض اسماء ذاتی تھے اور بعض صفاتی۔ اور وہ صرف آدم علیہ السلام کو سکھائے گئے۔ ملائکہ ان سے بے خبر تھے۔ وہ اسی لیے کہ آدم علیہ السلام اسماءُ ذاتی وصفاتی کے مظہر تھے اور ملائکہ مظہر نہیں تھے۔ اسی لیے انھیں بے خبر رکھا گیا تھا۔ ہاں ملائکہ بعض صفات کے مظہر ہیں لیکن وہ بھی اس طرح نہیں جیسے آدم علیہ السلام تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا؛ ثم عرضھم علی الملٰئکۃ فقال انبئونی باسماء ھٰؤلاء ان کنتم صادقین۔ پھر آدم علیہ السلام نے ان اسماء کو ملائکہ کرام کے سامنے پیش کر کے فرمایا مجھے ان اسماء کی خبر دو اگر تم سچے ہو۔ چونکہ ملائکہ کرام بعض صفات کا مظہر تھے اس لیے آدم علیہ السلام کے سوال پر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ قالوا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا تیری ذات پاک ہے ہمیں تو اتنا علم ہے جتنا تُو نے ہمیں سکھایا۔ یہی راز تھا کہ ملائکہ کرام آدم علیہ السلام کے سامنے جھک گئے۔ والقراٰن العظیم اس سے وہ حقایق مراد ہیں جو قایم بذاتہٖ تعالیٰ ہیں اور یہی قرآن اللہ تعالیٰ کے اخلاقِ قدیمہ کا ایک خلق ہے جسے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص فرمایا؛ و انک لعلیٰ خلقٍ عظیم اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ خلقِ عظیم پر ہیں۔

خلقِ عظیم بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کے بارے میں کسی نے سوال کیا تو بی بی صاحبہ نے فرمایا:

کان خلقہ قرآن - یعنی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔

ولا تمدن عینیك الی ما متعنا بہ ازواجاً منھم اس آیت میں اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی عبد، ولی یا نبی کو بلند مقامات پر فائز فرماتا ہے تو اسے حکم دیتا ہے کہ وہ جسمانی اور روحانی دونوں آنکھوں کو دنیوی اسباب اور اخروی انعامات سے ہٹالیں اور اہلِ دنیا و آخرت کا تصور بھی دل سے مٹا دیں - ولا تحزن علیھم یعنی ان کے ساتھ رہ کر جو درجات و مقامات فوت ہو گئے ان کا بھی غم نہ کھائیے - یہ حضور علیہ السلام کے اس خاصہ کو بیان کیا گیا ہے کہ جب آپ شبِ معراج بہت ارفع مقامات کو طے کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو آپ کو انوار و تجلیات نے گھیر لیا لیکن آپ نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور نہ انھیں خیال میں لائے جبکہ آپ محویت حق میں مستغرق تھے تو ان کی طرف توجہ کی کیا ضرورت تھی - اسی لیے فرمایا وہ مقامات ادنیٰ تھے، وہ آپ کی توجہ سے رہ گئے تو کیا ہوا واخفض جناحك للمؤمنین اس مقام اعلیٰ پر اب آپ تواضع وانکساری سے کام لیں - اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کیجیے تا کہ ہم آپ کو اور غیر منتہی نعمتوں سے مالا مال کریں۔ اس سے اور بلند مراتب سے رفعت بخشیں -

دُوسری تقریر یعنی جب آپ کو مقامِ محبوبیت نصیب ہوا تو وہی طرز ادا مومنین کو بھی سکھائیے تا کہ وہ بھی آپ کی اتباع سے یہ مراتب و درجات اور مقامِ محبوبیت حاصل کر سکیں۔ اس تقریر کی تائید آیت: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ [فرمائیے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو تمھیں اللہ تعالیٰ محبوب بنائے گا] سے ہوتی ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ جیسا کہ ہم نے عذاب نازل کیا ان لوگوں پر جو تقسیم کرتے تھے - یہ قول ربانی ہے یہ قولِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔ اور یہ ولقد اٰتیناك الآیۃ کے متعلق ہے۔ اس لیے کہ اٰتینا، انزلنا کے معنے کو متضمن ہے - یعنی ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی یعنی قرآن مجید، جو یہود و نصاریٰ کی کتابوں تورات و انجیل کے مشابہ ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ کما قال:

اَلَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ یعنی وہ قرآن جو آپ پر نازل ہوا۔

عِضِيْنَ [ٹکڑے ٹکڑے کر دیا]

عضین بمعنے اجزاء - یعنی ٹکڑے ٹکڑے - الذین موصول اپنے صلہ سے مل کر ان کے اقتسام (تقسیم کرنے) کی کیفیت کی صفت ہے - یعنی انھوں نے قرآن مجید کو حق و باطل کی طرف تقسیم کیا محض عداوت اور بغض وحسد کی بنا پر - مثلاً جو آیات و احکام ان کی کتابوں کے موافق ہیں انھیں کہتے ہیں یہ حق ہیں اور جو آیات و احکام ان کی کتابوں کے موافق نہیں انھیں باطل

کہتے ہیں۔ یہ معنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

ف: قرآن مجید اور توراۃ و انجیل کی یہ تشبیہ انزال میں ہے اور ایسی وجہ تشبیہ عرب میں عام ہے۔

ف: درود ابراہیمی کی وجہ تشبیہ میں بھی یہی تقریر ہوگی ورنہ اس سے لازم آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اکمل و افضل ہوں۔ اس لیے قاعدہ ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے افضل و اعلیٰ ہوتا ہے۔ اس تقریر سے واضح ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو [اسی طرح توراۃ و انجیل کو بہ نسبت قرآن] مشبہ بہ تقدم فی الوجود کی حیثیت سے بنایا گیا ہے ورنہ کہاں ابراہیم علیہ السلام اور کہاں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہاں توراۃ و انجیل اور کہاں قرآن عظیم!

حل لغات: عضین عضة کی جمع ہے بمعنے الفرقة و القطعة یعنی ایک ٹکڑا۔ عضة دراصل عضوة بروزن فعلة عضی الشاة تعضية۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب بکری کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں۔

سوال: عضین کو جمع مذکر سالم پر کیوں لایا گیا؟

جواب: قاعدہ ہے کہ جہاں واؤ محذوف ہو اس کے لیے صیغہ جمع مذکر سالم کا لایا جاتا ہے تاکہ دلالت کرے کہ یہاں واؤ محذوف ہے جیسے ستین و عزین میں کیا گیا۔

ف: قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں تشبیہ دی گئی ہے شئے ذی الجسد و الروح سے، کہ جس طرح ایک ذی جسد و روح کے ٹکڑے کرنے سے اس کی نہ صرف زندگی ختم ہو جاتی ہے بلکہ اس کا نام و نشان یکسر مٹ جاتا ہے۔ وہ قرآن مجید کو اگرچہ بظاہر تو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے لیکن اس کے معانی و مفاہیم غلط بیان کیے تو گویا انہوں نے قرآن کی اصل روح اور اس کے نام و نشان کو مٹانے کی مذموم و ناکام کوشش کی۔ اس سے ان کے فعل کی قباحت و شناعت کا اظہار مطلوب ہے۔

دوسری تقریر: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر المقتسمین سے وہ بارہ یا سولہ افراد مراد ہیں جنہیں ولید بن مغیرہ نے موسم حج میں مکہ معظمہ کے مختلف مقامات اور راستوں پر مقرر کیا تاکہ وہ حجاج کے دلوں میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غلط تاثر پیدا کریں۔ ولید بن مغیرہ کے حکم پر یہ لوگ مختلف چوکوں، چوراہوں اور راستوں پر پھیل گئے اور جو نیا آدمی حج کے لیے آتا، کوئی اسے کہتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجنون ہیں، کوئی کہتا وہ ساحر ہیں، کوئی کہتا وہ کاہن ہیں، کوئی کہتا وہ عراف ہیں، کوئی کہتا وہ شاعر ہیں، کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ کہتا۔ مگر وہ حجاج نہ بہکے اور متابعت رسول میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

[اگرچہ ان بدبختوں نے حجاج کو بہکانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن، ؎

مٹتے ہیں مٹ گئے، مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا][1]

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی بشعر امام اہلسنت اعلیٰحضرت بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ف : چنانچہ ایسے ہوا کہ ان سب [حجاج کو بہکانے والوں] کو اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر اور اس سے قبل مختلف آفات و بلیات میں مبتلا کرکے تہس نہس کر دیا۔

اس تقریر پر الذین موصول اپنے صلہ سے مل کر انذر کا مفعول بہ ہے۔ یعنی وہ انذر جو النذیر میں متضمن ہے۔ اب عبارت یوں ہوگی، انذر المقتسمین الخ یعنی ان لوگوں کو ڈرائیے جو قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں بایں معنیٰ کہ کوئی [قرآن کو] کہتا ہے کہ یہ شعر ہے، کوئی کہتا ہے یہ جادو ہے، کوئی کہتا ہے یہ کہانت ہے، کوئی اساطیر الاولین سے تعبیر کرتا ہے۔ انھیں فرما دیجیے کہ عنقریب تم عذاب میں مبتلا ہو گے۔

ف : ماضی بمعنے مستقبل ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو فعل یقیناً وقوع پذیر ہو اسے ماضی سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے ایک معجزہ ہے کہ جو فعل ابھی واقع نہیں ہوا اس کی قبل از وقت خبر دے دی۔ [اسی کو ہم اہل السنت و الجماعت علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں[1]] یہی معنیٰ اظہر ہے اسے ابن اسحاق نے التکملہ لابن عساکر میں بیان فرمایا ہے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ مجھے آپ کے رب کی قسم کہ ہم سب سے سوال کریں گے قیامت میں۔ یعنی کفار کے تمام اقسام سے۔ وہ قرآن مجید کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے ہیں یا کوئی اور؛ یہ سوال بازپرس اور زجر و توبیخ کا ہوگا۔ یعنی انھیں کہا جائے گا کہ یہ کام تم نے کیوں کیے۔

سوال : دوسرے مقام پر فرمایا:

فیومئذٍ لایسأل عن ذنبہ انس ولا جان۔ پس اس دن گناہوں سے نہ انسانوں سے نہ جنوں سے سوال ہوگا۔

لیکن آیت مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ ان سے سوال ہوگا۔ ان دونوں آیتوں میں تطبیق کس طرح ہوگی۔

جواب : آیت ہذا کا مطلب یہ ہے کہ ان سے سوال اس معنے پر نہ ہوگا کہ ان سے معلومات حاصل ہوں اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے، بلکہ ان کے متعلق زجراً و توبیخاً کہا جا رہا ہے۔ جیسے جب ہم کسی پر ناراض ہوتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ میں اس سے پوچھوں گا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ اس کا مطلب اظہارِ ناراضگی ہے۔ دوسری آیت میں بتایا گیا ہے، کہ وہ اس قدر ناقابلِ معافی مجرم ہیں کہ مرتے ہی جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ ان سے ان کے کردار کی تفصیل وغیرہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں۔

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اس سے جو وہ عمل کرتے تھے۔ دنیا میں جو قول و فعل کیا۔ یا نہ کرنا تھا تو کر لیا وغیرہ۔

بحرالعلوم میں سوال مذکور لکھ کر جواب لکھتے ہیں کہ قیامت کا دن بہت طویل ہوگا۔ اس کے متعلق پچاس ہزار سال کی مقدار بتائی گئی ہے۔ اسی لیے اس دن کئی قسم کے زمانے اور کئی طرح کے حالات وقوع پذیر ہوں گے۔ بعض اوقات تو ان سے نہ سوال

---

[1] جس پر وہابی دیوبندی شرک کا فتویٰ جڑ دیتے ہیں ۱۲

اور نہ ہی ان سے کسی قسم کی گفتگو ہوگی۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت میں تم ایک ہزار سال اندھیرے میں خاموش پڑے رہو گے قیامت میں ایک دَور ایسا آئے گا کہ اس دن لوگ آپس میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واقبل بعضھم علیٰ بعض یتساءلون۔ وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے پُوچھیں گے۔

اور ان پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے۔

ف: علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ان سے کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ کے متعلق سوال کرے گا کیونکہ یہی کلمۂ نجات ہے اور کلمۂ عُلیا ہے۔ اسے اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور چودہ طبقات دُوسرے پلڑے میں، تو کلمۂ توحید ان چودہ طبقات سے بھاری ہوگا۔ اور یہ کلمہ جو کوئی ایک بار کہتا ہے اس کے تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں، اگرچہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ مغربی نے فرمایا: ؎

اگرچہ آئینہ داری از برائے رخش
ولے چہ سود کہ داری ہمیشہ آئنہ تار
بیا بصیقل توحید ز آئنہ بردار
غبار شرک کہ تا پاک گردد از زنگار

[ترجمہ: اگر تم شیشہ چہرہ دیکھنے کے لیے رکھتے ہو تو اس شیشے کا کیا فائدہ جس پر تاریکی ہو۔ آئینے توحید کے صیقل سے شیشے کو صاف کیجیے تاکہ اس سے شرک کی غبار دور ہو۔ پھر شیشہ کی صفائی کے بعد چہرہ دیکھیے]

تفسیر صُوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا کہ وہ اپنے مقام و مرتبے کا اظہار فرمائیں۔ اور وہ مقام و مرتبہ نبوت ہے۔ اور آپ کو حکم تھا کہ آپ اپنی تعریف سُنائیں کہ آپ نذیر للکافرین اور بشیر للمؤمنین ہیں۔ اور آپ کو یہ بھی حکم تھا کہ آپ اہلِ ایمان کے لیے رحمت و شفقت فرمائیں بلکہ ان کے لیے تواضع فرمائیں۔ کما قال، و اخفض جناحك للمؤمنین تاکہ اللہ تعالیٰ کی صفت لطف کا اظہار ہو۔ اور آپ کو حکم تھا کہ کفار کو تہدید و وعید سنائیں۔ کما قال قل انی انا النذیر المبین کما انزلنا مقتسمین یعنی اے کافرو! تمہارے اوپر عذاب نازل ہوگا جیسے مقتسمین پر نازل ہوا۔ المقتسمین سے وُہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے قہر کو دعوت دی کہ امور غیر شرعیہ کا ارتکاب کیا۔ ایسے لوگ قہرِ الٰہی کا مظہر ہیں۔ جیسے اعمالِ صالح کے پابند حضرات مظہرِ الطافِ الٰہی ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے لطف کے دروازے پر دستک دیتا ہے اسے معزز و مکرم بنایا جاتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسے نعمتوں سے مالا مال کیا جاتا ہے۔ اور جو قہرِ الٰہی کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے

اس کی نہ صرف اہانت کی جاتی ہے بلکہ اُسے دارین میں معذب و مقہور بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ المقتسمین کے متعلق مزید وضاحت فرمائی کہ الذین جعلوا القرآن عضین یعنی انھوں نے قرآن مجید کے اجزا کو اپنے اغراض و مقاصد پر تقسیم کر دیا۔ بعض تو صرف اس کی خالی تلاوت کے پیچھے لگے انھیں قرّاء کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ قراۃِ قرآن[1] کو اپنی روزی کا سبب سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ اسے حفظ کر لیتے ہیں انھیں حفاظ القرآن کہا جاتا ہے۔ یہ حضرات بھی حفظِ قرآن کو اپنی روزی کا ذریعہ سمجھتے ہیں [بعض حضرات تراویح اور شبینہ صرف دنیوی لالچ کے لیے پڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ بچائے آمین] بعض حضرات قرآن مجید کی تفسیر پڑھ کر اس کے ذریعہ اپنی شہرت کو چار چاند لگاتے ہیں[2] اور اسی سے دنیا بٹورتے ہیں۔ بعض لوگ قرآن مجید کی آیات سے فقہی مسائل کا استخراج کر کے دنیا جمع کرتے ہیں۔ بعض لوگ قرآنی قصے اور اس سے کئی طرح کے عجائبات و مواعظ عوام کو سنا کر دولت کماتے ہیں۔ بعض لوگ قرآنی آیات پڑھ کر اپنے مذہب پر استدلال کرتے ہیں۔ وہ اپنے غلط استدلال سے کافر ہو جاتے ہیں۔ پھر فرمایا، فوربك لنسئلنهم اجمعين عما كانوا يعملون یعنی انھوں نے جو عمل باللہ اور فی اللہ یا خواہشِ نفسانی پر صرف دنیوی منفعت کے لیے کئے ان سے سوال ہوگا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا یسأل الصادقین عن صدقهم صادقین سے ان کے صدق کے بارے میں سوال ہوگا یعنی وہ صدق جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں ملا۔ اس کے متعلق سوال ہوگا نہ وہ جو ان کے پاس ہے۔ یہی تفسیر حضرت جنید قدس سرہٗ سے منقول ہے۔ اور یہی معنیٰ لطیف بلکہ الطف ہے اس لیے کہ ایمان و اسلام اور صدق لوگوں کے سامنے تو آسان ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں صعب تر ہے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اسلام اور صدق کو حقیقی بنائے، نہ لفظی و اعتباری جو بالکل مردود و نامقبول ہے۔

ف : ابوالقاسم فقیہ سے منقول ہے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ تین خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ صحیح اور درست ہوں تو ان میں نجات ہے لیکن وہ ایک دوسرے کو ساتھ ملانے سے نامکمل رہتی ہیں :

۱۔ اسلام خالص عن الظلمة

۲۔ پاک غذا

۳۔ اعمال میں صدق للہ

حکایت دریاق الذنوب میں مرقوم ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ عادل ہونے کے باوجود عدول سے خوفزدہ رہتے تھے۔ وصال کے بارہ سال بعد خواب میں آپ سے پوچھا گیا کیا حال ہے ؟ تو آپ نے فرمایا : حساب دے کر ابھی فارغ ہوا ہوں۔

---

[1] دورِ حاضرہ میں تجوید کا بڑا چرچا ہے۔ خدا کرے اس سے اور زیادہ ہو۔ لیکن قاری حضرات کو چاہیے کہ اسے روزی کا ذریعہ نہ بنائیں۔

[2] فقیر نے تفسیر کی کچھ خدمات کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ بطفیلِ حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس زمرہ سے بچائے۔ آمین
اویسی غفرلہٗ

سبق : یہ ان پاکباز بزرگوں کا حال ہے اس بیچارے کا کیا حال ہوگا جو ہر آن اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ایذا میں معروف ہے۔

تفسیرِ عالمانہ فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ پس ظاہر کیجیے اسے جس کا آپ کو حکم ہے ۔ ما موصولہ اس کا عائد محذوف ہے یعنی جن شرعی احکام کا آپ کو حکم ہے اسے کھلم کھلا بیان کر دیجیے۔ اس سے اوامر و نواہی مراد ہیں ۔

حلِ لغات : فاصدع ، صدع بالحجۃ سے ہے ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی بات کو واضح طور پر بیان کرے۔ دراصل یہ الصدیع سے ماخوذ ہے بمعنے الفجر یعنی صبح ۔ یا فاصدع بمعنے فافرق ہے ۔ یعنی اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم ! حق و باطل میں فرق کر دیجیے اور حق کو کھول کر بتائیے اور اسے اس کے غیر سے جُدا کر لیجیے ۔ اس وقت الصدع فی الزجاجۃ سے ماخوذ ہوگا ۔ بمعنے الابانۃ ۔ چنانچہ قاموس میں ہے کہ الصدع الشق فی شئ صلب ، الصدع یعنی کسی سخت شے میں چیر پیدا کرنا۔ اس تقریر پر فاصدع بما تؤمر کا معنیٰ ہوگا کہ آپ کفار کو توحید کا اعلان کر کے ان کی جماعتوں کو چیریئے ۔

شانِ نزول اس آیت کے نزول سے قبل حضور علیہ السلام کفار سے چھپ کر اسلام کی تبلیغ کرتے تھے ۔ جب یہ آیۃ نازل ہوئی تو آپ نے کھلم کھلا توحید کا درس دینا شروع کر دیا ۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث)

تفسیرِ صوفیانہ ــــ اور ــــ ازالۂ اوہامِ وہابیہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم شرائع و احکام کے متعلقہ امور کے اظہار پر مامور تھے لیکن معارف و حقایق کو مخفی رکھنے پر مجبور تھے سوائے خواص کے جو ان کے اہل تھے ۔ جنھیں تا حال سینہ بہ سینہ وہ معارف و حقایق نصیب ہوتے چلے آ رہے ہیں ۔ حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

رسید جاں بلب و دم نمی توانم زد
کہ سرِ عشق ہمی ترسم آشکار شود

[ترجمہ : میری جان لبوں پر ہے ۔ لیکن دم نہیں مار سکتا اس لیے کہ خطرہ ہے کہ کہیں عشق کا راز ظاھر نہ ہو]

ازالۂ وہم [بعض جہال صوفیاء کہا کرتے ہیں کہ ان امورِ مخفیہ کے اظہار پر ہم مامور ہیں ۔ ان کے رد میں صاحب روح البیان حضرت مولانا اسمٰعیل حقی البروسوی قدس سرہٗ رقم طراز ہیں :]

واما ما صدر من بعضھم من دعوی المامورية فی اظہار بعض الامور الباعثۃ علی تفرق الناس واختلافھم فی الدین فمن الجھل بالمراتب و عدم التمییز بین ماکان ملکیا و رحمانیا و بین ماکان نفسانیا و شیطانیا فان الطریق و المطلب عزیز المنال ۔ واللہ الھادی الی حقیقۃ الحال ۔ [ج ۵ ص ۴۹۱]	اور جن لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ بعض امور سے لوگوں کے متفرق ہونے کے باوجود ان اسرار کے اظہار پر مامور ہیں وُہ جاہل ہیں انھیں اسرار ملکی و رحمانی کا علم نہیں بلکہ وہ نفسانی و شیطانی القاء اور اسرار رحمانی وغیرہ کے مابین تمیز نہیں رکھتے اور ایسے طریق والے بہت کم ہیں ، یعنی اولیاء اللہ ۔ واللہ الہادی الی حقیقۃ الحال ۔

نکتۂ عرفاں مجو از خاطر آلودگاں
جوہر مقصود را دلہائے پاک آمد صدف

[ترجمہ: جن کے دل غل وغش میں ملوث ہیں ان سے راز کی باتیں مت پوچھ - ہاں ایسے اسرار و رموز روشن دلوں کے ہاں ہیں]

تفسیر عالمانہ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ اور مشرکین سے رُوگردانی کیجیے۔ یعنی جو کچھ وہ کہتے ہیں اس طرف توجہ نہ دیجیے۔ یعنی ان سے بدلہ نہ لیجیے۔

سوال: اگر کوئی سوال کرے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین کو بد دعائیں دیں اور وہ بد دعائیں قبول فرمائی گئیں۔

اختیارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ——— مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حکم بن العاص کے قریب سے گزرے تو وہ حضور علیہ السلام کی نقلیں اتارنے لگا۔ حضور علیہ السلام نے مڑ کر دیکھ کر فرمایا:

اللھم اجعل بہ وزغا۔ اے اللہ تعالیٰ! اسے گرگٹ کی طرح بنا۔

حضور علیہ السلام کے کہنے پر وہ کانپا اور وہیں پر تھر تھرانے لگا۔ یہاں پر الوزغ بمعنے الارتعاش یعنی کانپنا، تھرتھرانا مراد ہے۔

جواب: حضور علیہ السلام کا حکم کو بد دعا کرنا ان کے عفو و حلم کے منافی نہیں اس لیے کہ اس وقت آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم بن العاص کے لیے بد دعا کی اجازت عطا ہوئی بلکہ ہمارے نزدیک تو آپ کا ہر قول و فعل اللہ تعالیٰ کے اذن پر مبنی تھا۔ [جب ہم اولیاء اللہ کے لیے اس طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں تو وہ امام الانبیاء والاولیاء ہیں۔ چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا:]

فان الوارث الکامل لا یصدر منہ الا ما فیہ اذن اللہ تعالیٰ فما ظنك باكمل الخلق علما وعملا وحالا۔ [روح البیان، ج ۴، ص ۴۹۳]

وارث کامل ولی کا ہر قول و فعل اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوتا ہے۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام کے لیے عقیدہ ہو کیونکہ آپ علماً و عملاً و حالاً جملہ مخلوق سے اکمل ہیں۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ بے شک ہم نے کفایت کی استہزاء کرنے والوں کی، ان کا قلع قمع کر دیا اور انھیں تباہ و برباد کر دیا۔

ف: کاشفی میں ہے کہ ہم نے آپ کو استہزا کرنے والوں کے شر سے محفوظ رکھا۔

اَلَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے ہیں اِلٰهًا اٰخَرَ معبودانِ باطلہ کو۔

اسم موصول منصوب ہے کیونکہ وہ مستہزئین کی صفت ہے۔ اور انھیں اس لیے مذکورہ صفت سے موصوف فرمایا تاکہ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہو۔ دوسرا اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے دشمنوں کو تنبیہ ہو کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزا کرنے پر اللہ تعالیٰ نہ صرف سخت ناراض ہوتا ہے بلکہ فوراً سخت عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ تیسرا ان لوگوں کو معلوم ہو کہ شرک ایک ایسا جُرم ہے جو بالکل ناقابلِ معافی ہے۔

فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ پس وہ عنقریب جان لیں گے یعنی انھیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا اور اپنے کردار کا بدلہ دیکھ لیں گے۔ اس سے انھیں وعید سنائی گئی ہے۔

قاعدہ: سوف، لعل، عسی ملوک کے وعدے میں واقع ہوتا ہے اور ان کی وعید میں اشارہ ہوتا ہے کہ وہ امر خواہ مخواہ ہوگا۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ و وعید ہے۔

شانِ نزول جمہور کا مذہب ہے کہ یہ آیت ان پانچ لیڈروں کے حق میں نازل ہوئی جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینے میں سب سے پیش پیش تھے اور یہی لوگ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت زیادہ استہزا کرتے تھے ان سب کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دن میں تباہ کر دیا اور ان کی تباہی و بربادی بدر سے پہلے واقع ہوئی

دشمنانِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بد انجام ① حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت زیادہ استہزاء کرنے والوں میں ایک العاص بن وائل السہمی یعنی عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ کا والد جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تو یہی بدبخت آپ کے پیچھے ناک چڑھاتا اور منہ کھولتا پھرتا تھا اور طرح طرح کی ہنسی مذاق کرتا تھا ایک دفعہ بارش میں اونٹ پر سوار ہو کر اپنے دو بیٹوں کے ساتھ کہیں جا رہا تھا تو کسی ایک وادی میں اترا تو زمین پر قدم رکھا تو دھاڑیں مارنے لگا سانپ نے ڈس لیا ہے بہت بڑی جستجو کی گئی لیکن معلوم نہ ہو سکا اس سے اس کا پاؤں سوج گیا یہاں تک کہ اس کا پاؤں اونٹ کی گردن جیسا موٹا ہو گیا بالآخر اسی مرض سے وہیں پر واصلِ جہنم ہو گیا۔

② مذکورہ دشمنوں میں سے دوسرا الحارث بن القیس العطلیہ تھا اس نے نمکین مچھلی کھائی اس سے پیاس چھڑ گئی پانی پینے کے باوجود سیر نہ ہوتا تھا اتنا پانی پیا کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا بالآخر وہیں مر گیا۔

③ الاسود بن المطلب بن الحارث بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں میں سے ایک تھا جس کا انجام یوں ہوا کہ وہ اپنے نوکر کے ساتھ سفر پر کہیں چلا ایک درخت کے نیچے آرام کے لیے ٹھہرا حضرت جبرئیل علیہ السلام آ کر اس کے سر پر ٹھونسے لگانے لگے اور وہ دھاڑیں مارتا تھا اس کا نوکر کہتا تھا کہ آپ خواہ مخواہ شور مچاتے ہیں مجھے تو کوئی نظر نہیں آتا بالآخر وہ اس طرح چیختا چلاتا مر گیا اس بدبخت کا کام تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اشاروں غمزوں سے ہنسی مذاق کرتا تھا بلکہ جب حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام کو دیکھتا تو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

④ اسود بن عبد یغوث بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں میں سے ایک تھا وہ ایک گھر سے نکلا تو اسے وہ گرم ہوا

کے جسم کے سے کوئلہ کی طرح کالا سیاہ ہو گیا جب وہ اپنے گھر واپس لوٹا تو اسے گھر والے بھی نہ پہچان سکے بلکہ اسے آتے دیکھ کر اجنبی سمجھتے ہوئے اسے گھر میں داخل ہونے سے نہ صرف روک دیا بلکہ اپنے گھر سے دھکیل دیا بالآخر وہ اسی وقت خواری کے ساتھ مرا تھا۔

ف: انسان العیون میں ہے کہ اسود حضور نبی کریم کا ماموں زاد تھا باوجود اتنا قریبی رشتہ دار ہونے کے حضور علیہ السلام کا مخالف تھا اس کی عادت تھی کہ جونہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو دیکھتا تو ہنستے ہوئے کہتا لو دیکھو یہ ہیں کسریٰ اور قیصر کے شہنشاہ [وہ اس لیے کہ حضور کریم نے خبر دی تھی کہ میرے امتی عنقریب کسریٰ و قیصر کے شاہی محلوں پر قبضہ کریں گے]۔

وہ حدیث اسی خبر کے پیشِ نظر مذاق کرتا تھا۔ اس وقت صحابہ کرام کی یہ حالت تھی کہ ان کے تن پر پھٹے پرانے کپڑے تھے اور ان کی معاشی و اقتصادی حالت نہایت زبوں تھی۔ [اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی خبرِ غیبی پر اعتبار نہ کرنا دشمنانِ نبی علیہ السلام کا شیوہ رہا ہے]

(۶) ولید بن مغیرہ یعنی حضرت خالد سیف من سیوف اللہ کا والد بھی حضور علیہ السلام کا سخت دشمن تھا اور یہی شخص ابو جہل کا سگا چچا تھا۔ اس کی بدانجامی کا واقعہ مشہور ہے۔ وہ کہیں جا رہا تھا، راستے میں ایک شخص تیر بنا رہا تھا، ایک تیر اس کے کپڑے سے چمٹ گیا۔ اس نے از راہِ تکبر اسے اپنے کپڑے سے نہ اُتارا، ویسے ہی اکڑتے ہوئے چلتا گیا۔ کہیں جا کر اس نے وہ کپڑا کندھے پر ڈالا تو وہی تیر اس کی اکحل رگ میں چبھ گیا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ اس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔

ف: تفسیر کاشفی میں ہے کہ قریش کے پانچ لیڈر حضور سرورِ عالم کی دشمنی اور ایذا رسانی میں پیش پیش تھے، جہاں آپ کو دیکھتے ہنسی مذاق اور ٹھٹھا مخول کرتے۔ وہ طواف کرتے بھی حضور علیہ السلام کا نام مبارک لے لے کر مذاق اڑاتے تھے۔ ایک دن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں رونق افروز تھے اور آپ کے ہاں جبریل علیہ السلام بھی حاضر تھے۔ مذکورہ بالا پانچ اشخاص حسبِ معمول حضور علیہ السلام کے ساتھ مذاق کرتے ہوئے طوافِ کعبہ میں مشغول ہو گئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یا رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلم]! اگر اجازت ہو تو ان کا کام تمام کر ڈالوں، یعنی ہیں انہیں نیست و نابود کر دوں۔ آپ نے اجازت بخشی تو جبریل علیہ السلام نے ولید بن مغیرہ کی پنڈلی، عاص بن وائل کے پاؤں کے تلووں، حارث بن قیس کی ناک، اسود بن یغوث کے چہرے اور اسود بن مطلب کی آنکھ کی طرف ذرا سا اشارہ کیا تو یہ پانچوں چند دنوں کے بعد تباہ و برباد ہو گئے۔ چنانچہ ولید تیر ساز کی دکان سے گزرا تو تیر کا پھل اس کے کپڑے کے دامن میں چمٹ گیا۔ اس نے از راہِ تکبر اسے کپڑے سے الگ نہ کیا۔ وہ تیر کا پھل اس کی پنڈلی میں چبھ گیا جس سے رگ شریان کھل گئی۔ ایسا خون جاری ہوا کہ اس نے بند ہونے کا نام نہ لیا۔ بالآخر اسی سے مرا۔

گستاخوں کا انجامِ بد

عاص کے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا اس سے پاؤں متورم ہو گیا اور وہ واصلِ جہنم ہوا۔

حارث کی ناک سے خون اور گندا پانی جاری ہوا اس سے اس کا کام تمام ہوا۔

اسود اپنے چہرے کو کسی وجہ سے مٹی اور کانٹوں پر مار مار کر مرگیا۔

اسود بن مطلب اندھا ہوا، غصے سے سر کو زمین پر پٹک پٹک کر مرگیا۔

ف : اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے وعدہ فرمایا کہ آپ کے ساتھ جو لوگ استہزاء و تضحیک کرتے ہیں ان کا کام میں خود تمام کروں گا۔ چنانچہ وہ وعدہ اس طرح پورا ہوا۔ حضور علیہ السلام کو کبھی کوئی تکلیف نہ اٹھانی پڑی اور دشمنانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کیفرِ کردار کو پہنچ گئے۔ ان کا انجام جس تباہی و بربادی سے ہوا ازمنہ سابقہ اس کی مثال دینے سے قاصر ہیں۔ انا کفینٰک المستھزئین میں یہی لوگ مراد ہیں۔ (کذا فی انسان العیون)

ف : یہ صرف ان کی شہرت کی وجہ سے کہا گیا ہے ورنہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ٹھٹھا مخول کرنے والے اور بھی بہت تھے منجملہ ان کے ابوجہل، ابولہب، عقبہ اور حکم بن العاص وغیرہ۔ یہ لوگ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ کبھی آپ کے دروازے پر گندگی ڈال دیتے، کبھی آپ کے راستے میں کانٹے بچھا دیتے اور کبھی غمزوں اور اشاروں سے آپ کی تحقیر کرتے۔ وغیرہ وغیرہ

حکایت مثنوی

مثنوی شریف میں ہے:

آں دہاں کژ کرد و از تسخر بخواند
مر محمد را دہانش کژ بماند

باز آمد کاے محمد عفو کن
اے ترا الطاف و علم من لدن

من ترا افسوس می کردم ز جہل
من بدم افسوس را منسوب و اہل

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس
کم زند در عیب معیوبان نفس

[ترجمہ : جس بدبخت نے حضور علیہ السلام کی نقل اتارتے وقت چہرہ بگاڑا اس کا چہرہ بگڑ گیا پھر اس نے حضور علیہ السلام سے معافی مانگی۔ اللہ تعالیٰ جس کا پردہ چاک کرتا ہے تو اسے اللہ والوں کی عیب جوئی میں لگا دیتا ہے اور جس کا اللہ تعالیٰ پردہ رکھتا ہے وہ لوگوں کی عیب پوشی کرتا ہے]

تفسیر صوفیانہ وانا کفینٰك المستھزءین یعنی جو لوگ شریعت کو اپنی جبلی عادت پر ڈھالتے ہیں اور محض اپنے وہم سے سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ والے ہیں۔ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے دین سے ہنسی مذاق کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی انھیں ہنسی مذاق کی سزا دے گا اس لیے کہ یجعلون مع اللہ الٰھًا اٰخر وہ اپنی عادات اور خواہشات اور دنیوی مرضیات کو پُورا کرنے کے لیے شرعی امور کو استعمال کرتے ہیں[1]۔ فسوف یعلمون عنقریب انھیں معلوم ہوگا جب اللہ تعالیٰ انھیں ان کے کرتوتوں کی سزا دے گا۔ (کذافی التاویلات النجمیہ) چنانچہ کسی [شاعر] نے کہا ہے

سوف تری اذا انجلی الغبار

افرس تحتك ام حمار

[ترجمہ: جب غبار ہٹ جائے گی تب تمھیں معلوم ہوگا کہ تیری سواری گھوڑا ہے یا گدھا]

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بے شک ہمیں معلوم ہے کہ آپ کا سینہ مبارک تنگ ہو جاتا ہے بِمَا يَقُوْلُوْنَ کافروں کی باتوں سے۔ مثلاً جب وہ کفر و شرک بکتے اور قرآن پاک پر طعن کرتے اور اسلام اور آپ سے ٹھٹھا مخول کرتے ہیں تو آپ کو ان کی بکواسیات سے حُزن و ملال ہوتا ہے۔

ف: لفظ قد حضور علیہ السلام کے ملال کی تاکید پر دلالت کرتا ہے اور اس نے وعدو وعید کی تاکید مطلوب ہے۔

قاعدہ: ابن حاجب نے لکھا کہ کبھی لفظ قد مضارع میں داخل ہو کر تحقیق کا فائدہ دیتا ہے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ پس اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے اس کی تسبیح بیان کیجیے۔ یعنی عجز و نیاز سے اس کی حمد بجالا کر اس سے التجا کیجیے۔ یعنی جس وقت کوئی دُکھ اور تکلیف آپ پر وارد ہو یا حُزن و ملال آپ پر غالب آجائے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح و تقدیس کیجیے۔

ف: کاشفی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی وہ تسبیح بیان کیجیے جس میں حمدِ الٰہی ہو۔ جیسے سبحان اللہ والحمد للہ۔ سُبحان اللہ ایک ایسا کلمہ ہے جس کے کہنے سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے نقص و عیب کے سلب کا اظہار ہوتا ہے۔

قاعدہ: اللہ تعالیٰ کے جن اسماء میں سلب کا مفہوم ہے وہ سب کے سب اسی کلمہ میں داخل ہیں۔ جب ہم نے کہا سبحان اللہ تو ہم نے اللہ تعالیٰ سے تمام عیوب و نقائص [جو ہماری عقل میں آ سکتے ہیں] کی نفی کر دی۔ جب ہم نے الحمد للہ کہا تو ہم نے اللہ تعالیٰ کے کمال و جلال [جو ہماری عقل و فہم میں آسکتا ہے] کا اثبات کیا۔

ف: اسماء سلبیہ مثلاً قدوس بمعنے ھو الطاھر عن عیب۔ اور السلام ھو الذی سلم من کل اٰفۃ۔ اور اسمائے اثباتیہ مثلاً علیم و قدیر اور سمیع و بصیر وغیرہ۔ اس معنیٰ پر حمد سے اللہ تعالیٰ کے کمال ذاتی و صفاتی کے جملہ افراد ثابت ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

---

[1] مودودی اور تبلیغی، احراری اور دیوبندی گروہ شریعت اور اسلام کو ڈھال بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں ۱۲ اویسی غفرلہٗ

وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ اور ہو جاؤ سجدہ گزاروں سے۔ یعنی نماز سے تمام دُکھ دُور ہو جائیں گے۔

دکھوں کا مداوا — نماز

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی پریشانی یا تکلیف لاحق ہوتی تو آپ نماز سے پناہ لیتے [یعنی نوافل پڑھتے]

بحرالعلوم میں مرقوم ہے کہ کثرتِ سجود سے دُکھ ٹل جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سجدہ گزار لوگوں سے ہو جاؤ۔ اور بندے کی مراد اس وقت پُوری ہوتی ہے جب کثرت سے بارگاہِ حق میں سر جھکایا جائے۔

نکتہ: صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں کہ سجدے سے بندے کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جاتی ہے۔ اور انسان کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ اسے توجہ الی اللہ نصیب ہو۔ اور یہ حکم مبتدی کے لیے ہے۔ اور جو سالک منتہی ہے اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ دائم الحضور ہو کر اپنے ظاہر و باطن کو برابر پاتا ہے اس لیے کہ وہ شب و روز خود بخود سر بسجود رہتا ہے اور اسے ایسے سجود سے راحت و فرحت نصیب ہوتی ہے۔ اسے نماز سے ہی چین ملتا ہے۔ نماز نہ پڑھے تو وہ بے چین رہتا ہے۔ جیسا کہ اولیاء کرام کے حالات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے؛ ؎

یک ذوق سجدۂ پیشِ خدا
خوشتر آید از دو صد دولت ترا

[ترجمہ: وہ سجدہ جو تم ذوق سے کرتے ہو وہ ہزاروں دولتوں سے بہتر ہے]

ف: کاشفی کشف الاسرار میں رقم طراز ہیں کہ اللہ جل جلالہٗ نے اپنے حبیب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے فرمایا کہ اے محبوب [صلی اللہ علیہ وسلم]! ہمیں آپ کے حزن و ملال اور دشمنوں کی ایذا رسانی کا علم ہے۔ ہمارا حکم ہے کہ آپ حضورِ قلب سے نماز پڑھیے کیونکہ نماز میں مشاہدۂ یار ہوتا ہے اور دیدارِ یار سے دُکھ درد کا تحمل آسان ہو جاتا ہے۔

حکایت ایک عاشق زار کی

ایک پیرِ طریقت سے منقول ہے کہ کسی عاشق زار کو بغداد کے ایک بھرے بازار میں کوڑوں کی مار پڑ رہی تھی لیکن وہ اُف تک نہ کرتا۔ لوگ مشوش تھے کہ اس کا ماجرا کیا ہے۔ کسی نے اس سے [اُف نہ کرنے کی] وجہ دریافت کی تو جواب ملا کہ جب مجھے مار پڑ رہی تھی تو میرا دوست میرے سامنے تھا اس کے دیدار کی وجہ سے مجھے کوڑوں کی مار کی خبر تک نہ رہی ؎

تو تیغ می زن و بگذار تا من بیدل
نظارۂ کنم آں چہرۂ نگارین را

[ترجمہ: تم مجھے تلوار سے گھائل کرتے رہو اور میں تمہارے چہرے کا نظارہ کرتا ہوں]

نکتہ: شروح الحکم میں ہے کہ قلوب احزان اور غم و الم احساس کرتے ہیں انہیں درحقیقت مشاہدہ محبوب سے محرومی ہے مدد جنہیں محبوب کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے ان کے لیے غم و الم اور حزن و ملال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مثلاً مصر کی عورتوں نے ہاتھ کاٹ ڈالے تو نہیں

احساس تک نہ ہوا صرف اسی لیے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مشاہدہ میں مستغرق تھیں۔

حکایت ایک نوجوان کو بھرے مجمع میں زور زور سے کوڑے لگائے جا رہے تھے ننانوے کوڑے لگ چکے تو اس نے نہ فریاد کی اور نہ کسی سے بچاؤ کا سبب ڈھونڈا بلکہ آہ تک بھی اس سے سُنی گئی لیکن جب آخری ایک کوڑا لگا تو دھاڑیں مارنے لگا۔ شیخ شبلی قدس سرہٗ اس مجلس میں موجود تھے انہوں نے اس نوجوان سے سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ ننانوے کوڑوں تک یار کے دیدار سے سرشار ہوتا رہا جب آخری کوڑا لگا تھا اس وقت میرے دوست نے نقاب اوڑھا کر مجھے کے درد کا احساس ہوا اس پر شیخ شبلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ

من عرف الله لایکون علیه غم ابدا۔ جس نے اللہ کو پہچانا وہ دائمی غم سے محفوظ رہا۔

تفسیر عالمانہ وَاعْبُدْ رَبَّكَ اور اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کیجیے۔ یعنی عبادتِ الٰہی پر مداومت کیجیے۔ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ یہاں تک کہ یقین یعنی موت آجائے کیونکہ وہ لازماً آئے گی اور اس کا ہر ایک کو یقین ہے۔ جب موت آئے گی تو تمام شکوک و شبہات زائل ہوجائیں گے۔

نکتہ: اتیان کا اسناد موت کی طرف اس لیے ہے کہ موت ہر زندہ کی طرف متوجہ اور اس کی متلاشی ہے۔

آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ عبادتِ الٰہی پر تادمِ زیست مداومت کیجیے۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

واوصانی بالصلاة والزکاة ما دمت حیا۔ اور مجھے میرے اللہ تعالیٰ نے تادمِ زیست نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم فرمایا ہے۔

نکتہ: نماز کا وقت موت تک اسی لیے متعین فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ عبادت کا انتہا تا مرگ ہے اس لیے کہ موت کے بعد تمام اعمال انسان سے منقطع ہوتے ہیں ہاں ان کا ثواب موت کے بعد حاصل ہوتا رہے گا لیکن یہ شرعی قانون کی بنا پر ہے ورنہ اہلِ حقیقت فرماتے ہیں کہ عبادۃ کا انقطاع موت سے نہیں ہوتا بلکہ مردِ مومن کی عبادت بعد از مرگ بھی باقی رہتی ہے۔ اس لیے کہ مردِ مومن کی عبادت کا تعلق قلب سے ہوتا ہے اور قلب فانی نہیں بلکہ وہ تو ملکوتی عالم کی شے ہے اور ہر وہ شے جو ملکوتی ہو وہ فانی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے تعلقات منقطع ہوتے ہیں ہم اللہ سے اس کا وصال چاہتے ہیں اور ہر معاملہ میں اس پر اعتماد کا سوال کرتے ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکمِ ربانی اس طرح نہیں کہ میں مال جمع کروں یا تجارت کروں بلکہ میری طرف وحی ربانی اس لیے ہوتی ہے کہ میں سجدہ ریز ہوجاؤں اور تادمِ زیست عبادت پر مداومت کروں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولقد نعلم انك يضيق صدرك یعنی ہمیں معلوم ہے کہ آپ بشریت اور غایت شفقت اور کمال غیرت سے دل تنگ ہوجاتے ہیں بما یقولون بے عمل خرقہ پوشوں کی باتوں سے کہ ان کی باتیں تو خرقہ پوشوں والی ہوتی ہیں اور اعمال شریروں والے۔ فسبح بحمد ربك آپ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیے کہ آپ ان بے عمل لوگوں میں نہیں ہیں وکن من الساجدين اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں شکرانہ کا سجدہ کیجیے واعبد ربك

اور اپنے رب تعالیٰ کی خلوص سے عبادت کیجئے حتیٰ یاتیك الیقین تاکہ آپ کو تا ابدالآباد یقین نصیب ہو۔ یاد رہے کہ صوفیائے کرام کے نزدیک یقین بمعنے معرفت ہے اور مقامات معرفۃ لاانتہا ہیں یہی وجہ ہے کہ جب عارف معرفۃ کے ایک مقام کو طے کر لیتا ہے تو اسے اس مقام کا تو یقین ہو جاتا ہے لیکن اس کے بعد کے مقام کے متعلق اسے شک اور وہم گمان ہوتا ہے اسی لیے اسے اور یقین کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تاکہ اسی شک وشبہ اور وہم وگمان کو زائل کرے اس طرح الی مالانہایۃ اس تقریر سے واضح ہوا کہ یہاں آیت میں یقین سے ابدالآباد مراد ہے۔

ف: عوارف میں ہے کہ وصالِ الٰہی کے طریقے آخرت کی زندگی میں بھی غیر منتہی ہیں۔ یہ دنیوی زندگی تو ویسے ہی لاشئی اور کالعدم ہے اسی لیے اس میں طریقۂ وصال کو غیر منتہی کیوں نہ کہا جائے ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست
ہر کجا کہ میرسی باللہ مائست

[ترجمہ: اے بھائی! یہ درگاہ غیر منتہی ہے جہاں پہنچو گے وہیں اللہ تعالیٰ ہوگا]

ف: بعض مشایخ فرماتے ہیں یقین اسم ورسم وعلم وعین وحق پر مشتمل ہے۔ اسم ورسم عوام کے لیے اور علم الیقین اولیاء کرام کے لیے اور عین الیقین خواص اولیا کے لیے اور حق الیقین انبیا علیہم السلام کے لیے اور حق الیقین کی حقیقت صرف ہمارے نبی حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے۔

تمت سورۃ الحجر فی الثالث عشر من شہر ربیع الاوّل فی سنۃ اربع ومائۃ والف۔

وتمت ترجمہ ہذہ السورۃ من ید الفقیر القادری ابی الصالح محمد فیض احمد الاویسی الرضوی غفرلہ فی لیلۃ الاحد بعد صلوٰۃ العشاء فی التاسع من الشہر الجمادی الاولیٰ فی سنۃ ستۃ وتسعین بعد ثلثمائۃ والف من ہجرۃ النبی الاعظم لہ المجد والشرف صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فی المسجد الشریف الموسوم بہ سیرانی الواقع فی البلدۃ بہاول پور من بلاد پاکستان فالحمد للہ علیٰ ذٰلک والصلوٰۃ والسلام کذٰلک علیٰ حبیب ربنا المالک۔ ۹/۵/۹۶ھ - ۹/۵/۷۶ء

تفسیر سُورۃ النحل

سورۃ النحل مکیۃ وھی مائۃ و   بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ   ثمان وعشرون اٰیۃ وستۃ عشر رکوعاً
أَتٰى أَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ
أَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ أَنْ أَنْذِرُوْٓا أَنَّهٗ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاتَّقُوْنِ ○ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ
الْأَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○
وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ ○ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ
وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ○ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ ؕ إِنَّ
رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ○ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ أَجْمَعِيْنَ ○

ترجمہ : ابھی آیا حکمِ الٰہی فلہٰذا عُجلت نہ کرو۔ پاکی اور برتری ہے اسے ان سے جو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔ ملائکہ کو روح یعنی وحی دے کر اپنے جن بندوں پر چاہتا ہے اپنے حکم سے نازل فرماتا ہے یہ کہ وہ انھیں ڈرائیں کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں فلہٰذا مجھ سے ڈرو۔ اس نے آسمان اور زمین ٹھیک بنائے۔ وہ اس سے برتر ہے جو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس نے انسان کو نطفے سے بنایا تو جبھی کھُلا جھگڑالو ہے، اور چوپائے پیدا کیے۔ ان میں تمھارے لیے گرم لباس اور دیگر بیشمار منافع ہیں اور تم ان میں سے کھاتے ہو۔ اور ان میں تمھارا سنگار ہے جب تم انھیں شام کو واپس لاتے ہو اور جب چرنے کے لیے چھوڑتے ہو۔ اور وہ تمھارے بوجھ ایسے شہروں کی طرف اٹھا کر لے جاتے ہیں جہاں تم نہ پہنچ سکتے مگر ادھ مرے ہو کر۔ بیشک تمھارا پروردگار مہربان اور رحیم ہے اور گھوڑے اور خچر اور گدھے (پیدا کیے) تاکہ تم ان پر سوار ہو اور تمھاری زینت کے لیے (پیدا کیے اور) پیدا کرے گا جن کا تمھیں علم نہیں ہے اور درمیانی راہ سیدھی اللہ تعالیٰ تک ہے اور بعض راہیں

ٹیڑھی ہیں اور اگر وُہ چاہتا تو تم سب کو سیدھی راہ پر لاتا۔

تفسیر عالمانہ اَتٰۤى اَمۡرُ اللّٰهِ [ابھی آیا حکم الٰہی]

شانِ نزول : مروی ہے کہ کفار مکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور تمسخر کہتے کہ عذاب الٰہی کب آئے گا؟ اور آپ کی تکذیب کرتے ہوئے کہتے کہ عذاب آئے گا تو ہمیں ہمارے معبود [بت وغیرہ] بچالیں گے۔ تو یہ آیت اتری۔

ف : امر اللہ سے عذاب موعود مراد ہے کیونکہ اس کا تحقق اللہ تعالیٰ کے حکم نافذ و قضا غالب سے متعلق ہے۔ اسی لیے اسے کافروں کا تحماً عذاب کا مطالبہ عبث ہے۔ اور اتیان امر اللہ سے عذاب کا قرب مراد ہے کہ جیسے وُہ چاہیں ویسے ہی واقع ہو۔ اب جملہ مذکورہ کا معنی یہ ہوا کہ اے کفار! جس طرح تمہارے ساتھ عذاب کا وعدہ کیا گیا تھا اس کے وقوع کا وقت آن پہنچا ہے۔

فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کے وقوع کے بارے میں عجلت مت کرو اس لیے کہ اس میں نہ تمہاری بھلائی ہے نہ نجات۔

ف : کافروں کا عذاب کے لیے عجلت کا مطالبہ کرنا اگرچہ استہزاءً تھا لیکن یہاں اسے حقیقت پر محمول کیا گیا ہے اور انھیں تہکم و استہزاء سے روکا گیا ہے۔ الاستعجال بمعنے وقت سے پہلے کسی شے کا مطالبہ کرنا۔

سُبۡحٰنَهٗ اللہ تعالیٰ پاک ہے **وَتَعٰلٰى** اور برتر ہے **عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ** یعنی اس کی ذات منزہ اور مقدس ہے اس سے کہ اس کا کوئی شریک بنایا جائے۔ تاکہ اس کا شریک کافروں کو اس کے عذاب سے بچائے۔

شانِ نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب اقتربت الساعۃ وانشق القمر نازل ہوئی تو کافروں نے ایک دوسرے سے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان ہے کہ قیامت عنقریب آئیگی ہمیں ان کے اس قول کو آزمانا چاہیے۔ چنانچہ چند روز برائیوں کے ارتکاب سے رُک گئے۔ جب دیکھا کہ ان پر کسی قسم کا عذاب نازل نہیں ہوا تو کہنے لگے ہمیں تو کوئی عذاب دکھائی نہیں دیتا۔ ان کے اس کہنے پر اقترب للناس حسابھم نازل ہوا۔ اس کے نزول سے وہ گھبرا گئے کہ قیامت قریب ہے تو ہم غلطیاں کیوں کریں۔ جب ایام کثیرہ گزرے اور قیامت قائم نہ ہوئی تو کہنے لگے اے [حضرت] محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] ! جن باتوں سے ہمیں ڈراتے ہو ان میں سے تو کوئی ایک بھی واقع نہیں ہوئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: اتٰی امر اللہ یہ سن کر حضور علیہ السلام گھبرائے اور قیامت کے خوف سے کھڑے ہو گئے اور دُوسرے لوگ بھی قیامت سے اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ سر اٹھا کر دیکھنے لگے کہ کہاں سے قیامت ہو رہی ہے۔ اس پر یہ جملہ نازل ہُوا کہ فلا تستعجلوہ یعنی وقت سے پہلے قیام قیامت کا مطالبہ مت کرو۔ یہ سن کر تمام لوگ مطمئن ہوئے، اور حضور علیہ السلام جو گھبراہٹ سے کھڑے ہو گئے تھے وہ بھی بیٹھ گئے۔

سوال: واقعہ مذکورہ سے ثابت ہُوا کہ قیامِ قیامت کا مطالبہ اہلِ ایمان کا بھی تھا اور یہ اہلِ ایمان کی شان کے خلاف ہے۔

جواب ۱: واقعہ سے ان کے مطالبے کی تصریح ہرگز نہیں البتہ ان کی وقوعِ قیامت سے گھبراہٹ اور گمان تو ثابت ہوتا ہے اور یہ ان کی شان کے منافی نہیں۔

جواب ۲: استعجال [وقت سے پہلے وقوعِ قیامت کا مطالبہ] اہلِ ایمان سے صادر نہیں ہوا۔ اس کی شہادت قرآن مجید میں ہے:

یستعجل بہا الذین لا یؤمنون بہا والذین اٰمنوا مشفقون منہا۔ — اہل کفر قیامت کے وقوع کے لیے عجلت کرتے ہیں اور اہلِ ایمان اس سے خوف زدہ ہیں۔

تحقیقی جواب ۳: دراصل واقعہ یُوں ہوا کہ اہلِ ایمان اچانک وقوعِ قیامت کا سُن کر گھبرا گئے۔ پھر جب فلا تستعجلوہ کو سنا تو ان کی گھبراہٹ دُور ہوئی اور انھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ کیونکہ اس میں کفار کو خطاب ہے۔ (کذا فی حواشی المفتی)

حدیث شریف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بعثت انا والساعۃ کہاتین۔ — میں اور قیامت (دو انگلیوں یعنی سبابہ و وسطی کی طرف اشارہ کرکے) ایسے بھیجے گئے ہیں۔

شرح الحدیث

انگلیوں کی طرف اشارہ کرنے میں یہ اشارہ تھا کہ دنیا کے لمحات اس قدر باقی بچ گئے ہیں جیسے سبابہ سے وسطی کا زاید حصہ باقی ہے۔ اس میں قُربِ زمانی کو قربِ مساحت [فاصلہ] سے تشبیہ دی گئی ہے تاکہ ذہنوں میں متصور ہو کہ قیامت بہت قریب ہے۔

حدیث شریف

[حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:]

مثلی ومثل الساعۃ کفرسی رہان۔ — میری اور قیامت کی مثال ان دو گھوڑوں کی سی ہے جو مقابلۃً دوڑتے ہیں لیکن دوڑنے میں برابر جا رہے ہوں۔

ف: حدیث شریف میں لفظ کفرسی رہان ہے۔ قاموس میں اس کی تفسیر وہی بیان کی ہے جو ہم نے حدیث شریف کے ترجمے میں عرض کر دی ہے۔ اور یہ تشبیہ بھی ابتدائی امر کے متعلق ہے ورنہ انجام بکار تو اس کے برعکس ہے کہ وقوعِ قیامت کا زمانہ موخر ہے اگرچہ تھوڑے عرصے کے لیے۔

تفسیر صُوفیانہ

اتٰی امر اللہ فلا تستعجلوہ میں اشارہ ہے کہ یہ ارشادِ گرامی ازل میں ہوا تھا اس لیے کہ ہم [اہلسنت] اللہ تعالیٰ کو ازل سے ہی متکلم مانتے ہیں اگرچہ اس وقت مخاطب محبوس فی العدم تھے۔ اور اس وقت ان کے تین طبقات تھے:

۱۔غافل

۲۔عاقل

۳۔عاشق

غافلوں کو یہ خطاب بطور عتاب ہوا کیونکہ وُہ دنیا اور اس کے نقش ونگار اور لذات وشہوات کے مشتاق تھے۔انھیں اصحاب النفوس سے تعبیر کیا گیا ہے ؎

نفس اگرچہ زیرکست وخردہ دان

قبلہ اش دنیاست اورا مردہ دان

[ترجمہ :نفس اگرچہ زیرک اور باریک دان ہو تب بھی اس کا قبلہ دنیا ہے اور حقیقت میں وہ مردہ ہے]

عاقلین کو وہ خطاب ثواب کے وعدہ کے ساتھ تھا کیونکہ وہ طاعات وعبادات و اعمال صالحہ کے مشتاق تھے اور چاہتے تھے کہ وہ ان اعمال صالحہ کے ذریعے بہشت اور اس کی دائمی نعمتوں کو حاصل کریں۔انھیں اصحاب العقول کے نام سے موسوم کیا گیا ؎

نصیبب ماست بہشت اے خداشناس مرو

کہ مستحق کرامت گنہگارانند

[ترجمہ :ہمارے نصیب میں بہشت ہے کیونکہ اس کرامت کے مستحق گنہگار ہی ہیں]

اور عشاق کو خطاب رب الارباب کے وصال کے لیے تھا کیونکہ انھیں ذاتِ ذوالجلال کے جمال کے مشاہدہ کی تمنا تھی، اور بس ؎

چہ سود از روزنِ جنت اگر شیریں معاذاللہ

زکوے خود درے در روضۂ فرہاد نگشاید

[ترجمہ :اس بہشت کے دریچے سے کیا فائدہ معاذ اللہ اگر شیریں اپنے دروازے کی کھڑکی فرہاد کے لیے نہ کھولے۔]

اس خطاب کے بعد ہر ایک طبقہ کو عدم سے وجود کی طرف عجلت تھی تاکہ عدم کی تکالیف سے نجات پاکر جلد تر مقصود کو پہنچیں اسی لیے ازل میں اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا اتیٰ امر اللہ یعنی عنقریب وہ وقت آرہا ہے جس میں تمہارا ہر طبقہ عدم سے نکل کر وجود میں پہنچ کر ازلی قسمت کے مطابق اپنا مقسوم حاصل کرلے گا فلا تستعجلوہ فلہذا عجلت نہ کرو کیونکہ تمہارا مقسوم تمہیں ضرور نصیب ہوگا۔ہماری اس تقریر پر آیہ و آتاکم من کل ماسألتموہ دلالت کرتی ہے۔یعنی عدم میں تم نے جو کچھ مانگا اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمادیا اس لیے کہ وہ عدم میں تمہارے پوشیدہ اسرار کو سنتا تھا اور تمہارے مخفی بھیدوں کو دیکھتا تھا۔

تفسیرِ عالمانہ سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ وہ ذاتاً منزہ اور صفاتاً متعالی ہے اس کا کوئی شریک نہیں جو اس جیسا کام کر سکے۔ اس کے کوئی مشابہ نہیں جو اس کا بدل کہا جا سکے ؎

قہار بے منازع و غفار بے ملال
دیان بے معادل و سلطان بے سپاہ
با غیر او اضافت شاہے بود چنانک
بر یک دو چوب پارہ ز شطرنج نام شاہ

[ترجمہ: وہ ایسا قہار ہے کہ اس کا کوئی منازع نہیں اور غفار بے ملال ہے وہ دیان بے معادل و سلطان بے سپاہ ہے اس کے ساتھ کسی دُوسرے کو کوئی نسبت نہیں۔ یُوں سمجھیے کہ جیسے شطرنج میں ایک ہی نام کے دو بادشاہ اکٹھے نہیں ہو سکتے ایسے ہی اس کی خدائی میں کوئی دُوسرا خدا نہیں ہو سکتا]

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ یہاں پر ملائکہ سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں کیوں کہ ایک کے لیے تعظیماً جمع کا صیغہ لانا جائز ہے جبکہ وہ واحد سردار ہو، اس کی تعظیم اور اس کی قدر و منزلت کی رفعت کی وجہ سے بھی جمع کا صیغہ لانا جائز ہے۔ یہاں پر جبریل کے علاوہ دوسرے ملائکہ بھی مراد ہیں جو وحی کی حفاظت کے لیے جبریل علیہ السلام کے ساتھ نازل ہوتے تھے۔ (کما قال السہیلی فی کتاب التعریف و الاعلام)
اب معنیٰ یہ ہوا کہ وحی نازل ہونے کے وقت بعض ملائکہ کرام کبھی کبھی جبریل علیہ السلام کے ساتھ وحی لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے تھے۔

اسرافیل کے حاملِ وحی ہونے کے متعلق عجیب نکتہ حضرت عامر شعبی سے باسنادِ صحیح مروی ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السّلام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں تین سال وحی لاتے رہے ان کی وحی ایک دو کلمات پر مشتمل ہوتی تھی ان کے بعد حضرت جبریل علیہ السّلام مسلسل وحی کے لیے مامور ہوئے اور اسرافیل علیہ السّلام کے وحی لانے میں اس طرف اشارہ تھا کہ اسرافیل علیہ السّلام صور پھونکنے پر مامور ہیں ان کے صور پھونکنے سے تمام مخلوق ہلاک ہو گی تو پھر قیامت قائم ہو گی اور حضور علیہ السّلام کی نبوت سے واضح تھا کہ قیامت قریب ہے اور آپ کے وصال کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گا اسی مناسبت سے وہ ابتدائی دور میں وحی کے نازل کرنے پر مامور ہوئے۔

حدیث شریف مسلم شریف میں ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السّلام صرف الحمد شریف یعنی سورت فاتحہ لائے جو عرصہ تک تھوڑا تھوڑا کر کے بارگاہ رسالت میں پیش کی سورت فاتحہ کو جبریل علیہ السّلام نہیں لائے۔

خالد بن سنان کی وحی کے حامل خازنِ نار تھی ابن ابی خیثمہ نے خالد بن سنان عبسی کے ذکر میں لکھا ہے کہ وہ نبی تھے اور ان کی وحی کے لانے والے حضرت مالک یعنی خازن تھے اور ان کا معجزہ بھی نار تھی کہ ان کے دورِ نبوت میں ظاہر ہوئی اسے لوگ نار الحدثان کے نام سے تعبیر کرتے ہیں وہ ایک غار سے نکل کر لوگوں کو اپنی پیٹ

میں سے بہتی تھی اور تمام انسانوں اور کھیتوں اور جانوروں کو جلا کر رکھ دیتی تھی اور وہ لوگ اسے ہٹا نہیں سکتے تھے۔ حضرت خالد بن سنان نے اپنے عصا سے ہٹا دی پیچھے ہٹ کر اپنی غار میں گھس گئی جہاں سے نکلی تھی۔ اس کے بعد پھر کبھی نہیں نکلی۔

نبوتِ خالد بن سنان کا ثبوت

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت خالد بن سنان نبی تھے لیکن قوم نے انھیں ضائع کر دیا یعنی انھوں نے جو احوال قبر کے متعلق بیان کیے تھے اسے قوم نے ضائع کر دیا۔

سوال: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے قریب تر ہوں۔ میرے ا.. ان کے میان کوئی نبی نہیں۔ یہ تمہاری مذکورہ بالا تقریر کے منافی ہے۔

جواب: اس سے حضور علیہ السلام کی مراد یہ ہے کہ ہمارے درمیان کوئی ایسا نبی نہیں جو مخلوق کو دعوتِ توحید دے اور اسے شرعی احکام پر چلائے۔ اس کی تفصیل سورہ مائدہ میں یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا الآیہ کے تحت گزر چکی ہے۔

ذی القرنین کے ہاں زیاقیل فرشتہ کی حاضری

حضرت ذوالقرنین کے ہاں زیاقیل فرشتہ حاضر ہوتا تھا۔ یہ وہ فرشتہ ہے جو قربِ قیامت میں تمام زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ بعدہٗ تمام لوگ ساہرہ پر چلیں گے۔ اس فرشتے کو ذوالقرنین سے مناسبت بھی ہے کہ ذوالقرنین نے شرق و غرب پر قبضہ جما لیا تھا اس [زیاقیل] کی نسبت سے۔ ایسے ہی خالد بن سنان کے مناسب حال پر نار کا فرشتہ مقرر ہوا تھا۔
(کذا فی کتاب التعریف و اسئلۃ الحکم)

بِالرُّوْحِ اس سے وحی مراد ہے منجملہ ان کے قرآن مجید ہے جسے بطور استعارہ روح سے تعبیر کیا گیا ہے اس لیے کہ روح کی طرح مُردہ قلوب کو زندہ کرتا ہے، ایسے قلوب جو جہالت کی وجہ سے مردہ ہوں۔ یا دین میں ایسے ہے جیسے جسم میں رُوح۔ یعنی وحی اور قرآن کو بطور استعارہ تحقیقیہ رُوح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وحی اور قرآن کو رُوح کہنے میں قرینہ یہ ہے کہ اس کا ان انذروا بدل ہے اور ان انذروا کا بدل بننا رُوح کے حقیقی معنے سے ناموزوں ہے جب تک اسے قرآن اور وحی کے معنے میں نہ لیا جائے۔

ف: بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں پر باء بمعنے مع ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ملائکہ جبرائیل علیہ السلام کی معیت میں وحی لاتے ہیں۔ کاشفی نے لکھا کہ ہر فرشتہ جو زمین پر اترتا ہے اس کے ساتھ روح نگرانی کے طور ضرور آتا ہے اس لیے کہ جیسے انسانوں کے لیے محافظ فرشتے ہیں ایسے ہی ملائکہ کے لیے روح محافظ و نگران ہے۔

مِنْ اَمْرِهٖ یہ لفظ روح کا بیان ہے جبکہ رُوح سے وحی مراد لی گئی ہے اس لیے کہ وہ مامور بالخیر ہے اور خیر کے لیے ہی مبعوث ہوا ہے۔ اور وحی عالم امر سے ہے یعنی وُہ عالم امر جو عالم خلق کا بالمقابل ہے اگرچہ جبریل علیہ السلام عالم خلق سے متعلق ہیں۔ یا من امرہٖ، ینزل کے متعلق ہے۔ اس وقت یہ مِن سببیہ ہوگا جیسے مما خطیأتھم میں مِن سببیہ ہے۔ اب معنی یہ ہُوا کہ ملائکہ کرام وحی لاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ کی وجہ سے۔

عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اپنے ان بندوں پر جن کے لیے وُہ چاہتا ہے۔ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو وحی کے

حاصل ہونے کے صفات اور اس کی صلاحیت اور اہلیت رکھتے ہیں۔ اَنْ اَنْذِرُوْا یہ بالروح سے بدل ہے۔ اب عبارت یُوں ہوگی ینزل الملٰئکۃ متلبسین بان انذروا۔ اور بان انذروا' بھذا القول کے معنے میں ہے اور اس کے مخاطب حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جن پر ملائکہ کرام کا نزول ہوتا تھا اور اس کا امر اللہ تعالیٰ ہے اور ملائکہ کرام اس امر کے ناقل ہیں جیسا کہ مبدل منہ یعنی بالروح کی بؑ سے معلوم ہوتا ہے اور ان مخففہ من المثقلہ ہے اور ضمیر شان محذوف اس کا اسم ہے دراصل عبارت یُوں ہے: ینزلھم متلبسین بان الشان اقول لکم انذروا۔ الانذار بمعنے الاعلام ہے صرف فرق یہ ہے کہ الانذار اعلام المحذور سے مخصوص ہے۔ یہ نذر بالشئی سے ہے۔ نذر از باب علم ہے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں: وَ اَنْذَرَہٗ بِالْاَمرِ۔ یعنی اس کا مجرد اور مزید فیہ ہر دو متعدی ہیں۔ اس تقریر پر نَذَرَہٗ بمعنے عَلِمَہٗ اور اَنْذَرَہٗ بمعنے اَعْلَمَہٗ ہے۔ اس کا باب تفعیل حَذَّرَہٗ بمعنے خَوَّفَہٗ آتا ہے۔ یعنی فلاں نے اسے پیغام پہنچا کر ڈرایا۔ (کذا فی القاموس)

اب انذروا بمعنے اعلموا الخ ہے۔ یعنی اے انبیاء علیہم السلام! لوگوں کو احکامِ الٰہی بتاؤ۔

اِنَّہٗ یہ ضمیر شان ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا یعنی شان یہ ہے کہ میرے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں اس لیے کہ میں ہی پیدا کرنے والا اور روزی دینے والا ہُوں۔

ف: محذور سے ڈرانا لذاتہٖ نہیں بلکہ بایں معنیٰ ہے کہ منذرین شرک وغیرہ جیسے قبائح سے موصوف تھے اور انھیں ان قبائح سے ڈرایا گیا ہے۔ اسی لیے حضرت سعدی مفتی رحمہ اللہ نے اپنے حواشی میں لکھا کہ لا الٰہ الا انا سے ڈرانے کا معنیٰ یہ ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے امور ثابت کرتے جو اس کی شان کے لائق نہیں تھے۔ مثلاً اس کے لیے شرکا و انداد ماننا۔ اور ظاہر ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ایسے امور ثابت کیے جن کا وقوع ممتنع بالذات ہے۔ اسی غلطی کی وجہ سے ان سے انتقام لیا گیا۔

فَاتَّقُوْنِ پس مجھ سے ڈرو اور میرے سوا کسی کی پرستش نہ کرو ؎

مرا بندگی کنم کہ دارا منم
تو ار بندگانی و مولا منم

[ترجمہ: تم میری عبادت کرو اس لیے کہ حاکمِ مطلق صرف میں ہوں اور تم سب میرے بندے ہو اور مولا صرف میں ہوں]

ف: آیت سے معلوم ہُوا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان وسیلہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور پیغامات انبیاء و رسل علیہم السلام کے ہاں پہنچائیں۔ بعض انبیاء علیہم السلام پر بیک وقت یعنی دفعۃً واحدۃً وحی نازل ہوتی جیسے تورات و انجیل و زبور حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت داؤد علیہم السلام پر نازل ہُوئیں۔ ایسے ہی ابن کثیر و ابوعمر کی قرأت وَیُنْزِلُ از نَزَلَ دلالت کرتی ہے۔ اور بعض حضرات پر علیٰ حسب المصالح اور موافق حوادث تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا، جیسے قرآن مجید بیس بائیس سال کی مدت میں نازل ہُوا۔ اسی پر باقی تمام قُرّا کی قرأت وَیُنَزِّلُ از نَزَّلَ دلالت کرتی ہے۔

قاعدہ : تنزیل تدرج و تکثر کو اور انزال تدریج و دفعۃ واحدۃ ہر دو کو شامل ہے۔ یہ تنزیل اعم سے ہے۔

مسئلہ : نزولِ وحی جملہ واحدۃ ہو یا تدریجاً، امرالٰہی سے ہوتا ہے۔ جیسے وہ چاہتا ہے ویسے ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ نبوت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے وہ جسے چاہے اپنی رحمت سے عطا فرمائے۔ اس سے مقصود صرف یہی ہے کہ بندوں کو توحیدِ الٰہی کا علم ہو اور وہ اس کے ذریعہ سے تقویٰ و طہارت حاصل کر سکیں اور انھیں اوامر و نواہی پر پابندی کا طریقہ نصیب ہو۔

ف : توحید کا علم قوت علیہ اور تقویٰ قوت عملیہ کے منتہا کا نام ہے۔ اور بحر العلوم میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا یہ معنیٰ ہے کہ انسان کفر و معاصی اور دیگر قبائح سے اجتناب کرے۔ اس میں حقوق العباد بھی شامل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

ینزل الملئکۃ بالروح من امرہ میں اشارہ ہے کہ وحی کے ذریعے مراہب ربانیہ سے مردہ قلوب کو بعث نصیب ہوتی ہے۔ اور امر ربانی کی کئی اقسام ہیں :

۱۔ جوارح کو تکالیف شرعیہ کی پابندی کا

۲۔ نفوس کو طریقت کے احکام سے تزکیہ کا

۳۔ ارواح کو حضرۃ الٰہیہ کی ملازمت کا حکم ہوا تاکہ مکاشفات کا حصول ہو۔

۴۔ خفیات کو حکم ہوا کہ تجلیِ صفات حاصل کریں تاکہ ذوات کا فنا نصیب ہو۔

علیٰ من یشاء من عبادہ ان سے انبیاءؑ و اولیاءؒ علیٰ نبینا و علیہم السلام مراد ہیں۔ ان انذروا انہ لا الٰہ الا انا یعنی تم اپنے وجود کے اوصاف کو میری انانیت میں فنا کر دو اور یقین کر دو کہ میرے سوا کوئی موجود نہیں فاتقون میری انانیت کی وجہ سے اپنی انانیت کے خطرہ کرو۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد کی تقریر

[صاحبِ روح البیان حضرت مولانا اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ] میرے پیر و مرشد شیخ کامل روح اللہ روحہٗ نے اپنی تحریرات میں فرمایا کہ متقی یا تو اپنے نفس کے ساتھ حق سے ڈرتا ہے یا حق کے ساتھ اپنے نفس سے ڈرتا ہے۔ پہلا اپنے نقائص کو بجائے حق تعالیٰ کے اپنے نفس کی طرف منسوب کرتا ہے۔ گویا یہ شخص اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے اپنے نفس کو ڈھال بناتا ہے۔ دوسرا کمالات کو اپنے نفس کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ گویا یہ شخص اللہ تعالیٰ کو اپنے لیے ڈھال بناتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عدم نقصان میں ہے اور وجود کمال ہیں۔ یعنی ان ہر دو سے اعلیٰ وہی ہے جو اپنے آپ کو معدوم اور اللہ تعالیٰ کے لیے وجود کا ثبوت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ یعنی اے مومنو ! عدم کو مطلقاً اپنی طرف منسوب کرو بایں معنیٰ کہ یہ نفوس من حیث ھی ھی دائماً ازلاً ابداً سرمداً معدوم ہیں ان کو وجود سے موصوف کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اگر لفظاً انھیں وجود سے موصوف کیا جاتا ہے تو حق تعالیٰ کے فیضان جود کی وجہ سے۔ اور جسے اس طرح کا وجود حاصل ہوا سے من حیث الوجود موجود نہیں سمجھا جاتا جبکہ وہ من حیث ھی ھی دائماً مطلقاً معدوم ہو۔ فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا

واطیعوا پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اپنی استطاعت کے مطابق سنو اور اطاعت کرو۔ (انتہی کلام الشیخ) ؎

گر توئی جملہ در فضائے وجود

ہم خود انصاف دہ بگو حق گو

در ہمہ اوست پیش چشم شہود

چیست پنداری ہستی من و تو

پاک کن جامی از غبار دوئی

لوح خاطر کہ حق یکیست نہ دو

[ترجمہ: اگر فضائے وجود میں صرف تمہیں ہو تو انصاف سے بتاؤ اور حق بات کہو کہ چشم شہود میں تمام کائنات وہی ہے، تو پھر یہ من و تو کا گمان کیوں۔ اے جامی! دوئی کی غبار سے دل کی تختی کو صاف کر کے یہ عقیدہ رکھو کہ حق صرف ایک ہے دو کا عقیدہ رکھنا غلط ہے]

تفسیر عالمانہ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ یہاں پر السمٰوٰت سے اجرام علویہ اور الارض سے آثار سفلیہ مراد ہیں۔

ف: مروی ہے کہ زمین کی تخلیق سے پہلے اسی زمین والے مقام پر پانی ہی پانی تھا۔ کعبہ والی جگہ پر جھاگ کا ایک ٹکڑا جمع ہو گیا جو دُور سے ایک اُونچے سرخ ٹیلے کی طرح نظر آتا تھا اور یہ اتوار کا دن تھا۔ اس پانی کا بخار دھوئیں کی طرح آسمان کی طرف اٹھا تو وہی دھواں آسمان کی جگہ پر پہنچا۔ یاد رہے کہ زمین و آسمان کی درمیانی مسافت پانچ سو سال ہے۔ اسی طرح مشرق و مغرب کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے سبز موتی بنایا۔ اس سے آسمان پیدا فرمائے۔ پیر کے دن اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند، ستارے پیدا فرمائے۔ اس کے اسی کعبہ معظمہ والے مقام کے جھاگ[1] کے ٹکڑے سے زمین بچھائی گئی۔

بِالْحَقِّ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی حکمت بلیغہ اور مصلحت عظیمہ کے تحت ہوئی۔ یہ نہ سمجھنا کہ اس کی تخلیق عبث اور باطل محض ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا: ؎

انما الکون خیال

وھو حق فی الحقیقۃ

[ترجمہ: کائنات خواب خیال ہے لیکن درحقیقت وہی حق ہے]

---

[1] یہ نورانی جھاگ کا وہی ٹکڑا ہے جس میں ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کا خمیر مبارک تھا اس کی تفصیل پہلے گزری ہے اس سے خود سمجھیے کہ کعبہ کو ... نسبت ... نبی تو مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۲۰ اویسی غفرلہٗ

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے ارواح و اشباح کو اپنے افعال کا مظہر بنایا۔ ارواح و اشباح میں جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے ان سب کا حقیقی فاعل خود اللہ تعالیٰ ہے۔

تفسیر عالمانہ تَعٰلیٰ اللہ تعالیٰ مقدس، برتر اور بزرگ ہے۔ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ اس سے جو شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ حالانکہ جن چیزوں کو وہ مشرک ٹھہرا رہے ہیں وہ باطل محض ہیں، نہ ان میں تخلیق کی قدرت اور نہ ہی مارنے کے بعد زندہ اٹھانے کی طاقت۔

تفسیر صوفیانہ سالک پر لازم ہے کہ وہ ذاتاً و صفتاً و فعلاً اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرے اس لیے کہ وہی حجاب و وسائط کا خالق ہے لیکن وسائط سے نہیں بلکہ بالذات ہر شے کی تخلیق فرمائی جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مشتاق ہو اسے چاہیے کہ عمل صالح کرے اور صالح عمل یہ ہے کہ ہر عمل صرف رضائے حق کے لیے کرے اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ صوفیاء کرام ریاکار کو بھی مشرک کہتے ہیں۔

مرائی ہر کسے معبود سازد
مرائی را ازاں گفتند مشرک

[ترجمہ: ریاکار ہر کس کو معبود بناتا ہے اسی لیے بزرگانِ دین نے ریاکار کو مشرک کہا ہے]

تفسیر عالمانہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ اس سے صرف اولادِ آدم مراد ہے اس لیے کہ خود آدم تو تراب اور بی بی حوا ان کی دائیں پسلی سے پیدا ہوئیں۔ ان کی تخلیق نطفہ سے نہیں ہوئی۔ اسی لیے یہاں صرف وہ اولاد مراد ہوگی جو نطفہ سے پیدا ہوئی ہے مِنْ نُّطْفَۃٍ نطفہ سے مرد کا پانی مراد ہوتا ہے۔ (کذا فی القاموس) اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسے پانی سے پیدا فرمایا جو جماد محض تھا یعنی حس و حرکت اور فہم و ہیولیٰ سے فارغ جس کی نہ کوئی وضع تھی نہ شکل لیکن اس کے بعد اسے عقل و فہم سے نوازا گیا فَاِذَا ھُوَ پھر تخلیق کے بعد۔ یہاں پر فاء لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان تخلیق کے بعد فوراً ہی نسیان کے مرض کا شکار ہو گیا خَصِیْمٌ بمعنے بہت جھگڑالو۔ مُّبِیْنٌ اپنی دلیل کو ظاہر کرنیوالا یا جھگڑنے کرنے میں ایسا ظاہر ہو کہ جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں یعنی اپنے مطلب کے لیے ایسا مناظرہ و مجادلہ کہ جس طرح بن پڑے اپنے مقصد و مطلب کو دلائل (حقہ یا باطلہ) سے ثابت کر دکھلائے۔

مسئلہ: تکملہ میں مرقوم ہے کہ آیت میں عموم ہے یعنی ہر انسان فطرۃً ایسے ہی ہے۔

شانِ نزول المہدوی سے منقول ہے کہ آیت میں الانسان سے ابی بن خلف الجمحی مراد ہے کیونکہ وہ ایک دفعہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بوسیدہ ہڈی لایا اور عرض کی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ! کیا آپ کا یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرے گا۔ اس کے سوال پر یہی آیت نازل ہوئی۔ سورہ یٰسٓ کی آخری آیت کا بھی یہی مفہوم ہے اور اس کے نزول کے لیے بھی یہی قول ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوگا کہ

انسان ابتداء میں جماد محض تھا پھر ہم نے اسے حس اور نطق بخشا اب ہمارے ساتھ جھگڑا کرتا ہے کیا اسے اتنا بھی شعور نہیں کہ ہم نے اسے ابتداءً پیدا فرمایا جبکہ اسے فہم و عقل نہیں تھا، کیا اب ہم اس کے اعادہ پر قدرت نہیں رکھتے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے انسان کو ایک مردہ نطفہ سے بنایا جبکہ اسے اپنے وجود کا علم نہ تھا جب اسے علم و قدرت نصیب ہوئی تو اپنے خالق کے ساتھ مقابلہ کرنے لگا اور اپنی ہستی کو اس کی ہستی کے بالمقابل کھڑا کر دیا اور وجود و افاعیل میں اس کے ساتھ شریک ہونے کا مدعی بن بیٹھا۔

مسئلہ: انسان کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ عادةً وقاحت و جہل و تمادی فی کفران النعمۃ میں حد سے تجاوز کر جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حق نے فرمایا کہ انسان کو نطفہ اور مٹی سے پیدا کیا گیا اسی لیے اس میں کبر و غرور کا ہی صدور ہوتا ہے حالانکہ وہ بقول عامۃ العلماء نطفہ منی پلید سے پیدا کیا گیا ہے اسے اپنی حقیقت پر نگاہ رکھ کر تواضع و انکسار کو اختیار کرنا چاہیئے تھا۔ ؎

اگر مردی از سر بدر کن منی ۔۔۔ نہ در ابتدا بودی آب منی

[ترجمہ: اے انسان کیا تو ابتداء میں ایک قطرہ نہیں تھا اگر تو جوانمرد ہے تو اپنے سر سے غرور و تکبر کو نکال دے۔]

فضلات[1] مبارکہ طیب و طاہر تھے

انسان العیون میں ہے کہ:

ان فضلاتہ صلی اللہ علیہ وسلم طاہرۃ انتہی۔ ۔۔۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ طیب و طاہر ہیں۔

اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات سے ہے جیسا کہ کتب سیر میں علمائے محدثین و فقہائے محققین نے تصریح کی ہے۔ اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نطفہ مبارک کو سمجھنا آسان ہوگیا یعنی وہ بھی طیب و طاہر ہے کہ وہ فضلات سے حکم میں خفیف تر ہے [کیونکہ فضلات نجاست غلیظہ اور منی نجاست خفیفہ ہے یعنی عوام انسان کا یہ حکم ہے اس سے صاحب روح البیان قدس سرہٗ کا مقصد یہ ہے کہ جب باتفاق علماء الفقہاء والمحدثین رحمہم اللہ تعالیٰ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ طیب و طاہر ہیں تو منی مبارک کا پاک ہونا بطریق اولیٰ ہوگا افسوس ہے کہ ہمارے دور کے بعض لوگ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ کو پلید اور نجس کہتے ہیں ہاں یہ چیزیں امت کے لیے تو طیب و طاہر ہیں لیکن ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ نزاہت و طہارت میں ارفع اعلیٰ ہیں اسی ۔۔۔ صرف اور صرف آپ کی ذات کے لیے فضلات وغیرہ طیب و طاہر ہوں گے اسی وجہ سے آپ ان اشیاء سے کپڑوں وغیرہ کو دھلواتے تھے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ اشیاء عوام الناس کے لیے طیب و طاہر تھیں لیکن آپ نے اپنے سے دھونے کا حکم صادر فرمایا تا کہ احکام شرعیہ کا اجراء ہو۔[2]]

---

[1] پیشاب و پاخانہ وغیرہما کو کہا جاتا ہے ۱۲

[2] یہ فقیر اویسی غفرلہٗ کا اضافہ ہے ۱۲ ۔۔۔ اویسی غفرلہٗ

حکایت اہل ریاضت محققین یعنی ایک توحیدی ولی کامل کی حکایت مشہور ہے کہ ان کے فضلات سے بدبُو کی بجائے خوشبو مہکتی تھی (جیسے حضور اکرم علیہ السلام کے فضلات مبارکہ کے متعلق بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ جہاں قضا حاجت فرماتے ہیں وہاں خوشبو ہی خوشبو ہوتی ہے اور وہاں کوئی شے بھی نہیں ہوتی آپ نے فرمایا کہ انبیاءؑ علیہم السلام کے خمیر بہشتی ہوتے ہیں اُس لیے ان کے فضلات میں خوشبو ہوتی ہے اور انہیں زمین نگل جاتی ہے (خصائص کبریٰ)

ردّ وہابیہ دیوبندیہ اس حدیث مبارک کو مارکر سرے سے مانتے نہیں اور پھر اولیأ کرام کی مذکورہ بالا کرامت تو سنتے ہی ہمیں وہی کہتے ہیں جسے سب جانتے ہیں ہماری بات تو وہ سننے کے لیے تیار نہیں ہم صاحب رُوح البیان کی تصریح دکھاتے ہیں ع

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے مری بات

و ذالك ليس ببعيد لصفوة باطنهم و سريان آثار حالهم الى جميع اعضائهم و اجزائهم فهم من النطفة صورة و من النور معنى و ليس غيرهم مثلهم لان معناهم ظهر فى صورة الوجود فغابوا من الغيبة ووصلوا الى عالم الشهود بخلاف غيرهم من ارباب الغفلة

اور یہ عقلاً بعید نہیں کیونکہ ان کے باطن صاف وشفاف ہوتے ہیں اور ان کے حال کے اثرات ان کے جملہ اعضأ و اجزا میں پھیل جاتے بظاہر ان کی پیدائش نطفے سے اور معناً نور سے ہوتی ہے۔ ان کا غیر ان جیسا نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ان کا معنیٰ ظاہری وجود کی صورت میں ظاہر ہوا۔ وہ غیب سے غائب ہو کر شہود سے واصل ہو چکے ہیں بخلاف اربابِ غفلت کے کہ وہ دائماً غیبوبۃ میں ہیں۔

[مذکورہ بالا عبارت کو غور سے پڑھیے صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ اولیاء کرام کے ظاہری اجسام کو بھی نور بتائے جا رہے ہیں اور یہاں وہابیوں کا یہ حال ہے کہ حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو نور نہیں مانتے بلکہ ماننے والوں کو مشرک اور بے دین کہتے ہیں][1]

سبق :[صاحبِ روح البیان حضرت مولانا اسمٰعیل حقی البروسوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ][2] اگر تمھیں ایسے مراتب کی تمنا ہے تو تمھیں عمل میں اخلاص کرنا چاہیے اور ریأ وجدل وجدال کو ترک کر دینا لازم ہے اس لیے کہ ایسے بدبخت سرکش منکر کو توحید کی حقیقت

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی غفرلہٗ ۱۲ [2] ایضاً [3] صاحبِ روح البیان تو منکرِ شانِ اولیاء کو حقیقتِ توحید سے کوسوں دور بتاتے ہیں لیکن ہمارے دور کے منکر انکار کے باوجود خود کو توحید کے ٹھیکیدار اور دوسروں کو مشرک گردانتے ہیں ع

عجب رنگ ہیں زمانے کے

اویسی غفرلہٗ

کبھی نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ حقیقۃً توحید سے کوسوں دور ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالْاَنْعَامَ نعم کی جمع ہے کبھی اس کی عین کو ساکن کرکے پڑھا جاتا ہے اس سے اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ مراد ہوتی ہے۔ ان چاروں اجناس کے نر مادہ کو ملا کر انھیں ازواج ثمانیہ سے موسوم کیا جاتا ہے اس لیے کہ ہر نر کو اپنے مادہ کی وجہ سے اور ہر مادہ کو اپنے نر کی وجہ سے زوج کہا جاتا ہے۔ اس معنے پر بکری کا نر مادہ، بھیڑ کا نر مادہ، اونٹ کا نر مادہ، گائے کا نر مادہ ازواج ثمانیہ ہوں گے۔ اس اصطلاح کی بنا پر گھوڑا، خچر، گدھا انعام کی تعریف سے خارج ہوں گے۔ ویسے انعام کا اطلاق زیادہ تر اونٹوں پر ہوتا ہے۔ اور یہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ خَلَقَهَا لَكُمْ اس کا مفسر ہے۔ یعنی اے بنی آدم! ان جانوروں کو تمہارے منافع و مصالح کے لیے پیدا کیا گیا ہے بلکہ تمام مخلوقات کو تمہارے منافع و مصالح کے لیے پیدا کیا گیا۔ چنانچہ خلق لکم ما فی الارض جمیعا اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح یہ آیت: سخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منہ۔ اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا۔ کما قال:

واصطنعتك لنفسی۔ اور میں نے تجھے اپنی ذات کے لیے پیدا فرمایا۔

اسی سے معلوم ہوا کہ انسان صفاتِ الٰہی کا آئینہ اور اسمائے حق کی تجلیات کا مرکز ہے۔

فِيهَا دِفْءٌ ان میں تمہارے لیے گرم کپڑے ہیں یعنی ان کی اُون اور بالوں سے گرم کپڑے تیار کیے جاتے ہیں۔ در اصل دِفْءٌ، حدۃ البرد [سخت سردی] کی نقیض ہے بمعنی موٹی اور گرم چیز۔ عرف میں ہر وُہ کپڑا جس کے استعمال سے سردی دُور کی جا سکے، وہ بکری کے بالوں سے ہو یا بھیڑ کی اُون سے یا اونٹ وغیرہ کے بالوں سے۔

مسئلہ: چمڑے کو دباغت کے بعد لباس وغیرہ کے کام میں لانا جائز ہے چمڑا چاہے کسی جانور کا ہو۔ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے درندوں کے چمڑے سے لباس وغیرہ تیار کرنے کو مکروہ کہا ہے۔

مسئلہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ مبارک فنک کا تھا جسے آپ اعیاد میں استعمال فرماتے تھے۔

ف: الفنك بفتحتین ایک جانور ہے جس کی فروہ بہترین ہوتی ہے وہ ہر مزاج کے لیے موزوں ہوتی ہے۔ (کذا فی القاموس)

ف: سردی سے بچنا ہم جیسے عوام کے لیے ہے ورنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر آگ نہیں سینکی۔ اسی طرح بعض صحابہ کرام و اولیاء عظام [رضی اللہ عنہم و رحمہم اللہ تعالیٰ] کے متعلق منقول ہے اس لیے کہ باطنی حرارت کی وجہ سے انھیں ظاہری حرارت کی ضرورت نہ تھی۔ حضرت صائب قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

جمعے کہ پشت گرم بعشق ازل نیند
ناز سمور و منت سنجاب می کشند

[ترجمہ: جنھیں عشقِ ازل نصیب نہ ہو وہی سمور و سنجاب کے محتاج ہوتے ہیں]

وَمَنَافِعُ جانوروں کی نسل، ان کا دُودھ، ان کی سواری، انھیں کھیتی کے کام میں لگانا اور بیچ کر ان کا ثمن کھرا کرنا، اور

انھیں کرایہ پر دے کر پیسے کمانا، یہ تمام منافع انسان کے لیے ہیں۔ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ یہ مِن تبعیضیہ ہے۔ یعنی حلال جانوروں کی بھی وہ چیزیں کھاتے ہو جو کھانے کے لائق ہیں جیسے گوشت اور چربی وغیرہ۔ وہ اشیا جو حلال جانوروں کی نہیں کھائی جاتیں،

۱۔ غدہ ۲۔ قبل ۳۔ دبر ۴۔ ذکر ۵۔ خصیتین ۶۔ مرارہ ۷۔ مثانہ ۸۔ نخاع الصلب

۹۔ ہڈیاں ۱۰۔ خون۔ کیونکہ یہ حرام ہیں۔

ف : اس میں ظرف کی تقدیم فاصلہ کی رعایت کے لیے ہے اور اس لیے کہ کھانے کی چیزوں کو جانوروں میں سے عموماً معاش میں تقدیم حاصل ہے۔ اور پرندوں کا گوشت بھی کھانے کے کام آتا ہے لیکن ان سے مقصود علاج ہے اگرچہ انھیں کھانے کے طور پر بالعموم استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح صید البر والبحر کا معاملہ ہے کہ ان کے گوشت سے دوا اور لذت وغیرہ مطلوب ہے۔ اس تقدیر پر یہ قصر اضافی ہے یہ نسبت دوسرے حیوانات کے۔ یہاں تک کہ یہ سوال بھی رفع ہو گیا کہ روٹی وغیرہ بھی تو کھانے کے کام آتی ہے تو پھر یہاں کھانے کو صرف اَنعام (مخصوص جانوروں) کے ساتھ کیوں مختص کیا گیا ہے۔

وَلَكُمْ فِيهَا اور تمہارے لیے ہیں مذکورہ تمام حیوانات اور ان کے منافع وغیرہ جَمَالٌ لوگوں کی نظروں میں زیب وزینت اور ان کے ہاں وجاہت کی وجہ سے۔ حِينَ تُرِيحُونَ جب تم شام کے وقت انھیں چراگاہوں سے گھر کی طرف لیجاتے ہو۔ تریحون' اراحۃ' سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب جانوروں کو چراگاہ سے شام کے وقت واپس گھر لایا جائے۔ المراح بالضم المیم بمعنے موضع اراحۃ الابل والبقر والغنم۔ الاراحۃ سے مشتق ہے بمعنے شام کے وقت اونٹ، گائے، بکری کو واپس لانا۔ وَحِينَ تَسْرَحُونَ اور جب تم انھیں صبح کے وقت چراگاہ میں لیجاتے ہو۔ یعنی گھروں سے نکال کر چراگاہوں کی طرف لے جانے کے وقت بھی تمھارے لیے زیب وزینت بنتے ہیں۔ یہ سرح الراعی الابل سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب جانوروں کو چرانے کے لیے لیجایا جائے یا انھیں چراگاہ کی طرف روانہ کیا جائے۔

ف : تہذیب المصادر میں ہے کہ السروح بمعنے جانوروں کو چرانا۔ اور سرح لازم اور متعدی دونوں طرح مستعمل ہے۔ سَرَحَتِ الْمَاشِيَةُ [جانور چرے] اور سَرَحْتُ الْمَاشِيَةَ [میں نے جانوروں کو چرایا] دونوں طرح جائز ہے۔

سوال : جانوروں کا زیب وزینت بنا صرف ان دو وقتوں میں کیوں؟

جواب : جانوروں کے چرواہے عموماً جانوروں سے انہی اوقات میں اپنے گھروں کے صحنوں کو مزین کرتے ہیں اور سوار ہو کر باہر جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو زیب وزینت کا سبب بتایا گیا ہے (کما فی القاموس) اور پھر جانوروں کی عادت ہے کہ وہ آتے جاتے وقت شور مچاتے ہیں بالخصوص بکریاں اور بھیڑیں تو بہت زیادہ شور کرتی ہیں۔ عربی میں بھیڑ بکریوں کے شور کو الثغاء سے اور باقی تمام جانوروں کے شور کو الرغاء سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ مالکوں کو ایسے اوقات میں جانوروں کے شور کرنے سے خوشی ہوتی ہے بلکہ اسے وہ اپنی عزت وعظمت سمجھتے ہیں۔ اور عوام کی نظروں میں ایسے لوگ معزز ومکرم اور معظم و محترم سمجھے جاتے ہیں اسی لیے انھیں عرف عام میں مالدار کہا جاتا ہے۔ ہاں چراگاہ میں جانوروں کو زیب وزینت کا سبب نہیں

بنایا وہ صرف اس لیے کہ اس وقت دیکھنے والے عموماً نہیں دیکھتے اور نہ ہی جانوروں کو اپنے رہنے کی جگہوں میں دیکھ کر زیب زینت کا سبب سمجھتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ زیب و زینت ان دونوں اوقات میں اور مالک کے گھر کے آگے رہنے سے ہے اور بس۔

نکتہ: سرح پر اراحۃ کی تقدیم اسی لیے ہے کہ اس میں زیب و زینت زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اراحۃ میں غیبوبۃ کے بعد حضور ہوتا ہے اور اس وقت سیر ہو کر دودھ سے پُر اور پیٹ بھرے ہوئے لوٹتے ہیں۔ اسی لیے اُن کا یہ منظر اچھا ہوتا ہے۔

حل لغات: جمال بمعنے الحسن فی الخلق والخلق عادات۔ اور جسم کے حُسن کو جمال کہا جاتا ہے۔ التجمل بمعنے التزین۔ اہلِ عرب کہتے ہیں: جَمَّلَہٗ بمعنے زَیَّنَہٗ۔ حدیث شریف میں ہے:

جمال الرجل فصاحۃ لسانہ۔ زبان کی فصاحت انسان کی زینت ہے۔

اور فرمایا:

الجمال صواب المقال والکمال حسن الفعال۔ صحیح اور سچ بولنا انسان کا جمال اور اچھے اعمال اس کا کمال ہے۔

بہایم خموشند و گویا بشر
پراگندہ گوئے از بہایم بتر

[ترجمہ: جانور خاموش اور انسان بکنے والا، جانوروں سے بدتر ہے]

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ۔ ثقل (بفتح الثاء والقاف) کی جمع ہے بمعنے مسافر کا مال متاع اور اس کے خدام و حشم۔ یعنی وہ جانور تمہارے مال و متاع اور اسباب کا بوجھ اٹھاتے ہیں اِلٰى بَلَدٍ دوسرے شہروں کی طرف خواہ وہ کتنے ہی دور ہوں۔ اس میں اہلِ مکہ کا یمن و شام کی طرف تجارت کے لیے آنا جانا بھی داخل ہے لَمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ جہاں تم خالی ہاتھ بھی نہیں پہنچ سکتے تھے یعنی اگر تم اونٹوں وغیرہ پر سوار ہو کر نہ جاتے تو تم وہاں ہرگز نہ پہنچ سکتے تھے یا یہ کہ بفرضِ محال اگر اونٹ وغیرہ پیدا نہ کیے جاتے تو تم ان شہروں تک نہ پہنچ سکتے۔ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ۔ الشق (بالکسر والفتح) بمعنے کلفت و مشقت۔ یہ اعم الاشیاء سے مستثنیٰ مفرغ ہے جس کی عبارت دراصل یوں تھی: لم تکونوا بالغیہ بشئی من الاشیاء الا بشق الانفس۔ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ بے شک تمہارا رب تمہارے لیے بہت مہربان ہے اور تمہیں بڑے بڑے انعامات سے نوازتا ہے۔ یہ بھی اس کے رحم و کرم کی ایک علامت ہے کہ اس نے تمہارے لیے جانور پیدا فرمائے تاکہ ان سے منافع پاؤ اور اپنے امور میں سہولتیں حاصل کرسکو۔

حکایت و روایت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ کسی جنگ کو سر کرنے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں بعض صحابہ کرام

نے پرندے کے بچے اٹھا کر گود میں چھپا لیے وہ پرندہ بچوں کو حاصل کرنے کے لیے اڑ کر ان لوگوں کے ہاتھوں میں گرتا جنہوں نے ان کے بچے اٹھا لیے تھے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے صورت حال دیکھ کر فرمایا کہ تم پرندے کا حال دیکھ رہے ہو کہ وہ بچے کی وجہ سے کیسے جتن کر رہا ہے بخدا میرا رب اپنے بندوں پر اس پرندے سے کہیں زیادہ رحیم ہے ؎

فروماندگاں را برحمت قریب
تضرع کناں را بدعوت مجیب

[ترجمہ : عاجزوں کو اپنی رحمت سے قریب ہے زاری کرنے والوں کی دعا کو قبول کرنے والا ہے]

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو انسانوں کے منافع کے لیے پیدا فرمایا ہے تاکہ وہ ان کے صفات حیوانیہ ذمیمہ سے معلومات حاصل کر کے اپنے سے ان صفات کو دور کر کے صفات ملکیہ حمیدہ حاصل کریں تاکہ وہ ان گندے صفات سے احتراز کر سکیں اور ان کے مشابہ ہونے سے محفوظ ہو سکیں چنانچہ ایسے اوصاف والوں کے لیے ارشاد ربّ العزت ہے:

اولٰئك كالانعام بل هم اضل۔

اور انسان میں حیوانات کے صفات اس لیے پیدا کیے گئے ہیں تاکہ وہ ارواح کے بوجھ کو اٹھا کر انھیں جبروت کے شہروں تک لے جا سکیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ تیرا نفس تیری سواری ہے اس کے ساتھ نرمی کر۔

ف : اللہ تبارک تعالیٰ نے اُونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ پیدا کر کے انسان پر احسان عظیم فرمایا کہ ان سے انسان کو بہت سے فوائد اور منافع حاصل ہوتے ہیں۔

ناقۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیل حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی تھی جس پر آپ سوار ہوتے تھے اسے "الناقۃ القصوٰی" سے موسوم کرتے اور القصوٰی ہر اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے کان کٹے ہوئے ہوں اور الجدوی ہر وہ اونٹنی جس کا کان یا ناک کٹی ہو اور العضبا ہر وہ اونٹنی جس کے کان کٹے ہوں۔

ف : بعض محدثین نے فرمایا کہ یہ القاب اس کے ویسے ہی محبت سے رکھے گئے تھے نہ اس کی ناک کٹی ہوئی تھی نہ کان وغیرہ

ناقۂ رسول کے عجائبات یہ اونٹنی پہلے بالکل نہیں چل سکتی تھی حضور علیہ السلام کی برکت سے خوب چلتی تھی یہاں تک کہ تمام سواریوں سے آگے نکل جاتی تھی صحابہ اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ بات شاق گزری حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے جسے بلند کرتا ہے اسے گھٹاتا بھی ہے"۔ یہ وہی اونٹنی ہے جو حضور سرکار دو عالم کے وصال شریف کے بعد نہ کھاتی تھی نہ پیتی تھی یہاں تک کہ مر گئی، مروی ہے کہ قیامت کے دن بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس اونٹنی پر سوار ہو کر میدان حشر میں تشریف لائیں گی۔

اونٹ کے عادات شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اونٹ میں بہت بڑا حوصلہ ہے جہاں تک کہ ایک بچہ بھی اسکی ناک میں نکیل ڈالکر جہاں چاہے لے جاسکتا ہے اگرچہ سینکڑوں میل تک لے جائے سر جھکا کر چلتا رہتا ہے کسی تعلم پر بھی خلاف ورزی نہیں کرتا ہاں جہاں دیکھتا ہے کہ نقصان ہوگا تو اسے جتنا جبراً لیجانا چاہو نہیں جائے گا یہاں تک کہ نکیل توڑ کر بھاگ جائے گا۔

ف : دشمن کے ساتھ جتنا احسان ومروت کرو وہ بجائے نرم پڑنے کے اپنے مقصد میں مزید طمع ولالچ کرے گا

کسے کہ لطف کند با تو خاک پایش باش

وگر خلاف کند در دو چشمش آگن خاک

سخن بلطف وکرم با درشت گوئے مگوئے

کہ زنگ خوردہ نگردد بنرم سوہان پاک

[ترجمہ : اگر تیرے ساتھ کوئی شخص لطف وکرم کرے تو اس کے پاؤں کی مٹی ہوجا اگر وہ تیری خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کی دونوں آنکھوں کو مٹی سے بھردے کسی سے بات کرو تو نرمی سے اگر سختی سے گفتگو کرتا ہے تو سرے سے نہ بولو اس لیے کہ جس لوہے پر زنگ چڑھ جائے وہ سوہان سے بھی صاف نہ ہوگا]

اُونٹ کے خواص حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ اونٹ کی اُون جلاکر راکھ کو بہتے خون پر ڈالا جائے تو خون رُک جائے گا۔ وہ قراد جو اُونٹ سے چمٹا ہوا ہوتا ہے اسے عاشق کے بازوؤں میں باندھا جائے تو اس کا عشق زائل ہوجائے گا۔ اونٹ کا گوشت قوتِ باہ کے لیے مفید ہے۔

بقرہ کے فوائد البقر' بقرٌ سے مشتق ہے بمعنے شقٌ۔ چونکہ بقرہ کھیتی کے لیے زمین کو چیرتی ہے اس لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور حضرت محمد بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم کو باقر اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کو جملہ علوم حاصل تھے اور آپ ہر علم میں حظ وافر رکھتے تھے۔

اعجوبہ اگر تم تجربہ دیکھنا چاہو تو ایک گھڑا زمین میں دفن کر دو اور اس کا اوپر والا حصہ [منہ] زمین کے باہر ہو اور اس کے اندرونی حصّے کو گائے کی چربی مل دو۔ پھر دیکھیے کہ وہاں کے تمام کیڑے مکوڑے اُس گھڑے میں جمع ہوجائیں گے۔

بچھو مار دوا گائے کی چربی کو گندھک سے ملاکر جس گھر میں دھواں دیا جائے تو گھر سے تمام موذی کیڑے مکوڑے بالخصوص بچھو وغیرہ بھاگ جائیں گے۔

ف : رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں کہ آپ نے گائے کا گوشت کھایا ہو اس لیے کہ اس کا گوشت تنبیہ کو نقصان دیتا ہے اور آپ کا اپنی ازواج مطہرات کے لیے گائے کو قربانی میں ذبح کرنا کھانے کے منافی نہیں۔ (کما انسان العیون)

ف: بزرگوں کا فرمودہ ہے کہ تین اشخاص کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

۱۔ انسانوں کو بیچنے والا۔

۲۔ درختوں کو کاٹنے والا۔

۳۔ گائے ذبح کرنے والا۔

ف: اس سے وہ قصاب مراد ہے جو پیشہ کے طور پر کام کرتا ہے۔

فائدہ طبیہ: حضور اکرم نے فرمایا کہ گائے بھینس کا دودھ مکھن خوب کھاؤ پیو لیکن ان کے گوشت سے بچو اس لیے کہ ان کے دودھ مکھن میں شفاء اور ان کے گوشت میں بیماری ہے [سب کے لیے نہیں بعض افراد کے لیے]

مسئلہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کی طرف سے قربانی کے لیے گائے ذبح فرمائی۔ (کذا قال الامام السخاوی)

نکتہ: گائے بھینس کا گوشت بیماری کا موجب صرف اہلِ عرب اور اس جیسے اور ان ممالک کے لیے ہو سکتا ہے جن کی آب و ہوا خشک ہے اس تقریر سے ثابت ہوا کہ حدیث مذکورہ مخصوص عنہ البعض ہے۔

ف: یہی تاویل مستحسن ہے ورنہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا جواب ہو گا کہ اگر معاذ اللہ گائے بھینس کا گوشت ایسا ردی اور ناکارہ ہے تو پھر آقائے انام صلی اللہ علیہ وسلم قربت خداوندی کے لیے عید قربان میں اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے ہرگز ذبح نہ فرماتے جب کہ آپ خود اسے بیماری فرما رہے ہیں۔

ف: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے گائے کی قربانی بیان "جواز" کے لیے کی ہو۔

ف: اس وقت سوائے گائے کے اور کوئی جانور میسر نہ ہوا ہو گا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بھیڑ بکریوں کے بال اور اُون سنگار اور ان کا دودھ مکھن وغیرہ معاش ہے یعنی ان کے بالوں اور اون سے بہترین لباس بنتا ہے یعنی ان کے ظاہر سے ایسی چیزیں تیار ہوتی ہیں جو زیب و زینت سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کے پیٹ کے اندر یعنی دودھ مکھن معاش کا سبب ہیں یعنی انسانی زندگی کی معاونت کرتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اغنیا کو بکریاں اور فقرا کو مرغیاں پالنے کا حکم فرمایا اور فرمایا مرغیاں اور بکریاں میری غریب امت کے لیے ہیں اور جمعہ ان کے لیے حج ہے اور جب اغنیا بھی بکریاں پالنے لگیں تو اللہ تعالیٰ اس علاقے کو تباہ و برباد کرتا ہے [پناہ بخدا]

حدیث شریف میں ہے کہ بکریوں کو پالو اس لیے کہ ان میں برکت ہے۔

نکتہ: حیوۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ بکریوں میں برکت اس لیے کہ یہ سال میں ایک دفعہ بچہ جنتی ہیں پھر دیکھیے کہ ملک میں روزانہ کتنا ذبح ہوتی ہیں لیکن مجال ہے کہ ان میں کوئی کمی آ جائے بخلاف درندوں کے کہ ان کے بعض ایسے بھی ہیں کہ سال میں چھ سات بچے جنتے ہیں لیکن

روئے زمین پر خال خال نظر آتے ہیں۔

حضور کی بکریاں چرانے والی بی بی

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سو بکریاں اور سات اعنز تھے جنہیں بی بی ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا چراتی تھیں۔

مسئلہ: حضور علیہ السلام کی ایک مخصوص بکری تھی جس کا صرف آپ دودھ نوش فرماتے تھے اور جب وہ مرگئی اور اسے ذبح نہ کیا جاسکا تو آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اس کے چمڑے کا کیا ہوا عرض کی گئی کہ بکری پر چونکہ چھری نہیں پھیری جا سکی اسی لیے ہم نے اسے مردار سمجھ کر ایسے ہی پھینک دیا آپ نے فرمایا کہ ایسے جانوروں کے چمڑے دباغت (رنگنے) سے پاک ہوجاتے ہیں۔

کبش کا جگر جلاکر اس کی رطوبت دانتوں پر مل دیا جائے تو دانت سفید ہوجاتے ہیں اور اس کے سینگ جس درخت کے نیچے دفن کیے جائیں تو وہ بہت زیادہ پھلدار ہوگا اور اگر کوئی عورت نعجہ (دُنبی) کی اون اپنے پاس رکھے تو وہ حاملہ نہ ہوسکے گی اگر کسی برتن کو سفید بھیڑ کی روں سے ڈھانپا جائے اور اس برتن میں شہد رکھی جائے تو چیونٹیاں وغیرہ اس میں داخل نہ ہوں گی۔

وَالْخَيْلَ اس کا عطف الانعام پر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے گھوڑے۔ الخیل، الابل کی طرح اسم جنس ہے۔ اس کا اپنے لفظ سے کوئی واحد نہیں۔ گھوڑے دو قسم کے ہوتے ہیں:

۱۔ عتیق

۲۔ ہجین

ان دونوں میں مختلف طور پر فرق ہے۔ برذون کی موٹائی عام گھوڑے کی موٹائی سے زیادہ ہے اور عام گھوڑے کی موٹائی برذون سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور برذون عام گھوڑے سے اجل ہے اور عام گھوڑا برذون سے تیز تر دوڑتا ہے۔

عتیق بمنزلہ ہرن کے ہے اور برذون بمنزلہ بکری کے ہے۔ عتیق وہ ہے جو ماں باپ سے عربی ہو۔ اسے عتیق بھی اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ عیوب وطعن سے پاک ہے اور اس کا ماں باپ کی طرف سے کوئی نقص نہیں۔ اور کعبہ معظمہ کو بھی عتیق اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ کسی کی ملکیت نہیں۔ اور ملکیت بھی ایک نقص ہے اور وہ اس نقص سے پاک ہے۔

ہجین وہ ہے جس کا باپ عربی اور ماں عجمی ہو۔

ف: گھوڑے کو جنوب کی ہوا سے پیدا کیا گیا ہے اور وہ آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے پیدا ہوا۔ اس لیے کہ تمام دواب

خمیس کے دن پیدا ہوئے اور آدم علیہ السلام جمعہ کے روز عصر کے بعد پیدا ہوئے۔

ف: گھوڑا گھوڑی سے پہلے پیدا ہوا آدم علیہ السلام کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے کیونکہ وہ بی بی حوا سے پہلے پیدا ہوئے۔

ف: گھوڑے پر سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام سوار ہوئے دراصل یہ بھی وحشی جانور تھا اسی لیے اسے العراب کہا جاتا ہے

حدیث شریف

حضور علیہ السلام نے فرمایا گھوڑے کی سواری اختیار کرو اس لیے کہ وہ تمھارے دادا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی میراث ہے اور یہ گھوڑا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تابع کیسے ہوا اور اس کا قصہ ہم نے سورۂ بقرہ تحت آیت و اذ یرفع ابراھیم القواعد میں تفصیل سے لکھا ہے۔

گھوڑوں سے محبت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کے بعد سب سے زیادہ محبت گھوڑوں سے تھی۔

ف: سکندر جب اندھیریوں سے گذر کر چشمۂ آبحیات میں پہنچنا چاہتے تھے۔ تو پوچھا کہ کون سا جانور تیز بینائی رکھتا ہے لوگوں نے دریافت کیا کہ گھوڑا تمام جانوروں سے تیز بینائی رکھتا ہے پھر پوچھا نر تیز ہے یا مادہ لوگوں نے کہا مادہ پھر پوچھا مادئیوں میں کونسی مادہ۔ تو لوگوں نے کہا بالکرایہ سن کر سکندر نے اپنے لشکر میں چھ ہزار گھوڑیاں جمع کر لیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں کی تعداد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سات گھوڑے تھے:

۱۔ الکسب ـــــ اسے کسب اس لیے کہتے کہ یہ بہت تیز رفتار تھا۔ اسے کسب الماء والصبابہ سے تشبیہ دی گئی۔

۲۔ المرتجز ـــــ یہ بہت اچھا ہنہناتا تھا اس وجہ سے اسے المرتجز کہا جاتا۔ یہ الرجز سے ماخوذ ہے۔ اور الرجز شعر کی ایک قسم ہے۔

۳۔ اللحیف ـــــ جیسے امیر یا زبیر۔ اس کی دم لمبی تھی اور زمین ڈھانپتی تھی۔ گویا وہ زمین پر بچھا ہوا تھا۔ لحاف سے مشتق کر کے اسے اللحیف کہا جاتا۔ بعض نے حاء مہملہ کے بجائے خاء منقوطہ سے پڑھا ہے اور وزن وہی بتایا جیسے امیر یا زبیر۔

۴۔ اللزاز ـــــ یہ لاززتہ سے ماخوذ ہے بمعنے لاصقتہ۔ چونکہ وہ اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے اپنے مطلوب کو جلد پا لیتا تھا اس بنا پر اسے اللزاز سے تعبیر کیا گیا۔

۵۔ الورد ـــــ وہ کمیت اور اشقر کے مابین واقع تھا۔ الکمیت بروزن زبیر۔ وہ گھوڑا جس میں سخت سرخی کی ملاوٹ ہو۔ اور الاشقر ہر وہ جانور جو سرخی اور گیرو رنگ سے ملاوٹ رکھتا ہو۔ اور عوام اسے اشقر کہتے ہیں جس کی سفیدی سرخی پر غالب ہو۔

۶۔ الظرف بکسر الظاء المہملہ واسکان الراء والفاء بمعنے الکریم الجید۔ یعنی وہ گھوڑا جو بہترین اور اعلیٰ قسم کا ہو۔

۷۔ السبحة بفتح السین المهملہ واسکان الموحدۃ وفتح الحاء المهملہ ۔ یعنے تیز رفتار۔

حدیث شریف میں ہے کہ ہر رات گھوڑا یہ دُعا مانگتا ہے:

رب انك سخرتنی لابن آدم وجعلت رزقی فی یدہ اللّٰھم فاجعلنی احب الیہ من اھلہ وولدہ۔

اے اللہ! تو نے مجھے آدم زادوں کے تابع کیا اور میرا رزق بھی ان کے قبضے میں دے دیا تو اب ان میں اور ان کے اہل وعیال میں محبت پیدا فرما۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب دو لشکر آپس میں مقابلہ کے لیے آمنے سامنے ہوتے ہیں تو گھوڑا کہتا ہے: سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحُ۔

نکتہ: مروی ہے کہ بعض جانور اپنے سوار سے بہتر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ میں سوار کو غنیمت کے دو حصّے ملتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ گھوڑے کا ایک حصّہ ہوگا چاہے وہ عربی ہو یا عجمی "

کیونکہ قرآن مجید میں ہے: واعدوا لھم من استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل۔ الخیل مطلق ہے عربی ہو یا عجمی۔

اعجوبہ گھوڑے کی تلی (طحال) نہیں ہوتی اسی لیے وہ تیز رفتار ہے۔ ایسے ہی اُونٹ میں پتّہ نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے وہ بزدل ہے۔

اعجوبہ: گھوڑا بھی بنی آدم کی طرح خواب دیکھتا ہے۔

عُسرِ ولادت کا علاج: گھوڑے کی لیدکی دھونی دینے سے بچہ پیٹ سے بہت جلد نکل آتا ہے۔

ف: حافظ شرف دمیاطی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الخیل میں رقمطراز ہیں کہ جس گھر میں فرس عتیق ہو اس گھر میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔

ازالۂ وہم: جس روایت میں گھوڑے کو منحوس کہا گیا ہے اس سے وہ گھوڑا مراد ہے جو جہاد کے کام نہ آئے اور نہ ہی اسے کسی نیک کام میں استعمال کیا جائے۔

مسئلہ: جس نے جہاد اور نیک کام کے گھوڑے کی خاطر جَو صاف کر کے کھانے کے لیے اس کے آگے رکھے تو اسے ہر جَو کے مقابلہ میں دس نیکیاں نصیب ہوں گی۔

ف: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کو کون سا جانور محبوب تر ہے فرمایا گھوڑا۔ اسی لیے گھوڑا اولوا العزم پیغمبران علیہم السلام کی سواری رہا ہے۔

ف: ہود و شعیب و صالح وسیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سواری اونٹ تھی اور عیسیٰ وعزیز علیہما السلام کی سواری گدھا تھی اس لیے خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر مجھے گھوڑے سے کیوں پیار نہ ہو۔

وَالْبِغَالَ یہ بغل کی جمع ہے وہ گھوڑے اور گدھا کی نسل ہے ۔

ف : گھوڑے سے گدھی کو گابھن کرا کر خچر کی پیدائش کا آغاز سب سے پہلے قارون نے کیا اسی لیے خچر میں گدھے سا صبر اور گھوڑے جیسی قوت ہے سفروں میں بادشاہ عموماً اسی پر سفر کرتے تھے اور فقراء و مفلسین کی ضروریات زندگی اکثر اسی کے ذریعے سے ہوتی تھی۔

گستاخِ نبوت کا انجام

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کی لکڑیاں جمع کی جا رہی تھیں تو یہی خچر سب سے زیادہ تیز رفتاری سے لکڑیاں جمع کر رہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لیے بد دعا کی جس سے اس کا سلسلہ نسل منقطع ہوا اور نہ آپ سے پہلے اس سے اولاد پیدا ہوتی تھی ۔

ف : اس روایت سے معلوم ہوا کہ قارون کے واقعہ سے پہلے ہی خچر کی نسل کا انقطاع ہو گیا تھا کیونکہ ابراہیم علیہ السلام قارون سے پہلے ہو گزرے ہیں ۔

فائدہ طبیہ : نر گھوڑے کے کھُر جلا کر گھر میں دھونی دی جائے تو وہاں سے تمام موذی جانور اور چوہے وغیرہ بھاگ جائیں گے ۔ (کذا فی حیٰوۃ الحیوان)

ف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ خچر تھے :

۱۔ شہباء ۔ اسے دلدل بھی کہا جاتا ۔ یہ مقوقس والیِ مصر نے ہرقل کی جانب سے ہدیۃً بھجوایا تھا ۔ یہ دراصل القنفذ تھا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عام سفروں اور مدینہ طیبہ میں سوار ہوتے تھے ۔ دلدل بہت عرصہ تک زندہ رہا یہاں تک کہ اس کے دانت ٹوٹ گئے تھے تو اس کے لیے جَو کا دلیہ تیار کیا جاتا آخر عمر میں نابینا ہو گیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد یہ دلدل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضے میں آیا اسی پر سوار ہو کر آپ نے خوارج کے ساتھ جنگ کی تھی۔ ان کے بعد حضرت حسن اور حسین اور امام محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے اپنے دور میں سوار ہوتے رہے۔

سوال : آداب کے خلاف ہے کہ حضور علیہ السلام کی سواری پر سوار ہوں ۔

جواب : صرف طلب نصرت و فتحمندی کی نیت سے سوار ہوتے تھے ورنہ انہیں علم تھا کہ بزرگ کی سواری پر سوار ہونا اور ان کی مسند پر بیٹھنا اور ان کی زوجہ سے نکاح کرنا بے ادبی اور گستاخی ہے ۔ [یہی آداب ہم اہلسنت سکھاتے ہیں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی تھا وہ ہم اہلسنّت کو وراثۃً نصیب ہوا ہے]

۲۔ فضّہ بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خچر کا نام تھا ۔

۳۔ ایک اور تھا اس کا نام الایلیہ تھا ۔

۴۔ بادشاہ کسریٰ نے بھی ایک خچر ہدیہ بھیجا تھا ۔

۵۔ ایک دومۃ الجندل کی طرف سے پیش ہوا تھا ۔

۶- بادشاہ نجاشی نے بھی بھیجا تھا۔

وَالْحَمِيْرُ یہ حمار کی جمع ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے دو گدھے تھے،

۱- يَعْفُور

۲- عَفِيْرُ - عفرة بمعنے غبرة [یعنی خاکستری رنگ]

کتاب التعریف والاعلام میں مرقوم ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھا مبارک کا اسم عفیر تھا۔ اسے یعفور بھی کہا جاتا تھا۔

عاشقِ رسول کے عشق کی داستان مروی ہے کہ یہ یعفور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر میں حاصل ہوا تھا۔ گدھے نے حاضر ہو کر عرض کی کہ میرا نام زیاد بن شہاب ہے اور میرے آباؤ و اجداد کے ساٹھ افراد کو یہ شرف ملا کہ ان پر انبیاء کرام علیہم السلام سوار ہوئے۔ آپ بھی اللہ کے نبی پاک ہیں۔ [صلی اللہ علیہ وسلم] آپ مجھے اپنی سواری کے لیے مشرف فرمائیے۔ یہ گدھا زندگی بھر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر رہا۔ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ کے وصال کی تاب نہ لا کر کنوئیں میں چھلانگ لگا کر مرگیا۔

اعجوبہ: مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی صحابی کو اس کے گھر سے بلانا ہوتا تو اسی گدھے کو بھیج دیتے جب وہ اسی صحابی کے گھر پہنچتا تو سر مار کر اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا اسے سر کے اشارہ سے کہتا کہ آپ کو آقائے عالم مولائے کل صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرما رہے ہیں چنانچہ اس صحابی کو لے کر بارگاہ رسالت میں پہنچ جاتا۔

ف: تمام مخلوق سے ذلیل ترین گدھا ہے کسی شاعر نے کہا ہے

ولا يقيم على ضيم يراد به　　الا الاذلان عير الحى والوتد

هذا على الخسف مربوط برمته　　وذا يشبح فلا يرثى له احد

[ترجمہ: ظلم پر سوائے دو ذلیلوں کے اور کوئی صبر نہیں کرتا گدھا اور میخ اس کی ہڈیاں چور چور کی جاتی ہیں اور اسے دیوار میں گاڑا جاتا ہے اور ان کے مٹنے پر کسی کو افسوس نہیں ہوتا]

شرح البیت یعنی دنیا میں یہی دو چیزیں جو ظلم پر صبر کرتی ہیں گدھا اور میخ اور اس سے خبر دینا مطلوب۔ خلاصہ یہ کہ شاعر صبر علی الظلم سے روکتا، گدھے سے نفرت دلاتا اور اس سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: جو شخص اُونی [موٹے] کپڑے پہنتا، بکری کا دودھ دوہتا اور گدھے پر سوار ہوتا ہے اس کے دل میں تکبر اور بڑائی نہیں رہے گی۔

ف: [مذکورہ حدیث میں الاتن لفظ آتا ہے جس کی تشریح صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے یوں کی] الاتن جمع الاتان - بمعنے الحمارة [گدھی]۔

لِتَرْكَبُوْهَا جانوروں کے بڑے بڑے فوائد کے ساتھ ان کی تخلیق کی علت بتائی ہے ورنہ ان سے صرف سواری کا کام ہی نہیں لیا جاتا بلکہ ان پر بوجھ بھی لادا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ان سے بے شمار منافع حاصل ہوتے ہیں۔ **وَزِيْنَةً** اس کا عطف لترکبوھا کے محل پر ہے۔ اور اس کا منصوب ہونا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ہے اور الف لام سے اس لیے خالی ہے کہ یہ معلّل بہ فعل کے فاعل کا فعل ہے بخلاف لترکبوھا کے کہ اس کا فاعل راکب ہے اور راکب مخلوق ہے بخلاف زینۃ کے کہ وہ زائن کا فعل ہے اور زائن خالق باری تعالیٰ ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ فعل محذوف کا مصدر (مفعول مطلق) ہے عبارت دراصل تتزینوھا زینۃ تھی۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا انوکھا استدلال سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گھوڑے کی حرمت کی علت کا استدلال اسی آیت کے آخری جملہ سے کیا ہے طریقۂ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گھوڑے کے ذکر کے بعد فرمایا ہے کہ گھوڑے کی تخلیق صرف سواری اور زینۃ کے لیے ہوئی ہے اور بس بخلاف الانعام کے کہ وہاں رکوبُ وزینۃ کا ذکر نہیں اس سے معلوم ہوا کہ خیل، بغال، حمار کا گوشت حرام ہے۔ حالانکہ کھانے کا نفع تمام منافع سے قوی تر ہے (صاحب روح البیان نے فرمایا کیا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استدلال معقول ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر اپنی بڑی بڑی نعمتوں کے اظہار کے لیے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور حکیم وہ ہے کہ اپنی اعلیٰ نعمتوں کا ذکر کرے نہ کہ معمولی نعمتوں کا گھوڑا وغیرہ سے اعلیٰ نعمتوں کا مفہوم یونہی صحیح ہو سکتا ہے کہ ان سے رکوب وزینت اعلیٰ نعمت مطلوب ہے ورنہ اعلیٰ نعمت درحقیقت گوشت تھی گھوڑے وغیرہ میں اس کا ذکر نہ کرنا ہی اس کی حکمت کا تقاضا پورا ہو سکتا ہے کہ واقعی ان کا گوشت مطلوب نہیں ورنہ یہ حکمت کے خلاف ہے کہ اعلیٰ کا ذکر تو نہ ہو اور ادنیٰ نعمت کی تصریح ہو۔ (کذا فی المدارک)

مسئلہ: گھوڑے کی حلت کے متعلق امام یوسف وامام محمد وامام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خلاف ہے وہ حضرات اس کے حلال ہونے کے قائل ہیں (کذا فی بحر العلوم) تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اور ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں یعنی مخلوقات کے انواع مثلاً حشرات وہوام وطیور وحیوانات البحار ودجبل قاف کے ماوراء کی مخلوق کا تم کو کوئی علم نہیں۔

حدیث شریف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار امت پیدا فرمائی ان میں چھ سو دریائی اور چار سو بری ہے۔ اور مچھلی کی قسمیں تو ان گنت ہیں کہ ان کے اوّل وآخر کا علم نہیں وہ اس لیے کہ ان میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں بے شمار ہیں۔

حدیث شریف حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دنیا سے تیس گنا زائد اللہ تعالیٰ نے ایک سفید دھرتی پیدا فرمائی ہے۔ اور ان میں ان گنت مخلوق ہے کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں اور وہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی بھی کی جاتی ہے یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت میں مصروف ہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا وہ بھی ابنائے آدم ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ آدم علیہ السلام کون ہیں پھر لوگوں نے عرض کی کہ انہیں ابلیس گمراہ بھی نہیں کرتا آپ نے فرمایا انہیں ابلیس کا بھی علم نہیں پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیت ویخلق مالا تعلمون پڑھی (کذا فی البستان)

حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عرش کی دائیں جانب ایک نورانی نہر ہے جس کی چوڑائی

چودہ طبقات آسمان وزمین اور سات دریاؤں کے برابر ہے روزانہ ہر سحر کو اس میں جبریل علیہ السّلام غسل کرتے ہیں اس غسل کی وجہ سے ان کی نہایت اور جمال اور عظمت میں اضافہ ہوجاتا ہے جب نہر سے باہر نکلتے ہیں تو ان میں سے جو پانی کے قطرات گرتے ہیں ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ ایک ہزار اور فرشتہ پیدا فرماتا ہے انہی فرشتوں سے ستر ہزار فرشتے روزانہ بیت المعمور میں اور ستر ہزار مکہ معظمہ میں داخل ہوتے ہیں جنہیں قیامت تک پھر دوبارہ حاضر ہونا نصیب نہ ہوگا۔

حدیث شریف جب جہنم کو پُر کیا جائے گا تو بہشت کہے گی یا اللہ دوزخ کو تو نے جبارہ، فراعنہ، ملوک یعنی بڑے بڑے سرکش اور ظالم متکبر بادشاہوں سے پر فرمایا ہے اور میرے میں نہایت غریب، مسکین، ضعیف انسانوں کو بھیجا ہے اور وہ بھی قلیل مقدار ہیں جس سے ابھی میں پر نہیں ہوئی بہشت کی استدعا پر اللہ تعالیٰ نئے انسانوں کو پیدا فرما کر بہشت میں داخل فرمائے گا ایسے لوگ بڑے خوش قسمت ہیں کہ بلا تکلیف اور ذائقہ موت چکھے بغیر بہشت میں داخل ہوں گے (کذا فی بحر العلوم)

ف اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما اوتیتم من العلم الا قلیلا - یہ حال اس مخلوق کا ہے جو قلیل المقدار ہونے کے باوجود ان گنت اور غیر محصور ہے حالانکہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کے اسماء و افعال کے مظاہر ہیں اسی لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علوم کے بارے میں سکوت کا اظہار کرے اس لیے کہ انبیا علیہم السلام باوجودیکہ وہ علمی وسعت اور قلوب میں نورانیت حق میں بے نظیر تھے لیکن ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہار عجز کرتے تھے۔ پھر ہم تم کون ہیں جو کمزور و ضعیف ہونے کے باوجود علم کا دعویٰ کریں ؎

در محفلے کہ خورشید اندر شمار ذرہ است

خود را بزرگ دیدن شرط ادب نباشد

[ترجمہ: اس محفل میں جہاں سورج ایک قطرہ سے بھی کمتر ہے وہاں اپنے آپ کو بزرگ سمجھنا ادب کے خلاف ہے]

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ویخلق یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اندر پیدا فرمائے گا جبکہ تم جذبۂ الٰہی کے اپنے مستقر کی طرف رجوع کرو گے۔ مالا تعلمون رجوع الیہ سے پہلے کے امور یعنی نورِ الٰہی کے فیض کو بلا واسطہ قبول کرنا۔

نکتہ: سیدنا شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر رقم طراز ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خلافت کے لیے کسی کو صراحۃً اس لیے نامزد نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے بھی ہیں جو اس سے بلا واسطہ فیض حاصل کرتے ہیں انھیں بباطن خلیفۃ اللہ اور بظاہر خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے۔ وہ بندۂ خدا تابع بھی ہوتا ہے اور متبوع بھی اور سامع بھی ہوتا ہے اور مسموع بھی۔ دراصل وہ فیضِ الٰہی اسی معدن سے حاصل کرتا ہے جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی لانے والا فرشتہ حاصل کرتا ہے۔ بلکہ وہ بندہ اسی معدن سے فیضِ الٰہی پاتا ہے جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا واسطہ فیض پاتے ہیں۔ اسی کی طرف آیت ادعوا الی ا[illegible] [illegible] من اتبعنی میں اشارہ۔ [illegible] صرف فرق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری احکامِ الٰہی کے اضافہ کے قابل ہیں اور ولی اللہ کو یہ مرتبہ حاصل نہیں اس لیے کہ وہ نبوت کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ بنا بریں وہ

نبوت کے مرتبہ کو نہ پہنچنے کے سبب سے بہ نسبت نبی کے ناقص ہے۔

سبق غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے کاملین کو کتنا عظیم مرتبہ بخشا ہے کہ وُہ بلا واسطہ فیضِ الٰہی حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے قلوب کو اولیاء کاملین کی محبت اور خوش اعتقادی سے معمور فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے اور ان کی متابعت کی توفیق عطا فرمائے اور قیامت میں ہمیں ان کے ساتھ اور ان کے جھنڈے تلے اٹھائے اور جنت میں ہمیں ان کے رفقاء سے بنائے۔ [آمین]

تفسیر عالمانہ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ۔ القصد مصدر ہے بمعنے اسم فاعل ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے سبیل قصد و قاصد بمعنے مستقیم۔ چلنے والے کے حال کو اسی کی طرف اسناد کیا گیا ہے۔ گویا وہ راستہ چلنے والے کی طرح قصد کرتا ہے اور وہ اس سے روگردانی نہیں کرتا اور سبیل سے طریق مراد ہے۔ چنانچہ اس کی اضافت سے معلوم ہوتا ہے کہ سبیل بمعنے طریق ہو۔ اب اس جملہ کا معنیٰ یہ ہوا کہ بموجب رحمت اور بوجہ حتمی وعدہ کریمہ کے اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے ہم نے اس کا یہ ترجمہ اس لیے اختیار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں کہ وہ اپنے بندوں کو راہِ مستقیم بیان فرمائے۔ اور راہِ مستقیم سے توحید مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں کہ وہ توحید کے لیے دلائل قایم فرمائے اور رسل کرام علیہم السلام کو بھیجے اور کتب و صحائف نازل فرمائے تاکہ لوگ دعوتِ اسلام قبول کریں۔ وَمِنْهَا یہ محلاً مرفوع ہے بوجہ اپنے مضمون کے یا موصوف محذوف ہونے کی بنا پر مبتدا ہے۔ کیونکہ یہ در اصل عبارت بعض السبیل یا بعض من السبیل تھی۔ منها کی ضمیر السبیل کی طرف راجع ہے اس لیے کہ لفظ السبیل مذکر و مونث دونوں طرح مستعمل ہے۔

ف : لفظ سبیل و طریق و صراط تینوں مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں لیکن معنیً ان میں ایک لطیف فرق ہے وہ اس طرح کہ طریق وہ ہے جس پر چلنے والا چلے، اس پر چلنا معتاد ہو یا نہ۔ اور سبیل وُہ ہے جس پر عادۃً چلنے والے چلتے ہوں۔ اور صراط وُہ ہے کہ جس پر چلنے والے چلیں لیکن اس میں کسی قسم کا ٹیڑھا پن نہ ہو بلکہ بالکل سیدھا ہو جس میں چلنے والے کو بھٹک جانے کا معمولی خطرہ بھی نہ ہو۔ اس اعتبار سے صراط دونوں (طریق و سبیل) سے اخص ہے۔

جَآئِرٌ مائل عن الحق یعنی حق سے منحرف کہ جس پر چلنے والا کبھی منزلِ مقصود تک نہ پہنچ سکے۔ یعنی گمراہی کا راستہ کہ جس کی گنتی ہمارے امکان سے باہر ہے جیسے یہودیت، نصرانیت، مجوسیت اور باقی تمام کافرانہ ملل اور اہل ہوا و البدع [جیسے مرزائیت، نجدیت، وہابیت، رفض، پرویزیت، چکڑالویت، مودودیت، دیوبندیت وغیرہا]

مسئلہ : اس سے واضح ہوا کہ سیدھا راستہ صرف دینِ اسلام اور مذہب مہذب اہل السنت والجماعت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہِ مستقیم اور حُسنِ اعتقاد اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ٹیڑھے راستہ اور زیغ و زلل سے محفوظ فرمائے۔

ف : مرجع طریقۃ الجلوتیہ (بالجیم) حضرت شیخ محمود ہدائی الاسکداری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے ۲۲ رجمادی الآخرہ ۱۰۱۲ھ کی شب کو خواب میں اہلِ ادیان کے جھنڈوں کی صورتیں دیکھیں۔

۱۔ اہلِ اسلام کے جھنڈے کا نقشہ یُوں تھا ــــــ اور ان کا اللہ تعالیٰ سے استمداد کا طریقہ یہ ہے کہ عالمِ اعلیٰ سے فیض حاصل کریں جیسے ان کے مقتدائے کریم نے فیض حاصل کیا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ما زاغ البصر وما طغیٰ۔

۲۔ نصاریٰ کے جھنڈے کی صورت یوں تھی ــــــ یہی ان کے انحراف عن الحق کا نشان ہے۔

۳۔ یہود کے جھنڈے کی علامت یوں تھی ــــــ ان کا انحراف عن الحق' بالقلب ہے۔

وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں مذکورہ توحید کی ایسی ہدایت عطا فرمائے جو موصل الی المطلوب ہو اور وہی تم سب کے ہدایت یافتہ ہونے کو مستلزم ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا ہے اس لیے کہ اس کی مشیت اس کی حکمت کے مطابق ہوتی ہے اور مذکورہ طریق کے لیے حکمتِ ایزدی نہیں اس لیے کہ عالم دنیا کا دارومدار تکلیف وثواب وعقاب پر ہے اور یہ امور اختیار جزئی پر موقوف ہیں تاکہ اس پر سزا وجزا مرتب ہو سکے۔

ف : حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق کے لیے علم ہوتا کہ وہ اہلِ توحید ہو سکتے ہیں تو سب کو راہِ ہدایت عطا فرما دیتا۔

میرے [اسماعیل حقی] نزدیک یہی معنیٰ موزوں ہے اس لیے کہ علمِ الٰہی کا تعلق معلومات سے ہے۔ جملہ احوال کا ظہور ویسے ہوتا ہے جیسے اعیان کا تقاضا از علمِ الٰہی ہوتا ہے۔ مثلاً ایمان وکفر، طاعت وعصیان اور کمال ونقصان جس کی ذات کا تقاضا ایمان وطاعت وکمال کے لیے ہوتا ہے اور وہ عالمِ عینِ ثابتہ میں اس کا اہل تھا تو اللہ تعالیٰ اسے عالم دنیا میں اس کا علم دیتا ہے۔ جب وہ اسی کو اپنے اختیار جزئی سے حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہدایت چاہتا ہے اور جو اس کے برعکس ہوتا ہے تو اسی عالم عنصری میں پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہدایت نہیں چاہتا۔ اگر اس طرح نہ مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف آتا ہے اور وہ محال ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہُوں۔ ہدایت [تخلیقی] میرے ہاتھ میں نہیں بلکہ اگر ہدایت [تخلیقی] میرے ہاتھ میں ہوتی تو تمام رُوئے زمین پر کوئی کافر نہ ہوتا سب مسلمان ہو جاتے۔ بے شک ابلیس گمراہی کو اچھا کر کے دکھاتا ہے لیکن گمراہی اس کے ہاتھ میں نہیں کیونکہ گمراہی اگر اس کے ہاتھ میں ہوتی تو وہ تمام روئے زمین کے انسانوں کو گمراہ کر دیتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ (کذا فی تلقیح الاذہان)

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

مکن بچشم حقارت ملامت من مست
کہ نیست معصیت و زہد بے مشیت او

[ترجمہ : مجھ مست کو حقارت کے ساتھ ملامت نہ کر اس لیے کہ معصیت وزہد اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں ہے]

اور فرمایا :ـ

دریں چمن نکنم سرزنش بخود روے
چنانکہ پرورشم می دہند و می رویم

[ترجمہ : اس چمنِ دنیا میں میں کسی کو ملامت نہیں کرتا اس لیے کہ جیسی ہماری پرورش کی جاتی ہے ہم اسی طرح کرتے ہیں]

اور فرمایا :ـ

رضا بدادہ بدہ وز جبیں گرہ بکشائے
کہ بر من و تو در اختیار نکشادست

[ترجمہ : عطائے حق پر راضی ہو اور چیں بجبیں نہ ہو۔ اس لیے کہ میرے اور تیرے لیے اختیار نہیں کھولا گیا]

سبق : سالک پر لازم ہے کہ قیل وقال اور اعتزال وجدال کو ترک کرے اس لیے کہ رضا و تسلیم مقبولیت کا سبب ہے۔ اس کے خلاف حبیب کریم کا غضب لاتا ہے۔

حکایتِ حلاج ــــ گستاخی کی سزا

سیدنا شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر فرماتے ہیں کہ مشہد شریف کے شہر قرطبہ میں مقیم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آدم علیہ السلام سے لے کر حضور تاجدارِ انبیأ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کی اصلی صورتیں دکھائیں۔ ان میں سے حضرت ہود علیہ السلام مجھ سے مخاطب ہوئے اور مجھے انبیا علیہم السلام کے اس اجتماع کا سبب بتایا کہ ہم سب حلاج کی سفارش کے لیے حاضر ہوئے ہیں تاکہ حضور امام الانبیأ علیہ السلام انہیں معاف فرمادیں وہ اس لیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ دنیویہ کے بارے میں ایک گستاخی کی تھی۔ اس سے یہ گستاخی ہوئی کہ اس نے کہا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عظیم جاہ وجلال کے باوجود ہمت میں کمی کی۔ وہ اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ولسوف یعطیك ربك فترضی فرماکر شفاعت کے بارے میں مختارِ کل بنایا تو پھر آپ نے کم ہمتی کی بنا پر صرف شفاعتی لاھل الکبائر من اُمتی کیوں فرمایا۔ آپ کو چاہیے تھا کہ فرماتے شفاعتی لکل کافر و مؤمن۔ اس کے یوں کہنے پر حضور تاجدارِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور اسے زیارت سے مشرف فرمایا اور کہا اے منصور! تُو کون ہے جو میری شفاعت کا انکار کرتا ہے۔ عرض کی حضور! میں نے تو اپنی بساط کے مطابق ایسے ہی کہا اب آپ مجھے سمجھائیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تُو نے حدیثِ قدسی سُنی تھی جسے میں نے اللہ تعالیٰ سے حکایتاً بیان کیا کہ اذا احببت عبدا کنت له سمعا وبصرا و لسانا ویدا۔ حلاج نے عرض کی میں نے یہ حدیث سُنی اور پڑھی تھی۔ آپ نے فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں اللہ کا محبوب ہوں؟ اس نے عرض کی؛ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں جب اللہ کا حبیب ہوں تو میری زبان کا کہا ہوا گفتۂ حق ہے۔ اس صورت میں شافع اور مشفوع الیہ کا فرق خود بتایئے۔ بلکہ اس قاعدے پر تو میرا وجود اس کی ذات میں گم ہوگیا۔ پھر اے منصور!

(باقی ص ۱۶۷ پر)

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ○ يُنْۢبِتُ لَكُمْ
بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ
تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ○ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ
وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ○ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ
اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ○
وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ○ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ
وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ○ ع

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا، اسی سے پینا ہے اور اسی سے درخت ہیں جن سے تم جانوروں کو
چراتے ہو۔ اس پانی کے ذریعے تمہارے لیے کھیتیاں اور انار اور کھجور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے بیشک اس میں نشانی ہے
ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں اور اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند تمہارے لیے مسخر فرمائے اور ستارے
اس کے حکم کے پابند ہیں۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان کے لیے جو عقلمند ہیں۔ اور وہ زمین میں تمہارے لیے پیدا کیا
رنگ برنگ۔ بے شک اس میں نشانی ہے ان کے لیے جو نصیحت قبول کرتے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے
دریا مسخر فرمائے کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاتے اور اس میں سے زیور نکالتے ہو جسے پہنتے ہو۔ تم ان میں کشتیاں
دیکھتے ہو جو پانی کو چیر کر چلتی ہیں اور اس لیے کہ اس کا فضل تلاش کرو اور کہیں تم اس کا شکر ادا کرو اور اس نے زمین میں
لنگر ڈالے تاکہ وہ تمہیں بہا کر نہ لے جائے اور ندیاں اور راستے تاکہ تم راہ پاؤ اور علامتیں بنائیں اور ستاروں سے وہ راہ
پاتے ہیں تو کیا جو پیدا کرے وہ ایسا ہو جائے گا جو پیدا نہ کرے تو کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے اور تم اللہ تعالیٰ کی
نعمتیں شمار کرو تو گن نہ سکو گے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو چھپاتے اور ظاہر
کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا جن کی عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا
کیے ہوئے ہیں۔ وہ مردے ہیں زندہ نہیں اور انہیں خبر نہیں کہ لوگ قیامت میں کب اٹھائے جائیں گے۔

(بقیہ ص ۱۶۵)

میرا کیا قصور۔ حلاج نے عرض کی، یا حضرت! میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوا آپ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ اس غلطی کا کفارہ بھی پیش کرنے کے لیے تیار ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا کفارہ تیری جان ہے اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر دے اور اپنے آپ کو میری شریعت کی تلوار سے قتل کر دے۔ اس کے بعد وہی ہوا جو منصور کے بارے میں مشہور ہے۔

اس کے بعد حضرت ہود علیہ السلام نے شیخ اکبر قدس سرہٗ سے فرمایا کہ جب سے منصور دنیا سے رخصت ہوا ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پُر انوار سے محجوب ہے اور آج ہم اس کی سفارش کے لیے تمام انبیا [علیہم السلام] حاضر ہوئے ہیں۔

ف: فقیر [حقی] کہتا ہے کہ اس واقعہ سے دو فائدے حاصل ہوئے:

۱۔ اس سے حضرت منصور حلاج کی عظمت کا پتہ چلا کہ عظیم الشان انبیا علیہم السلام ان کی سفارش کے لیے تشریف لائے۔

۲۔ حضرت منصور حلاج بغداد میں ۳۰۹ھ کے آخر میں شہید کر دیے گئے۔ اور حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کا وصال ۶۳۸ھ کو ہوا۔ ان کے درمیان تین سو انتیس (۳۲۹) سال کا وقفہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت منصور قدس سرہٗ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پُر انوار سے تین سو انتیس سال محجوب رہے۔ [واللہ اعلم]

سبق حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ کی یہ سزا ایک علمی گستاخی کی وجہ سے تھی اسی لیے ہر مقرب حق پر لازم ہے کہ وہ نبوت کا پاس ادب کرے۔ غور کیجیے کہ جب منصور جیسے ولی کامل کو ایک علمی غلطی سے اتنی سخت سزا بھگتنی پڑی۔ پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی توہین اور ان کی ذات اقدس پر رکیک حملے اور قرآن مجید کی آیات میں ناجائز تاویلیں اور اپنے نفس کی خواہش کے مطابق تراجم کرتے اور شرعی امور کو اپنے خیالات و اوہام کے مطابق ڈھالتے ہیں۔ یہی لوگ جانوروں کی طرح ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت اور انعام کا سوال کرتے ہیں۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ ۱۶۵)

تفسیر عالمانہ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ وہ جس نے اپنی قدرت قاہرہ سے نازل فرمایا مِنَ السَّمَآءِ بادل سے زمین کی طرف مَآءً پانی کی قسم یعنی بارش۔

بحر العلوم میں مرقوم ہے کہ ماءً کی تنکیر تبعیضیہ ہے۔ اس لیے کہ آسمان سے کل پانی نازل نہیں ہوتا بلکہ بعض نازل ہوتا ہے لَکُمْ مِّنْهُ اس نازل کردہ پانی سے تمہارے لیے ہے شَرَابٌ شراب یعنی وہ پانی جسے تم پیتے ہو۔ ظرف اول یعنی لکم، شراب کی خبر مقدم ہے۔ اور ظرف ثانی یعنی منہٗ، شرابٌ سے حال ہے: اور اس کا مِن تبعیضیہ ہے۔ وَمِنْهُ شَجَرٌ یہ مِن ابتدائیہ ہے۔ یعنی اسی سے اور اسی کے سبب سے درخت پیدا ہوتے ہیں جسے تم جانوروں کے لیے گھاس کے طور پر استعمال کرتے ہو۔ اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو زمین سے اُگتی ہیں وہ پنڈلی دار ہوں یا نہ۔

حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ:

حدیث عکرمہ لا تأكلوا ثمن الشجر فانه سحت۔ اشجار کا ثمن مت کھاؤ کیونکہ وہ حرام ہے۔

ف: الكلاء (بالقصر) بمعنے ہر وہ خشک اور تر گھاس جو جانوروں کے چارے کے کام آتا ہے۔ گھاس کے ثمن کی حرمت کی وجہ سے دُوسری حدیث میں ہے کہ:

الناس شركاء فی ثلاث الماء والكلاء والنار۔ لوگ تین چیزوں میں ایک دوسرے کے شریک ہیں: پانی، گھاس اور آگ۔

یعنی آگ جلانے اور اس کی روشنی میں سب برابر کے شریک ہیں نہ انگارے جو کسی نے اپنی محنت سے تیار کیے۔ اسی طرح پانی سے نہروں، چشموں اور کنوؤں کا پانی مراد ہے نہ وہ جو کسی نے محنت کر کے اپنے برتنوں میں لے رکھا ہے۔

مسئلہ: ان کے حصول کا حیلہ شرعیہ یہ ہے کہ کسی سے زمین مستاجری پر اس شرط پر لے کہ وہ وہاں خیمہ لگائے گا یا جانوروں کے ٹھہرانے کی جگہ بنائے گا۔ پھر گھاس کا مالک اس زمین کا گھاس اس مستاجر کو استعمال کی اجازت دے دے۔ اس طرح سے اس گھاس کا استعمال مستاجر کو جائز ہوگا۔ (کذا فی الکافی)۔

مسئلہ: درختوں کے پتوں کی بیع و شراء جائز ہے لیکن اس کے کچے پھلوں کی بیع و شراء ناجائز ہے۔ ہاں جب پک جائیں تو اس وقت بیچے لیکن خریدار کو ضروری ہے کہ وہ فوراً کاٹ لے۔ اس کے متعلق بھی حیلہ یہی ہے کہ درخت کے پتوں کو مع پھل کے خریدے۔ اس معنے پر پھل کی خرید و فروخت پتوں کے طفیل جائز ہو جائے گی۔ (کذا فی مشارق الانوار)

[آج کل باغات کی خرید و فروخت عام ہے جو شرعاً حرام ہے۔ اگر ہمارے مسلمان بھائی اسی مسئلہ کو مدِنظر رکھیں تو بیع حلال ہوگی اور شرع مطہرہ کے خلاف کام کرنے سے جو نقصاناتِ دنیوی اٹھاتے ہیں اس سے بھی بچ جائیں گے۔ وما علينا الا البلاغ][1]

فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ یہ الاسامة سے ہے بمعنے جانوروں کو چرانے کے لیے باہر لے جانا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: سامتِ الماشية۔ بمعنے سرعت۔ یعنی جانور چرنے کے لیے گئے۔ و اسامها صاحبها اور جانوروں کے مالک نے انھیں چرایا۔

یہ السُّومہ (بالضم) بمعنے العلامة سے مشتق ہے۔ یہ اس لیے کہ جانوروں کے چرنے سے زمین پر نشانات ظاہر ہوتے ہیں۔ اب جملہ کا معنیٰ یہ ہوا کہ درختوں سے تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو اور وہ چارہ تمھیں آسانی سے بلا تکلف حاصل ہوتا ہے۔

ربط: اس کے بعد پانی کے دُوسرے فوائد بتاتے ہیں اور یہ سوال مُقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا پانی کے کوئی فائدے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

حدیث شریف میں ہے کہ اپنی پھوپھی کھجور کی عزّت کرو اس لیے کہ یہ اس مٹی سے تیار ہوئی جو آدم علیہ السلام کے خمیر سے بچ گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی درخت اس سے معزز و مکرم تر نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ بی بی مریم بنت عمران نے کھجور کے نیچے عیسیٰ علیہ السلام کو جنا تھا۔ اپنی ان عورتوں کو، جو بچہ جنتی ہیں، تر کھجور کھلاؤ ورنہ خشک۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

وَ الْاَعْنَابَ اسے جمع لانے میں اشارہ ہے کہ انگور کی مختلف اجناس ہوتی ہیں۔ انگور کی کرم کی وجہ واضع کی وضع سے نہیں بلکہ اس کا یہ نام دورِ جاہلیت کی پیداوار ہے ۔ وہ اسے اس نام سے اس لیے موسوم کرتے تھے کہ ان کا خیال تھا کہ اس سے شراب کشید ہوتی ہے وہ پینے والے کو جُود و سخا پر اُبھارتا ہے۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کو کرم کے نام سے موسوم کرنے سے منع فرمایا۔ کیونکہ یہ زمانۂ جاہلیت والوں کا مقرر کردہ نام ہے۔ پھر فرمایا، اس کا وہی نام لیا کرو جو واضع نے وضع کیا ہے ۔ چنانچہ حدیث شریف کے الفاظ مبارک یہ ہیں :

لا تقولوا الکرم ولکن قولوا العنب والحبلۃ ۔

پھر اس ممانعت کی وجہ بھی بتائی کہ،

انما الکرم قلب المومن ۔[بیشک کرم تو مومن کا قلب ہے]

یعنی جاہلیت کے لوگوں نے شراب کو جُود و سخا کا موجب سمجھ رکھا ہے' یہ غلط ہے۔ بلکہ جُود و سخا کا اصل مادہ مومن کا قلب ہے اور شراب تو غفلت اور مستی پیدا کرتا ہے ۔ اس سے اگر کوئی جود و سخا کا صدور ہوتا ہے تو وہ غیر شعوری ہے۔ اور ہر وہ فعل جو غیر شعوری طور پر ہو وہ قابلِ تحسین و آفرین نہیں ہوتا۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی نادان بچہ ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے لٹا دے اُسے نہ جُود کی خبر نہ سخا کا علم بلکہ اس کے اس جود و سخا کو فضول اور اسراف سے تعبیر کیا جائے گا۔ ایسے ہی نشہ اور غفلت سے لٹائے ہوئے مال کا حال ہے ۔ (کذا فی ابکار الافکار)

ف : ان مخصوص میوہ جات کی تصریح میں ان کا شرف ظاہر کرنا مطلوب ہے ۔ اس کے بعد عام پھلوں وغیرہ کا بیان فرمایا۔

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ یہ من تبعیضیہ ہے ۔ یعنی ان ثمرات کے کل کا بعض ہم نے بعض کی قید اس لیے لگائی ہے کہ کل ثمر پانی سے نہیں نکلتے، نہ ہی کل ثمرات یہاں عالمِ دنیا میں ہیں بلکہ وہ جنّت میں نصیب ہوں گے ۔ اسی لیے کل الثمرات کی بجائے من کل الثمرات فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ کل ثمرات صرف بہشت میں ہوں گے ۔

سوال : جب کل ثمرات دنیا میں ہیں ہی نہیں تو پھر کل الثمرات کہنے کا کیا فائدہ ۔

جواب : ۱۔ تاکہ بندوں کو بہشت کے میوہ جات کی طرف رغبت ہو کہ جب عالمِ دنیا کے ان بعض ثمرات میں یہ لذت ہے تو پھر بہشت کے ثمرات کی کیا لذت ہو گی۔

۲ ۔ یہ عالمِ دنیا ضعیف اور کمزور علاقہ ہے ۔ یہ کل ثمرات کا حامل نہیں اس لیے اس میں بعض ثمرات کے لیے کُل کا ذکر کیا، اور ان سے وہ ثمرات مراد ہیں جنھیں عوام جانتے پہچانتے ہیں ۔ اس تقریر پر یہ من صلہ کا ہے ۔ جیسے یغفر لکم من ذنوبکم میں من

بھی ہیں یا نہ؟ جواب ملا: یُنۡۢبِتُ لَکُمۡ اللہ تعالیٰ تمہارے منافع و مصالح کے لیے اُگاتا ہے بِہٖ آسمان سے نازل شدہ پانی کے سبب سے الزَّرۡعَ کھیتی جو تمہاری غذاؤں کا اصل مقصد ہے بلکہ تمام معاش کی یہی بنیاد ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اس سے وہ غلہ مراد ہے جو غذاؤں کے حصول کے لیے کاشت کیا جاتا ہے۔ اور بحر العلوم میں لکھا ہے کہ ہر وہ شے جو بیج کے ذریعے سے اُگے۔ اپنے مصدر سے موسوم ہے۔ اس کی جمع مزارع آتی ہے۔

آدم علیہ السلام نے کھیتی کا کام شروع کیا[1]

کعب الاحبار نے فرمایا کہ جس وقت آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو میکائیل علیہ السلام آپ کے ہاں چند دانے گندم کے لائے اور عرض کی یہی آپ کا اور آپ کی اولاد کا رزق ہے آپ زمین کو نرم کرکے اس میں دانہ ڈال دیں۔ مروی ہے کہ آدم علیہ السلام سے ادریس علیہ السلام تک ہر دانہ شتر مرغ کے انڈے کے برابر اُگتا تھا جب لوگوں نے کفرانِ نعمت کیا تو پھر مرغی کے انڈے کے برابر اگنے لگا اس کے بعد کبوتر کے انڈے کے برابر اُگتا تھا پھر بندقہ کے برابر پھر چنے کے برابر بالآخر یہی مقدار رہ گئی جسے ہم اپنے دور میں دیکھ رہے ہیں۔

اعجوبہ: بوم نہ گندم دانہ کھاتا ہے نہ پانی پیتا ہے اس خیال سے کہ گندم دانہ کھا کر آدم علیہ السلام زمین پر اترے اور پانی میں قوم نوح غرق ہوئی۔

وَالزَّیۡتُوۡنَ یہ من وجہ سالن ہے اور من وجہ میوہ۔

ف: کاشفی نے لکھا یہاں پر الزیتون سے مراد زیتون کا درخت ہے۔

اعجوبہ: انسان العیون میں لکھا ہے کہ زیتون کا درخت تین ہزار سال قائم رہ سکتا ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب غارِ حرا میں خلوت نشیں ہوتے تو آپ کی غذا کک اور زیتون تھی لفظ حرا بالمد والقصر یہ دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زیتون کو سالن اور تیل کے طور پر استعمال کرو اس لیے کہ اس کی تخلیق شجرۂ مبارکہ سے ہوئی ہے شجرۂ مبارکہ سے زیتون کا درخت مراد ہے اور اسے مبارک اس لیے کہا گیا کہ یہ برکت والی زمین کے سوا اور کہیں نہیں اُگتا جیسے بیت المقدس کی زمین وغیرہ۔

وَالنَّخِیۡلَ۔ النخیل والنخل ایک شے ہے۔ یہ اسم جمع ہے اس کی واحد نخلۃ آتی ہے جیسے ثمر و ثمرۃ۔

---

[1] قرآن پاک میں آتا ہے، یَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَرِیۡشًا۔ یعنی اے بنی آدم! ہم نے تم پر تمہارے عیب وغیرہ ڈھانکنے کے لیے تم پر پوشاک اتاری۔ یعنی آدم علیہ السلام کو کپڑا بننا سکھا دیا۔

تفسیر فتح العزیز میں مولانا عبدالعزیزؒ ایک حدیث شریف نقل فرماتے ہیں کہ: اَوَّلُ مَنۡ حَاکَ اٰدَمُ عَلَیۡہِ السَّلَام۔ یعنی سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے کپڑا بُنا۔

ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے، کَانَ اٰدَمُ حَرَّاثًا۔ یعنی آدم علیہ السلام کھیتی کرتے تھے۔

مذکورہ بالا آیت اور احادیث سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کھیتی بھی کرتے تھے اور کپڑا بھی بُنتے تھے۔ گویا یہ دونوں ہنر طیب پیشوں میں سے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

صلہ کے طور واقع ہے۔ یہ کوفیوں کا مذہب ہے اور یہی زیادہ واضح ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً بے شک انزال الماء و انبات الثمرات وغیرہ بہت بڑے عظیم دلائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ الوہیت میں منفرد ہے اور اس کے علم و قدرت و حکمت کے کمال کی حد و انتہا نہیں۔ لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں کہ دانہ اور گٹھلی زمین کے اندر دبائی جاتی ہے اور اسے پانی کی تری پہنچتی ہے جس کے اثر سے دانہ اور گٹھلی نیچے سے پھٹتی ہے اس کے بعد اس سے چند باریک باریک جڑیں بنتی ہیں جو پہلے زمین کے عمق میں پھیلتی ہیں۔ اس کے بعد دانہ کا اوپر کا حصہ پھٹتا ہے۔ اس نے اگر فی الواقع پھلنا پھولنا ہے تو پہلے اس کی پنڈلی ہو کر بڑھنے لگتی ہے پھر اسے پتے لگتے ہیں پھر پھول اور بیج اور پھل مختلفۃ الاشکال و الالوان والخواص والطبائع پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح گٹھلی کا طریقۂ کار ہے جو دانے کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ اور ان میں مواد کا اتحاد اور طبائع سفلیہ و تاثیرات علویہ برابر ہوتے ہیں کسی ایک میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ البتہ زمین کی وجہ سے بعد کو کمی بیشی اچھائی برائی معلوم ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے صفات کمال میں اس کا کوئی مشابہ چہ جائیکہ احسن الاشیاء کو اس کے صفات میں اس کا شریک ٹھہرایا جائے بالخصوص الوہیت و استحقاقِ عبادت میں۔ عن ذٰلك علوا کبیرا ؎

روضۂ جاں بخش جانہا آفرید

بغنچۂ کون و مکانہا آفرید

کرد از ہر شاخہا گل برگ و بار

جلوۂ او نقش دیگر آشکار

[ترجمہ: باغات کو جان بخشنے اور جانوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ اسی نے کون و مکان کے غنچوں کو پیدا فرمایا۔ پھر گل کی ہر شاخ اور برگ و پھل پیدا فرمائے۔ اور اس کے جلوے ہر نقش میں ظاہر ہیں]

ف: مطلوب کو حاصل کرنے کے لیے معانی اشیا میں قلب کے تصرف کو تفکر کہا جاتا ہے۔ مشایخ فرماتے ہیں کہ ذکر طریق حق ہے اور فکر معرفۃ کا وسیلہ ہے اور یہی سب سے بڑی طاعت ہے۔ بعض مشایخ نے فرمایا کہ عوام کو ذکر مفید ہے اس لیے کہ فکر سے انھیں اباطیل میں واقع ہونے کا خطرہ ہے بلکہ وہ شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں جیسا کہ بہت سے عوام اس میں مبتلا ہیں۔ البتہ اہل علم کو فکر مفید ہے بشرطیکہ انھیں بھی فکر مستقیم حاصل ہو ورنہ انھیں بھی فکر نقصان دہ ہے۔ اہل علم کو فکر اس لیے مفید ہے کہ ان کے ہاں علمی دلیل ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ باطل خیالات و غلط شبہات کو دور کر سکتے ہیں اسی لیے ان کے لیے ذکر سے فکر افضل ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ سبعین سنۃ۔ [فکر کی ایک ساعت ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے]

حکایت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ وتر کی ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کر لیتے تھے۔ وہ اس لیے کہ آپ کو تدبر و تفکر پر قدرت حاصل تھی۔ جسے تدبر پر قدرت حاصل نہ ہو اسے ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کرنا ناجائز ہے۔ اسی طرح

اس میں قرآن مجید کو سمجھنا اور اس کے مسائل پر غور کرنا بھی ضروری ہے۔ اسی لیے فقہاء کرام نے فرمایا کہ قرآن مجید کو سات یا تین یوم میں ختم کرنا چاہیے۔

تفسیر صوفیانہ ھو الذی انزل من السماء ماء میں ماء سے فیضِ الٰہی مراد ہے۔ یعنی اللہ وہ ہے جس نے آسمان سے اپنا فیض نازل فرمایا لکم منه شراب یہاں شراب سے شرابِ عشق ومحبت مراد ہے یعنی اسی فیضِ الٰہی میں تمہارے قلوب کے لیے شرابِ عشق ہے۔ ومنه شجر میں شجر سے قوائے بشریہ اور اس کے دواعی مراد ہیں۔ فیه تسیمون یعنی اسی فیضِ الٰہی سے تمہاری بشریت کے قویٰ اور اس کے دواعی مراد ہیں جن میں تم اپنے نفوس کے جانوروں کو چراتے ہو ینبت لکم اور تمہاری ارواح کی غذائیں اسی فیضِ الٰہی سے پیدا ہوتی ہیں یعنی طاعات کی کھیتیاں اور صدق کا زیتون اور اخلاقِ حمیدہ کی کھجوریں اور وارداتِ ربانیہ کے انگور ومن کل الثمرٰت یعنی ثمرات المعقولات والمشاہدات والمکاشفات والمکالمات والاحوال ان فی ذٰلك لاٰیة لقوم یتفکرون ان میں ان لوگوں کے لیے آیات ہیں جو ان صنائع حکمیہ میں نظر عقل کے ساتھ فکر کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَسَخَّرَ لَكُمُ اور تمہاری نیند ومعاش اور عقد ثمار اور ان ثمرات کا پکنا تمہارے لیے مسخر فرمایا۔ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ رات اور دن جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں۔ کما قال: وھو الذی جعل الّیل والنھار خلفة۔ اللہ وہ ہے جس نے رات دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا۔

اعجوبہ: بعض نے کہا کہ رات آدم علیہ السلام کی طرح مذکر اور دن بی بی حوا علیہا السلام کی طرح مونث ہے۔ رات جنت سے ہے اور دن جہنم سے۔ یہی وجہ ہے کہ روحانی طور پر انسان کو رات سے زیادہ اُنس ہے بہ نسبت دن کے۔

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ سورج اور چاند بھی تمہارے لیے مسخر ہیں کہ اپنے وقت پر چلتے اور بالاصالۃ و بالنیابۃ روشنی دیتے ہیں اور ان کے ذمہ جن اشیا کی اصلاح مقرر ہے ان کی اصلاح کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ تمہارے منافع ومصالح کے لیے ہے۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آرے و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نبری

[ترجمہ: بادل، ہوا، چاند اور سورج اور فلک کام میں ہیں تاکہ تم روٹی ہاتھ میں لے کر کھانے وقت غفلت نہ کرو۔ یہ سب تیرے لیے سرگردان اور تیرے فرمان بردار ہیں۔ یہ انصاف کے خلاف ہوگا اگر تم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہ کرو]

ف: تسخیر بمعنے کسی کو کسی کے تابع حکم کرنا اور اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ یہ اشیا انسان کے اختیار میں دے دی گئی ہیں کہ وہ جیسے

چاہیں انھیں چلائیں۔ چنانچہ فرمایا:

سبحٰن الذی سخر لنا ھذا۔ [اللہ پاک ہے جس نے سواری کو ہمارے قابو میں دے دیا]

ایسے ہی اور بھی نظائر ہیں۔ لیکن یہاں یہ معنے ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ اسی طرح چلاتا ہے جس طرح تمہارے مصالح و منافع کا تقاضا ہے۔ یہ معنیٰ نہیں کہ وہ تمہارے تحتِ قدرت ہیں اور تم جس طرح چاہو انھیں کام میں لاؤ۔

وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ یہ مبتدا و خبر ہیں۔ یعنی تمام ستارے اپنی حرکات و اوضاع مثلاً تثلیث و تربیع وغیرہما میں اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں کہ اپنی مشیت کے مطابق ان کی تخلیق و تدبیر فرمائی ہے۔ یا اس کا یہ معنیٰ ہے کہ یہ اشیا اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت کے مطابق پیدا کی گئی ہیں۔ نجوم، قمرین اور ملوین کی تسخیر میں فرق ہے۔ اس لیے وہاں جملہ فعلیہ اور یہاں جملہ اسمیہ لایا گیا ہے۔ وہ اس لیے کہ ان کے مصالح و منافع سے ہر ایک باخبر ہے، اگرچہ معمولی طور پر۔ لیکن ستاروں کی تسخیر عوام کی نظروں اور عقلوں سے باہر ہے۔ اور النجوم کو منصوب بھی پڑھا گیا ہے۔ وہ اس لیے کہ اس سے قبل فعل جعل محذوف ہے یا اس کا ماقبل کے منصوبات پر عطف ہے۔ اور مسخرات تمام مذکورہ بالا اشیا سے حال ہے اور اس کا عامل سَخَّرَ ہے جو نفع کے معنے میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے ذریعے سے نفع دیا درانحالیکہ یہ اشیا اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں یا اسی کی ایجاد و تقدیر سے پیدا کی گئی ہیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بے شک مذکورہ بالا تسخیر مجملاً و مفصلاً میں لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ البتہ روشن اور واضح دلائل ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔ یعنی اپنے عقول کو نظر و استدلال کے لیے کھولتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں۔

سوال: ان آیات کو عقل سے اور ان سے پہلی آیات کو فکر سے متعلق کرنے میں کیا حکمت ہے۔

جواب: آثار علویہ متعدد ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت و علم و حکمت علی الوحدانیت عقل سے سمجھی جاتی ہیں۔ اسی لیے انھیں عقل سے متعلق کیا گیا ہے ان میں تامل و فکر کی ضرورت نہیں ہے۔

عقل کیا شئے ہے اہلِ علم نے لکھا کہ عقل ایک چمکدار جوہر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دماغ میں پیدا فرمایا اور اس کا نور قلب میں رکھا ہے جس کی وجہ سے غائب اشیا کو وسائط سے اور محسوسات کو مشاہدات سے ادراک کرتا ہے وہ قلب کے لیے ایسے ضروری ہے جیسے جسد کے لیے رُوح۔ جس قلب میں عقل نہ ہو وہ مردہ ہے اس کا دل جانوروں جیسا سمجھنا چاہیے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ تمام لوگوں سے بہتر عقل کس کی ہے؟ آپ نے فرمایا: جو رضائے الٰہی کی طرف راغب اور محارم اللہ سے مجتنب ہو۔

ف: عقل اور سمجھ کے لحاظ سے ضعیف ترین جانور چڑیا ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ؎

لا بأس بالقوم من طول و من عظم

جسم البغال و احلام العصافیر

[ترجمہ: مخالفین کے لمبے چوڑے قد سے کیا خطرہ، ان کے جسم خچروں جیسے اور عقل چڑیوں جیسے ہیں۔]

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ اس کا عطف النجوم پر ہے۔ اسے مرفوع پڑھا جائے یا منصوب۔ اور منصوب پڑھا جائے تو وہ جعل کا مفعول ہوگا جو یہاں پر محذوف مانا جائے گا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے پیدا فرمایا فِي الْأَرْضِ زمین میں حیوانات و نباتات، درانحالیکہ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ان کے رنگ مختلف قسم کے ہیں اس لیے کہ اکثر اختلاف رنگ کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں تمہارے لیے مسخر فرمایا۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس میں پیدا فرمائے ہیں خواص و احوال و کیفیات۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کو مختلف الاصناف بنایا ہے تاکہ تم جس صنف سے چاہو نفع پاؤ۔

ف: بحر العلوم میں مرقوم ہے کہ مختلفا الوانہ یعنے ان کی ہیئت مختلفہ ہے کہ کوئی سبز ہے کوئی سفید، کوئی سرخ ہے کوئی سیاہ وغیرہ وغیرہ۔

ف: بعض مفسرین نے اس کا اللیل و النہار پر عطف ڈالا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے انھیں پیدا فرمایا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمہارے قول کو مانا جائے تو خلق کے بعد تسخیر کا ذکر بے معنیٰ سا ہو جاتا ہے۔ اس کا جواب انھوں نے یہ دیا ہے کہ پہلا دوسرے کو عقلاً مستلزم نہیں، اس لیے کہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو کچھ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ عزیز المرام و صعب المنال ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ بے شک مذکورہ بالا تسخیر میں لَآيَةً آیات ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ اسی کی شان ہے کہ وہ واحد لا شریک ہے لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ایسے لوگوں کے لیے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں اگرچہ ایسی قوم کو دلائل دینے کی ضرورت نہیں لیکن چونکہ انھیں خدشہ ہے کہ وہ آئندہ ان باتوں کو بھول جائیں۔ اسی لیے ان کے لیے دلائل قائم کیے گئے تاکہ وہ ہر وقت نصیحت حاصل کر سکیں۔

تفسیر صوفیانہ وسخرلکم الیل میں اللیل سے لیل البشریۃ اور والنہار سے نہار الروحانیۃ، والشمس سے شمس الروح اور القمر سے قمر القلب، و النجوم سے نجوم القوی والحواس الخمس مراد ہے۔ اور ان کی تسخیر کا مطلب یہ ہے کہ انھیں بموافق شریعت و بقانون طریقت، شیخ کامل اور نفس کے جملہ امراض کے ماہر حاذق کی نگرانی میں استعمال کیا جا سکے۔ یعنی وہ شیخ کامل جسے ولایت میں کامل تصرف اور ہدایت میں یکتا اور عنایت الٰہی میں بے نظیر ہو، ان فی ذٰلک بیشک ان میں شاہد ہیں لقوم یعقلون ایسی قوم کے لیے جو شواہد حق کے ساتھ عقل رکھتی ہے۔ انھیں تفکر کی ضرورت نہیں بلکہ ان کا ہر فعل و قول معاینہ سے ہوتا ہے وماذرا لکم اور وہ جو تمہارے مصالح کے لیے فی الارض تمہاری جبلت کی زمین میں استعدادات وغیرہ پیدا فرمائی ہیں مختلفاً الوانہ رنگ برنگ ہیں۔ مثلاً کوئی ملکیہ ہیں اور کوئی شیطانیہ اور بعض حیوانیہ ہیں۔ ان فی ذٰلک لأیت لقوم یذکرون بے شک ان میں ایسے لوگوں کو نصیحت ہے جنھیں معلوم ہے کہ ان کے ارواح مختلف عوالم کو مختلف رنگوں میں عبور کرتے ہیں مثلاً عوالم ملکیہ و شیطانیہ و حیوانیہ۔ یہاں تک کہ انھیں اسفل سافلین کے مالک یعنی قلب میں قید کیا گیا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق: سالک پر لازم ہے کہ اہلِ غفلت سے سلسلہ منقطع کر کے اہلِ ذکر سے وابستہ ہو۔

نسخہ روحانیہ حضرت محمد بن فضل نے فرمایا کہ زبانی ذکر کفارات و درجات کا اور قلبی ذکر زلفی و قربات کا موجب ہے اور نصیحت حاصل کرنا قلب کی شان ہے اور قلب جسم کا امیر لیکن حق تعالیٰ کا اسیر ہے۔

حدیث شریف اگر شیاطین قلوب بنی آدم کو گھیرا نہ ڈالے ہوتے تو بنو آدم ملکوت السماوات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے۔

اس میں اشارہ ہے کہ قلب کے حجاب کا سبب شیاطین ہیں ورنہ ملکوت انسان کے قلب کے سامنے ہے۔

ف: اصحاب القلوب تین قسم ہیں:

۱۔ جانور جیسے۔ کما قال تعالیٰ: لہم قلوب لا یفقہون بہا۔

۲۔ بعض وہ ہیں جن کے اجساد تو آدمیوں جیسے ہیں لیکن ان کے قلوب اور ارواح شیاطین جیسے ہیں۔

۳۔ بعض اللہ تعالیٰ کے سایہ تلے ہوں گے جبکہ سوائے ظلِ الٰہی کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

ترا دیدہ در سر نہادند و گوش

دہن جائے گفتار و دل جائے ہوش

مگر باز دانی نشیب از فراز

نگوئے کہ ایں کوتہ است یا دراز

[ترجمہ: تیرے سر میں آنکھیں اور کان بنائے گئے ہیں۔ اور بولنے کے لیے منہ اور ہوش سنبھالنے کے لیے دل بنایا گیا ہے تاکہ تجھے اپنے نشیب و فراز کا علم ہو۔ یہ نہیں کہ تو کہتا پھرے کہ فلاں پستہ قد ہے اور فلاں لمبا]

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر عضو کو اپنی حکمت سے بنایا ہے اس لیے انھیں ایسے امور میں استعمال کرنا چاہیے جن کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ قاموس میں ہے کہ البحر بمعنے الماء الکثیر۔ اس کی جمع ابحر، بحور اور بحار آتی ہے۔ تفسیر الکواشی میں ہے کہ البحر سے کڑوا اور میٹھا ہر طرح کے دریا مراد ہیں اور دریا کی تسخیر کا مطلب یہ ہے کہ تم اس سے جس طرح چاہتے ہو نفع حاصل کرتے ہو۔ مثلاً اس میں کشتی و جہاز وغیرہ چلانا اور غوطہ لگا کر موتی نکالنا اور مچھلی وغیرہ کا شکار کرنا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ زمین کے تمام دریا اسی طوفان کا پانی ہیں جو نوح علیہ السلام کے زمانے میں آسمان سے اترا تھا اس لیے کہ قومِ نوح کی تباہی و بربادی کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین کو طوفان کا سارا پانی نگلنے کا حکم دیا تھا۔ جتنا اس سے ہو سکا

وہ نکل گئی، جو بچ گیا اسے دریاؤں کی صورت میں زمین پر رکھا گیا۔ یہ عام دریاؤں کی بات ہے اور البحر المحیط تو طوفان کا پانی نہیں بلکہ زمین کی تخلیق کے وقت جتنی اس کی جھاگ تھی اسے دریائے محیط مقرر کیا گیا۔

مسئلہ: دریائی سفر جائز ہے بشرطیکہ تیرنا آتا ہو۔ اور سر بھی نہ چکراتا ہو۔ ورنہ سمجھیے کہ انسان اپنی موت کو دعوت دینے کے لیے دریائی سفر اختیار کر رہا ہے اور ترک فرائض کا اقدام علاوہ۔ اور یہ حکم مردوں اور عورتوں سب کے لیے برابر ہے۔ (کما قالہ الجمہور)

مسئلہ: عورتوں کو عموماً دریائی سفر مکروہ ہے اس لیے کہ دریائی سفر میں پردہ کی احتیاط نہیں ہو سکتی حالانکہ عورتوں کے لیے پردہ نہایت ضروری ہے۔ اور کشتی اور بالخصوص زورق میں بہت زیادہ بے پردگی کا اندیشہ ہوتا ہے۔

لِتَأْكُلُوا مِنْهُ تاکہ میٹھے یا کڑوے دریا سے کھاؤ **لَحْمًا طَرِيًّا** تازہ گوشت۔ طریا' طراوۃ سے مشتق ہے۔ یعنی یہ ناقص واوی کا باب ہے مہموز اللام نہیں۔ اس سے مچھلی مراد ہے۔

نکات

- صرف گوشت سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس کا نفع صرف کھانے تک محدود ہے۔ (کذا فی الارشاد)
- اشارہ ہے کہ مچھلی وہ جانور ہے جسے ذبح کی بھی ضرورت نہیں، جیسے مکڑی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔
- طریا میں اشارہ ہے کہ اس کے تازہ کھانے میں فائدہ ہے اس کا باسی گوشت سخت مضر ہے۔ جیسا کہ اطباء کرام نے فرمایا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہے کہ وہ قادر ہے کہ اس نے کڑوے میٹھے پانی سے ایک تر و تازہ گوشت والا حیوان پیدا فرمایا۔

ف: زعاق بروزن غراب یعنی ایسا سخت کڑوا پانی جو پیا نہ جا سکے۔

مسئلہ: اسے گوشت کہنے سے ثابت ہوا کہ جس نے قسم کھائی ہو کہ گوشت نہ کھائے گا اور مچھلی کھائی تو حانث ہوگا۔ یہ امام مالک اور حضرت ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ ہمارے احناف اسے گوشت میں شامل نہیں فرماتے اس لیے اس کے کھانے سے قسم میں حانث کے قائل نہیں۔ امام مالکؒ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ شریعت کا قاعدہ مشہور ہے کہ قسم کا دار و مدار عرف پر ہے اور عرف میں علی الاطلاق گوشت کا لفظ بولنے سے مچھلی کا مفہوم ذہن میں نہیں آتا [اسی قاعدہ کے مطابق ہم اہلسنت لفظ استمداد و استعانت و استغاثہ کو عرف میں سفارش کے معنے میں اور نذرِ اولیاء کے لفظ کو ہدیہ و تحفہ کے معنے میں لیتے ہیں لیکن وہابی، دیوبندی، نجدی اسے شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ ان کی کھلی ہٹ دھرمی ہے] اس قاعدہ کی نظیر کافر کو دابۃ کہنے کا لفظ ہے کہ قرآن مجید میں ان الشر الدواب عند اللہ الذین کفروا کافر کو دابہ کہا گیا ہے لیکن قسم کے مسئلہ میں حانث ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ مثلاً کہا گیا ہو کہ میں دابہ پر سوار نہ ہوں گا [اگر کوئی شخص کافر پر سوار ہو تو حانث نہ ہوگا۔ اس مسئلہ کی مزید توضیح مطلوب ہو تو علامہ ابن العابدین شامی صاحب الفتاوی قدس سرہ کے رسالہ "نشر العرف" کا مطالعہ کیجئے]

مسئلہ: حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ تمام حیوانات بحری حلال ہیں سوائے چند ایک کے، جو یہ ہیں:

○ سرطان ○ مینڈک ○ کچھوا

[غیر مقلدین وہابی ان جملہ بالخصوص کچھوا کی حلت کے قائل ہیں] [صاحب حیاۃ الحیوان رقمطراز ہیں کہ] یہی مفتی بہ قول ہے۔

ف: کچھوا کی تمام قسمیں حرام ہیں وہ کُتے کی شکل کا ہو یا خنزیر کی صورت کا، یا کسی اور شکل کا۔[1]

[حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:]

حدیث شریف اکل السمك یذھب بالحسد۔ [مچھلی کے کھانے سے حسد کا مرض ختم ہو جاتا ہے] (کذا فی بحر العلوم)

ف: جیسے بنی آدم و دیگر جنگلی حیوانات سانس لیتے ہیں ایسے ہی مچھلی پانی میں سانس لیتی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ ہماری سانس ناک کے ذریعے سے آتی جاتی ہے وہ دماغ کے ذریعے سے سانس کو قلب میں پہنچاتی ہے جیسے ہم ہوا سے زندہ ہیں وہ بھی اسی ہوا کے ذریعے زندہ ہے البتہ اس عالم دنیا کی ہوا کی ہمیں ضرورت ہے کیونکہ ہم اور ہمارے جیسے دوسرے حیوانات عالم ارض سے متعلق ہیں اور عالم ارض کو ہوا کی اشد ضرورت ہے اگر یہی ہوا مچھلی کو پہنچے تو وہ مر جاتی ہے چنانچہ مثنوی شریف میں ہے ؎

ماہیاں را بحر نگزارد بروں

خاکیاں را بحر نگزارد دروں

اصل ماہی آب و حیواں از گلست

حیلہ و تدبیر ایں جا باطلست

[ترجمہ: مچھلی کو دریا باہر نہیں جانے دیتا اور خاکیوں کو اپنے اندر نہیں گزارنے دیتا دراصل ہمارا جسم آب و گل سے ہے اور اسے اس دنیا میں حیلہ کوئی کام نہ دے گا]

وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ اور تم کڑوے دریا سے نکالتے ہو حِلْيَةً ہر وہ شے جو سونے اور چاندی سے تیار کر کے بطور زینت استعمال کی جائے یعنی زیورات۔ لیکن یہاں پر لؤلؤ اور حجر احمر یعنی مرجان مراد ہے۔ تَلْبَسُوْنَهَا اس سے تم اپنی عورتوں کو سنگارتے ہو۔

سوال: زیورات کو مردوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

جواب: ۱۔ عورتیں بھی مردوں سے ہیں۔

۲۔ عورتوں کا سنگار دراصل مردوں کے لیے ہوتا ہے۔ گویا یہ سنگار اور لباس مردوں کا ہے۔

وَتَرَى الْفُلْكَ اگر تم اے مخاطب وہاں موجود ہوتے تو کشتیوں کو دیکھتے مَوَاخِرَ فِيْهِ دریا میں چلنے والی، کبھی

---

[1] غیر مقلدین وہابیوں کی مرغوب غذا ان کو سلامت ۱۲ اویسی غفرلہ

آگے کبھی پیچھے، کبھی ہوا کا مقابلہ کرتے ہوئے۔ یہ المخر سے مشتق ہے بمعنے پانی کو چیرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: مخرت السفینة۔ از باب منع، بمعنے جرت وشقت الماء بجآجئها جمع جؤجؤ بالضم بمعنے صدر السفینة۔

ف: فراءؔ نے فرمایا کہ المخر بمعنے صوت جری الفلك بالریاح یعنی ہواؤں کی وجہ سے کشتیوں کے جاری ہونے کے وقت کی آواز۔

وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهٖ اس کا عطف لتستخرجوا پر ہے۔ یعنی کشتیوں پر سوار ہو کر بطور تجارت اللہ تعالیٰ کے رزق کی وسعت طلب کرو کیونکہ بری تجارت کے بجائے بحری تجارت سے زیادہ منافع حاصل ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی طرف اشارہ فرمایا: ؎

سود دریا نیک بود گر نبودے بیم موج
صحبت گل خوش بدے گر نیستی تشویش خار

[ترجمہ: دریا سے بہت منافع حاصل ہوتے اگر اس کی موج کا خطرہ نہ ہوتا گل کی صحبت اچھی ہے اگر کانٹے کا خوف نہ ہو۔]

حدیث شریف میں ہے کہ:
من رکب البحر فی ارتجاجه فغرق برئت منه الذمة۔ [جو دریا کی موجوں کے باوجود اس میں سفر کرتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا ذمہ اٹھ گیا۔

ف: ارتجاج بمعنے موج سے دریا کا جوش مارنا اور موج بمعنے حرکت شدیدہ۔

———— حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا ذمہ کرم فرمایا سوائے اس شخص کے جو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے جب وہ ایسے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری منقطع ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: اگرچہ دریا کی موجوں سے کوئی شخص کبھی بچ بھی جائے تب بھی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا ہے کہ ایسے وقت میں دریا کا سفر نہیں چاہیئے۔

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اور تم شکر کرو یعنی اس کی بڑی چھوٹی نعمتوں کے حقوق پہچانو اور پھر طاعت و توحید کا اظہار کر کے ان نعمتوں کے حقوق ادا کرو لعل استعارۃً بمعنی ارادہ ہے (کذا فی بحر العلوم)

نکتہ: انعامات کے بعد شکر کی تخصیص اس لیے ہے کہ دریا میں باوجودیکہ انسان کی ہلاکت مضمر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان ہلاکتوں کو انعامات میں تبدیل کر دیا اسی لیے بندے پر لازم ہوا کہ وہ اس کریم کی ایسی کرم نوازی پر شکر کرے۔

ف: صاحب کشف الاسرار نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بظاہر زمین پر دریا پیدا فرمائے جیسے قلزم، عمان، محیط اس طرح اور چھوٹے بڑے دریا اور جھیلیں اور جزیرے اور ان کو عبور کرنے کے لیے کشتیاں تیار فرمائیں لیکن باطناً اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے نفس میں دریا ہی انکیں

ہیں اور اس دریا میں شغل، غم، حرص، غفلت، تفرقہ جیسی بلائیں مضمر ہیں اور اس دریا کو عبور کرنے کے لیے توکل کی کشتیاں مقرر فرمائیں کہ جو بھی توکل کی کشتی پر سوار ہو کر شغل کو عبور کرتا ہے تو اسے فراغت کی نعمت نصیب ہوتی ہے اور جو رضا کی کشتی پر بیٹھتا ہے وہ غم کو عبور کر کے سرحدِ شکر کو پاتا ہے جو قناعت کی کشتی پر چلتا ہے وہ حرص کے دریا کو عبور کر کے زہد کو حاصل کرتا ہے اور جو ذکر کی کشتی پر سوار ہوتا ہے وہ غفلت کے دریا کو عبور کر کے آگاہی کے ملک میں پہنچتا ہے اور جو توحید کی کشتی پر بیٹھتا ہے وہ دریائے تفرقہ کو عبور کر کے جمعیت کے ساحل کو پالیتا ہے اور حقیقت کی کشتی سے تفرقہ کو عبور کر کے بقا پاتا ہے حقیقت یہ ہے بقا میں تفرقہ اور فنا میں جمعیت ہے اور وجود مدِ نظر ہو تو پھر تفرقہ میں مبتلا ہوگا اور بے خودی سے مرتبۂ جمع نصیب ہوتا ہے ؎

بحجابِ خودی قلم در کش
در رہِ بیخودی علم بر کش
تا بجاروب لا نروبی راہ
کے رسی در حریم الا اللہ

[ترجمہ: خودی پر قلم پھیر اور بیخودی کا علم بلند کر جب تک راہ کو صاف نہ کرو گے لا الٰہ الا اللہ کے آستانہ پر نہیں پہنچ سکو گے]

تفسیر صوفیانہ ھو الذی سخرلکم البحر اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے علوم کے دریا مسخر فرمائے لتأکلوا منہ تا کہ ان سے فوائدِ غیبیہ اور مواہبِ سَنِیّہ حاصل کرو وتستخرجوا منہ تا کہ تم علوم کے دریا سے جواہر المعانی و درر الحقایق نکال کر اپنے قلوب کے زیورات تیار کرو تا کہ تم اپنے ارواح کے لیے نور و بہاء کے لباس تیار کرو اور تم علوم کے دریا میں مذاہب و شرائع کی کشتیاں تیرتی ہوئی ولتبتغوا من فضلہ اس سے اسرارِ خفیہ مراد ہیں یعنی تا کہ ملائکہ مقربین سے تم اسرارِ خفیہ تلاش کرو لعلکم تشکرون تا کہ تم ان جلیل نعمتوں اور عظیم عطیات کا شکر ادا کرو کہ جملہ عالم میں صرف تمہیں خصوصی طور پر ایسے انعامات سے نوازا ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَاَلْقٰی اور اللہ تعالیٰ نے ڈالے اپنی قدرتِ قاہرہ سے فِی الْاَرْضِ زمین پر۔ زمین گیند کی شکل اور جملہ عالم کے وسط میں واقع ہے۔ الارض از تَاَرَّضُ بمعنے تَاَكَّلُ ہے چونکہ یہ اجسادِ بنی آدم کو کھا جاتی ہے اسی لیے اسے ارض سے تعبیر کرتے ہیں۔ رَوَاسِيَ لنگر۔ یعنی جبالِ ثوابت بغیر سبب اور بغیر مدد کے کھڑے ہیں۔ پہاڑ گویا چند کنکریاں ہیں جنہیں کسی نے ہاتھ میں لے کر زمین پر پھینک دیا ہو۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے کہ یہ امور اگرچہ مخلوق کے لیے سخت مشکل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ترین ہیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو زمین پر لنگر بنا دیا ہے۔ گویا انہیں فرمایا کہ لنگر ہو جاؤ تو وہ لنگر بن کر زمین میں گڑ گئے اور زمین بچھ گئی۔ لیکن یاد رہے کہ پہلے زمین بچھائی گئی تو وہ ہلنے لگی۔ پھر اس میں پہاڑ گاڑ دیے گئے اس طرح وہ ہلنے سے رُک گئی۔ یہ رسا الشئ سے مشتق ہے بمعنے ثبت۔ یہ راسیۃ کی جمع ہے اس کی تا تانیث کی ہے کیونکہ جبال کی صفت ہے۔ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ مفعول لہ ہے المید بمعنے الحرکۃ والمیل

اس کی گردان مادیمید میداً ہے بمعنے تحرک [یتحرك تحوكاً] - المائدہ بمعنے دستر خوان اسی سے ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ خطرہ تھا کہ تمہیں کھینچ کے لے جائے۔ اسی لیے اس پر پہاڑ گاڑ دیے گئے تاکہ تم اچھی طرح مطمئن ہو کر اس پر زندگی بسر کرسکو۔

ف: زمین پیدا ہوتے ہی متحرک و مضطرب تھی اس لیے کہ پانی پر تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ گاڑ دیئے اور زمین پر کل چھ ہزار چھ سو ستر پہاڑ ہیں۔ ان میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور بڑے ٹیلے داخل نہیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اسے زمین پر پہاڑ گاڑنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ یہ عالم دنیا اسباب سے متعلق ہے اسی لیے تم اس عالم میں زندگی بسر کرو تو اسباب کو ہر معاملہ میں مقدم رکھو [اس سے وہابی دیوبندی اپنے نظریہ پر نظر ثانی کریں کہ وہ وسیلہ کے جمیع مسائل کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں]

ف: اس سے ثابت ہوا کہ زمین پہاڑوں کے بغیر ایسی ہے جیسے جسم کا گوشت ہڈی کے بغیر ہو اور ظاہر ہے کہ ہر حیوان کا گوشت ہڈی سے قائم ہوتا ہے اس طرح زمین بھی پہاڑوں سے قائم ہے سطیح کاہن کے جسم پر سوائے گدی کی ہڈی کے اور کوئی ہڈی نہ تھی اس لیے کہ وہ دو عورتوں کے پانی سے پیدا ہوا تھا اسی لیے وہ نہ بیٹھ سکتا نہ کھڑا ہو سکتا تھا وہ سال میں ایک دفعہ باہر نکلتا تھا اسے یا تو کپڑے سے باندھ کر یا چاندی کے بنائے ہوئے صحیفے میں لپیٹ کر باہر لایا جاتا تھا وَاَنْھٰرًا یہ نھر کی جمع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے پانی کے جاری ہونے کی جگہ کو متحرک کیا ہے یعنی اللہ نے زمین پر نہریں جاری کیں یہاں پر القٰی بمعنی جعل ہے اور یہ جعل عام نہیں بلکہ ایک خاص قسم کا جعل ہے جو نہروں کے اجزا سے مخصوص ہے اس سے دریائے فرات کوفہ میں اور دجلہ دریا بغداد میں اور جیحون بلخ کا جیحان اذنہ بلاد الارمن کا اور سیحون بلاد الہند کا اور سیحان مصیصہ کا اور نیل مصر کا ان کے علاوہ اور دریا اور نہریں جھیلیں مراد ہیں جو زمین کے مختلف علاقوں میں بہ رہی ہیں وَّسُبُلًا اور مختلف راستے یہ سبیل کی جمع ہے۔ یعنی وہ راستے جو بالکل واضح اور کھلا ہو یعنے ہم نے زمین پر ہر علاقے میں کھلے اور واضح راستے بنائے ہیں تاکہ تم ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں آسانی سے پہنچ سکو لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ اس ارادہ پر کہ تم اپنی منازل و مقاصد کا راہ پا سکو۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ راستہ پر چلو اگرچہ ٹیڑھا ہو اور شہروں میں زندگی بسر کرو اگرچہ ظلم و ستم ہو اور باکرہ سے نکاح کرو اگرچہ فاسدہ (بدخو) ہو

شعر

زن نو کن اے دوست ہر نو بہار
کہ تقویم پارین نیاید بکار

[ترجمہ: اے دوست! ہر سال نئی دلہن حاصل کرو اس لیے کہ پرانی تقویم بے کار ہو جاتی ہے]

وَعَلٰمٰتٍ اور اللہ تعالیٰ نے زمین پر چلنے والوں کے لیے چند علامات بنائے ہیں۔

ف: السابلہ مختلف قومیں جو دن کو راستے طے کریں۔ وہ علامات پہاڑ ہوں یا دریا، اشجار ہوں یا ہوا۔

حکایت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے ایک قوم کو دیکھا جس کے افراد زمین کو سونگھ کر راستہ پہچانتے تھے۔ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ اور دریاؤں اور جنگلوں میں ستاروں سے راستوں کا تعین کرتے ہیں اس لیے کہ رات کے

وقت سوائے ستاروں کے راستہ طے کرنے کے لیے اور کوئی شے علامت نہیں بن سکتی۔

ف : ھُم کی ضمیر غالباً قریشِ مکہ کے لیے ہے کیونکہ یہی لوگ زیادہ تر تجارت پیشہ اور ستاروں سے راستہ طے کرنے کے ماہر تھے اور اس فن میں مشہور تھے۔

سوال : پہلے مضمون میں خطاب، اب غائب کی ضمیر لانے کا کیا فائدہ ؟

جواب : اسلوب کو بدلنے اور النجم کی تقدیم اور ضمیر فصل کے درمیان لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ معاملہ بالخصوص اہلِ مکہ کا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ستاروں سے بالخصوص اہلِ مکہ ہی سیدھی راہ پاتے ہیں۔ جب یہ ان کو مستلزم ہے تو ان پر لازم ہے کہ وہ شکر ادا کریں۔

بالنجم جنس یا خاص طور پر ثریا [کہکشاں]، فرقدان، بنات النعش، جدی مراد ہے۔ انہی سے ہی رات کو جہات معلوم ہوتی ہیں کیونکہ یہی ستارے قطب شمالی [ستارہ] کے گرد گھومتے ہیں اور قطب شمالی اپنے مرکز کو نہیں چھوڑتا اور نہ ہی غائب ہوتا ہے۔ اور قطب شمالی بنات النعش صغریٰ کے وسط میں واقع ہے۔ اور جدی وہ اکیلا ستارہ ہے جو بنات النعش صغریٰ کے کونے پر واقع ہے اور فرقدان وہ ستارے ہیں جو بنات النعش صغریٰ کے دوسرے کنارے پر واقع اور النعش الصغریٰ میں شامل ہیں اور جدی بنات میں۔ اسی بنات النعش الصغریٰ کے قریب ہی بنات النعش الکبریٰ واقع ہے۔ اور یہ بھی سات ستارے ہیں۔ چار نعش کے اور تین بنات کے۔ اور ان کے اوسط کے بالمقابل ایک چھوٹا ستارا سُہیٰ نامی کھڑا ہے اور وہ نہایت باریک ہے جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کی بینائی کی تیزی اور کمی کا امتحان لیتے تھے۔ (کذا فی التکملہ لابن عساکر)

فرمانِ عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ فنِ نجوم سیکھو اس لیے کہ اس سے تم صحیح راستے پر چل سکو گے اور قبلہ کو معلوم کر سکو گے اس سے زائد سے رُکو۔ اور علمِ انساب بھی سیکھو تاکہ تم صلہ رحمی کے حقوق ادا کر سکو۔

ف : مروی ہے کہ فنِ نجوم و حساب کی ایجاد حضرت ادریس علیہ السلام نے کی۔

ف : بعض اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علم چار ہیں :

- فقہ —— دینی مسائل کے لیے
- طب —— بدن کی صحت کے لیے
- نجوم —— اوقات بینی کے لیے
- نحو —— زبان دانی کے لیے

سوال : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے نجوم سے کچھ پڑھا گویا اس نے سحر کے فن کا ایک شعبہ سیکھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علمِ نجوم سیکھنا حرام ہے۔

جواب : حافظ [دمیاطی] رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علمِ نجوم اس شخص کے لیے حرام ہے جو آنے والے حوادث و واقعات کے مستقل بالذات جاننے کا مدعی ہو۔ مثلاً بتائے کہ فلاں دن بارش ہو گی فلاں وقت برف باری ہو گی اور فلاں دن آندھی آئے گی اور فلاں تاریخ سے اجناس کے نرخ گھٹ بڑھ جائیں گے [وغیرہ] ۔ اور نجومیوں کا عقیدہ ہوتا ہے کہ یہ ستاروں کی تاثیرات کی وجہ سے ہے کہ ان کی رفتار میں کیا تاثیریں ہیں ۔ ان کے اقتران میں کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔ اور افتراق میں کیا ہوتا ہے اور ان کے ظہور میں بعض اوقات کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں ۔

مسئلہ : یہ وُہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے [اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کسی کو معلوم نہیں ہوتا]

حکایت ۵۸۲ھ میں میزان کے درجۂ ثالثہ سے دقیقہ میں سبعہ سیارہ کا اقتران ہوا تو نجومیوں نے اعلان کر دیا کہ ربع مسکون (عالم دنیا) آندھیوں سے تباہ و برباد ہو جائے گا اور یہی وقت گندم کی صفائی کا تھا ہوائیں چلتیں تو کسان غلہ صاف کرتے لیکن ان دنوں درخت کا پتا تک متحرک نہ ہوا ۔ اسی وجہ سے کسان غلہ نہ اٹھا سکے ۔ اس لیے ایک استاد نے اپنے ایک شاگرد کو وصیت فرمائی کہ اگر تم غم سے دُور رہنا چاہتے ہو تو نجومیوں کے قریب نہ جاؤ ۔ اگر اپنے منہ کی لذت چاہتے ہو تو طبیبوں سے اجتناب کرو

حکایت حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک نجومی باہر گیا ہُوا تھا ۔ جب گھر لُوٹا تو دیکھا کہ اس کی عورت کے ساتھ بیگانہ مرد بیٹھا تھا ۔ اُسے گالیاں دیں اور دھکے دیے ۔ اس سے شور و غل اُٹھا ۔ ایک بزرگ نے فرمایا ؎

تو بر اوجِ فلک چہ دانی چیست
چو ندانی کہ در سرائے تو کیست

[ترجمہ : تُو آسمان کی بلندیوں کو کیا جانے جبکہ تجھے اتنی بھی خبر نہیں کہ تیرے گھر کیا ہو رہا ہے]

مسئلہ : علمِ نجوم اسی قدر حاصل کرو کہ اس سے زوال وجہت قبلہ معلوم ہو اور پتہ چل سکے کہ کتنا وقت گزرا اور کتنا باقی رہا تو وہ حدیث مذکور کی نہی میں داخل نہیں یعنی جائز ہے] ۔

ف : فقیر [حقی] کہتا ہے کہ اہلِ توحید اور محققینِ اسلام کو چند علوم کی سخت ضرورت ہوتی ہے ،

- نجوم
- حکمت
- ہیئت
- ہندسہ
- نحو [وغیرہ]

بشرطیکہ شرع کی بھی اجازت ہو ۔ وہ اس لیے کہ ان علوم سے تفکر یعنی توحید و اسلام کے لیے غور و فکر میں مدد ملتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ۔ جب تک انسان مذکورہ بالا علوم سے کچھ بھی ذہن میں نہ رکھتا ہو گا تو مجہولِ مطلق میں کیسے

غور و فکر کر سکے گا۔ اور معلومیۃ الامر کے لیے کچھ تو معلومات ہوں۔ جب کسی کا مقصد یہی ہو جو مذکور ہوا تو اسے علم نجوم کے حصول پر مطعون و مجروح نہ ٹھہرایا جائے۔

مسئلہ: سید شریف رحمہ اللہ نے فرمایا: نجوم کا فن اس لیے حاصل کرنا کہ اس کے ذریعہ توحید و اسلام کے مسائل کے لیے استدلال اور ان پر غور و فکر کیا جائے گا تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح ان علوم سے قدرت باری تعالیٰ کے کمال کو دیکھنا چاہتا ہے تو بھی اس کے لیے اسے تحصیلِ علوم جائز ہے۔ بلکہ اسے اعظم الطاعات کہا جائے گا۔

صوفیا کا مسلک اہلِ مشاہدات و مکاشفات [صوفیاء کرام] نجوم وغیرہ کے علوم ذکرِ الٰہی سے حاصل کرتے ہیں۔ وہ ذکرِ الٰہی کی برکت سے صرف نجوم تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ انوار الملک والملکوت کا مطالعہ اور اسرار الجبروت واللاہوت کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ پھر جو اسرار و رموز مخفی عیون سے غائب ہیں آفاق انفس میں اپنے سر کی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور حکماء و منجمین جن امور میں حیران و ششدر ہیں یہ حضرات ان کے ظاہر و باطن کو برابر دیکھتے ہیں۔

ف: ایک نجومی وہ ہے جو عالمِ آفاق میں ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کو جاتا ہے۔ ایک وہ کہ عالمِ انفس میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہدایت کے ستارے ہیں جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

ف: یہ اقتدا و اہتداء بحسبِ توارث ہر زمانے میں قیامت تک جاری اور باقی ہے۔ اس لیے ہر سالک کے لیے رہبر ضروری ہے اور رہبر کا صاحبِ بصیرت اور کامل فی الولایت ہونا ضروری ہے۔ رہبر کا عنایت حق سے ہدایت میں کامل تصرف کا مالک ہونا لازمی ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بکوئے عشق منہ بے دلیل راہ قدم

کہ من بخویش نمودم صد اہتمام و نشد

[ترجمہ: عشق کے کوچہ میں رہبر کے بغیر قدم ہرگز نہ رکھنا۔ میں نے اس کا بڑا اہتمام کیا لیکن رہبر کے بغیر کامیاب نہ ہو سکا]

تفسیر صوفیانہ والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم اور اللہ تعالیٰ نے بشریت کی زمین میں وقار و سکینہ کے جبال گاڑے تاکہ تمھیں صفاتِ بشریت اور جادۂ شریعت و طریقت کے خلاف نہ کر دیں وانہارا اور بنائیں تمہارے لیے حکمت کی نہریں وسبلاً اور طریق ہدایت لعلکم تہتدون تاکہ تم اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکو وعلامات اور نشانیاں بنائیں تاکہ شواہد و کشوف نصیب ہوں وبالنجم ہدایت من اللہ کے ستاروں سے ھم یھتدون سالکینِ راہِ حق اللہ تعالیٰ کی طرف راہ پاتے ہیں یعنی انھیں عنایتِ الٰہی کا جذبہ نصیب ہوتا ہے جو انھیں وجودِ مجازی کی ظلمات سے نکال کر وجودِ حقیقی

کے نور کی طرف لے جاتا ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)
ف : حضرت ابوالقاسم خزیمی الغزاری قدس سرہٗ نے کتاب اسئلۃ المقحمہ فی اجوبۃ المفحمہ میں تحریر کیا ہے کہ والقی فی الارض (الآیہ) سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک بندے کے لیے ہدایت و شکر کا ارادہ فرمایا اور جن بدنصیبوں کو ہدایت و شکر نصیب نہ ہوا وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے نہیں تھے بلکہ وہ اپنے ارادہ و اختیار سے محروم اور بدنصیب ہوئے ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کے لیے بھی اپنی نعمتیں عنایت فرمائیں اور انھیں شعور بھی دیا کہ واقعی یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں تاکہ انھیں شکر گزاری کا موقع میسر ہو۔ کما قال تعالیٰ : خلق السمٰوٰت والارض ۔ اور فرمایا وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ نعمتیں ادائیگیٔ شکر چاہتی ہیں۔ انھی کے ذریعہ ہدایت نصیب ہوگی۔ لیکن بدبخت محروم ہے۔ اس کے بعد بتایا کہ یہ دولت اسے نصیب ہوتی ہے جسے مشیتِ ایزدی نے نوازا ہو۔ کما قال : ولو شاء لھدٰکم اجمعین ۔

تفسیر عالمانہ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کیا کوئی ایسا ہے جو اتنی بڑی مصنوعاتِ مذکورہ پیدا کر سکتا ہے۔ یعنی یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ اس کی طرح جو پیدا نہیں کر سکتے۔ یعنی وہ کسی شے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اس سے بت مراد ہیں۔ مَن عقلاً کے لیے ہوتا ہے اگرچہ بُت غیر ذوی العقول ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کے پرستار انھیں ذوی العقول مانتے تھے اسی لیے ان کے لیے ذوی العقول کا لفظ لایا گیا ہے یا اس لیے کہ اس کا بالمقابل خالق تعالیٰ ذوی العقول ہے۔ اسی لیے اس کے لیے بھی لفظ ذوی العقول لایا گیا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا :

فمنھم من یمشی علیٰ بطنہ ومنھم من یمشی علیٰ رجلین ۔

یعنی یہاں بھی ذوی العقول کے صیغے غیر ذوی العقول پر بوجہ مناسبت کے استعمال کیے گئے ہیں۔ اور یہاں پر ہمزہ انکار کا ہے یعنی دلائل توحید کے ظہور کے بعد کوئی کہہ سکتا ہے کہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہت یا مشارکت ہے؟ یعنی نہیں کہہ سکتا۔ اس لیے کہ خالق کو مخلوق سے کسی طرح بھی مشابہت نہیں ہے۔ عاجز کو قادر کا شریک ٹھہرانا غایت درجے کا عناد ہے اور نہایت درجے کی حماقت وجہالت ۔

سوال : خالق کی تشبیہ مخلوق سے کیوں؟ حالانکہ مخلوق کی تشبیہ خالق سے ہونی چاہیے۔
جواب : تخلیق میں ملکہ اور اس کے برعکس میں عدم ہے اور وجود کو عدم پر ترجیح ہے۔ اس لیے یوں ہوا۔
اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ کیا تم دلائل کا لحاظ کر کے نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو تاکہ تمھیں یقین ہو کہ جن عقاید پر اے اہلِ مکہ! تم ہو، وہ سراسر باطل اور گمراہی ہے۔ کیونکہ توحید کے دلائل نہایت واضح ہیں ان کے لیے تو نصیحت پذیری کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں۔ التذکر بمعنے یاد کرنا۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ وہ نعمتیں جو تمھیں نصیب ہیں جو مذکور بھی نہیں ہوئیں اگر تم انھیں شمار کرو تو لَا تُحْصُوْھَا تم ان کی گنتی نہیں کر سکو گے اور نہ ہی تم ان کی تعداد جانتے ہو چہ جائیکہ تم ان کا شکر ادا کر سکو۔

حلِ لغات الاحصاء بمعنے عدہ (کما فی القاموس) دراصل اہلِ عرب کا قاعدہ تھا کہ جب حساب کرتے تو کسی حد تک شمار اس کے لیے ایک کنکری رکھ دیتے۔ بعدازاں پھر نئے سرے سے شروع کر دیتے۔ اس مناسبت سے اس کا باب احصاء مقرر ہوا۔ آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ایسی نہیں کہ کنکریوں پر گنی جا سکیں بلکہ ان کی تو کوئی انتہا ہی نہیں ؎

عطائیست ہر مُو از و بر تنم

چگونہ بہر مُوئے شکرے کنم

[ترجمہ: میرے ہر بال پر ہزاروں نعمتیں ہیں پھر میں ہر بال کی نعمتوں کا کس طرح شکر ادا کر سکتا ہوں]

اِنَّ اللّٰہَ لَغَفُوۡرٌ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں کو چھپاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے تاہم وہ تمہاری کوتاہیوں سے تجاوز فرماتا ہے رَّحِیۡمٌ بہت بڑی رحمت اور عظیم نعمتوں والا ہے۔ باوجودیکہ تم اپنی غلطیوں اور خطاؤں کی وجہ سے اس لایق ہو کر تم سے رحمتِ الٰہی منقطع ہو جائے، وہ اپنی رحمت منقطع نہیں فرماتا۔ حالانکہ تم محرومی کے لایق ہو لیکن وہ تمہیں محروم نہیں کرتا اور کفرانِ نعمت پر تم کو سزا نہیں دیتا۔

نکتہ غفران کو رحمت پر مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ غفران میں تخلیہ ہے اور رحمت میں تحلیہ۔ تخلیہ تحلیہ پر مقدم ہوا کرتی ہے۔

ف: ابنِ عطا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہر انسان کے لیے نفس و قلب و محبت و دین و دنیا و طاعت و معصیت و ابتدا و انتہا اور وقت اور اصل و فصل ہے۔ نفس کی نعمت طاعات و احسان میں اور نفس ان میں منقلب ہوتا ہے۔ اور قلب کی نعمت یقین و ایمان میں ہے اور قلب ان دونوں میں منقلب ہوتا ہے۔ اور رُوح کی نعمت خوف و رجا ہے اور وہ ان میں منقلب ہوتا ہے۔ اور عقل کی نعمت حکمت و بیان ہے وہ ان میں منقلب ہوتا ہے۔ محبت کی نعمت الفت و مواصلت اور امن من الہجران ہے اور وہ ان میں منقلب ہوتا ہے۔ یہی وان تعدوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا کی تفسیر ہے۔

ف: انسان تا زیست اعمالِ صالح اور شکرِ الٰہی میں لگا رہے تب بھی صرف نعمتِ وجود کا شکر ادا نہیں کر سکتا، پھر باقی نعمتوں کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہے۔ ؎

لو عشت الف عام فی سجدۃ لربی

شکر الفضل یوم لم اقض بالتمام

والعام الف شھر والشھر الف یوم

والیوم الف حین والحین الف عام

[ترجمہ: اگر میں ہزار سال زندہ رہوں اور سجدۂ رب میں ما قبار گزروں پھر بھی اس کے ایک دن کے فضل و کرم کا مکمل طور پر شکر ادا نہیں کر سکتا۔ اگرچہ میرا ہر سال ایک ہزار ماہ کا ہو اور ہر ماہ ہزار دن کا اور ہر دن ہزار گھنٹے کا

اور ہر گھنٹہ ہزار سال کا، تب بھی ادائیگیِ شکر محال و ناممکن ہے]

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

عذر تقصیرِ خدمت آوردم
کہ ندارم بطاعت استظہار
عاصیاں از گناہ توبہ کنند
عارفاں از عبادت استغفار

[ترجمہ : میں اپنی کوتاہیِ خدمت کا عذر پیش کر کے عرض کرتا ہوں کہ مجھے تیری طاعت بجالانے کی طاقت نہیں
گنہگار گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور عارف عبادت سے استغفار]

ف : اس سے ترکِ عمل مراد نہیں بلکہ اپنی عبادت وطاعت کو لاشئے سمجھو۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے آقا کے فرمان کے مطابق زندگی بسر کرے۔ شیطان ونفس کی طاعت سے کوسوں دُور رہے کیونکہ اللہ کا فرمانبردار بندہ اور نافرمان برابر نہیں۔

حکایت بنی اسرائیل کے ایک عابد نے ستر سال عبادت کی۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس کے خلوص سے ملائکہ کو خبر کرے۔ چنانچہ ایک فرشتے کو بھیجا کہ وہ اس عابد سے کہہ دے کہ تُو خواہ مخواہ عبادت میں لگا ہوا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کی عبادت قبول نہیں کروں گا اور نہ اسے بہشت میں داخل کروں گا۔ جب فرشتے نے یہ پیغام اس عابد کو پہنچادیا تو عابد نے جواب دیا، ہم تو عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں ہمیں تو اس کے اذن کے سامنے سر جھکانا ہے اس کی مرضی ہے قبول کرے یا نہ کرے۔ فرشتہ واپس لوٹا اور عرض کی : یا اللہ العالمین! تُو جانتا ہے جو کچھ اس نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے فرشتو! سُن لو، جب وہ اپنی عبادت سے ہم سے کچھ نہیں مانگتا تو ہم بھی اسے محروم نہیں کرتے۔ فلہٰذا گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اُسے بخش دیا ہے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ عبادت کے وقت یہی نیت کرے کہ میں اس کے حکم کو بجا لا رہا ہوں اور بس۔ اس معاملہ میں درمیان سے نفسانی خیالات کو نکال دے کیونکہ یہی خیالات وصول الی الحقیقۃ کے لیے مانع ہیں۔ اگر کسی وقت اپنے آپ میں خامی دیکھے تو کثرت سے استغفار کرے کیونکہ استغفار گناہوں کی میل وکچیل کو خوب صاف کرتی ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وہ عقاید واعمال جو تم اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے ہو اللہ تعالیٰ انھیں جانتا ہے وَمَا تُعْلِنُوْنَ اور جنھیں تم ظاہر کرتے ہو انھیں بھی جانتا ہے۔ یعنی اس کے علم محیط کے آگے تمہارے ظاہری و باطنی عقاید واعمال برابر ہیں۔ اس لیے انسان پر لازم ہے کہ ان اعمال وعقاید سے بچے جو اس کی رضا کے خلاف ہوں وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ اور وہ ان کے معبودانِ باطلہ جن کی وہ پرستش کرتے ہیں۔

والذین یدعون ای والالٰہۃ الذین یعبدھم الکفار والدعاء بمعنی العبادۃ فی القراٰن کثیر[1] [یدعون

ردِّ وہابیہ بمعنے یعبدون ہے اور دُعا بمعنے عبادت قرآن مجید میں بکثرت وارد ہوا ہے]

[اس سے ہمارے دور کے وہابیہ کا ردّ ہے کہ وہ قرآن مجید میں ایسے مقامات پر دعا کو پکارنے کے معنے میں لے کر اہلسنّت کو مشرک گردانتے ہیں حالانکہ صاحبِ رُوح البیان نے نہ صرف اس مقام پر بلکہ اکثر مقامات پر دعا بمعنے عبادت کا قاعدہ لکھا ہے یہی ہم اہلسنّت کہتے ہیں][2]

مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ یہ محلاً منصوب ہے بمعنے متجاوزین اللہ۔ یاد رہے کہ من دون بمعنے ادنیٰ مکان من الشئی یعنی کسی شے کی قریب تر جگہ کو دُون کہا جاتا ہے۔ پھر تفاوت فی الاحوال والرتب کے لیے استعارۃً استعمال ہوتا ہے اس کے بعد وسعت دے کر تجاوزاً عن الحد الی الحد و تخطی فی الحکم الی الحکم کے لیے مستعمل ہے لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وہ بُت کسی شے کو بھی پیدا نہیں کر سکتے یعنی ان کی شان کے لایق ہی نہیں کہ وہ تخلیق میں کچھ دخل دیں کیونکہ وہ تو عاجز محض ہیں۔

وَھُمْ یُخْلَقُوْنَ ان کی شان اور ان کی ذات کا مقتضیٰ یہ ہے کہ وہ مخلوق ہیں کیونکہ وہ ممکنات اور اپنی ماہیت و وجود میں موجد کے محتاج ہیں۔ قاموس میں ہے کہ الخالق فی صفاتہ المبدع للشئ المخترع علیٰ غیر مثال سبق یعنی خالق اللہ تعالیٰ کا اسم صفاتی ہے۔ یعنی وہ ذات جو کسی شے کو ایسے طور پیدا فرمائے جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ۔ اموات میّت کی جمع ہے۔ یہ اسم موصول کی دوسری خبر ہے یعنی بت جماد محض ہیں ان میں حیات ہے ہی نہیں اگرچہ قانون کا تقاضا ہے کہ اسے مَوَاتٌ پڑھا جائے۔ لیکن چونکہ بُت پرست انھیں ذی حیات سمجھتے تھے اسی لیے اموات لایا گیا ہے۔

ف: قاموس میں ہے کہ موات بروزن غراب و سحاب ہے۔ وہ شے جس میں رُوح نہ ہو، اور وُہ زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو۔ اور احیاء، میت کی ضد ہے یعنی وہ سرے سے حیات کی قابلیت ہی نہیں رکھتے جیسے نطفہ اور انڈہ۔ وہ تو جماد محض ہیں ان میں حیات کی قابلیت نہیں ہے اور ان کے بت تو علی الاطلاق میت ہیں۔

وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ الشعور بمعنے جاننا از باب نصر و شرف۔ مثلاً کہا جاتا ہے شعر بہ بمعنے عَلِمَ بہ۔ اور اس کا مصدر شعر و شعور آتا ہے بمعنے فطن لہ وعقلہ اور ایان یہ مرکب ہے از ای استفہامیہ، اور آن بمعنے زمان سے، اس لیے یہ متٰی کے معنے میں آتا ہے۔ اس سے زمان کے متعلق سوال ہوتا ہے، اور این سے مکان کے متعلق۔ جب دونوں سے مرکب ہوا ہے تو اسم واحد ہو کر مبنی علی الفتح پڑھا جائے گا۔ جیسے بعلبک جب دو اسموں سے مرکب ہوا تو مبنی علی الفتح ہوا۔ اور بعث الموتٰی سے نشو یعنی ان کا زندہ کرنا مراد ہے۔ (کما فی القاموس) اب معنیٰ یہ ہوگا کہ ان کے معبودانِ باطلہ کو علم نہیں کہ ان کے پجاری

(باقی بر صفحہ ۱۸۸)

---

[1] روح البیان ج ۵ ص ۲۲

[2] اضافہ از اویسی غفرلہ

اِلٰھُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝
لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ ۝ وَاِذَا قِیْلَ
لَهُمْ مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ لِیَحْمِلُوْۤا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً یَّوْمَ
الْقِیٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ۝

ترجمہ : تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل منکر ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں۔ یقین کرو کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں بیشک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جب ان سے کہا جاتا ہے تمہارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں ہیں تاکہ قیامت کے دن اپنے گناہوں کا پورا بوجھ اٹھائیں اور ان کے بوجھ بھی جنھیں لاعلمی سے گمراہ کرتے ہیں خبردار یہ بوجھ جو اٹھا رہے ہیں بہت برا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۸۷) مرنے کے بعد قبروں سے کب اٹھیں گے۔

مسئلہ : اس میں اشارہ ہے کہ الوہیت کو یہ علم ضروری ہے کہ قیامت میں اٹھنے کا کون سا وقت ہے۔ اور ساتھ ہی کفار کو تنبیہ ہے کہ تم پر موت آئے گی اور پھر مرنے کے بعد لازماً اُٹھو گے۔ کفار مرنے کے تو قائل تھے لیکن مرنے کے بعد اٹھنے کے منکر تھے۔

(تفسیر آیات صفحہ ہذا)

تفسیر عالمانہ اِلٰھُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ تمہارا معبود ایک ہے وہ یکتا و یگانہ ہے ہم کسی شے کو اس کا شریک نہیں کرتے۔ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وہ لوگ جو آخرت اور اس کے احوال مثلاً بعث و جزا پر ایمان نہیں لاتے اور الایمان لغت میں بمعنے تصدیق بالقلب ہے اور شرع میں اعتقاد بالقلب و اقرار باللسان کو ایمان کہا جاتا ہے۔

ف : سہیلی علیہ الرحمۃ نے کتاب الامالی میں تحریر کیا ہے کہ تصدیق و ایمان میں فرق یہ ہے کہ تصدیق کے مقابل خبر کا ہونا ضروری ہے اور ایمان کبھی خبر کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور کبھی فکر و نظر کے مقابلہ میں۔ مثلاً جب تم کسی عجیب و غریب صفت کو دیکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی قدرت و صفت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہو اٰمنت۔ یہ ایمان خبر کے مقابلہ میں نہیں اس لیے کہ یہاں کوئی خبر نہیں ہے۔ ہاں جب کہیں سے کوئی خبر آئے تو تم کہو اٰمنت، تو یہاں تم نے ایک خبر کی ہے تب بھی تم نے اٰمنت ہی کہا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ تصدیق قلبی طور پر بھی ہوتی ہے اگرچہ تم زبان سے کہو تب بھی اسے تصدیق ہی کہیں گے۔ مثلاً سمعت الحدیث فصدقتہ۔ سماع حدیث کے وقت جو تصدیق قلب میں تھی وہ اس قسم میں داخل ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایمان میں اجتماع اللفظ مع العقد ضروری ہے

لغۃً بھی اور شرعاً بھی۔

قُلُوۡبُهُمۡ مُّنۡكِرَةٌ ان کے دل وحدانیتِ حق کے منکر ہیں یعنی انہیں معرفت نصیب نہیں۔ ہاں ان کے قلوب انکار سے موصوف ہیں وَهُمۡ يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ اور وہ مغرور ہیں یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جو اعترافِ وحدانیت سے روگردان ہیں اور قبولِ حق سے انکار ان کا شیوہ اور جبلی عادت ہے۔ لَا جَرَمَ تحقیقی اور یقینی بات یہی ہے کہ اَنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ جانتا ہے وہ جو دل میں انکارِ حق چھپاتے ہیں وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ اور ان کے غرور کو بھی جانتا ہے۔

تحقیقِ لَا جَرَمَ یہ حقاً کی طرح تحقیق و تاکید کے لیے آتا ہے۔ ابوالبقاءؒ نے فرمایا کہ لاجرم کے متعلق چار اقوال منقول ہیں:

- کلام ماضی کے متعلق واضح کرے گا کہ اسے رد نہیں کیا گیا۔ گویا اس کا معنیٰ ہوگا کہ معاملہ ایسے نہیں جیسے انہوں نے سمجھ رکھا ہے۔ اور جرم فعل ماضی ہے بمعنے کسب۔ اس کا فاعل ضمیر ہے جو جرم میں مضمر ہے اور اس کا ما بعد منصوب علی المفعولیۃ ہے۔
- یہ دو لفظوں سے مرکب ہے۔ پھر وہ مفرد ہو کر حقاً کے معنے میں مستعمل ہے۔ اس کا ما بعد محلاً مرفوع ہے گویا وہ ما بعد حق کا فاعل ہے۔
- لاجرم بمعنے لامحالہ ہے۔ اس معنے پر اس کا ما بعد مرفوع ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا ما بعد محلاً منصوب یا مجرور ہے۔
- لا منع کے معنے میں ہے۔

اِنَّهٗ بیشک اللہ تعالیٰ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡتَكۡبِرِيۡنَ توحید کا انکار کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ یہاں مستکبرین سے جنس مراد ہے۔ یعنی خواہ وہ مشرک ہوں یا مومن۔ الاستکبار اپنے آپ کو اپنے قدر سے بڑھانا اور حق کا انکار کرنا۔ متکبر اور مستکبر میں فرق یہ ہے کہ متکبر عام ہے بایں معنیٰ کہ اظہارِ حق کے لیے اپنے آپ کو بلند قدر ظاہر کرنا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے اسماء صفاتیہ میں متکبر بھی ہے اور جبار بھی ہے۔

حدیث شریف میں ہے: التکبر علی المتکبر صدقۃ۔
[متکبر کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ ہے۔]

اور تکبر اظہارِ کبر باطل پر بھی بولا جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ساصرف عن آیاتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق۔

اور الاستکبار صرف اظہارِ کبر باطل کے لیے مستعمل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے حق میں فرمایا: استکبر۔ یہی معنیٰ آیت ہذا میں مراد ہے۔

ف: عوارف میں ہے کہ انسان کا اپنے گمان میں اپنے آپ کو دوسرے سے بڑا سمجھنے کا نام کبر اور اس کے اظہار کا نام تکبر ہے۔

حدیث شریف میں ہے: وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا اور وہ شخص دوزخ میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔

ف : الخطابی نے فرمایا کہ اس میں دو تاویلیں ہیں :

۱۔ کبر سے کفر مراد ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں اس کے بالمقابل ایمان سے معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کے دل سے کبر نکال لے گا اس کے بعد بندہ بہشت میں داخل ہوگا۔ کیونکہ تکبر کے ساتھ بہشت میں داخل ہونا ممنوع ہے۔

ف : فتح القریب میں ہے کہ ان دونوں تاویلوں میں بُعد ہے اس لیے کہ سیاق نہی سے تکبر معروف معلوم ہوتا ہے۔ یعنی اپنے آپ کو لوگوں سے بلند قدر سمجھنا اور انھیں حقیر جاننا اور حق کو نہ ماننا۔ بعض محدثین نے اس حدیث کی تاویل میں فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تکبر کی سزا کو پا کر انسان بہشت میں داخل ہوگا۔ سزا سے پہلے اس کا بہشت میں داخلہ ممنوع ہوگا۔ بعض محدثین نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ متکبر اگرچہ بہشت کا مستحق بھی ہو تب بھی متقین کے بعد داخل ہوگا۔

حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور تاجدارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اے بنی آدم! میں نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا اور تمھاری واپسی بھی مٹی میں ہے۔ اس لیے تمھیں چاہیے کہ میرے بندوں کے سامنے تکبر مت کرو نہ حسب ونسب میں نہ مال و دولت میں۔ اگر ایسا کرو گے تو تم میرے نزدیک ذرہ برابر سے بھی ذلیل تر ہو گے کیونکہ قیامت میں تمھیں اعمال کی جزا و سزا ملے گی وہاں حسب ونسب نہ پوچھا جائے گا اور متکبرین کو ذرہ برابر سے بھی کمتر بنادوں گا جنھیں لوگ پاؤں تلے روندتے جائیں گے۔ جیسے دنیا میں جانور اپنے پیروں تلے معمولی چیزوں کو روندتے چلے جاتے ہیں۔

حکایت منقول ہے کہ دو مردوں نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے حسب ونسب پر فخر کیا۔ ایک نے کہا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں یہاں تک کہ اس نے نو پشتوں تک اپنے بڑوں کے نام گنائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ اسلام کے ہاں وحی بھیجی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! اسے فرمادو کہ وہ نو جہنم میں ہیں ان کے ساتھ دسواں تُو بھی جہنم میں ہوگا۔ اسی کے مطابق کسی شاعر نے کہا : ؎

ولا تمش فوق الارض الا تواضعا

فکم تحتها قوم همو منك ارفع

فان کنت فی عز وحرز و رفعة

فکم مات من قوم همو منك امنع

[ترجمہ : تم زمین پر تواضع سے چلو کیونکہ تجھ سے بھی بلند قدر ہو گزرے ہیں جو اس زمین کے اندر دبا دیے گئے ہیں - اگرچہ تم اس وقت عزت و شہرت کے مالک ہو اور محفوظ قلعوں میں بلند قدر ہو لیکن مرنے کے بعد وہی ہوگا جو آج تم دیکھ رہے ہو کہ زمین کتنے ایسے لوگ دبائے گئے ہیں جو تجھ سے محفوظ تر تھے]

سبق تواضع لازمی ہے اور فخر سے اجتناب ضروری ہے اس لیے کہ تواضع [انکساری و عاجزی] بہشت کے دروازوں میں سے ایک ہے اور فخر دوزخ کا ایک دروازہ ہے۔ ہمیں لازم ہے کہ ہم بہشت کا دروازہ کھٹکھٹائیں اور دوزخ کے دروازے اپنے اوپر بند رکھیں۔ ہمیں چاہیے کہ فقر معنوی یعنی فنا کلی طلب کریں اس لیے کہ اس سے فخر و استکبار کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اور ریاست الحال اور سلطنۃ المقام قسمت والوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ انسان اپنی ذات کو تواضع کے زیور سے آراستہ اور فنا کلی کی زینت سے پیراستہ کرے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا، ؎

تاج شاہی طلبی گوہر ذاتی بنمائے
ورخود از گوہر جمشید و فریدون باشی

[ترجمہ: تاجِ شاہی چاہتا ہے تو ذاتی جوہر دکھا ورنہ اگرچہ جمشید و فریدون سے بھی تیرا رشتہ ہو تب بھی بیکار ہے]

یاالٰہی! ہمیں اہلِ تواضع سے بنا، اربابِ تملق سے نہ بنا۔ ہمیں اچھے عادات بخش تاکہ ہم اہلِ تحقیق سے ہو جائیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ [اور جب ان سے کہا جاتا ہے]

شانِ نزول سعدی مفتی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ قریشِ مکہ کا اجتماع ہوا تو کہنے لگے کہ [حضرت] محمد [مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم] فصیح اللسان وشیریں زبان ہیں۔ جب بھی کسی سے بات کرتے ہیں تو اس کا دل موہ لیتے ہیں۔ ایک دوسرے سے کہنے لگے ایسا کرو کہ ہر چوک میں چند معزز اور بزرگ آدمی بٹھا دو تاکہ وہ ہر باہر سے آنے والے کو [حضرت] محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کے پاس جانے سے باز رکھیں۔ تجربۃً ایک دو راتیں اس کام کو سرانجام دیا جائے۔ چنانچہ ہر چوک میں اس منصوبہ کے تحت اہلِ مکہ پھیل گئے اور ہر آنے والے سے کہتے کہ [معاذاللہ] محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] جھوٹے ہیں صرف چند بیوقوف ہی ان کی اتباع کرتے ہیں، مکہ کے معززین اور شرفا ان کو منہ تک نہیں لگاتے۔ یوں چند افراد پر ان کی بات اثر کر گئی لیکن جن کے مقدر میں ہدایت لکھی جا چکی تھی وہ کہتے کہ ہم اتنی دور سے سفر کر کے آئے ہیں اب تمہارے کہنے سے [حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے بغیر] چلے جائیں یہ نہایت ناموزوں بات ہے۔ اب صرف ایک دو فرلانگ ہی پر تو وہ [محمد صلی اللہ علیہ وسلم] تشریف فرما ہیں ہم کم از کم انھیں [صلی اللہ علیہ وسلم] دیکھ تو لیں۔ چنانچہ وہ لوگ جونہی مکہ معظمہ میں داخل ہوتے اہلِ ایمان سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھتے تو اہلِ اسلام کہتے کہ ان کی زیارت کرنے سے معلوم ہوگا کہ وہ نہ صرف خیر و برکت عطا کرتے ہیں بلکہ بدقسمت کو رشکِ مسیحا بنا دیتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی واذا قیل لھم اور جب مشرکین متکبرین جھوٹی قسمیں کھانے والوں سے کہا جاتا ہے کہ مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ماذا انزل کی وجہ سے منصوب ہے بمعنے ای شی انزل ربکم یعنی [حضرت] محمد [مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم] پر تمہارے رب تعالیٰ نے کیا نازل فرمایا تو قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اصل جواب سے ہٹ کر دروغگوئی سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان پر کچھ نہیں اترا بلکہ ان کے ہاں پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں ہیں۔ یہ معنیٰ اس وقت صحیح

ہوگا جب اسے مبتدا محذوف کی خبر مانا جائے۔ کیونکہ یہ لوگ سرے سے نزولِ قرآن مجید کے منکر تھے وقیل للذین اتقوا ماذا انزل ربکم قالوا خیرا اور جب متقی [اہل ایمان] لوگوں سے دریافت کیا جاتا ہے کہ کیا نازل ہوا تو وہ صحیح اور حق بات کہتے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ خیر و برکت نازل ہوئی ہے۔

ف: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ماذا مرفوع بالابتدا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ جو نازل کیا ہے تمہارے رب [تعالیٰ] نے وہ کیا ہے۔ تو کفار جواب دیتے ہیں کہ وُہ بناوٹی باتیں ہیں یعنی [حضرت] محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] جن امور کے مدعی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ نہیں ہیں بلکہ انھوں [صلی اللہ علیہ وسلم] نے گزشتہ لوگوں کے چند بناوٹی قصے گھڑ لیے ہیں جنھیں وہ [صلی اللہ علیہ وسلم] عوام کو سنا کر اپنے دامِ تزویر میں پھنسا رہے ہیں [معاذ اللہ ثم معاذ اللہ] خلاصہ یہ کہ کفار نے حضور علیہ السلام پر الزام لگایا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ نہیں ملا۔ آپ جو کچھ بتاتے ہیں مَن گھڑت پرانے قصے ہیں [معاذ اللہ]۔

ف: القاموس میں ہے کہ الاساطیر وہ بناوٹی باتیں جن کا نہ سر ہو نہ منہ [بے اصل اور من گھڑت قصے]۔ جمع اسطار، اسطیر بکسرہما، اسطور۔ وبالہاء فی الکل۔

لِيَحْمِلُوٓا اَوْزَارَهُمْ تاکہ اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائیں۔ یہ لام عاقبت کی ہے۔ یعنی ان باتوں سے ان کا گناہوں کا بوجھ اٹھانا مقصود نہیں بلکہ عوام کو بہکانا مطلوب ہے۔ یہ نتیجہ ان کے کردار سے ظاہر ہے کہ ان کی جدوجہد اسی لیے ہے کہ لوگ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ جا سکیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو لوگ آپ سے دُوری اختیار کریں گے وہ گمراہ ہو جائیں گے (کما فی بحر العلوم)

الارشاد میں ہے کہ لام تعلیل کی ہے یعنی اس جدوجہد کی علت اور غرض و غایت صرف یہ ہے کہ وہ اپنے سر پر گناہوں کا بوجھ ڈالیں۔ یہ اس لیے کہ گمراہی کا انجام گناہوں کی گٹھڑیاں ہیں۔ اوزار' وذر کی جمع ہے بمعنے ثقل اور حمل سے ثقیل بوجھ کو اٹھانا مراد ہے۔

كَامِلَةً اس سے مقصد یہ ہے کہ ان کے وہی کامل بوجھ ان کے سر پر رکھے جائیں گے ان کے کسی دوسرے نیک عمل سے ان کا بوجھ ہلکا نہ ہوگا۔ یا کوئی دُکھ اور رنج ان کے گناہوں کا کفارہ نہ بن سکے گا جیسے اہلِ ایمان کے گناہوں کے کفارہ جات منجانب اللہ مقرر ہیں۔ مثلاً ایک نماز سے دوسری نماز تک، ایک روزے سے دوسرے روزے تک، ایک حج سے دوسرے حج تک کے درمیانی عرصہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح شدائد و مصائب یعنی درد و آلام، بیماریاں، قحط، یہاں تک کہ کانٹا چبھنا اور قدم ڈگمگانا کفارۂ گناہ ہیں۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لیحملوا کا ظرف ہے وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ اور جنھیں انھوں نے گمراہ کیا ان کے بعض گناہوں کا بوجھ یعنی وہ گناہ جو ان کے کہنے پر کیے تھے یا ان کے گناہوں کے ارتکاب کا سبب بنے تھے۔ کیونکہ یہ دونوں اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں یعنی کسی کو گمراہ کرنے اور دوسرے کو اس پر عمل کا گناہ مساوی ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ قیامت میں یہ تمام گناہ مجرم کے سر پر رکھے جائیں گے اور ساتھ ہی دوسرے آدمی کے وہ گناہ جو اس کے

گمراہ کرنے سے کیے تھے۔

حدیث شریف میں ہے: "جس نے برائی کی بنیاد رکھی اس پر اس کے گناہ کا بوجھ اور اس کا بھی جس نے اس غلط طریقے پر عمل کیا، رکھا جائے گا"۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

ہر کہ بنہد سنت بد اے فتی

تا در افتد بعد او خلق از عمی

جمع گردد بروے آں جملہ بزہ

کو سرے بودہ است و ایشاں دم غزہ

[ترجمہ: جو بُرے طریقے کی بنیاد رکھتا ہے تاکہ اس کے بعد دوسرے لوگ اس کی تقلید کریں۔ تو اس کے پیروکاروں کے تمام گناہ اس کے سر ہوں گے جس نے اس کی بنیاد رکھی]

بِغَیْرِ عِلْمٍ یہ یضلونھم کے فاعل سے حال ہے۔ اب عبارت یُوں ہوگی: یضلونھم غیر عالمین یعنی انھیں گمراہ کرتے وقت یہ نہیں جانتے تھے کہ واقعی جن امور کی انھیں دعوت دے رہے ہیں وہ گمراہی کا راستہ ہے اور اس گمراہ کرنے کے بدلے میں انھیں عذاب شدید میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ یا بغیر علم، یضلونھم کے مفعول سے حال ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ انھوں نے لوگوں کو گمراہ کیا درانحالیکہ وہ لوگ نہیں جانتے تھے کہ گمراہی کیا ہوتی ہے۔ بغیر علم کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ تنبیہ ہو کہ ان کا یہ طریقۂ کار عقلمندوں کے نزدیک اچھا نہ تھا۔ ہاں اغبیا اور جہلا اسے اپناتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مسئلہ سے جہل اور لاعلمی قابلِ عذر نہیں کیونکہ ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ بحث و تجسس کرے اور سوچے کہ کون سا عمل حق اور قابلِ عمل ہے اور کونسا عمل باطل اور لائقِ پرہیز ہے۔ ؎

چشم باز و گوش باز و دام پیش

سوئے دامی می پرد با پر خویش

[ترجمہ: باوجودیکہ آنکھ روشن اور کان کھلے ہوئے ہوں لیکن جال آگے ہو اور تقدیر پکڑ لے تو وہ پرندہ اسی جال کی طرف اڑتا ہے]

اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ سَاءَ، بئس کے حکم میں ہے۔ اس کی ضمیر کے لیے لازم ہے کہ اسے مبہم مانا جائے، اور اس کی تفسیر مَا یَزِرُوْنَ کرتا ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے۔ اب عبارت یُوں ہوگی: بئس شیئًا یزرونہ یعنی بہت بُرا ہے وہ بوجھ جسے یہ لوگ اٹھا رہے ہیں۔

مسئلہ: قیامت میں کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا کیونکہ ہر شخص اسی گناہ کا بوجھ اٹھائے گا جو اس نے خود کیا ہے

نہ کہ کسی دوسرے کے گناہ کا۔ اس لیے کہ یہ حکمتِ الٰہیہ کے مقتضیٰ کے خلاف ہے کہ کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ اٹھائے۔

سوال: ابھی آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ قیامت میں دوسروں کے گناہ بھی اٹھائے جائیں گے۔ یہ مسئلہ آیت کے خلاف ہے۔

جواب: آیت میں اضلال یعنی دوسروں کو گمراہ کرنے کے گناہ کا بوجھ جو وہ بھی درحقیقت اس کا خود کردہ گناہ ہے۔ اس لیے گمراہ کرنا اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

سبق: عاقل سمجھدار وہ شخص ہے جو شریعت و طریقت کے بیان کردہ ضلال و اضلال کے طریقوں سے اجتناب کرے۔

مسئلہ: جس نے قرآن مجید کو محض قصے کہانیاں سمجھ کر پڑھا اور دوسروں کو بھی اسی حیثیت سے دعوت دی تو وہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اسی طرح جو شخص قرآن مجید کے اشارات کو حقایق کے بجائے اباطیل پر محمول کرتا ہے تو وہ بوجہ انکار کے گمراہ ہوا اور طلّاب حق کو طریقۂ اقرار سے ہٹا کر گمراہ کیا۔ اس وجہ سے گویا اس نے ضلال و اضلال کے حجابات اپنے سر پر رکھے۔

قاعدہ صوفیانہ جب ضلال و اضلال کے پردے کثیف اور دوہرے ہوجاتے ہیں تو سالک حق کی تحصیل سے کوسوں دور ہوجاتا ہے۔ اسے آثار کی رؤیت بھی نصیب نہیں ہوسکتی۔

ف: اشارات صحیحہ سے وہ اشارات مراد ہیں جن کی حقیقت کتاب و سنت سے ثابت ہو۔ اور یہ وہ اشارات ہیں جو اہلِ حق کو بطورِ الہام نصیب ہوتے ہیں۔ ہاں ان سے وہ اشارات مراد لینا گمراہی ہے جن کے مدعی ملاحدہ اور بے دین اور جہال صوفیا ہیں کیونکہ ان کے یہ اشارات ان کی نفسانی خواہشات اور شیطانی شہوات سے ہوتے ہیں بلکہ انھیں اشارات کہنا بھی جرم عظیم ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

بر ہوا تاویل قرآں میکنی	پست و کژ شد از تو معنیٔ سنی
آں مگس بر برگ کاہ و بول خر	ہمچو کشتیبان ہمی افراشت سر
گفت من بدریا و کشتی خواندہ ام	مدتے در فکر آں می ماندہ ام
اینک ایں دریا و ایں کشتی و من	مرد کشتیبان و اہل و رائے زن
بر سر دریا ہمی راند او عمد	می نمودش آں قدر بیروں ز حد
صاحب تاویل اطل چو مگس	وھم او بول خر و تصویر خس
گر مگس تاویل بگذارد برائے	آں مگس را بخت گرداند ہمائے

(ترجمہ: تم ایک مکھی کی طرح تاویلِ قرآں کرتے ہو اس لیے تم کو قرآن کا حقیقی معنیٰ نہیں آتا۔ وہ مکھی گدھے کے پیشاب پر ایک خس پر بیٹھی تو کہنے لگی عرصہ سے میں سنتی تھی کہ دریا، کشتی اور کشتیبان ہوتا ہے۔ آج مجھے دریا اور

(باقی صفحہ ۱۹۶ پر)

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ
وَأَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ
شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَآقُّونَ فِيهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ
وَالسُّوٓءَ عَلَى الْكٰفِرِينَ ۝ الَّذِينَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ ۖ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ
مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوٓءٍ ۚ بَلٰىٓ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ فَادْخُلُوٓا أَبْوَابَ
جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا ۖ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝ وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَآ أَنْزَلَ
رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ
خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ
لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَآءُونَ ۚ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ تَتَوَفّٰهُمُ
الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ هَلْ
يَنْظُرُونَ إِلَّآ أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ ۚ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ فَأَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا
عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ ع

ترجمہ : بیشک ان سے پہلے لوگوں نے بھی تدبیریں بنائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی چنائی کو نیو سے ڈھا دیا تو اوپر سے
ان پر چھت گر پڑی اور ان پر عذاب وہاں سے آیا جہاں سے انھیں خیال تک نہ تھا۔ پھر قیامت میں انھیں اللہ تعالیٰ
رسوا کرے گا اور فرمائے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم جھگڑتے تھے۔ اور اہلِ علم کہیں گے کہ
آج کافروں پر پوری رسوائی اور عذاب ہے وہ کافر کہ جنھیں فرشتوں نے اس حال میں فوت کیا کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے تو اب
وہ صلح ڈالیں گے کہ ہم تو کوئی برائی نہیں کرتے ہیں۔ ہاں بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے تو جہنم کے دروازوں
میں داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہو تو تکبر والوں کا وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ اور خوفِ خدا والوں کو کہا جاتا ہے کہ تمہارے
پروردگار نے کیا نازل فرمایا تو کہتے ہیں بھلائی نازل فرمائی جنھوں نے نیکی کی ان کے لیے دُنیا میں بھلائی ہے اور آخرت
تو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے اور یقیناً پرہیزگاروں کا کیا ہی اچھا گھر ہے وہ دائمی طور بسنے کے باغات ہیں جن میں
وہ لوگ داخل ہوں گے ان کے نیچے نہریں جاری ہیں انھیں وہاں وہی عطا ہو گا جو ان کا جی چاہے گا اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں
کو ایسا صلہ عطا فرماتا ہے۔ جن کی روح فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں وہ پاک ہوتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم پر
سلامتی ہو اپنے اعمال کے عوض جنت میں داخل ہو جاؤ۔ کاہے کا انتظار کر رہے ہیں مگر ان کے ہاں فرشتے آئیں

یا آپ کے پروردگار کا حکم آئے۔ اسی طرح ان سے پہلے والوں نے بھی کیا اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے تو ان پر ان کی بداعمالیاں پہنچیں اور انھیں اس عذاب نے گھیرا جس پر وہ ہنستے تھے۔

[بقیہ صفحہ ۱۹۳] کشتی ہوتی ہے آج مجھے دریا اور کشتی مل گئی ہے۔ اسی پیشاب میں خس پر تیرتی جارہی تھی اور کہتی تھی کہ میں دریا میں کشتی چلارہی ہوں۔ جو قرآن کی غلط تاویل کرتا ہے وہ اس مکھی کی طرح ہے۔ اگر مکھی واقعی دریا میں اس طرح سے تیرتی تو وہ واقعی ہما کا درجہ پاتی لیکن جیسے مکھی دریا اور کشتی سے محروم تھی ایسے ہی قرآن کی غلط تاویل کرنے والے حقیقت سے کوسوں دور ہیں۔

[تفسیر آیاتِ صفحہ ۱۹۵]

تفسیر عالمانہ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ المكر بمعنے الخديعة یعنی فریب ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ پہلے لوگوں کی طرح اہلِ مکہ نے بھی فریب کیا۔ اس معنے پر ان کا فریب ان کے لیے ہلاکت و تباہی کا موجب بنا نہ کہ دوسروں کے لیے۔ اسی لیے مثل مشہور ہے؛

من حفر لاخيه جبا وقع فيه منكبا۔

[جو دوسرے کے لیے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں اوندھا گرتا ہے]

ف : مدارک میں ہے کہ اس سے نمرود بن کنعان مراد ہے کہ اس نے بابل میں بہت بڑا محل بنوایا جو پانچ ہزار گز لمبا اور چھ میل چوڑا تھا اس ارادہ پر کہ وہ آسمان کے مکینوں سے جنگ لڑے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے خدا تعالیٰ کو جھانک کر دیکھے کہ وہ کہاں چھپا بیٹھا ہے اور کیا کر رہا ہے]

فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ البنيان بمعنے البناء۔ اس کی جمع ابنیۃ آتی ہے اور قواعد 'قاعدہ' کی جمع ہے۔ اور قواعد البیت سے گھر کی بنیادیں مراد ہوتی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ ان کی بنیادوں کو جڑوں سے اکھاڑ ڈالے۔ اتاہ بمعنے اللہ تعالیٰ کا امر و حکم اور عذاب۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ ان کی بنیادوں کو جڑوں سے ضعیف بنا دیا جائے۔ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ تو اوپر سے ان پر چھت گر پڑی۔ کیونکہ جب مکان کی بنیاد گر جائے تو چھت کیسے ٹھہر سکتی ہے۔ اور فوقہم میں اشارہ ہے کہ وہ لوگ گھروں کے اندر تھے تو چھتیں اُن کے اُوپر گر پڑیں۔ اہلِ عرب کا قاعدہ ہے کہ وہ اگر گھروں کے اندر نہ ہوں تو کہتے ہیں : سقط علينا البيت۔

الْعَجُوبہ منقول ہے کہ ایسی سخت آندھی چلی ان کے مکانوں کی چھتوں کو اس نے دریا میں پھینک دیا۔ پھر ان کے باقی مکانات ان پر گر پڑے۔ اس ناگہاں حالت سے وہ بڑبڑائے، چلّائے اور مختلف قسم کی بولیاں بولنے لگے۔ اسی روز سے بولیاں مختلف ہوئیں۔ مختلف بولیوں سے وہ ایک دوسرے کی بات نہ سمجھتے تھے۔ مروی ہے کہ وہ لوگ اس وقت تہتّر بولیاں

مختلف قسم کی بولتے تھے۔ اس لیے اس علاقہ کو بابل کے نام سے موسوم کیا گیا ورنہ اس سے قبل وہاں صرف سریانی زبان بولی جاتی تھی۔

وَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ اور ان پر عذاب یعنی تباہی و بربادی وہاں سے آئی جہاں سے آنے کا انھیں خیال تک نہ تھا بلکہ جس طرح کا انھوں نے منصوبہ بنایا تھا اسی طرح کی توقع رکھتے تھے۔

خلاصہ اینکہ یہ اہل مکہ جو مکر و فریب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن مجید تو گذشتہ لوگوں کی بناوٹی کہانیاں ہیں ان پر دنیا میں اس طرح کا عذاب آئے گا جیسے پہلے لوگوں پر آیا جن کے متعلق انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔

ف : دیلمی نے لکھا کہ اس سے مچھروں کا عذاب مراد ہے جو نمرود کے لشکر پر مسلط کیا گیا تھا۔

حکایت: لباب میں لکھا ہے کہ نمرود کو اللہ تعالیٰ نے مچھروں کے عذاب میں مبتلا فرمایا ہوا اس طرح کہ نمرود کی ناک کے ذریعے مچھر اس کے دماغ میں پہنچا اور اس کے دماغ کو کھاتے کھاتے موٹا ہو گیا اور چار سو سال اس کے دماغ میں وہی مچھر رہا مچھر اندر سے تکلیف پہنچاتا جب تک اس کے سر پر لوہے کے چابک نہ مارے جاتے اسے آرام نہ آتا شیخ فریدالدین نے منطق الطیر میں لکھا ہے

نیم پشتہ بر سر دشمن گماشت
در سر او چار صد سالش بداشت
چوں دہد حکمش ضعیفے را مدد
سبلت خصم قوی را بر کند

[ترجمہ : چھوٹے سے مچھر کو دشمن پر مسلط فرمایا جو اس کے سر میں چار سو سال رہا جب اس کا حکم کسی ضعیف کی مدد کرتا ہے تو وہ مضبوط دشمن کی مونچھیں اکھیڑ لیتا ہے]

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ یہی عذاب دنیا اور قیامت میں ان کے لیے جزا ہوگی جو انھیں رسوا کرے گا۔ یعنی ان افترا پردازوں اور فریب کاروں کو [جو ان سے پہلے گزرے ہیں] قیامت کے دن بھرے مجمع میں ذلیل و خوار کرے گا۔

ف : دراصل الخزی وہ ذلت ہے جس کے ظاہری حال سے شرم و ندامت لاحق ہوتی ہو۔ اور یہاں پر لفظ ثمّ، ما بین الجزائین کے تفاوت کے لیے ہے۔

وَيَقُوْلُ یہاں آخر تک ان کی رسوائی کا مضمون ہے۔ یعنی قیامت میں اللہ تعالیٰ انھیں توبیخاً و تفضیحاً فرمائے گا اَيْنَ شُرَكَآءِىَ میرے وہ شریک جنھیں اپنے گمان میں میرے شریک سمجھ کر الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ یہ دراصل تشاقون تھا انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان کے ساتھ تم جھگڑتے تھے فِيْهِمْ بتوں کے بارے میں۔ بایں طور کہ جب انبیا علیہم السلام اور اہل اسلام نے تمہارے بتوں کا بطلان کیا۔

ف : استفہام سے بتوں کی شفاعت کے عقیدے کی غلط فہمی کا اظہار مطلوب ہے کہ اے بت پرستو تم انھیں شفاعت کا اہل سمجھتے تھے حالانکہ اب وہ غائب ہیں یا ان کے غلط عقیدے کو بطریق استہزا صورۃً رد کیا گیا ہے یا ان کو اپنے دعویٰ میں لاجواب ظاہر کرنا ہے۔

سوال: این مکان کی طلب کے لیے ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موجود تو ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر نہیں ہوں گے۔ اور مسلمانو! تم تو سرے سے ان کے وجود کے بھی قائل نہیں ہو۔

جواب: چونکہ کفار اپنے معبودوں کو ہر طرح کا مختار سمجھتے تھے اور ان کا گمان تھا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کو مجبور کر کے انہیں چھڑا لیں گے اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان فاسد کی تردید فرمائی کہ تم جس کو معبود و مختار سمجھتے ہو وہ بے بس بلکہ معدوم محض ہیں۔

قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اور وہ لوگ جنہیں دنیا میں توحید کے دلائل کا علم دیا گیا جس کی وجہ سے وہ کفار کو توحید کی دعوت دیتے اور ان سے جھگڑا کرتے اور کفار ان کے ساتھ تکبر اور غرور سے پیش آتے وہ قیامت میں کہیں گے ان سے انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان مراد ہیں یعنی انہیں توبیخ کرتے ہوئے اور گالی دے کر کہیں گے۔

اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ فضیحت و ذلت یعنی خواری و رسوائی ہے آج کے دن۔ الیوم، الخزی کے متعلق ہے۔ الیوم میں اشارہ ہے کہ اس سے قبل عزت و احترام میں تھے وَالسُّوْٓءَ یعنی عذاب عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اللہ تعالیٰ اور اس کے آیات اور اس کے آیات اور رسل کرام علیہم السلام کے منکرین پر۔ یہ جنسی ادعائی کے لیے قصر ہے تاکہ معلوم ہو کہ اہلِ ایمان گنہگاروں پر جو عذاب ہوگا وہ کافروں کی جنس سے نہ ہوگا بلکہ وہ کم اور نرم ہوگا اور کفار کا عذاب شدید بلکہ اشد ہوگا۔ علاوہ ازیں کافروں پر عذاب دائمی ہوگا اور مسلمان گنہگاروں کے لیے ایک مدت کے بعد ختم ہو جائے گا۔ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یہ محلاً مجرور اور الکافرین کی صفت ہے یعنی وہ کافر جنہیں فرشتے فوت کریں گے۔ اس میں اشارہ ہے کہ دائمی رسوائی اور ذلت ان لوگوں کے لیے ہوگی جو زندگی کے آخری لمحات تک کفر پر مداومت کریں گے ورنہ جسے دولتِ ایمان نصیب ہوگی اگرچہ موت سے قبل ہی سہی اسے دائمی عذاب نہ ہوگا۔

ف: الملائکۃ سے ملک الموت اور اس کے اعوان، اور توفی سے قبضِ ارواح مراد ہے۔

ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ یعنی کفر پر مداومت کرنے والوں کا یہ حال ہوگا کہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور ان کا اپنے نفسوں پر اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ انھوں نے تکبر اور کفر کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو دائمی عذاب میں مبتلا کیا۔ اور ظلم بمعنے وضع الشئی علی غیر محلہ یعنی شے کو غیر محل پر رکھنا۔ اور کافروں پر ظلم کا اطلاق ظاہر ہے کہ نفس کو بجائے اطاعت الٰہی کے کفر و استکبار علی الملک الجبار پر استعمال کر کے فطرتِ خداوندی کو تبدیل کیا۔ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ اس کا دیقول این شرکائی پر عطف ہے السلم بالتحریک بمعنے استسلام۔ یعنی آخرت میں عذابِ الٰہی کو دیکھ کر صلح و سلوک اور فرمانبرداری کی باتیں کریں گے اُس دن تمام جھگڑے ختم کر دیں گے بلکہ دنیا میں جس طرح کا تکبر وغیرہ کرتے تھے اسے ترک کرتے ہوئے کہیں گے مَا كُنَّا نَعْمَلُ ہم دنیا میں عمل نہیں کرتے تھے مِنْ سُوْٓءٍ شرک کا۔ باوجودیکہ انھیں اپنے شرک و کفر کا علم ہوگا لیکن پھر بھی انکار کر دیں گے صرف اس وجہ سے کہ کسی طرح انھیں عذاب سے نجات حاصل ہو۔ بَلٰٓى یہ جواب اہلِ علم کی طرف سے ہوگا وہ کافروں کی تردید کرتے ہوئے اصل بات کو ثابت کریں گے یعنی کفار سے کہیں گے کہ تم کفر و شرک کا عمل کرتے تھے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم عمل کرتے تھے۔ پس تمھیں اعمال کی جزا دے گا اور جزا کا یہی وقت ہے فلہٰذا اب تمھیں انکار فائدہ نہیں دے گا اور

اور نہ ہی دروغگوئی تمہارے لیے نافع ہوگی۔ فَادْخُلُوٓا فاء تعقیب کی ہے اَبْوَابَ جَهَنَّمَ جہنم کے ان دروازوں میں داخل ہو جاؤ جو تمہارے لیے تیار کھڑے ہیں خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اگر یہاں پر دخول سے حدوث مراد ہو تو یہ حال مقدرہ ہوگا۔ اگر اس سے مطلق کون مراد ہو تو یہ حال مقارنت کا ہے فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ اس کا فاء، فاء تعقیب پر عطف ہے اور لام تاکید کی قسم کے قائم مقام ہے۔ المثوی بمعنے المنزل ہے اور اس کا مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ جہنم ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ متکبرین کا ٹھکانا جہنم ہے۔

نکتہ: انہیں متکبرین کی صفت سے یاد کرنے میں اشارہ ہے کہ انہیں جہنم تکبر کی وجہ سے نصیب ہوئی اور متکبر سے توحید کا منکر یا مطلق متکبر مراد ہے مشرک ہو یا مسلم۔

تکبر کے اقسام: حضرت الشیخ علی سمرقندی قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر بحر العلوم میں لکھا کہ تکبر کی تین اقسام ہیں:

۱۔ تکبر علے اللہ یہ تمام قسموں سے قبیح اور خبیث ترین ہے اس لیے کہ یہ جہل نفس سے ہوتا ہے۔

۲۔ تکبر علی الرسل یہ اس شخص سے سرزد ہوتا ہے جو اپنے آپ کو معزز و مکرم سمجھ کر اس لیے انکار کرتا ہے کہ وہ اپنے جیسے بشر کے سامنے سر جھکائے اسے بھی قیامت میں اس متکبر کی طرح سخت عذاب ہوگا جو متکبر علی اللہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

۳۔ تکبر علی العباد وہ یہ ہے کہ کوئی اپنے آپ کو معظم اور دوسروں کو حقیر سمجھے اسی لیے ان کی اچھی بات پر عمل کرنے سے انکار کرے بلکہ انہیں اپنی بڑائی کی دعوت دے اور انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھے اور انہیں لاشے سمجھے بلکہ ان کی برابری سے نفرت کرے ایسا متکبر بڑا جاہل ہے اور غضب حق کا مستحق ہے اگرچہ پہلے دو متکبروں سے درجہ میں بہت کم ہے کہ وہ دائمی کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اور اسے سزا کے طور چند روز مبتلا ہونا پڑے گا جب کہ تکبر سے توبہ کرکے مرے۔

ف: جو شخص اللہ تعالیٰ کے بندوں (اولیاء) کے ساتھ تکبر کرتا ہے تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کی چادر شان چھیننا اور اللہ تعالیٰ کی صفت خاص سے ہونا چاہتا ہے۔

اعجوبۂ تصوف حضرت ابو الصالح حمدان بن احمد قصار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے آپ کو فرعون سے بہتر سمجھتا ہے وہ بھی متکبر ہے مثنوی شریف میں ہے ؎

آنچہ در فرعون بود اندر تو ہست
لیک اژدرہات محبوس چہ ست
آتشت را ہیزم فرعون نیست
زانکہ چوں فرعون اوراعون نیست

[ترجمہ: جو کچھ فرعون میں تھا وہ تیرے اندر بھی ہے فرق صرف یہ ہے کہ تیرا اژدہا [نفس کی شرارت] کنویں میں مقید ہے اور تیری لکڑیوں میں فرعون والی آگ نہیں تیرے نفس کو وہ طاقت حاصل نہیں جو فرعون کو حاصل تھی]

نوح علیہ السلام کی وصیت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے صاحبزادوں کو بلاکر فرمایا کہ میں تمھیں دو باتوں کا حکم دیتا ہوں اور دو باتوں سے روکتا ہوں دو باتوں کے حکم میں پہلی بات لا الٰہ الا اللہ ہے اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں اور لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں رکھی جائے تو لا الٰہ الا اللہ کا پلڑا بھاری ہوگا اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں لوہے کے بڑے حلقے بناکر رکھے جائیں اور ان پر لا الٰہ الا اللہ گرایا جائے تو ان تمام حلقوں کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دے گا دوسرا حکم سبحان اللہ وبحمدہ ہے اس لیے کہ یہ کلمہ ہر نبی علیہ السلام نمازیں پڑھتا رہا اور دو باتوں میں سے جن سے تمھیں روکتا ہوں ایک کفر دوسری کبر (تکبر) ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ عرب کے مختلف قبیلے اپنے نمائندے موسم حج میں بھیجتے تاکہ ان کو واپس جاکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خبر دیں جب نمائندے مکہ معظمہ میں داخل ہوتے تو مشرکین مکہ کے مختلف چوکوں پر کھڑے ہوئے آنے والوں کے سامنے قسمیں کھاکر کہتے کہ (معاذ اللہ حضرت) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کذاب ساحر، کاہن ہیں وغیرہ فلہذا اے لوگو تم واپس چلے جاؤ اسے مل کر نقصان اٹھاؤ گے نمائندے کہتے ہم بہت برے نمائندے متصور ہوں گے اگر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مل کر نہ جائیں۔ جب یہ نمائندے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے ملتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے صدق و امانت اور دیانت کی خبر دیتے۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔

وَقِيلَ اس کے قائل وہی نمائندے ہیں جو مختلف علاقوں سے موسم حج میں حاضر ہوتے لِلَّذِينَ اتَّقَوْا ان لوگوں سے کہتے جو کفر و شرک سے بچے ہوئے تھے یعنی مخلصین اہل ایمان کو مَاذَا یہ انزل ربکم کا مفعول ہے أَنْزَلَ رَبُّكُمْ یعنی تمہارے رب تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے قَالُوا اہلِ ایمان ان نمایندوں کو جواب دیتے کہ خَيْرًا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر خیر و برکت نازل فرمائی ہے۔ جواب سوال کے مطابق ہے اسی لیے لازماً نتیجہ نکلا کہ واقعی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و برکت نازل ہوئی اور یقیناً وہ اللہ تعالےٰ کے نبی برحق ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ خیر سے قرآن مجید مراد ہے اس لیے کہ قرآن مجید جمیع خیرات وحسنات وبرکات کا جامع ہے اور تمام دینی، دنیوی نیکیاں اور صوری و معنوی خوبیاں اس میں ہیں۔

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا یہاں أَحْسَنُوا سے نیک اعمال بالخصوص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھنا مراد ہے کیونکہ یہ کلمہ طیبہ جملہ حسنات سے احسن ہے اور یہ جملہ مستانفہ متقین کی مدح کے لیے لایا گیا ہے فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ متقیوں کو اِس دنیا میں بھی اچھا اجر ہے۔ یہ انھیں اچھے اعمال کے بدلے کے طور پر نصیب ہوگا۔ مثلاً احسن عمل کی برکت سے خون، مال کی حفاظت، مدح و ثنا کا استحقاق، دشمنوں پر فتح مندی اور مکاشفات ومشاہدات کے دروازے کھل جانا۔ جنھیں یہ دولت نصیب ہوتی ہے انھیں شراباً طہوراً کے پیالے پینے کا شرف ملے گا۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو نیک عمل کرتا ہے اور اپنے اخلاق سنوارتا ہے اور اپنے احوال میں انقلاب پیدا کرتا ہے: خلق سے روگردانی کرکے حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ سے نیکی نصیب ہوتی ہے وہ نیکی یہ ہے کہ دنیا میں اسے اللہ تعالیٰ کاملین واصلین کے زمرہ میں شامل فرماتا ہے۔

وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ اور دار آخرت یعنی دار آخرت کا ثواب **خَیْرٌ** بہتر ہے اس ذخیرہ سے جو انہیں دار دنیا میں حاصل ہوا یا اس کا مطلب یہ ہے کہ مطلقاً دار آخرت دار دنیا سے بہتر ہے اس لیے کہ آخرت بمنزلہ گوہر اور موتی کے ہے اور دار دنیا بمنزلہ ٹھیکریوں کے اور ظاہر ہے کہ گوہر اور موتی قیمت میں ٹھیکریوں سے بہت زیادہ قیمتی ہیں بلکہ یوں کہا جائے کہ ٹھیکریوں کو گوہر اور موتی سے کوئی مناسبت ہی نہیں۔

وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ اور پرہیزگاروں کے لیے دار آخرت ایک بہتر سرائے ہے۔

ف: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہاں پر دار سے دنیا مراد ہے اس لیے کہ متقین دار آخرت کے لیے اسی دار میں سرمایہ جمع کرتے ہیں اور چونکہ یہی دار دنیا دار آخرت کے عیش و عشرت کا سبب بنی اسی لیے متقی کے لیے یہی دار بہتر ہوتی ہے۔

ف: فقیر [اسماعیل حقی] کہتا ہے کہ اس معنے پر دنیا قابل ستایش ہے کہ اسی سے ہی متاع آخرت نصیب ہوئی اگر اس سے متاع غرور حاصل ہو تو پھر دنیا قابل مذمت ہے چنانچہ حضرت مولانا روم قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ چیست دنیا از خدا غافل شدن
نے قماش و نقرہ و میزان وزن

۲ مال را کز بہر دین باشی حمول
نعم مال صالح خواندش رسول

۳ آب در کشتی ہلاک کشتی است
آب اندر زیر کشتی پشتی است

۴ چونکہ مال و ملک را از دل براند
زاں سلیماں خویش جز مسکین نخواند

۵ کوزۂ سربستہ اندر آب رفت
از دل پرباد فوق آب رفت

۶ باد درویشی چو در باطن بود
بر سر آب جہان ساکن بود

[ترجمہ: ۱ - دنیا کیا ہے اللہ سے غافل ہونا، نہ کہ ساز و سامان اور چاندی اور بیوی بچے۔

۲ - وہ مال دین کے لیے تو جس کا باربردار ہو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین مال فرمایا۔

۳ - کشتی میں پانی بھرنا کشتی کی تباہی ہے۔ کشتی کے نیچے پانی کا ہونا کشتی کے لیے مددگار ہے۔
۴ - چونکہ مال اور ملک کو دل سے نکال دیا تھا اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے آپ کو مسکین کے علاوہ کچھ نہ کہا۔
۵ - سربند صا پیالہ گہرے پانی میں گیا اور ہوا سے پیٹ بھرا ہونے کی وجہ سے پانی پر تیرا۔
۶ - جب دل میں فقیری کی ہوا بھری ہو گی دنیا کے پانی کے اوپر پُر سکون ہو گا۔

فائدہ صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ متقین واصلین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطورِ انعام دارِ دنیا اور دارِ آخرت اور ہے جسے اس دارِ دنیا اور دارِ آخرت سے کوئی مناسبت نہیں وہ ہے مقام عندیہ میں مقعد الصدق کی دار، اور وہ بہت بہتر دار ہے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ عدن، عَلَم ہے۔ یعنی متقین کے لیے عدن کے باغات ہوں گے درانحالیکہ یَدْخُلُوْنَهَا ان میں وہ متقی داخل ہوں گے اور ان باغات کا حال یہ ہے کہ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ان کے منازل کے نیچے چار نہریں جاری ہوں گی اور ہر منزل میں بہترین چشمے ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا لَهُمْ خبر مقدم ہے فِیْهَا یہ مبتدا مؤخر سے حال ہے۔ مَا یَشَآءُوْنَ مبتدا ہے، یعنی متقیوں کے لیے ان باغات میں وہی ہو گا جو ان کا جی چاہے گا۔

نکتہ : بیضاوی نے لکھا کہ تقدیم ظرف میں تنبیہ ہے کہ انسان کی ہر مراد صرف بہشت میں ہی پوری ہو گی۔

سوال : فقیر [حقی] کہتا ہے کہ اگر کوئی بیضاوی کے قول مذکور کو لے کر سوال کرے کہ کیا بہشت میں اجازت ہو گی کہ انسان لواطت کی آرزو کرے اور وہ پوری کر دی جائے جس طرح کہ بعض بیوقوف لوگوں نے سمجھا ہے۔

جواب : قاعدہ ہے کہ جو فعل حکمتِ حق تعالیٰ کے خلاف ہو بندوں کو بہشت میں اس کا اشتہا بھی نہ ہو گا۔ اگر لواطت کا جواز مانا جائے تو پھر عقلاً ماں کے ساتھ بھی اشتہاء کا سوال پیدا ہو گا اور یہ اشتہاء باطل ہے جس کے بطلان پر تمام عقلاً متفق ہیں اسی طرح زنا، لواطت تمام مذاہب حقہ و باطلہ میں ہمیشہ حرام رہے کیونکہ یہ دونوں حکمتِ ایزدی کے خلاف ہیں بخلاف شراب وغیرہ کے کہ وہ دائمی حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قیامت میں نہ صرف حلال بلکہ اس کی ایک نہر ہو گی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ایسی تمنا نہ دے جو خبیث افعال سے متعلق ہو اور جسے طبائع سلیمہ نفرت کی نگاہ سے دیکھیں۔

سوال : کیا انبیاء و اولیاء کے درجات و منازل اور شہداء کے مراتب مانگنا بھی ناجائز ہو گا حالانکہ وہ تو شرعاً حرام نہیں۔ اگر ان کی آرزو کریں اور نہ ملیں تو آیت کے خلاف اگر مل جائیں تو پھر فرق مابین الانبیاء والشہداء والاولیاء والعوام کیا رہا۔

جواب : کاشفی نے لکھا کہ ایسے مراتب و کمالات و منازل مانگنے کی فکر نہ ہو گی اس لیے کہ یہ مراتب حسد کے طور مانگے جاتے ہیں یا غبطہ کے طور۔ اور یہ صفات بہشت میں نہیں ہوں گے۔ علاوہ ازیں بہشتی سے زاید مراتب کی خواہش بھی ختم ہو گی اس لیے کہ وہ انہی مراتب و کمالات پر راضی ہوں گے جو انہیں عطا ہوئے ہوں گے۔

فائدہ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ متقین کی بہشت کی خواہش اور اس کی نعمتوں کی تمنا یہ ہو گی کہ وہ بہشت میں جہاں چاہیں

جائیں اور بہشت سے نکل کر مقام عندیۃ میں مقعد صدق میں پہنچیں اسی لیے انھیں بہشت ہیں اور مقعد صدق کے متعلق جو چاہیں انھیں نصیب ہوگا۔

كَذٰلِكَ ایسی مکمل جزا کی طرح يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ شرک و معاصی سے بچنے والے کو اللہ تعالیٰ جزا دے گا۔

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ المتقین کی صفت ہے۔ یعنی جب ملک الموت اور ان کے اعوان متقین کی ارواح قبض کریں گے طَيِّبِيْنَ تو ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ ظلم علی النفس کی گرد و غبار سے پاک ہوں گے اس لیے کہ انھوں نے دُنیا میں فطرۃ الٰہی کو تبدیل نہیں کیا ہوگا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ تقویٰ کا اصل اور اعلیٰ مقصد یہی ہے کہ انسان اپنے نفس پر ظلم کی گرد و غبار سے پاک رہ کر فطرۃ الٰہی کی تبدیلی سے مرنے تک بچا رہے اس میں اہلِ ایمان کو ترغیب ہے کہ ایسے تقوے کے حصول کی کوشش کریں۔

فائدہ صوفیانہ

مشایخ نے فرمایا کہ طیبین میں اشارہ ہے کہ قبضِ ارواح کے وقت ان کے نفوس جناب قدس کی طرف کلی طور پر متوجہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے پاکیزہ نفوس سے بنائے [آمین]

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ہمچنیں باد اجل با عارفاں

نرم و خوش ہمچوں نسیم یوسفاں

[ترجمہ: بادِ اجل عارفوں کی ایسی نرم و خوش ہوتی ہے جیسی یوسف جیسوں کی نسیم ہوتی ہے]

فائدہ صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ان کے نفوس دنسِ شہوات و مخالفات سے پاک اور ان کے اخلاق شرعی امور کے مطابق ہوتے ہیں یعنی طبعی مذمومات سے منزہ ہوتے ہیں اور ان کے احوال ملاحظات الکونین کی میل کچیل سے صاف و شفاف ہوتے ہیں۔

يَقُوْلُوْنَ اور فرشتے ان کی ارواح قبض کرتے وقت علیٰ وجہ التعظیم و التبشیر کہتے ہیں سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ تم پر سلامتی ہو اور تم کو مبارک ہو کہ اب تمھیں کسی قسم کی گھبراہٹ نہ ہوگی۔

ف: قرطبی نے فرمایا کہ جب مومن کی موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو اس کے ہاں فرشتہ ملک الموت تشریف لاکر فرماتا ہے السلام علیك یا ولی اللہ اللہ یقرئك السلام و بشرہ بالجنۃ [اے ولی اللہ! تمھیں اللہ تعالیٰ سلام فرماتا اور جنت کی خوشخبری سناتا ہے]

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ جَنّٰتِ عدن میں داخل ہوجاؤ اس لیے کہ وہ صرف تمھارے لیے تیار کی گئی ہیں۔ الجنۃ کا الف و لام عہد کا ہے۔ یاد رہے کہ یہاں داخلہ سے بہشت میں داخل ہونے کا وقت مراد ہے۔ اسی لیے کاشفی نے لکھا کہ ملائکرام مومنین کو السلام علیك کہہ کر فرمائیں گے کہ اے ایمان والو! کل قیامت میں جب تم اُٹھو گے تو سیدھے بہشت میں چلے جاؤ گے کیونکہ وہ صرف تمھارے لیے تیار کی گئی ہے۔

ف : قبر بہشت کا ایک باغیچہ اور بہشت کی نعمتوں کا مقدمہ ہے ۔ جو نیک اعمال لے کر قبر میں داخل ہوا گویا وہ بہشت میں اور اس کی لازوال نعمتوں میں داخل ہوا ۔

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ بوجہ تمہارے تقویٰ اور طاعت وعمل پر ثابت قدم رہنے کے ۔ اگرچہ یہ داخلہ محض فضلِ حق کی وجہ سے ہوگا ۔ انہیں بہشت میں داخلے کا موجب نہ سمجھنا چاہیے [اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ بہشت محض فضل ربانی سے نصیب ہوگی] البتہ باء سے معلوم ہوتا ہے کہ فضل ربانی کا موجب اعمال صالحہ وصدق احوال ہیں کیونکہ بہشت کے منازل ومراتب اعمال واحوال کے مطابق نصیب ہوں گے ۔ اہلِ عرب کا ایک مشہور مقولہ ہے :

زرع یومك حصاد غدك ۔

آج کی کھیتی کل کے دن کی زادِ راہ ہے ۔

بکوش امروز تا تخمی بپاشی

کہ فردا بر جوی قادر نباشی

گر اینجا کشت کردن را نورزی

وراں خرمن بہ از ارزن نیرزی

[ترجمہ : آج جدوجہد کرکے بیج بو دے ورنہ کل قیامت میں تجھے ایک جو بھی کہیں سے نصیب نہ ہوگا ۔ اگر تم نے یہاں بیج نہ بویا تو کل قیامت میں تمہیں کچھ نصیب نہ ہوگا] ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ متقین بہشت میں اعمال کی وجہ سے داخل ہوں گے اور اس میں عبور اصلاح اخلاق کی وجہ سے ہوگا اور متعد صدق کا داخلہ اصلاحِ احوال کی برکت سے ہوگا ۔ ہر متقی کو اسی قدر مقام نصیب ہوگا جس قدر اس نے دنیا میں اللہ تعالیٰ سے خلوص وصدق رکھا ہوگا ۔

حدیث شریف میں ہے : "عدن اللہ تعالیٰ کا مخصوص گھر ہے جس میں صرف تین گروہ داخل ہوں گے :

- انبیاء علیہم السلام
- صدیقین
- شہداء

اور اس کی ایسی نعمتیں ہیں جنہیں نہ کسی نے دیکھا نہ سنا اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال گزرا ہوگا اللہ تعالیٰ اس دار [گھر] کو فرماتا ہے کہ وہ لوگ مبارکباد کے مستحق ہیں جو تجھ میں داخل ہوں گے ۔"

ف : بحر العلوم میں ہے کہ صدیقین سے وہ اہلِ ایمان مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام رسل کرام پر ایمان رکھتا ہے جو کسی ایک نبی علیہ السلام کی نبوت کا بھی انکار نہیں کرتا اور بحیثیت نبوت ان سب کو برابر مانتا ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

والذین اٰمنوا باللہ ورسلہ اولٰئک ھم الصدیقون ۔
اور یہ آیت جس کی ہم تفسیر کر رہے ہیں اس آیت پر دلالت کرتی ہے ۔

حدیث شریف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے عدن کے اندر بلا واسطہ اپنے ید قدرت سے باغات تیار فرمائے ہیں اس کا گارہ مشک خالص، اس کی مٹی اور بجری خالص موتی، اس کی ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی ۔ اس میں اپنی قدرت کاملہ سے درخت لگائے ۔ اور اس سے فرمایا: بول کیا کہتی ہے؟ تو اس [عدن] نے عرض کی قد افلح المومنون [بیشک اہل ایمان فلاح پا گئے] اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے، تو مبارکباد کی مستحق ہے کہ تیرے اندر [روحانی] بادشاہ [انبیاء، صدیقین وشہدا] ٹھہریں گے ۔

ف: قد افلح المومنون میں تنبیہ ہے کہ اس میں وہی لوگ ٹھہریں گے جو اللہ تعالیٰ اور رسل کرام علیہم السلام پر ایمان لائیں گے ۔

ف: فقیر [صاحب روح البیان قدس سرہٗ] کہتا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ بہشت میں تمام اہل ایمان داخل ہوں گے لیکن مراتب ومنازل مختلف ہوں گے ۔ مثلاً فردوس وعدن خواص اور ان کے لواحقین کے لیے، باقی بہشتیں عوام اہل ایمان کے لیے ۔

ف: یاد رہے کہ ایمان کا کمال اسرار ملکوت کے مکاشفہ اور انوار جبروت کے مشاہدہ سے نصیب ہوتا ہے ۔ اور اس درجہ پر انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے پہلے صدیق اکبر یعنی خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ فائز ہوئے ۔ اور ہماری تقریر مذکور کی تائید ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات کانت لہم جنات الفردوس نزلا سے بھی ہوتی ہے ۔ اس کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا کہ اس مضمون کے مستحق آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر ہیں ۔ اور یہ ایک وصف ہے جو ایمان سے زائد ہے ۔ یعنی یہ وصف ایمان کے ارکان وشرائط میں داخل نہیں [جیسا کہ اہل سنت کا مذہب ہے] یعنی اعمال ایمان کا جز نہیں ۔

ف: یاد رہے کہ دنیا میں جس نے علوم نافعہ کی نشر واشاعت کی اور اخلاق حمیدہ سے متجلّی ہوا وہ قیامت میں اعلیٰ درجات پر فائز ہوگا اور جس جنت عدن کا وعدہ کیا گیا ہے وہ اسے ملے گی ۔ یہ تمام لوگوں سے انبیاء وشہداء وصدیقین کے بعد رفیع الدرجات ہوں گے ۔

تفسیر عالمانہ هَلْ يَنظُرُونَ کیا کفار مکہ انتظار کر رہے ہیں [یعنی انتظار نہیں کر رہے] إِلَّآ أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ مگر یہ کہ آئیں ان کے ہاں فرشتے ۔ ملائکہ سے ملک الموت اور اس کے اعوان مراد ہیں اور ان کے آنے سے ارواح قبض کرنا مراد ہے ۔ یعنی ملائکہ کرام ان کی روحوں کو عذاب دے کر نکالتے ہیں اور عذاب کا موجب ان کے اپنے کردار ہیں ۔ خلاصہ یہ کہ کفار مکہ قصداً عذاب کا انتظار کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ قبض ارواح کے وقت عذاب شدید میں مبتلا ہوں ۔ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ یا ان پر دنیاوی عذاب نازل ہو ۔ یہ عذاب ان پر یوم بدر میں نازل ہوا ۔ كَذٰلِكَ اسی طرح جیسے انہوں نے شرک وکفر وظلم وتکذیب واستہزا کا ارتکاب کیا ایسے ہی فَعَلَ الَّذِينَ کیا ان لوگوں نے جو گزرے ہیں مِن

(باقی بر صفحہ ۲۰۶)

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا
مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى
اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِيْنَ ○ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○
وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ ۙ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهُمْ
كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ○ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ ع

ترجمہ : اور مشرکین نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کے سوا ہم اور ہمارے آباؤ واجداد کسی شے کو نہ پوجتے اور نہ ہی اس کے حکم کے بغیر کسی شے کو حرام ٹھہراتے۔ ایسے ہی ان سے پہلے والوں نے کیا تو پیغمبروں کے ذمہ کیا ہے مگر واضح طور پیغام پہنچا دینا اور بے شک ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور شیطان سے دور رہو تو ان میں بعض کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی تو زمین پر چلو پھرو پھر جھٹلانے والوں کا انجام دیکھو کہ ان کے ساتھ کیا ہوا۔ اگر تم ان کی ہدایت کے لیے حرص کرو تو (یاد رکھو) جسے اللہ گمراہ کرتا ہے اسے ہدایت نہیں دیتا اور نہ ہی ان کا کوئی مددگار ہوگا اور انھوں نے زور لگا کر قسمیں کھائیں کہ اللہ تعالیٰ (قیامت میں) مرنے والوں کو نہیں اٹھائے گا۔ ہاں سچا وعدہ اس کے ذمۂ کرم پر ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اس لیے کہ ان پر وہ واضح کردے جس میں اختلاف کرتے تھے اور اس لیے کہ کافروں کو یقین ہوگا کہ واقعی وہ جھوٹے تھے۔ ہم جس چیز کو چاہتے ہیں اس سے ہمارا صرف اتنا کہنا ہی کافی ہوتا ہے کہ ہوجا، تو وہ فوراً ہوجاتی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۰۵) قَبْلِهِمْ ان سے پہلے پہلی امتوں کے لوگ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا یعنی وہ عذاب جس میں یہ عنقریب مبتلا ہوں گے وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ لیکن وہ کفر و شرک اور معاصی کا ارتکاب کرکے اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے اس لیے کہ یہ امور ان کے عذاب میں مبتلا ہونے کے موجب تھے فَاَصَابَهُمْ یہ فاء عاطفہ ہے اس کا فعل الذین من قبلہم پر عطف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بحکم عدل انھیں پہنچا سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا ان کے اعمال و کردار کی سزا۔

سوال : سیئات تو نہیں پہنچے بلکہ انھیں ان سیئات کی وجہ سے عذاب پہنچا۔ یہاں سیئات کا ذکر کیسا؟

جواب : قاعدہ مشہور ہے کہ سبب کو اپنے اسم کے سبب سے موسوم کیا جاتا ہے تاکہ اس کی فظاعت کا اظہار ہو [یعنی اسی طرح سے شے کی عظمت (اچھی یا بری) کا اظہار ہوتا ہے] ۔ یہاں مضاف محذوف نہیں اس لیے کہ مضاف محذوف ماننے میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ شاید ان کے سیأت کے علاوہ اور بھی بُرے اعمال ہیں ۔

وَحَاقَ بِهِمْ اور ان پر نازل ہو کر انھیں محیط ہو گیا ۔ یہ حیق سے مشتق ہے بمعنے احاطۃ الشر [شر کا محیط ہونا] (کما فی القاموس) اور انسان پر اس کا اطلاق ہو تو یہ معنیٰ ہوگا کہ وہ اپنے کسی بدعمل کی وجہ سے دُکھ درد اور تکالیف میں گھر گئے ۔

مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ وہ جو اس کے ساتھ استہزا کرتے تھے لیکن جب نزولِ عذاب کا وقت قریب ہوا تو انھیں اسی عذاب نے گھیر لیا جس سے وہ استہزاء کرتے تھے ۔

[تفسیر آیات صفحہ ۲۰۶]

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اور مشرکینِ مکہ نے کہا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ چاہتا کہ ہم غیر کی پرستش نہ کریں مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ تو ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرتے مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا اور نہ ہی ہمارے آباؤ اجداد، کہ جن کی اقتدا میں ہم غیروں کی پُوجا کرتے ہیں وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ اور نہ ہی اس کے حکم سے ہٹ کر یعنی بحیرہ و سائبہ و وصیلہ اور حام کو حرام کرتے ۔

مسئلہ : اہلسنّت کا مذہب ہے کہ کفر و معاصی و دیگر جرائم اللہ تعالیٰ کی مشیت و تخلیق سے ہیں ۔ کفار اگرچہ اپنے دعوے میں سچے تھے کہ کفر و معاصی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتے ہیں لیکن وہ اس سے تحریم حلال پر استدلال کرتے تھے ۔ اسی طرح اپنے کفر و معاصی و دیگر جرائم کے ارتکاب پر مشیتِ ایزدی کو دلیل بناتے ۔ اور ان کا عقیدہ تھا کہ کفر و معاصی جب مشیتِ ایزدی پر مبنی ہیں تو پھر تحریم گناہ نہیں اور نہ ہی گناہ کے ارتکاب پر انھیں عذاب ہوگا ۔ اگرچہ ان کا یہ دعویٰ درست تھا لیکن چونکہ اس سے ان کا ارادہ مبنی بر باطل تھا اس لیے ان کا دعویٰ بھی باطل متصوّر ہوگا ۔

ف : مدارک میں مرقوم ہے کہ کفار کا یہ قول استہزاءً تھا ۔ اگر وہ بطورِ عقیدت کہتے تو بھی قابلِ قبول تھا ۔ اس لیے حسین بن فضل نے فرمایا کہ اگر کفار یہ قول تعظیم و اجلال اور معرفتِ الٰہی سے کہتے تو اللہ تعالیٰ ان کی مذمت نہ فرماتا ۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

دریں چمن نکنم سرزنش بخود روے
چنانکہ پرورشم مید ہند میرویم

[ترجمہ : اس دنیا کے چمن میں مَیں ملامت کے لائق نہیں ہوں اس لیے کہ جس طرح سے میری پرورش ہوئی میں اسی راہ پر چلتا ہوں]

اور فرمایا ؂

نقش مستوری و رندی نہ بدست من و تست
آنچہ سلطان ازل گفت بکن آں کردم

[ترجمہ: نیکی و بدی نہ تیرے ہاتھ میں ہے نہ میرے ہاتھ میں۔ اس لیے کہ جس طرح مجھے سلطانِ ازل نے فرمایا میں نے اسی طرح کیا۔]

ف: فقیر [اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ] کہتا ہے کہ جاہل غافل محجوب اور عارف کامل واصل الی المطلوب میں یہی فرق ہے کہ جاہل قبائح ومحاسن کو اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہے اور عارف قبائح کو نفس کی طرف اور محاسن کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور یہی توحید کا نچوڑ ہے۔

كَذٰلِكَ اسی فعل قبیح کی طرح فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ امم گزشتہ کے لوگوں نے کیا۔ یعنی انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک کیا اور اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام قرار دیا اور رسل کرام علیہم السلام کی نافرمانی کی۔ اور جب ان حضرات نے انھیں خطا پر متنبہ کیا اور حق کی راہ دکھائی تو مشرکین نے ان کے ساتھ جھگڑا کیا فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ رسل کرام علیہم السلام کا طریق کار نہیں اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ مگر تبلیغِ رسالت اور بطلان شرک کو واضح کرکے حق پر مطلع کرنا اور بتانا کہ شرک قبیح امر ہے نہ وہ قبول حق پر کسی کو مجبور کرتے ہیں اور نہ ہی اپنی بات منواتے ہیں بلکہ حق کا اظہار کرتے ہیں پھر لوگوں کی مرضی ہے مانیں یا انکار کریں وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ بیشک ہم نے ہر گروہ میں بھیجا رَّسُوْلًا رسول خاص۔ جیسے ہم نے آپ کو بھیجا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ یہ اَن مفسرہ ہے بعثنا کی تفسیر کرتا ہے۔ یعنی ہم نے رسول کی زبان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو صرف وہی ایک معبود ہے وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ الطاغوت سے شیطان اور ہر وہ شخص مراد ہے جو گمراہی کی دعوت دے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے رسل کرام علیہم السلام بھیجے تاکہ اتمامِ حجت اور ان کی معذرت ختم ہو ورنہ اسے علم تھا کہ ان میں کون حق قبول کریگا اور کون انکار کرے گا۔ الطاغوت بروزن فعلوت طغیان سے مشتق ہے جیسے جبروت جبر سے اور ملکوت ملک سے۔ یہ در اصل طغیوت تھا۔ عین کو لام کی جگہ پر لاکر قلب مکانی کی گئی ہے اس کی تاء تانیث کی نہیں ہے۔ فَمِنْهُمْ گزشتہ امتوں میں سے بعض لوگ۔ یہ فاء فصیحہ ہے۔ یعنی انبیا علیہم السلام کو جس کام کے لیے بھیجا گیا انھوں نے اس کی تبلیغ فرمائی یعنی عبادتِ حق اور طاغوت سے اجتناب کا حکم سنایا تو لوگ مختلف ہو گئے بعض ان میں وہ تھے مَّنْ هَدَى اللّٰهُ جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی۔ یہاں ھدایت بمعنے ہدایتِ خلق ہے یعنی بعض کے اندر اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی جنھیں حق قبول کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ یعنی عبادتِ الٰہی بجالائی اور طاغوت سے اجتناب کیا۔ یہ اس وقت ہوا جبکہ انھوں نے کفر کو اختیار کیا تو پھر اللہ تعالےٰ نے ان کے اندر توفیق پیدا فرمائی۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ اور ان میں بعض وہ تھے جن پر گمراہی ثابت اور

واجب ہوگئی اور مرتے دم تک اپنے عناد سے حق کو قبول نہ کیا بلکہ اپنے عناد پر مُصر رہے اور اپنی قدرت و اختیار کو قبول حق کے لیے صرف نہ کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں ہدایت پیدا نہ فرمائی اور نہ ہی ان کے قلب کو پاک کرنے کا ارادہ فرمایا قُلْ سِیْرُوْا اے معشرِ قریش! تم سفر کرو۔

سوال: تم نے قریش کی قید کیوں لگائی حالانکہ خطاب عام ہے۔

جواب: چونکہ کلام کا رُخ ان کی طرف ہے اس قرینے پر ہم نے قریش کی قید لگائی۔

فِی الْاَرْضِ زمین پر فَانْظُرُوْا یعنے زمین کے مختلف علاقوں میں چل پھر کر دیکھو۔

ف، فاء تعقیب میں اشارہ ہے کہ بندوں پر نظر و استدلال واجب ہے تاکہ گمراہی سے بچ سکیں۔

کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ مکذبین کا انجام کیسا ہے۔ مکذبین سے عاد و ثمود اور ان جیسے دیگر کفار مراد ہیں۔ یعنی جن پر گمراہی واجب ہوگئی۔ یہ اس لیے کہ ان کے حالات اور ان کے منازل و دیار ہلاکت و عذاب دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ اِنْ تَحْرِصْ یہ خطاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے عَلٰی ھُدٰھُمْ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہدایتِ قریش کی طلب میں جد وجہد کرتے ہیں فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ یُّضِلُّ تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب کوئی اپنے اختیار سے گمراہی و کفر چاہے تو اللہ تعالیٰ قہراً و جبراً اس میں ہدایت نہیں فرماتا وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ اور ان کا کوئی حامی کار نہیں ہوتا جو ان کی مدد کر کے ان سے عذاب دُور کر سکے اور ناصرین جمع کا صیغہ لھم کی ضمیر کی مناسبت سے ہے۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ مقابلۃ الجمع بالجمع انقسام الاحاد الی الاحاد کا مقتضی ہوتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ انبیا علیہم السلام کو مخلوق کی طرف بھیجنے کا ایک راز یہ ہے کہ وہ انھیں عبادت الٰہی اور اجتناب عن طاغوت الہوٰی اور ماسوی اللہ کی پرستش سے بچنے کا حکم فرمائیں اور انھیں خالص عبادت کا طریقہ بتائیں کہ جس میں غیریت کا شائبہ تک نہ ہو اور انھیں ماسوی اللہ سے اجتناب کی کیفیت سمجھائیں تاکہ سالکین اِن دو طریقوں سے بارگاہِ ذوالجلال میں پہنچ سکیں۔

اسی لیے مشایخ فرماتے ہیں کہ جنھیں دو قدم نصیب ہوئے وہ منزلِ مقصود پر پہنچ گئے:

۱۔ عبادۃ اللہ بالتوحید یعنی طلب و شوق اور محبت سے بالکلیہ توجہ الی اللہ۔

۲۔ الخروج عما سوی اللہ صدق و اجتہاد بلیغ سے بالکلیہ۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک غلام خریدا اس سے پُوچھا کیا کھاؤ گے؟ اس نے عرض کی جو عنایت ہوگا۔ آپ نے پُوچھا: کون سا کام کرو گے؟ عرض کی: جو حکم ہوگا۔ آپ نے فرمایا: تیرا کیا ارادہ ہے؟ عرض کی: آقا کے سامنے ارادے کیسے، میں آپ کا غلام ہُوں میرے ارادے آپ کے ارادوں کے تابع ہیں، جو آپ چاہیں گے میں آپ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کروں گا۔ حضرت ابراہیم بن ادھم نے غلام کی بات سُن کر اپنے آپ کو نصیحت فرمائی کہ تُو [ابراہیم بن ادھم] زندگی بھر اپنے آقا کے سامنے ایسی نیازمندی نہ کر سکا تجھ سے تو یہی غلام بہتر ہے جس نے ایک ہی لمحہ میں غلامی کا حق ادا کر دیا۔

سوال : طاعت راجح ہے یا ترک مخالفات ؟

جواب : معالجہ بالادویہ سے پرہیز زیادہ صحت بخشتا ہے۔ جیسے ہند کے اطبا کا اصول ہے کہ وہ بیمار کا علاج ترکِ طعام سے کرتے ہیں۔

ف : ابوالقاسم نے فرمایا کہ اُخوت بذل وایثار سے طلب نہ کرو بلکہ اس کی طلب عزائم کے ترک اور برائیوں سے بچنے کا نام ہے۔

ف : ہمارے دور کے زاہدوں و عابدوں کا حال بھی عجیب ہے کہ واقعی عبادت میں سرگرم ہیں لیکن مخالفت حق و اتباع نفس کے بھی دھنی ہیں۔ اگر یہ بندگانِ خدا صرف فرائض و واجبات کی پابندی کرتے اور رذائل ومخالفاتِ حق سے باز رہتے تو ان کے لیے یہی بہتر تھا۔ اسی لیے مثنوی شریف میں فرمایا : ؎

۱ بہر ایں بعض صحابہ از رسول
ملتمس بودند مکر نفس غول

۲ کوچہ آمیزد ز اغراض نہاں
در عبادت ہا و در اخلاص جاں

۳ فضل طاعت را نجستندے ازو
عیب ظاہر را نجستندے کہ کو

۴ مُو بمو و ذرہ ذرہ مکر نفس
می شناسیدند چو گل از کرفس

[ترجمہ : ۱۔ اسی لیے بعض صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکرِ نفس کے متعلق زیادہ سوال کرتے تھے۔
۲۔ مثلاً کبھی عرض کرتے کہ یہ نفس چھپ کر ہمارے اخلاص اور عبادت میں کیوں روڑے اٹکاتا ہے۔
۳۔ وہ طاعت کے بارے میں سوال نہ کرتے بلکہ نفس کے عیوب کے پیچھے لگے رہتے۔
۴۔ نفس کے مکر کے لیے وہ بال سے کھال اتارتے جیسے کرفس سے اس کے پھول نکالے جاتے ہیں]

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حق الیقین کی ہدایت بخشے اور ہمیں ان لوگوں سے بنائے جن کے حق میں وما لھم من ناصرین فرمایا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ الاقسام بمعنے قسم کھانا اور قسم بفتحتین خدا تعالیٰ کی قسم کھانا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی۔

شانِ نزول ابوالعالیہ سے مروی ہے کہ کسی مسلمان کا ایک مشرک پر قرضہ تھا۔ جب مسلمان اس مشرک سے قرضہ لینے گیا تو ان کا جھگڑا ہوگیا۔ مسلمان نے قسم کھائی کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کی مرنے کے بعد

زیارت ہوگی۔ مشرک نے کہا: کیا مرنے کے بعد بھی اٹھنا ہے۔ یعنی اثنائے مکالمہ مشرک نے کہا، کیا مرنے کے بعد بھی تجھے اُٹھنے کی امید ہے؟ مسلمان نے کہا: ہاں، مجھے یقین ہے کہ مرنے کے بعد ضرور اُٹھوں گا۔ مشرک نے بڑی شدّت کے ساتھ وہ قسم کھائی جو ان کے مذہب میں شدید ترین سمجھی جاتی تھی اور کہا کہ مرنے کے بعد بالکل اُٹھنا نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اپنی سخت ترین قسموں سے بات کو پختہ کرنے کے لیے وہ قسم کھاتے تھے

فوائد

○ اہل عرب کہتے ہیں: جهد الرجل فی کذا از باب منع بمعنے جد فیه وبالغ و اجتهد یعنی بہت جدوجہد اور کوشش کی۔

○ قاموس میں ہے کہ جهد ایمانهم بمعنے بالغوا فی الیمین و اجتهدوا۔ یعنی یہ لفظ اس وقت بولتے ہیں جب وہ اپنی قسموں میں مبالغہ اور بڑی جدّوجہد کرتے۔

○ جهد ایمانهم میں مصدر حال کے قائم مقام واقع ہے دراصل عبارت یُوں تھی: جاهدین فی ایمانهم یعنی اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں درانحالیکہ وہ اپنی قسموں میں مبالغہ کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ ان قسموں کو شدت اور سختی کے کنارے تک پہنچا دیتے ہیں۔

○ تفسیر ابواللیث میں ہے کہ جهد ایمانهم ان کے نزدیک وہ قسم ہوتی جو وہ اللہ تعالیٰ کے نام سے کھاتے۔ ورنہ عموماً اپنے اصنام اور آباؤ اجداد کی قسمیں کھاتے تھے۔ اسی لیے ان کے ہاں مشہور تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے کو جهد ایمانهم سے تعبیر کرتے۔

لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ کہ اللہ تعالیٰ کسی مرنے والے کو مرنے کے بعد نہیں اٹھائے گا۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ بَلٰی نفی مذکور کا رد کر کے اثبات کیا گیا یعنی اللہ تعالیٰ انھیں مرنے کے بعد ضرور زندہ کرے گا وَعْدًا اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں پختہ اور مضبوط وعدہ فرمایا ہے عَلَيْهِ کہ اسے ضرور پورا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ سے وعدہ خلافی بالکل ممتنع ہے حَقًّا حق ہے وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ واقعی وُہ قیامت میں اٹھائے جائیں گے۔ اور کافروں کا کہنا کہ قیامت قایم نہیں ہوگی یہ ان کی جہالت کا ثبوت ہے کیونکہ ان کا اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت وحکمت و دیگر صفاتِ کمالیہ پر ایمان نہیں اور انھیں یہ خبر بھی نہیں کہ کون سا قول اللہ تعالیٰ کی شان کے لایق ہے اور کون سا نہیں۔ اور نہ انھیں تخلیق وتکوین کے اسرار و رموز کا پتہ تھا ورنہ ایسی بکواس نہ کرتے

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ یہ اظهار ماکان مبهما قبل ذلك سے عبارت ہے۔ یعنی جو شے اس سے قبل مبہم ہو اسے ظاہر کرنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر ایک کو مرنے کے بعد اٹھائے گا مومن ہو یا کافر، تاکہ اس کی شان ظاہر ہو ان پر جو الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ اہلِ ایمان کے ساتھ اختلاف کرتے فِيْهِ اس کے متعلق جو بعث وجزا کے اثبات میں انھیں حق بتایا گیا۔ اسی طرح شرع مبین کے دوسرے مسائل جن میں اُنھوں نے اہلِ اسلام کے ساتھ اختلاف کیا۔

سوال : مشرکین چونکہ منکر تھے ان کے لیے تو اظہار کی ضرورت تھی مگر اہلِ ایمان کے لیے کیوں، جبکہ وہ تو اس پر ایمان رکھتے تھے۔
جواب : اگرچہ ان کو اس کا علم تھا تاہم اس اضافہ سے انہیں علمِ یقین بلکہ عین الیقین کا مرتبہ نصیب ہوگا تاکہ انہیں احوال کی حقیقت کا مشاہدہ اور ان کی صورِ حقیقیہ کا معاینہ ہو۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا تاکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں اور مشرکین اور منکرینِ بعث و نشر اور مکذبینِ وعدۂ حق کو علم ہو۔ قبور سے اٹھتے ہی انہیں یہ معلوم ہو جائے گا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ اس قول لا يبعث الله من يموت کے مطابق وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ قیامت میں بعث و نشر کی ایک حکمت یہ ہے کہ حق و باطل اور اہلِ حق و اہلِ باطل کے درمیان امتیاز ہو جبکہ اہلِ حق کو جزا اور اہلِ باطل کو سزا دی جائے گی۔

إِنَّمَا یہ ما کافہ ہے قَوْلُنَا یہ مبتدا ہے لِشَيْءٍ ہر کسی شے کو، وہ چھوٹی ہو یا بڑی، جب ہمارا حکم ہوتا ہے۔ یہ لام تبلیغیہ ہے جیسے کہا جاتا ہے : قلت له قم فقام۔

سوال : اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معدوم پر بھی شے کا اطلاق جائز ہے جیسے آیت ہذا میں وجود سے قبل کی جملہ اشیاء کو شے کہا گیا ہے حالانکہ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ اشیاءِ معدومہ کو شے سے موسوم نہیں کیا جا سکتا۔
جواب : ان اشیاءِ معدومہ کو بوجہ تعلق بمشیتِ باری تعالیٰ کے شے کہا جا رہا ہے۔

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ آیت ہذا سے ثابت ہوا کہ ان معدوم اشیاء کو شے کہنا جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں کہ وہ عالمِ وجود میں آئیں گی اور جو اس کے علم میں نہیں اسے شے نہیں کہا جا سکتا۔

إِذَا أَرَدْنَاهُ یہ قولنا کا ظرف ہے یعنی وقت ارادتنا لوجوده جب ہم کسی شے کے وجود کا ارادہ کرتے ہیں أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ یہ مبتدا مذکور کی خبر ہے۔ یعنی اسے کہتے ہیں 'ہو جا'۔ یہ کان تامہ ہے بمعنیٰ الحدوث التام فَيَكُونُ فا عاطفہ، اس کا عطف فعل مقدر پر ہے۔ دراصل عبارت فنقول ذلك فيكون تھی یا شرطِ محذوف کی جزا ہے یعنی فاذا قلنا ذلك فهو يكون و يحدث بعد ذلك۔ یہ کلام سرعتِ ایجاد سے مجاز ہے یعنی اللہ تعالیٰ پر کسی شے کی ایجاد مشکل نہیں اس میں اس کی قدرت کی تاثیر کا بیان ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے مطاع اپنے مطیع کو حکم دے تو وہ فوراً اس کی اطاعت کرے۔ اس میں غائب کو شاہد کی تمثیل میں سمجھایا گیا ہے۔ یعنی جیسے کسی کا فرمانبردار غلام اپنے آقا کے حکم کو سنتے ہی بلا توقف و تاخیر عمل کرتا ہے ایسے ہی یہاں سمجھو اور یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے کہ یہاں نہ قول نہ مقول لہ، نہ آمر نہ مامور، جیسے محسوسات میں ہوتا ہے۔ اس سے دو سوالوں کا رد ہو گیا (۱) اس میں خطاب معدوم (۲) تحصیل الحاصل لازم آتی ہے۔ خطاب معدوم کی تقریر ظاہر ہے کہ اشیاء جب تھیں ہی نہیں تو اللہ تعالیٰ نے کُنْ کس سے کہا۔ دوسرا سوال یہ کہ اگر وہ پہلے موجود تھیں تو پھر کُن کہنے سے تحصیل الحاصل لازم آئے گی۔ جواب اوپر گزرا۔ وہ یہ کہ ہم نے پہلے کہہ دیا کہ یہ صرف سمجھانے کے طور پر کہا گیا ہے ورنہ وہاں نہ قول نہ مقول لہ وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا یہ کمال ہے کہ وہ معدوم کو موجود فرمانے میں دیر نہیں فرماتا تو پھر اس کے لیے قیامت میں اٹھانے میں کون سی شے مانع ہے حالانکہ یہ اس کے مقدورات میں ایک معمولی سے ہے ؎

آنکہ پیش از وجود جاں بخشد
ہم تواند کہ بعد ازاں بخشد
چوں در آورد از عدم بوجود
چہ عجب باز اگر کند موجود

[ترجمہ: وہ ذات جو وجود سے پہلے جان بخشتی ہے اسے قدرت ہے کہ وہ وجود کو جان بخشے جب اس نے عدم سے اشیا کو وجود بخشا پھر تعجب کیوں کہ وہ مارنے کے بعد زندہ فرمائے]

ف: فخر الاسلام رحمہ اللہ اور دیگر علماء کرام نے فرمایا کہ یہاں کلام سے اس کی حقیقت مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ اشیا کو لفظ کُن ذکر پیدا فرماتا ہے اگرچہ اس کے لیے اس کی ضرورت بھی نہیں اور وہ چاہے تو دوسرے کلمہ سے تخلیق فرمائے یا بغیر کسی کلمہ کے ایجاد فرمائے اب معنی یہ ہوا کہ معدوم شے کو فرماتا ہے کُن۔ اس کے بعد وہ شے موجود ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: یاد رہے کہ اس کلمہ کُن سے بھی کلام نفسی مراد ہے کیونکہ اس کا کلام حروف و اصوات سے منزہ ہے اس کے کلام کو لفظوں کی ضرورت نہیں کیونکہ کلام لفظی حروف و اصوات سے مرکب ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ ہر کلام مرکب حادث ہوتا ہے اور حدوث اس ذات کے لیے محال ہے

صاحب روح البیانؒ کے مرشدؒ کی تقریر دلپذیر میرے صاحب روح البیان کے شیخ و مرشد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان اللہ فرد یحب الفرد بے شک اللہ تعالیٰ فرد اور فرد کو پسند کرتا ہے اس قول مبارک میں لفظ فرد تثلیث کو چاہتا ہے اور تثلیث سے ذات، صفت و فعل مراد ہے اور امر کی بنا اسی تثلیث پر ہے انما قولنا لشیٔ اذا اردناہ ان نقول لہ کن فیکون میں بھی اسی تثلیث کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ذات کا ہونا واضح ہے اور ارادہ و قول اس کے فعل و صفت پر دلالت کرتے ہیں اگرچہ قول کا تقاضہ یہ ہے کہ جس سے قول ہو وہ سلفًا موجود ہو لیکن ہم نے اس سے مجازی معنی لیا ہے وہ یہ کہ موجد (اسم فاعل) کا موجد (اسم مفعول) سے تعلق یعنی ہویت کی تاثیر اور اس کی صفت و فعل کا ظہور موجد (مخلوق) میں ہونا اس دقیق تقریر کو خوب یاد کیجیے۔

نیز فرمایا کہ روح بارش کے قطرہ کے ساتھ نازل ہوتا ہے پھر جس تعین کے لیے اس کا تعلق ہوتا ہے اسی سے متعلق ہو جاتا ہے ایسے ہی جب رحم میں انسانی ڈھانچہ کی تکمیل ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ روح پھونکتا ہے یعنی روح کا تعین ظہور اسی ڈھانچہ کے لیے ہوتا ہے اس کی مثال آگ کی چنگاری ہے کہ جب اسے جلایا نہیں جاتا تو وہ ایک غیر متعین شے ہے لیکن جب پھونک ماری جاتی ہے تو وہ چنگاری شعلہ زن ہو کر مختلف تعینات میں ظہور پذیر ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نفخ روح کی حقیقت کا سمجھنا ہمارے بس میں نہیں اسی لیے علماء کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور تعلق قدرت بالمعدومات اور بعد الموت کے عذاب کی کیفیت میں بحث چھیڑنا حماقت ہے۔

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ فَسْــٴَـلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۝ اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۝ اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝

ترجمہ: اور وہ لوگ جنھوں نے مظلوم ہو کر اللہ کے لیے اپنا وطن چھوڑا دُنیا میں ہم انھیں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے اور بیشک آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش انھیں معلوم ہوتا۔ وہ لوگ جنھوں نے صبر کیا اور اپنے پروردگار پر ہی توکل کرتے ہیں۔ اور آپ سے پہلے ہم نے نہیں بھیجے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی کرتے تو اے لوگو! علم والوں سے پُوچھ لیا کرو اگر تمھیں علم نہ ہو۔ انھیں روشن دلیلیں اور کتابیں دے کر بھیجا تھا اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا تاکہ آپ لوگوں کو وہ مضامین واضح طور پر بیان فرمائیں جو ان کی طرف اترے تاکہ وہ غور و فکر کریں تو کیا وہ لوگ جو بری تدبیریں کرتے ہیں اس سے بے فکر ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں دھنسا دے یا ان پہ عذاب ایسے موقعہ پر نازل ہو جس کا انھیں خیال بھی نہ ہو۔ یا انھیں چلتے پھرتے پکڑ لے۔ سو یہ خدا کو تھکا نہیں سکتے یا انھیں گھٹاتے گھٹاتے گرفتار کرلے۔ سو بیشک تمھارا پروردگار بڑا مہربان رحم والا ہے کیا انھوں نے اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کو نہیں دیکھا جن کے سائے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہوئے دائیں بائیں جھکتے ہیں اور وہ اس کے حضور میں عاجز و ذلیل ہیں اور زمین و آسمان میں ہر چلنے والا اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے اور فرشتے بھی۔ اور وہ غرور نہیں کرتے اور وہ اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں جو ان پر ہے اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انھیں حکم ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ اور وہ لوگ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور رضا کو مدِنظر رکھ کر اس ارادہ پر ہجرت کی کہ اس کی طاعت اسی میں ہے مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا یعنی جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اہلِ مکہ نے ظلم کیا اور انھیں مکہ معظمہ سے نکلنے پر مجبور کیا تو پہلے حبشہ کو پھر مدینہ طیبہ کو ہجرت کر گئے

اور انھیں وہ چیزیں نصیب ہوئیں ۔ اس سے مطلقاً اہلِ ہجرت مراد ہے کیونکہ یہ سورۃ مکیہ ہے ۔

شانِ نزول مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مسلمانوں پر اہلِ مکہ مسلسل ظلم کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی زمین میں متفرق ہو کر پھیل جاؤ ۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہیں ایک جگہ پر جمع فرمانے گا ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہم کہاں چلے جائیں ۔ آپ نے فرمایا کہ حبشہ کو چلے جاؤ کیونکہ وہاں کا بادشاہ بہت اچھا آدمی ہے ۔ اس کی سلطنت میں کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا اور یہ زمین صدق و سلامتی سے پُر ہے ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ تمہیں ان تکالیف اور مشقتوں سے بچا کر فرحت و سرور بخشے گا ۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی سن کر چند گنتی کے افراد ہجرت کر گئے ۔ بعض محدثین نے فرمایا وہ اسّی سے کچھ اوپر تھے ۔ کفارِ مکہ کے ظلم و ستم سے ڈر کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں چلے گئے ۔ سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ بی بی رقیہ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہجرت کی ۔ اس طرح بعض مع اہل و عیال گئے بعض اکیلے ۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دین کو بچانے کی نیت پر ہجرت کرے اگرچہ ایک بالشت بھر تو اس کے لیے بہشت واجب ہو گئی ۔ اور قیامت میں اسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی رفاقت نصیب ہوگی ۔

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ البتہ ہم انھیں بہتر جگہ سے سرفراز فرمائیں گے فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً دنیا میں بہتر منازل سے ۔ مفسرین نے فرمایا اس سے مدینہ منورہ مراد ہے ۔ چنانچہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کو مدینہ طیبہ کی سکونت کا شرف بخشا اور انھیں فتح و نصرت سے نوازا ۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے بوأہ منزلا بمعنے انزله اور المباءة المنزل ۔ حسنة منصوب علی الظرفیہ ہے یا لنبوئنهم کا مفعول ثانی ہے اگر اسے بمعنے لنعطینهم مانا جائے ۔

وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ اور وہ اجر جو ان کے لیے آخرت میں تیار کیا گیا وہ ان کی ہجرت سے أَكْبَرُ بہت بڑا ہے کیونکہ ہجرت کے فوائد انھیں دنیا میں نصیب ہوئے اور دنیا سے آخرت کے فوائد کہیں زیادہ اور بڑھیا ہیں ۔

ف : یہاں وقف لازم ہے اس لیے کہ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ کا جواب محذوف ہے اور یہ ضمیر کفار کی طرف راجع ہے اب معنی یہ ہوگا کہ اگر ان کافروں کو معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ اسلام کو دنیا و آخرت کی بہت بڑی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا تو وہ ان کی موافقت میں دینِ اسلام کو قبول کرتے اور ضمیر جمع کو مومنین کی طرف لوٹانا بھی جائز ہے اب معنی یہ ہوگا کہ اگر اہلِ ایمان مہاجرین کو معلوم ہوتا کہ مشاہدہ ربانی میں کتنا سرور و راحت ہے تو مجاہدہ اور صبر علی التکالیف میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور چاہتے کہ وہ زندہ در گور ہو جائیں ۔ کیونکہ " شنیدہ کے بود مانند دیدہ " سنی سنائی خبر آنکھوں دیکھے حال کا کب مقابلہ کر سکتی ہے ۔

الَّذِينَ اس سے اہلِ ایمان مہاجرین مراد ہیں یعنی جن لوگوں نے صَبَرُوا یعنی حرم الٰہی جیسے محبوب وطن کی مفارقت پر صبر کیا کیونکہ جب اس حرم شریف کی محبت ہر انسان کے دل میں گھر کیے ہوئے ہے پھر ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جن کا گھر ہی حرم مکی میں تھا ۔

حُبِ مکہ معظمہ مروی ہے کہ حضور سرورِعالم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے مدینہ طیبہ کو روانہ ہونے لگے تو مکہ معظمہ کو دیکھ کر رو پڑے اور فرمایا میں تیرے سے جدا ہو رہا ہوں اور یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا محبوب اور مکرم شہر ہے اگر یہ کمین مجھے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو بخدا میں تجھے ہرگز چھوڑ کر نہ جاتا حضرت ہمام نے فرمایا ؎

مشتاب ساربان کہ مرا پائے در گلست
در گردنم ز حلقۂ زلفش سلاسلست
تعجیل می کنی تو و پایم نمی رود
بیرون شدن ز منزل اصحاب مشکلست
چوں عاقبت ز صحبت یاراں برید نیست
پیوند با کسے نکند ہر کہ عاقلست

[ترجمہ: اے ساربان آہستہ چل اس لیے کہ میرے پاؤں کیچڑ میں پھنسے ہوئے ہیں اور میری گردن میں محبوب کی زلف کی زنجیر ہے تو جلدی کر رہا ہے اور میرے پاؤں نہیں چل سکتے اسی لیے گھر سے باہر جانا نہایت مشکل ہے لیکن جب کہ یاروں سے جدائی ضروری ہے اسی لیے کسی کے ساتھ تعلق جوڑنا دانا کا کام نہیں]

ف: اس طرح ان لوگوں نے اہل و عیال کی جدائی اور کفار کی اذیتیں اور تکالیف برداشت کیں اور اللہ کی راہ میں ارواح قربان کرکے صبر کیا وغیرہ وغیرہ۔

وَعَلٰى رَبِّهِمْ اور وہ صرف اپنے رب تعالیٰ پر **يَتَوَكَّلُوْنَ** توکل کیا اور غیروں سے انقطاع کلی اور ماسوی اللہ سے بالکل فراغت پائی بلکہ اپنے تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد ہو چکے۔

نکتہ: مضارع بمعنی ماضی ہے تاکہ ان کے توکل کی صورت بدیعہ کا نقشہ ذہنوں میں مکمل طور پر اتر آئے۔

تفسیرِ صوفیانہ والذین ھاجروا فی اللہ اور وہ لوگ جنھوں نے اپنے ابدان کو ان امور سے روکا جن سے شریعت پاک نے روکا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ رعایت طریقت کی وجہ سے قلوب کو حظوظ اخرویہ سے منع کیا اور ارواح کے ساتھ جذبات حقیقیہ کے سبب سے مقامات قربت و رؤیت کرامات سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کی بلکہ وہ وجود مجازی سے فارغ ہو کر بحرالوجود الحقیقی میں ایسے فنا ہوئے کہ ان میں سوائے ذات حق کے اور کوئی شے باقی نہیں رہی من بعد ما ظلموا بعد اس کے کہ وہ اسفل السافلین کی طرف لوٹائے گئے۔ لنبوئنھم ہم بھی انھیں دنیوی زندگی میں ہی اقرب القرب کے اعلیٰ مقام میں جگہ دیں گے ولاجر الاخرۃ اور دنیا سے خروج اور اوصاف بشریہ کی قید سے نجات پانے کا اجر اکبر اعظم اصفی اور خوشگوار تر ہے۔ اس سے وہ اجر مراد ہے جس سے انھیں دنیا میں مراتب و کمالات نصیب ہونے لو کانوا یعلمون اگر انھیں اپنی قدر و منزلت معلوم ہوتی تو اس کا شکر ادا کرتے الذین صبروا وہ لوگ جنھوں نے اوامر الٰہی کے سامنے سر جھکایا اور نواہی بالٰہی

سے رُک گئے اور مشاہدات ومواصلات کے حصول کے ارادے پر مجاہدات وتکالیف وشدائد پر صبر کیا وعلی ربھم یتوکلون اور طلبِ حق میں صبر کیا اور ذاتِ حق کے وجدان کے لیے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا۔

خلاصہ یہ کہ یہ لوگ صبر سے سیر الی اللہ کی طرف اور توکل سے ترقی کے منازل طے کر گئے اور ذاتِ حق میں فانی ہو کر لانہایۃ حیرتوں میں الی الابد متحیر ہوئے۔ (کذافی التاویلات النجمیہ)

فائدہ صوفیانہ جو ذاتِ حق پر توکل کرتا اور صرف اسی کا ہو جاتا ہے تو اسے ہر معاملہ میں کفایت فرماتا ہے اگر کوئی شخص دنیا اور اہلِ دنیا میں کھو گیا تو اس کا کام کبھی سرانجام نہ پائے گا اس لیے کہ اہلِ دنیا نفع پر قدرت نہیں پاتے اور نہ ہی وہ کسی بھلائی کو پہنچتے ہیں جب تک اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہ ہو۔

حکایت حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم مکہ مکرمہ میں تین روز مقیم رہے لیکن ہمیں کھانے کے لیے کچھ میسر نہ ہوا ہمارے سامنے والے مکان میں ایک درویش رہتا تھا اس کا پانی کا لوٹا ہمیشہ اس کے گھر میں لٹکا رہتا تھا اور ہم اسے کھانا کھاتے دیکھتے رہتے ایک دن میں نے انہیں عرض کی کہ ہم آپ کے مہمان ہیں انہوں نے فرمایا بہت اچھا جب شام کے کھانے کا وقت ہوا تو انھوں نے اپنی گدڑی سے دو درہم نکال کر دیئے تاکہ ہم اس سے کھانا خریدیں میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کو یہ کرامت کیسے حاصل ہوئی فرمایا اے ابوسعید صرف ایک حرف سے، وہ یہ کہ دل سے مخلوق کے تصورات ہٹا دو پھر جو چاہو پاؤ۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا [اور ہم نے نہیں بھیجے]

شانِ نزول: جب مشرکینِ مکہ کو معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا اور انھیں دعوتِ اسلام پیش فرمائی اور عبادتِ الٰہی کا حکم فرمایا تو انکار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ بڑی عظمت والا ہے اس کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اپنی توحید کے اعلان کے لیے کسی بشر کو رسول بنا کر بھیجے[1]۔ اگر اس نے رسول بھیجنا تھا تو فرشتہ بھیجتا، جو اس کے ہاں ہمہ وقت حاضر رہتے ہیں۔ ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی ہم نے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا۔

مِنۡ قَبۡلِكَ اُمم ماضیہ میں آپ سے پہلے اِلَّا رِجَالًا مگر آدمی۔ ہم نے ملائکہ کو آدمیوں کا رسول بنا کر نہیں بھیجا۔

سوال: قرآن مجید میں ہے وجاعل الملائکۃ رسلا۔ اور ہم ملائکہ کو رسول بنا کر بھیجتے ہیں۔ یہ آیت مذکورہ آیت کے خلاف ہے۔

جواب: ملائکہ کرام بھی رسول ہیں لیکن ملائکہ کی طرف یا انبیاء کی طرف۔ وہ انسانوں کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے جاتے۔

قاعدہ: کوئی عورت بھی نبی یا رسول بنا کر نہیں بھیجی گئی اس لیے کہ عورت کو پردہ ضروری ہے اور نبوت کو کھلم کھلا تبلیغ ضروری ہے جو پردہ کے

---

[1] اس سے ہمیں ملعون کیا جاتا ہے کہ ہم انبیاء علیہم السلام کو بشر نہیں مانتے۔ یہ بہتانِ صریح ہے۔ ہم انہیں اپنے جیسا بشر نہیں مانتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ان کی بشریت اتنی پاکیزہ ہوتی ہے کہ جلوہ ہائے حق سے متجلی ہو کر نورٌ علیٰ نور ہو جاتی ہے۔ بایں معنیٰ ہم انہیں بشر بھی مانتے ہیں اور نور بھی ۱۲ اویسی غفرلہٗ

منافی ہے۔

قاعدہ: کوئی لڑکا غیر بالغ بھی نبی یا رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت ملی یہ تمہارے قاعدہ کے منافی ہے۔

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جمہور امت نے اس قاعدے سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔

ازالۂ توہم: بعض لوگوں نے نبوت کے لیے چالیس سال کی شرط لگائی ہے ابن الجوزی نے فرمایا: یہ شرط لیس بشئی ہے۔ [کوئی شے نہیں]

نُوحِيْٓ اِلَيْهِمْ ملائکہ کرام کے ذریعے ہم ان کے ہاں وحی بھیجتے ہیں یہ قاعدہ اکثریہ ہے کہ اکثر طور انبیاء علیہم السلام کو وحی ملائکہ کے ذریعے پہنچی۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ نبوت، رسالت، ولایت قلوب میں امانت رکھی جاتی ہے جن قلوب کو تجارت اور دیگر کار و بار ذکر الٰہی سے غافل نہ کر سکیں ؎

نہ ہر کس سزاوار باشد بصدر
کرامت بفضلست و رتبت بقدر

[ترجمہ: ہر شخص سرفرازی کے لائق نہیں اس لیے کہ کرامت فضل اور رتبہ قدر کے مطابق ملتا ہے]

فَسْئَلُوْٓا اگر اے قریشِ مکہ! تم شک کرتے ہو تو دریافت کرو اَهْلَ الذِّكْرِ اہلِ کتاب کے علماء سے وہی تمہیں بتائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے امم ماضیہ میں جتنے انبیاء علیہم السلام بھیجے وہ تمام بشر تھے۔

سوال: اہلِ کتاب کے علماء سے پوچھنے کا حکم فرمانے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: چونکہ مشرکینِ مکہ اپنے بعض امور میں اہلِ کتاب کے علماء سے مشورہ لیا کرتے تھے اسی لیے اتمامِ حجت کے طور فرمایا کہ ان سے ہی دریافت کرو۔ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اگر تم اس مسئلہ کو نہیں جانتے۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اگر کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو تو علماء کرام کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے

حکایت: حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ آپ نے اتنا بہت بڑا علمی مرتبہ کیسے پایا جب کہ آپ تمام اصول و فروع پر حاوی ہیں آپ نے یہی آیت پڑھی یعنی انسان پر لازم ہے کہ کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آئے تو علماء کرام سے پوچھنے سے عار نہ کرے۔

حدیث شریف: حکمت مومن کا گم شدہ سامان ہے وہ اسے جہاں پائے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ حکمت کو ایسے تلاش کرے جیسے گمشدہ سامان بڑی جد و جہد کر کے تلاش کیا جاتا ہے۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ معجزات و کتب کے ساتھ۔ یہ باء فعل مقدر کے متعلق ہے اور سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ رسل کرام علیہم السلام کیا کیا دے کر بھیجے گئے؟ جواب دیا گیا بالبینٰت والزبر یعنی وہ معجزات و کتب دے کر بھیجے گئے۔ البینات البینۃ بمعنی الواضح۔ اور الزبر الزبور بمعنی المزبور یعنی المکتوب کی جمع ہے۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ

اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل فرمایا اور قرآن کو ذکر سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ غافلین کے لیے تنبیہ و تذکیر ہے یعنی وہ ذکر کا سبب ہے اطلاق المسبب علی السبب کے قبیل سے ہے۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ تاکہ آپ ہی تمام عرب وعجم کے لوگوں سے بیان فرمائیں مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ جو اس قرآن مجید میں احکام و شرائع وغیرہ ہیں۔ یعنی امم ماضیہ کے مختلف عذابوں سے تباہ و برباد ہونے کے واقعات اور ان کے وہ اعمال جو ان کے عذاب میں مبتلا ہونے کے سبب بنے۔ آپ انھیں تفصیل کے ساتھ بتائیں تاکہ ان کی تسلی و تشفی ہوجائے۔

سوال: تم نے تفصیل کی قید کیوں لگائی حالانکہ قرآن مجید میں تفصیل کا ذکر نہیں۔

جواب: تبیین و نزل دونوں تفعیل کے باب میں اور تفصیل اس باب کے خواص میں سے ہے۔

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ التفکر بمعنے تصرف القلب فی معانی الاشیاء لدرک المطلوب۔ مطلوب کے حصول کے لیے قلب کے معانی اشیاء میں متصرف ہونے کو تفکر کہا جاتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قرآن مجید کے نزول کی ایک وجہ یہ ہے کہ لوگ جو کچھ آپ سے قرآن مجید کا بیان اور اس کے احکام سنتے ہیں ان میں غور و فکر کریں کہ آپ باوجودیکہ اُمّی ہیں اور آپ نے کسی سے کچھ نہیں پڑھا اور نہ ہی کتب منزلہ کا مطالعہ کیا نہ سنا لیکن جب بیان فرماتے ہیں تو آپ کا بحرِ علم ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آتا ہے جسے سن کر بڑے بڑے دانشور انگشت بدنداں ہوجاتے ہیں۔

فائدہ صوفیانہ آپ انہیں نورِ ذکر سے بہرہ ور فرمائیں تاکہ آپ کے غلام ذکر پر مداومت و مواظبت کریں جس کی برکت سے ان حضرات کے مقام کو پہنچیں جو آپ کی متابعت اور آپ کی سنت پر چلتے ہیں۔

نسخہ جات برائے اجلاءِ القلوب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جلاءِ قلب کا نسخہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تین باتوں سے دل کو جلاء نصیب ہوتی ہے:

۱۔ ذکرِ الٰہی سے

۲۔ تلاوتِ قرآن سے

۳۔ درود شریف سے

ف: خیر الاذکار کلمۂ توحید ہے حضرت ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بیمار قلب پانچ چیزوں سے تندرست ہوتا ہے:

۱۔ تدبر کے ساتھ تلاوت القرآن

۲۔ پیٹ کو طعام سے خالی رکھنا

۳۔ قیام اللیل

۴۔ سحر کے وقت تضرع الی اللہ

۵۔ صحبتِ صالحین۔

ف: ابکار الافکار میں ہے کہ افضل الذکر تلاوتِ قرآن ہے اور یہ غیر ماثورہ ادعیہ کے پڑھنے سے افضل ہے۔ اور ادعیہ ماثورہ کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ادعیہ ماثورہ پڑھنا تلاوتِ قرآن سے افضل ہے۔ بعض نے کہا تلاوتِ قرآن افضل ہے۔

مسئلہ: نفائس المجالس میں ہے کہ تدبر و تفکر کا وجوب یاایہا الذین اٰمنوا اٰمنوا سے ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لفظ اٰمنوا کے تکرار سے قلب کو مضبوط کرنے اور تجدید ایمان کا حکم فرمایا۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

حدیث شریف جددوا ایمانکم بقول لا الٰہ الا اللہ۔ یعنی ایمان کو لا الٰہ الا اللہ سے تازہ کرو۔

ف: بعض مشایخ فرماتے ہیں: حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان بھی ضعیف ہو جاتا ہے اور اس کے ضعف کا سبب زوالِ حبِ الٰہی ہے اور اس کی تجدید توحیدِ حق سے ہوتی ہے۔

ف: کلمۂ توحید نفی و اثبات سے مرکب ہے۔ نفی میں ماسوی المعبود اور اثبات میں ما ہو المقصود کی طرف اشارہ ہے اسی سے ہی موحد کمال شہود تک پہنچتا ہے اور یہ مرتبہ نورِ تلقین اور صادقین یعنی اولیا کاملین کی صحبت سے نصیب ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ: وکونوا مع الصادقین۔

ف: اولیا کی صحبت دو قسم ہے

۱- ظاہری یعنی اہل صدق اولیا کی مجلس میں حاضری کا لزوم و دوام۔

۲- معنوی یعنی ان کے اسرار و رموز کا حصول اور ان سے مناسبت معنوی پیدا کرنا یعنی کسی ایک ولی کامل کے ساتھ قلبی رابطہ قائم کرنا۔

زمن اے دوست ایں یک پند بپذیر
برو فتراک صاحب دولتے گیر
کہ قطرہ تا صدف را در نیاید
نگردد گوہر و روشن نتابد

[ترجمہ: اے دوست میری ایک نصیحت مان لے کسی صاحب دولت یعنی ولی کامل کے آستان پر بیٹھ جا کہ جب تک قطرہ صدف میں نہیں پہنچتا اس وقت تک نہ وہ قطرہ موتی بنتا ہے نہ وہ چمک سکتا ہے]

ف: اہلِ دعوۃ پر صرف اتنا ضروری ہے کہ وہ حق لوگوں تک پہنچا دیں اور واضح طور پر انہیں دلائل دے کر بتا دیں پھر اس دعوت کے مطابق عمل کرنا بندوں پر واجب ہے اور ان پر فرض ہے کہ جو کچھ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم لائے ہیں انہیں بدل و جان سے قبول کریں بلکہ اپنی جمیع مشکلات صاحبِ دعوت یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لے جائیں یا ان کے وارثین کاملین اولیا کو عرض کریں اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ انہیں وہ علوم نصیب ہوں گے جن کا انہیں وہم تک نہ تھا اور وہ علمی و عملی کمالات تک پہنچیں گے اور نزولِ قرآن سے جو مقصدِ اصلی تھا وہی ان کو حاصل ہو جائے گا مبارکباد کے مستحق ہیں وہ حضرات جو جنان کے درجات پر فائز اور رویتِ حق سے مشرف ہوئے۔

اَفَاَمِنَ الَّذِیۡنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ ان سے اہلِ مکہ مراد ہیں اس لیے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکروفریب کیا بلکہ اس کوشش میں رہے کہ ان پر کوئی بھی ایمان نہ لائے۔ اور انھوں نے اسلام کو مٹانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ یہ فاء عاطفہ ہے۔ اس کا فعل مقدر پر عطف ہے اور انکار دونوں معطوفوں کی طرف اکٹھا ہی متوجہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا انھوں نے غور وفکر نہیں کیا، کیا امن میں ہیں وہ لوگ جنھوں نے بڑے دھوکے اور فریب کیے۔ جن کے حالات تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ اور السیّاٰت کا موصوف محذوف ہے۔ یہ دراصل المکرات السیّاٰت تھا۔ یا السیّاٰت، مکروا کا مفعول بہ ہے بجکہ مکروا، فعلوا کے معنیٰ کو متضمن ہو۔ اب عبارت یوں ہوگی ؛ فعلوا السیّاٰت وعملوا الکفر والمعاصی۔

اَنۡ یَّخۡسِفَ اللّٰہُ بِہِمُ الۡاَرۡضَ یہ اٰمن کا مفعول بہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں دھنسا دے یہاں تک کہ غرق ہو کر زمین کے نچلے حصّے میں پہنچ جائیں جیسے قارون اور اس کے ساتھیوں سے ہوا۔

اعجوبہ : گرگٹ زمین پر دونوں پاؤں سے نہیں چلتی اس خطرہ سے کہ وہ زمین میں نہ دھنس جائے اگر چلتی ہے تو نہایت آہستہ۔

سبق : ایک جانور کو جب دھنسنے کا ہر وقت خوف ہے تو جو انسان زمین پر غافل ہو کر بے دھڑک زندگی بسر کرے تو وہ عاقل نہیں بلکہ جاہل ہے۔

اَوۡ یَاۡتِیَہُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ۔ یا انہیں اللہ تعالیٰ کا عذاب گھیرے کہ وہ ایسے حال میں ہوں کہ انھیں خبر بھی نہ ہو ؎

دیدی آں قہقہۂ کبک خراماں حافظ
کہ ز سرپنجۂ شاہین قضا غافل بود

[ترجمہ : اس کبک خراماں کے قہقہہ کو دیکھئے کہ وہ شاہین قضا کے سرپنجہ سے کتنا غافل ہے]

اَوۡ یَاۡخُذَہُمۡ فِیۡ تَقَلُّبِہِمۡ ۔ تقلب بمعنیٰ گھومنا پھرنا قاموس میں ہے تقلب فی الامور ۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو جیسے چاہے تصرف کرے۔ اب معنے یہ ہوگا کہ کفار کو دیکھئے کہ وہ زمین کی سیروسیاحت اور کاروبار تجارت اور اسباب دنیا میں کیسے گھوم پھر رہے ہیں انہیں خیال تک نہیں گزرتا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس حالت میں پکڑ لے گا۔

ف : سعدی مفتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا اویاتیہم الخ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ گرفت حالت نوم وسکون میں ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو یہ عذاب آسمان سے نازل ہو اور یاخذھم الخ سے معلوم ہوتا کہ ان کو یہ حالت بحالت بیداری اور کاروبار میں مصروفیت کے وقت ہو۔ کما قال ؛

فجاءھم باسنا بیاتا اوھم قائلون ان کے ہاں ہمارا عذاب آئے رات کو یا اس حال میں کہ وہ دوپہر کو آرام کر رہے ہوں۔

فَمَا ہُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ اور وہ نہیں اللہ واحد قہار کے عذاب سے نجات پانے والے اور وہ نہیں اس کی قضاوقدر سے بچ کر نکلنے والے۔ یہ اس لیے فرمایا تاکہ وہم نہ ہو کہ جب وہ لوگ گھومتے پھرتے اور مختلف علاقوں میں چلے جاتے ہیں تو ممکن ہے وہ عذاب الٰہی سے بچ جائیں۔

حدیث شریف بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب اس کی گرفت کرتا ہے تو پھر اسے نہیں چھوڑتا۔
یعنی اسے مہلت دیتا اور اس کی عمر بڑھاتا ہے تاکہ ظلم میں اضافہ کرے جب اسے پکڑتا ہے تو اس کی سخت گرفت کرتا ہے اور پکڑنے کے بعد پھر نہیں چھوڑتا اور نہ ہی اسے کوئی چھڑا سکتا ہے۔
ف : حدیث شریف میں مظلوم کو تسلی اور ظالم کو وعید سنائی گئی ہے تاکہ ظالم مہلت پانے پر مغرور نہ ہو حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا

مہا زورمندی مکن بر کہاں
کہ بریک نمط می نماند جہاں
نمی ترسی اے گرگ ناقص خرد
کہ روزے پلنگیت برہم درد

[ترجمہ: اے سردار غریبوں پر ظلم مت کر اس لیے کہ وقت برابر نہیں رہتا اے بے عقل بھیڑیا تو ڈرتا نہیں کہ کبھی تجھے بھی چیتا پھاڑ ڈالے گا]

اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ قاموس میں ہے کہ تخوف الشئ بمعنے تنقصہ۔ اس کی مثال میں آیت کا یہی جملہ پیش کیا گیا ہے۔

حکایت : ایک اعرابی کسی سے ملا تو اس سے سوال کیا ما فعل دینك۔ اس کے جواب میں کہا تخوفتہ بمعنے تنقصتہ۔ (کما فی تفسیر ابی اللیث)
اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ انہیں پکڑے بایں طور کہ انہیں نقصان میں مبتلا کر دے کہ کبھی موت کا شکار رہیں تو کبھی احوال میں کمی واقع ہو جائے یہاں تک کہ تھوڑا تھوڑا کر کے انہیں تباہ و برباد کر دے یعنی ان پر یک بارگی تباہی و بربادی نہ ہو بلکہ آہستہ آہستہ عذاب میں مبتلا ہوں خلاصہ یہ کہ پہلے جملے میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یک بارگی پکڑنا بھی آتا ہے اور تھوڑا تھوڑا عذاب دے کر بھی۔ مختصر یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے کہ وہ جس طرح چاہے کفار کو تباہ و برباد کرے چاہے ان مذکورہ تینوں طریقوں میں سے ایک طریقہ اختیار کرے چاہے ان کے علاوہ دوسرے طور طریق سے دشمنوں کو ہلاک اور برباد کرے۔

فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ بے شک تمہارا رب رؤف و رحیم ہے اسی لیے تمہارے عذاب میں جلدی نہیں کرتا باوجودیکہ تم عذاب کے مستحق ہو لیکن اس کی رأفت تمہیں بچاتی اور اس کی رحمت تمہاری نگرانی کرتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ کریم اپنے بندوں کے لیے رؤف ہے کہ انہیں حسن استعداد سے نوازا۔ اور ان کے لیے رحیم ہے کہ معاصی و جرائم کے ارتکاب سے استعداد کو ضائع کر دینے کے باوجود بندوں کی بہت جلد گرفت نہیں فرماتا بلکہ اگر تائب ہوں تو ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اور پھر اسی بندے کو فضل و کرم اور احسان سے نوازتا ہے اور تخوف سے مراد یہ ہے کہ بندوں کے نیک اعمال کے باوجود ان کی گرفت ہوتی ہے اس لیے کہ ان کے اعمال میں ریا ہو گا یا اعمال صالح مبنی بر شہوات نفسانیہ ہوں گے اور عذاب الٰہی سے مراد یہ ہے کہ بندے کو مقبولیت حق اور بلند مراتب کے حصول سے محروم کر دیا جائے گا۔

ف : عاقل وہ ہے جو اپنے جملہ امور میں ہوشیاری سے کام لے بلکہ سیئات سے دور بھاگے کیونکہ کیا معلوم کہ عذاب الٰہی کا نزول کس عمل سے ہوتا ہے۔

ف : اور سب سے بڑا جاہل وہ ہے جو نہ اپنے نفس کی شرارت سے واقف ہے اور نہ حق تعالیٰ کے آداب کو مد نظر رکھتا ہے بلکہ وہ اپنے ارادوں پر زندگی بسر کر رہا ہے مثلاً کسی مرتبہ علیا پر فائز ہے اور گناہ کا ارتکاب بھی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی گرفت نہیں کرتا تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ اس کی قبولیت کی دلیل ہے حالانکہ اس کی گرفت میں تاخیر اللہ تبارک تعالیٰ کی جانب سے مہلت دی گئی ہے تاکہ وہ اپنی غلطی سے باز آجائے لیکن اس نے جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے دوسرے معنی پر محمول کیا یہ اس کے نور بصیرت بجھ جانے کی علامت ہے اسے طریقت میں گستاخ الوہیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کی جہالت یوں ہے کہ جیسے وہ سمجھتا ہے کہ غلطی کے ارتکاب پر اگر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا تو اس سے وہ مرتبہ کیوں نہ چھین لیتا اس بے وقوف کو کیا خبر کہ اس نے چھین لیا ہو لیکن اسے خبر تک نہ ہو ورنہ کم از کم یہ نہیں سمجھتا کہ مقبولیت میں درجات کا شب و روز اضافہ ہوتا ہے اور یہاں تیرے لیے اضافہ کے بجائے ترقی رک گئی ہے ترقی کا رکنا بھی اس کی بارگاہ سے راندگی کی علامت ہے اور یہی تیرے خسارہ کی دلیل ہے۔

بعض مشائخ نے اپنے مرید کو نصیحت کے طور فرمایا کہ بارگاہ حق کی ظاہری و باطنی بے ادبی و گستاخی سے بچنے کی کوشش کرنا اس لیے کہ جو اس بارگاہ کی ظاہری بے ادبی کرتا ہے تو اسے ظاہری سزا میں مبتلا کیا جاتا ہے اور جو باطنی بے ادبی کرتا ہے تو اسے باطنی سزا ملتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر بے ادب اور گستاخ الوہیت و نبوت و ولایت کو درگاہ حق سے دور کر دیا جاتا ہے اگرچہ وہ بہت بڑی نیکیوں سے آراستہ پیراستہ اور اپنے آپ کو قرب الی اللہ ہونے کا مدعی ہو اور وہ مردود اور راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے اگرچہ وہ اپنے آپ کو کتنا ہی مقبول درگاہ کہتا ہو۔

نکتہ : حضرت رویم نے فرمایا عمل اگرچہ تھوڑا ہو لیکن ادب بہت زیادہ ہونا ضروری ہے انہوں نے عمل کو نمک سے اور ادب کو آٹے سے تعبیر فرمایا کما قال لابن خفیف " اجعل عملك ملحا و ادبك دقیقا " عمل اتنا ہو جتنا آٹے میں نمک اور ادب اس کے مقابل آٹے کی مقدار میں ہو۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

از خدا جوئیم توفیق و ادب

بے ادب محروم گشت از لطف رب

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد

بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

ہر کہ نامردے کند در راہ دوست

رہزن مرداں شد و نامرد اوست

[ترجمہ : ہم اللہ سے ادب کی توفیق کی عرض کرتے ہیں بے ادب ہمیشہ لطف ربانی سے محروم ہوتا ہے بے ادب نہ صرف اپنے آپ کو برباد کرتا ہے بلکہ اس کی نحوست کی آگ جملہ عالم کو لپیٹ لیتی ہے جو دوست راہ میں نامردی کرتا ہے وہ مردان خدا کا رہزن ہے اور

بہت بڑا نام مراد ہے]

اے اللہ ہمیں اپنے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ادب کرنے والوں سے بنا۔[1]

اَوَلَمْ یَرَوْا یہ ہمزہ انکاریہ ہے اور درحقیقت نفی میں داخل ہے۔ قاعدہ ہے کہ انکار النفی سے نفی ہوتی ہے اور دوسرا قاعدہ ہے کہ نفی النفی سے اثبات حاصل ہوتا ہے اور یہاں رؤیت سے رویت بصریہ مراد ہے۔ اور رؤیت بصریہ سے تفکر ثابت ہوتا ہے اور ضمیر کفار کی طرف راجع ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا کفار نے نہیں دیکھا۔ یعنی انھوں نے غور و فکر نہیں کیا۔ اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ یعنی جب انھوں نے ایسے صنائع دیکھے ہیں تو پھر غور و فکر کیوں نہیں کرتے تا کہ کمال قدرت الٰہی اور غلبۂ حق کا یقین کر کے اس سے ڈریں۔

مِنْ شَیْءٍ یہ ما موصولہ کا بیان ہے یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ تھوڑے تھوڑے سائے، ایک جانب سے دوسری جانب ڈھلتے ہیں یعنی جیسے اللہ خالق چاہتا ہے وہ اس کی حکمت کے مطابق چکر لگاتے ہیں۔

ف: تفیؤ کا باب افاعۃ کا مضارع ہو کر مستعمل ہے۔ تہذیب المصادر میں ہے کہ نصف النہار کے بعد سایہ کے رجوع کو عربی میں تفیؤ کہتے ہیں۔ اسی معنیٰ پر تفیؤ کا اطلاق دوپہر کے بعد یعنی شام کے سائے ڈھلنے کو کہا جائے گا۔ اس کی مثال یہی آیت یتفیؤ ظللہ ہے اور ظلال ظل کی جمع ہے بمعنے سایہ۔ یہ جملہ من شئی کی صفت ہے۔

ف: الارشاد میں لکھا ہے کہ اگرچہ ما موصولہ عموم کا مقتضی ہے لیکن یہاں پر جمادات مثلاً جبال، اشجار، احجار مراد ہیں کہ جن کے سایہ کا اثر سورج کے طلوع کے بعد چڑھنے اور ڈھلنے سے ظاہر ہوتا ہے اور حیوانات کا سایہ ان کے تحرک سے ظاہر ہوتا ہے حیوانات میں انسان بھی شامل ہیں[2] اور تبیان میں ہے کہ آیت میں صاحب سایہ سے اشجار اور مکانات مراد ہیں اس طرح ہر وہ جسم جس کے ساتھ سایہ قائم ہو۔

عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ یہ یتفیؤ کے متعلق ہے۔ الشمائل شمال کی جمع ہے۔ اگر بالکسر ہو تو بمعنے ضد الیمین یعنی بائیں جانب۔ اگر بالفتح ہو تو اس کا معنیٰ ہے کہ وہ مقام جو مطلع الشمس و بنات النعش کے درمیان واقع ہے یا مطلع الشمس سے مسقط النسر الطائر تک کا مقام مراد ہے۔ (کما فی القاموس)

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ کیا کفار مکہ ان اشیاء کو نہیں دیکھتے کہ جن کے سائے دائیں بائیں جانب ڈھلتے ہیں اور التبیان میں ہے کہ اشیاء کے سائے اول النہار دائیں جانب ہوتے ہیں اور آخر النہار بائیں جانب کہ جب کہ انسان متوجہ الی القبلہ ہو گویا اس میں انسان کی دائیں بائیں جانب سے استعارہ کر کے سایہ والی اشیاء پر دائیں بائیں جانب کا اطلاق کیا گیا ہے۔

سوال: یمین کو واحد اور شمائل کو جمع کر کے کیوں لایا گیا ہے؟

---

[1] صاحب روح البیان کی دعا سے گستاخانِ نبوت و صحابیت کو عبرت حاصل کرنی چاہیے ۱۲

[2] اس سے ہمارے حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم مستثنیٰ ہیں۔ تفصیل فقیر کی دیگر تصانیف میں ہے ۱۲ اویسی غفرلہ

جواب: اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ جب دو علامتیں ایک شے میں جمع ہوں تو ایک کو لوکر کے دوسری پر اکتفا کیا جاتا ہے مثلاً و علیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم ۔ ایسے ہی یخرجھم من الظلمٰت الی النور وغیرہ وغیرہ (کذا فی الشیخ المتقی)

عجیب الشان تقریر آیت میں اشارہ ہے کہ مخلوقات دو قسم ہے:

۱۔ کسی شے کو درمیان میں واسطہ بنا کر پیدا کیا جائے جیسے عالم خلق اسے عالم اجسام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲۔ کسی کے واسطہ کے بغیر شے کو پیدا کیا جائے جیسے عالم امر اسے عالم ارواح سے تعبیر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی تصریح فرمائی کما قال تعالیٰ: الا له الخلق والامر۔

ف: عالم ارواح کو امر سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ زمانہ کی قید تعبیر امر کُن سے بلا واسطہ انہیں پیدا کیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ: خلقتك من قبل ولم تك شیئا ۔ یعنی ہم نے تمہاری روح کو تمہارے جسم سے پہلے پیدا فرمایا۔

حدیث شریف میں ہے: ان اللہ خلق الارواح قبل الاجساد بالفی الف عام ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اجسام سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمایا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سُجَّدًا لِّلّٰهِ ان ظلال کا حال یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو سجدہ کرنے والے ہیں یعنی اپنے گھٹنے بڑھنے اور دائیں بائیں ڈھلنے میں اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر چلتے ہیں وہ کسی قسم کی سرتابی نہیں کر سکتے جب کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکم میں ہیں کہ جس طرح وہ چاہے اس طرح دائیں بائیں چلتے ہیں

وَهُمْ دٰخِرُوْنَ [اور وہ اس کے حضور میں عاجز و ذلیل ہیں]

حل لغات: دخو، بچوں منع دفرح از دخور و دخر بمعنے صغر و ذل و ادخرہ [ای اذله] (کذا فی القاموس)

یہ ظلالہٗ کی ضمیر سے حال ہے اور اس کی جمع باعتبار معنے کے ہے کیونکہ سایہ ہر ذی جسد کا ہوتا ہے وہ ذوی العقول ہو یا غیر ذوی العقول۔ اور صیغہ ذوی العقول لانے میں اشارہ ہے کہ دخور ذوی العقول کے خصوصیات سے ہے یا تغلیباً ذوی العقول کا صیغہ لایا گیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ سایوں کا دائیں بائیں ڈھلنا ان کی فرمانبرداری کی دلیل ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کے حکم پر چلتے ہیں اور ان سایوں کے اصحاب کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے اپنے آپ کو ذلیل کیفیت میں اس کی بارگاہ میں پیش کر رہے ہیں۔

ربط: پہلے ان اجساد کے سجدے کا بیان تھا جو اجرام سفلیہ سے ہیں لیکن ثابتہ یعنی متحرک بالارادہ نہیں۔ اب ان کا ذکر ہوگا جو سایہ دار ہیں لیکن متحرک بالارادہ ہیں۔ چنانچہ فرمایا: وللہ یسجد اور اللہ تعالیٰ واحدہٗ لاشریک کو سجدہ کرتے ہیں یعنی عجز و نیاز و خشوع و خضوع صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کرتے ہیں، کسی دوسرے کے ساتھ ان کے سجدہ کو کوئی تعلق نہیں، نہ استقلالاً نہ اشتراکاً۔ یہ قصر قلب و افراد کے قبیل سے ہے۔

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وہ آسمانوں میں ہیں یعنی عالم علوی کی تمام مخلوق۔ اس تقریر پر سورج، چاند، ستارے اس میں داخل ہیں

وَمَا فِی الْاَرْضِ اور وہ جو زمین کی مخلوق ہے مِنْ دَآبَّةٍ مافی الارض کا بیان ہے جیسا کہ واللہ خلق کل دابۃ من ماء سے ثابت ہوتا ہے کہ دابہ سے ہر شے مراد ہے جو زمین پر چلے اس لیے کہ آسمان کی مخلوق کو توالد و تناسل سے کوئی واسطہ نہیں اور نہ ہی قدموں سے چلتی ہے بلکہ وہ پروں سے اڑتی ہے ۔

ازالہ وہم اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آسمان کی مخلوق قدموں سے چلتی ہی نہیں ۔ فقیر [اسماعیل حقی] کہتا ہے کہ قدموں سے چلنا اس کے منافی نہیں اس طرح آسمانی مخلوق خصوصیت سے بعض ایسی ہے جو قدموں پر چلتی ہے اور جو مخلوق قدموں پر چلے اس کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کی تخلیق مادہ منویہ سے ہو اور عام ہے کہ وہ ذوالعقول ہو یا غیر ذوی العقول الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ چونکہ غیر ذوالعقول بہ نسبت ذوالعقول کے اکثر ہیں اسی لیے لفظ ما لایا گیا ہے ۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ اس کا عطف ما فی السمٰوٰت وما فی الارض پر ہے اور عام کے بعد خاص جبریل و میکائیل کے قبیل سے ہے محض ان کے اجلال شان و تعظیم کے لیے ہے وَهُمْ باوجودیکہ وہ عالیشان ہیں لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر کر کے روگردانی نہیں کرتے ، نہ ہی سجدے سے انھیں انکار ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر وقت عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہیں ۔

ف : ہر شے اپنے شان ولائق اللہ تعالیٰ کے حضور میں سربسجود ہے جیسے ہر شے اپنے شان ولائق تسبیح کرتی ہے بعض زبان قال سے تسبیح کرتے ہیں اور بعض زبان حال سے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون زبان قال سے تسبیح کرتے ہیں اور کون زبان حال سے ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

چوں مسبح کردہ ہر چیز را
ذات بے تمیز و باتمیز را
ہر یکے تسبیح بر نوعِ دگر
گوید او از حال آں ایں بے خبر
آدمی منکر ز تسبیح جماد
واں جماد اندر عبادت اوستاد

[ترجمہ : جب کہ تو نے ہر شے کو تسبیح کرنے والا بنایا ہے وہ بے تمیز ہے یا باتمیز ہر ایک کی تسبیح اپنی نوعیت کی ہے وہ بے خبر ہو کر ذات حق کی خبر دیتی ہے بعض آدمی جماد کی تسبیح سے منکر ہیں حالانکہ وہ جماد اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سرگرم ہے]

حل : اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات حیوانات ہوں یا جمادات سب کو ان کے لائق سمع و بصر اور زبان اور فہم بخشا ہے جن کے ذریعے وہ کلام سنتے اور شواہد حق کو دیکھتے اور حق سے کلام کرتے اور اشارہ حق کو سمجھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی مخلوق کا حال آیت ھذا وغیرہ میں بیان فرمایا ہے اور عالم عدم میں زمین و آسمان کو سمع بخشی جس سے انہوں نے کلام الٰہی سنا کہ قال ائتیا طوعا او کرھا پھر انھیں

سمجھنے کی توفیق بخشی اور زبان عطا فرمائی۔ چنانچہ کلام مذکورہ من کرہٗ ارض کی اَتینا طائعین اس معنے پر ہر شے اپنی شان کے لائق زبان سے تسبیح کرتی ہے اور اسی شان کے لائق سربسجود ہوتی ہے۔ اسی لسان حکوتی سے کنکریوں نے کلمہ پڑھا جسے ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرار دیا اسی قبیل سے ہے کہ تین پتھروں نے داؤد علیہ السلام سے گفتگو کی اور پہاڑ ان کے سامنے سر جھکا کر چلتے اور ان کے حکم کو مانتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا:

وان من شیءٍ الا یسبح بحمدہٖ ولکن لا تفقھون تسبیحھم۔ اسی طرح ہر شے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے مگر ہم نہیں سمجھتے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اس آیت پر سجدۂ تلاوت ہے ان چودہ آیات تلاوت میں یہ تیسری آیت ہے حضرت ابن العربی قدس سرہٗ نے فتوحات میں اس سجدے کو عالم بالا وادنیٰ سے تعبیر فرمایا کہ سب کے سب خدا تعالیٰ کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار کرتے ہوئے سربسجود ہیں اسی لیے بندے پر بھی لازم ہے کہ ان کی اقتدا میں سربسجود ہوتا کہ یہ بھی ساجدین کے زمرہ میں شریک ہو۔

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ اپنے مالک اور سے خوف کرتے ہیں۔ یہ لا یستکبرون کی ضمیر سے حال ہے مِّنْ فَوْقِهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور جلال کی وجہ سے ڈرتے ہیں۔ فوقھم سے باری تعالیٰ کا قہر مراد ہے۔ یعنی اس کے قہر کو مدِ نظر رکھ کر خوف زدہ ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

وھو القاھر فوق عبادہٖ۔ یعنی وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔

اسی لیے ہم نے فوقھم سے قہر مراد لیا ہے۔ فوقھم' یخافون کا بدل ہے۔

ف: تبیان میں فوقھم کو یخافون سے حال بنایا گیا ہے۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ڈرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر اوپر سے عذاب بھیج دے۔ یا یں معنیٰ فوقھم ظرف یخافون کے متعلق ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یخافون ربھم وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کہ لائے عذاب فوقھم ان کے اوپر اگر وہ اس کی نافرمانی کریں۔

وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ اور وہی کرتے ہیں جو ان کا خالق انہیں حکم فرماتا ہے۔ اس کی طاعت کرو اور اس کی تقدیر کے سامنے سر جھکاؤ۔ اس کی طاعت سے سستی نہ کرو اور نہ اسے بوجھ سمجھو۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ ملائکہ کرام بھی امر و نہی اور وعدہ وعید و خوف و رجاء و دیگر احکامات کے مکلف ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ساتویں آسمان میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں کہ جب سے انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا وہ سربسجود ہیں اور قیامت تک سجدہ میں رہیں گے اللہ تعالیٰ کے خوف سے ان کے کاندھے کانپ رہے ہیں جب قیامت آئے گی تو وہ سر اٹھائیں گے اور عرض کریں گے ما عبدناک حق عبادتک ہم تیری عبادت کا حق ادا نہ کر سکے۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث)

اعجوبہ: لسان اشارہ میں یوں کہا گیا ہے کہ بارشیں اور پانی آسمان و زمین کے فرشتوں کے آنسو ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت جلال سے رقعہ

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ○ وَلَهٗ مَا فِي

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ○ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ

ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ○ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ

يُشْرِكُوْنَ ○ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ

نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ○ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ

سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ○ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ

كَظِيْمٌ ○ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي

التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ

الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دو معبود مت ٹھہراؤ صرف وہی ایک معبود ہے۔ بس مجھی سے ہی ڈرو اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اسی کا ہے اور صرف اسی کی فرمانبرداری لازم ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے ڈرو گے اور تمہارے پاس جو نعمت ہے تو وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے پھر جب تمھیں تکلیف پہنچتی ہے تو پھر اسی کی طرف پناہ لے جاتے ہو پھر جب وہ تم سے دکھ ٹال دیتا ہے تو تم سے ایک گروہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے لگ جاتا ہے تاکہ ہماری عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری کریں تو چند روز عیش اڑا لو سو عنقریب معلوم کر لوگے اور یہ لوگ جو ہماری عطا کردہ نعمتوں میں سے ان کا حصہ مقرر کرتے ہیں جن کا انھیں علم ہی نہیں بخدا تم سے اس کا ضرور سوال ہوگا جو تم دنیا میں افترا بازیاں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں مقرر کرتے ہیں اسی کو پاکی ہے اور اپنے لیے وہ جو ان کا جی چاہتا ہے اور جب ان میں سے کسی ایک کو بیٹی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ کالا سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصہ کھاتا ہے جس کی انھیں خوشخبری سنائی گئی اس کی برائی کے سبب سے قوم سے منہ چھپاتا پھرتا ہے کیا وہ اسے ذلت کے ساتھ رکھے گا یا اسے مٹی میں دبا دے گا۔ بردار یہ بہت بری تجویز کرتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کا برا حال ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان سب سے بلند و بالا ہے اور وہی عزت والا اور حکمت والا ہے۔

(بقیہ تفسیر صفحہ گزشتہ) وسعت و طاقت خوفزدہ ہو کر رہتے ہیں۔

سبق: انسان پر تعجب ہے کہ وہ باوجودیکہ گناہوں میں مستغرق ہے لیکن زمین پر ہنستا ہوا اکڑ کر چلتا ہے اسے کسی وقت بھی خوفِ خدا کا خیال نہیں آتا۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَ اللّٰہُ اور اللہ تعالیٰ نے جمیع مکلف بندوں کو فرمایا کہ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ۔ اثنین الٰهین کی تاکید ہے یعنی دو معبود نہ بناؤ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ بے شک معبود صرف ایک ہے اور اس کا کوئی شریک ہے نہ شبیہ ؎

از ہمہ در صفات ذاتِ خدا
لیس شئ کمثلہ ابدا

[ترجمہ : ذاتِ خدا کی جملہ صفات میں کوئی مثل نہیں]

فَاِيَّايَ صرف مجھ سے فَارْهَبُوْنِ ڈرو وَلَهٗ اور صرف اسی کے لیے ہے مَا فِي السَّمٰوٰتِ وہ آسمانوں میں ہیں ملائکہ وَالْاَرْضِ اور زمینوں میں ہیں جن وانس وَلَهُ الدِّيْنُ اور اسی کے لیے ہر شے کی طاعت اور فرمانبرداری۔ وہ شے آسمانی ہے یا زمینی، اور ان کے مابین کی جملہ مخلوق اسی کی فرمانبردار ہے وَاصِبًا یہ دین سے حال ہے بمعنے واجب ثابت کہ اسے کسی قسم کا زوال نہیں اس لیے کہ صرف وہی معبود اور واجب الوجود ہے اس لائق ہے کہ صرف اسی سے ہی ڈرو۔ یہ وصب، یصب وصوبا بمعنے دام وثبت سے ہے۔ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ یہ ہمزہ انکاریہ ہے اور فاء کا عطف فعل مقدر پر ہے۔ اب عبارت یُوں ہوگی؛ ابعد العلم بما ذکر۔ توحیدہ خلقًا وملکا ہر شے کا اسی کے ساتھ اختصاص کو جاننے کے بعد بھی کیا تم غیر اللہ کی اطاعت کرتے اور اس غیر سے ڈرتے ہو۔ وَمَا بِكُمْ اور وہ جو تمہارے ساتھ ملابس اور تمہارے مصاحب ہے مِنْ نِّعْمَةٍ جونسی نعمت ہو، جیسے دولت مندی اور صحت جسم اور خوشحالی وغیرہ فَمِنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔ یہ ما شرطیہ یا موصولہ متضمن بمعنے شرط ہے باعتبار حصول کے نہیں بلکہ باعتبار اخبار کے۔ یعنی ان میں نعمتوں کا ہونا اخبار کے سبب ہے۔ یعنی خبر دی گئی ہے کہ تمام نعمتیں جو انہیں نصیب ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اس کی خبر دینا مطلوب نہیں کہ انہیں نعمتیں حاصل ہیں ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ پھر جب تمہیں دُکھ یعنی فقر یا کوئی جسمانی بیماری اور قحط اور دیگر کوئی تکلیف معمولی یا زیادہ فَاِلَيْهِ تَجْــَٔرُوْنَ پھر اس کی طرف پناہ لیتے ہو اور عرض کرتے ہو کہ باری تعالیٰ! ہمارے دُکھ درد ٹال دے۔

حلِ لغات : تجئرون ' الجوار سے مشتق ہے بمعنے دُعا واستغاثہ کے وقت آواز بلند کرنا۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ پھر جب اللہ تعالیٰ تم سے دُکھ ٹالتا ہے تو اِذَا اچانک فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ تمہارا ایک گروہ یعنی کفار بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت کرکے شرک کرتے ہیں لِيَكْفُرُوْا تاکہ غیر اللہ کی عبادت کرکے کفر کریں بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ساتھ اس کے کہ ہم نے انہیں نعمت بخشی یعنی ان سے دکھ درد ٹالا۔ گویا شرک سے ان کی غرض وغایت کفرانِ نعمت کے سوا اور کوئی نہیں۔ لیکفروا کی لام میں استعارہ تبعیہ ہے اور لیکفروا کفران بمعنے ناشکری ہے۔ بعض نے لام عاقبت کی بتائی ہے۔ فَتَمَتَّعُوْا اس نفع پاؤ اپنی بقیہ عمر سے۔ یعنی عیش کرو اور متاعِ دنیا سے چند روز نفع حاصل کرلو۔ یہ امر تہدیدی ہے فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ تم اپنے انجام اور اس عذاب کو جو تمہارے اوپر نازل ہونیوالا ہے

عنقریب دیکھو گے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارات ہیں۔ اکثر مخلوق غیر اللہ کی پرستش کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کو شریک ٹھہراتی ہے اور غیر اللہ سے مراد الھوٰی ہے یعنی وہ شے جس کی طرف طبع مائل ہو اور نفس اپنی خواہش پوری کرانے پر مجبور کرے جس کی سند مقبول ہو نہ دلیل معقول۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ۔

اسی لیے فرمایا، الٰھین اثنین، ورنہ کہا جاتا: لا تتخذ وا اٰلھۃ ۔ وہ اس لیے کہ بتوں کی پرستش بھی خواہش نفسانی کی وجہ سے ہوتی ہے

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ماعبد الٰہ ابغض علی اللہ من الھوٰی۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین غیر کی پرستش وہ ہے جو نفس کی خواہش سے ہو۔

پھر فرمایا:

انما ھو اللہ واحد۔ بیشک تمہارا معبود وہی ایک ہے جس نے تمہاری خواہشات اور تمہارے خداؤں کو پیدا فرمایا۔

فایای فارھبون مجھ سے ڈرو اس لیے کہ میں ہی مستحق ہوں کہ میری طرف رجوع ہو میرے خوف کی وجہ سے۔ تمھیں خوف ہے تو نفس کی خواہشات اور معبودانِ باطلہ سے، حالانکہ ان سے خوف بے سود ہے اس لیے کہ وہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان۔

حکایت و کرامت ایک بزرگ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ دریا میں ہماری کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی میں اور میری زوجہ ایک تختہ پر دریا میں بہتے جا رہے تھے اسی اثنا میں میری عورت کو دردِ زہ شروع ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد اسے لڑکی پیدا ہوئی میری عورت نے چیخ کر پکارا اور مجھ سے پانی مانگا اور کہتی تھی اگر مجھے پانی نہ ملا تو مرجاؤں گی میں نے اس سے کہا کہ ہمارے حال کو وہ ذات جانتی ہے جس نے ہمیں پیدا کیا ہمارے اس حال پر اللہ تعالیٰ الکریم کو رحم آ گیا میں نے جونہی اوپر کو دیکھا کہ ہوا میں ایک بزرگ بیٹھا ہے جس کے ہاتھ میں سونے کی زنجیر ہے اس نے اس زنجیر سے پانی کا لوٹا ہماری طرف لٹکا دیا اور لوٹا بھی یاقوت احمر کا تھا۔ وہاں سے فرمایا کہ اس سے سیر ہو کر پی لو ہم نے لوٹا لے کر پانی پیا جو عطر سے زیادہ خوشبودار اور برف سے سرد تر اور شہد سے بہت زیادہ میٹھا تھا میں نے پوچھا آپ کون ہیں انہوں نے فرمایا تیرے آقا کا غلام یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ ہیں نے ان سے سوال کیا کہ آپ نے یہ مرتبہ کیسے پایا جواب دیا کہ ترکِ خواہشات سے یہ کہہ کر غائب ہو گیا انہیں آج تک میں نے کہیں نہیں دیکھا (رضی اللہ عنہ)۔

۲۔ تمکہ ثالثہ مالامرف اللہ تعالیٰ ہے جو اپنے دکھ درد اسباب سے ٹالنا چاہتا ہے اسے مسبّب الاسباب کا لطف و کرم نہیں سمجھتا تو وہ مشرک ہے۔

لہ بحمدہٖ تعالیٰ ہم اہلسنت کا یہی عقیدہ ہے کہ دُکھ اللہ تعالیٰ ٹالتا ہے۔ اور انبیاء و اولیاء اسباب و وسائل ہیں۔

کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ اگر کوئی کام بادشاہ کا وکیل کرتا ہے تو تم اگرچہ بظاہر وکیل کا شکریہ ادا کرو گے لیکن درحقیقت سلطان کے شکر گزار ہو گے کہ اس نے اپنے وکیل سے کام کرا دیا اگرچہ بظاہر یہ کام وکیل نے کیا ہے لیکن درحقیقت وہی کام بادشاہ نے کیا ہے صرف یہ ہوا کہ سبب درمیان میں حائل ہوا۔ بس یہی ہمارا عقیدہ ہے کہ کام تو اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے لیکن درمیان میں وسائل انبیاء و اولیاء ہیں۔ اور یہ بھی درحقیقت اسی کے بتائے ہوئے وسائل ہیں۔

۳۔ کفرانِ نعمت زوالِ نعمت کا سبب ہے۔ (من الاشارات)

مثنوی شریف میں۔ ہے اسے

باشد آں کفرانِ نعمت در مثال

کہ کنی با محسن خود تو جدال

کہ نمی آید مرا ایں نیکوے

من برنجم زیں چہ رنجہ میشوے

لطف کن ایں نیکوئی را دور کن

من نخواہم عاقبت رنجور کن

[ترجمہ: ۱۔ یہ بھی ایک کفرانِ نعمت ہے کہ تو اپنے محسن کے ساتھ برسرپیکار ہے۔

۲۔ مجھے ایسی نیکی پسند نہیں جس سے تو ناراض ہوتا ہے۔

۳۔ براوِ کرم مجھ سے ایسی نیکی دور فرما جس سے تُو ناراض ہے۔ اگر تو میری تکلیف سے خوش ہے تو مجھے وہی دے دے]

ہم اللہ تعالیٰ سے کفار اور عذاب سے عصمت کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَيَجْعَلُونَ اس سے کفارِ مکہ مراد ہیں لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا۔ ما موصولہ سے اصنام مراد ہیں یعنی کفارِ مکہ بناتے ہیں ان بتوں کا حصہ جن کی حقیقت اور ان کے قدر خسیس کو نہیں جانتے اور ان کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ نفع و ضرر پہنچائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ اس میں سے جو ہم نے انھیں عطا کیا یعنی کھیتی اور جانور و دیگر مال اسباب سے بتوں کا حصہ نکالتے ان کے تقرب کی نیت پر۔ حصہ نکالتے وقت کہتے کہ یہ حصہ ان کے بتوں کا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا۔ یہ مضمون بہ تفصیل سورہ الانعام میں مذکور ہے۔

ف: یوں بھی ممکن ہے کہ لا یعلمون کی ضمیر بتوں کی طرف راجع ہو اور چونکہ کفار انہیں ذوی العقول مانتے اسی لیے صیغہ جمع مذکر ذوی العقول کا ہونا مانع نہیں اب معنی یہ ہوا کہ انھوں نے ایسی اشیاء کے لیے حصہ مقرر کر رکھا ہے جنھیں نہ کسی شے کا علم ہے و شعور اور نہ ہی انھیں معلوم ہو سکتا ہے کہ کوئی ہمارے لیے کیا کچھ کر رہا ہے۔

تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ یہ توبیخ و تقریع کا سوال ہے۔ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ یعنی ان کے متعلق تم سے سوال ہوگا جن کے

متعلق تم دنیا میں افترا کرتے تھے یعنی تمہارا عقیدہ تھا کہ یہ بُت واقعی عبادت کے مستحق ہیں اور ان کا تقرب ضروری اور لازمی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اصحاب النفوس والھویٰ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق طاعات وعبادات میں دیگر کے غیروں کا حصہ مقرر کرتے ہیں حالانکہ جن کے لیے ریا کرتے ہیں انہیں ان کی حال وحقیقت کا علم تک نہیں تاکہ وہ ان کے حق میں نیک گمان کریں یا انہیں اپنے ہاں کوئی مرتبہ دیں بلکہ وہ ان سے بالکل فارغ اور ان کے دل کے ارادوں اور ریا کی نیت سے غافل ہیں ؎

بروئے ریا خرقہ سہلست دوخت
گرش باخدا در توانی فروخت

[ترجمہ: ریا کے لیے خرقہ سینا آسان ہے اگر تم اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں بیچنا چاہو۔]

تفسیر عالمانہ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ ان سے قبیلہ خزاعہ وکنانہ کے لوگ مراد ہیں وہ کہا کرتے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔

شانِ نزول بعض کفار کہا کرتے تھے کہ (معاذ اللہ) اللہ نے جنات سے رشتہ نکاح کیا اس سے فرشتے پیدا ہوئے اس بنا پر ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں کہا کرتے سُبْحٰنَهٗ اللہ تعالیٰ پاک ہے اس سے کہ اس کے لیے کہا جائے کہ ملائکہ اس کی لڑکیاں ہیں وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ اور ان کے لیے وہی جو چاہتے ہیں یعنی لڑکے کیونکہ ان کے جی چاہتے کہ ان کی اولاد نرینہ ہو۔ محلاً مرفوع مبتدأ اور ظرف اس کی خبر مقدم اور جملہ حالیہ اب بتایا کہ وہ خود اپنے لیے لڑکیوں سے کراہت کرتے ہیں کما قال وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى۔ البشارۃ بمعنی وضع اصلی سے خبر دینا یہاں مضاف مقدر ہے دراصل بولادۃ تھا تھا اب معنی یہ ہوا کہ کافروں کو اگر خبر دی جائے کہ تمہارے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے ظَلَّ وَجْهُهٗ مشتق از الظلول بمعنی الصیرورۃ ویسے اکثر افعال ناقصہ صیرورۃ کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں یہاں بھی صیرورۃ کے معنی میں ہے اس کی گردان ظل یظل ہوتی ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کام کو دن کے وقت کرے اگرچہ اکثر طور بچوں کی ولادت شب کو ہوتی ہے لیکن ان کی ولادت کی خبر دن کو دی جاتی ہے لڑکیوں کی ولادت کی خبر میں بالخصوص تاخیر کی جاتی ہے مُسْوَدًّا بمعنی اندوہ وغم اور قوم سے شرمندگی کی وجہ سے ہو جاتا ہے اس کا چہرہ سیاہ۔ یہ اسود الوجہ سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کا چہرہ غم واندوہ اور شرمندگی سے سیاہ ہو جائے اور الاسود بمعنی التشویر۔ عرب میں مستعمل ہے التشویر بمعنی رسوا کرنا مثلاً کہا جاتا ہے شور بہ فتشور فلاں نے اس کے ساتھ وہ فعل کیا جس کا اظہار حیا وشرم کے خلاف ہے اس سے وہ شرمسار ہوا وَهُوَ كَظِيْمٌ درانحالیکہ وہ اپنی عورت پر غصہ سے بھرا ہوتا ہے کہ اس نے لڑکی کیوں جنی۔

تعبیرِ خواب تعبیردان علماء نے بتایا ہے جس نے کسی کو دیکھا یا اسے کسی نے خواب میں دیکھا کہ اس کا چہرہ سیاہ ہے اور اس کی عورت حاملہ ہو تو اس خواب کی تعبیر یہی ہے کہ اس کے ہاں لڑکی پیدا ہوگی يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ قوم یعنی اپنے رشتہ داروں اور دوستوں اور ساتھیوں سے منہ چھپاتا پھرتا ہے مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ دی ہوئی خبر کی برائی کی وجہ سے کہ وہ عار دلائیں گے یا اسے عار محسوس ہوتی ہے کہ اس کے گھر میں بچی کی پیدائش کیا اسے عقلمندوں کے زمرہ میں بھی نہیں رہنے دیا اَيُمْسِكُهٗ بحث تو لڑکی کی چل رہی ہے اب ضمیر مذکر کی کیوں (جواب) یہ ضمیر ما موصولہ کی طرف راجع ہے اور اس کے لیے تذکیر وتانیث برابر ہے یعنی بچی کی پیدائش سے وہ انسان متردد ومشوش ہوتا ہے اور دل میں کہتا ہے کہ کیا اس پیدا شدہ لڑکی کو اپنے ہاں زندہ رہنے دے۔ عَلٰى هُوْنٍ ذلت وخواری کی وجہ سے۔

اَمْ یَدُسُّہٗ یا اسے چھپا دے۔ فِی التُّرَابِ مٹی میں زندہ درگور کے طور پر۔ یعنی اس نومولود بچی کو بنوتمیم و بنومضر کی طرح زندہ درگور کر دے۔

ف: بنوتمیم و بنومضر کے لوگ اپنے اس گندے عقیدہ میں ایسے مبتلا تھے کہ اگر ان کو معلوم ہوتا کہ فلاں گھر میں بچی پیدا ہوئی تھی اس میں ایک لڑکے کے لیے بیٹنا گوارا نہ کرتے بلکہ تادمِ زیست اس گھر میں داخل نہ ہوتے تھے اَلَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ خبردار بڑا فیصلہ ہے وہ جو مشرکین عرب کرتے ہیں مثلاً ان کے نزدیک تو لڑکیوں کی یہ قدر و قیمت ہے لیکن انہیں اللہ تعالیٰ خالق کائنات کی طرف منسوب کرتے اور اپنے لیے لڑکوں کی پیدائش پسند کرتے خلاصہ یہ کہ ان کی خام خیالی تھی کہ جس شے کو اپنے لیے پسند کرتے اسے اللہ تعالیٰ کے لیے عقیدہ کے طور مانتے۔

لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ جن کے قبائح ابھی مذکور ہوئے اور وہ آخرت پر بھی ایمان نہیں لاتے ان کے لیے مَثَلُ السَّوْءِ ایسی صفت ہے کہ اسے قبح میں مثل کے طور بیان کیا جائے یعنی لڑکی کی پیدائش ان کے لیے گویا موت ہے اور خود نرینہ اولاد سے خوش ہوتے ہیں اگر کسی بدقسمت کے ہاں لڑکی پیدا ہو جاتی تو اسے زندہ درگور کر دیتا صرف عار کو رفع کرنے اور تنگدستی کے خوف سے حالانکہ وہ لڑکیوں کے لیے محتاج تھے بایں معنیٰ کہ اگر وہ کہیں بھی پیدا نہ ہوں تو نکاح کن سے کریں گے۔

وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی اور اللہ تعالیٰ کے لیے عجیبۃ الشان صفات ہیں۔ مثلاً اس کا واجب الوجود ہونا اور غنائے مطلق سے موصوف ہونا اور مخلوقات کی جملہ صفات حادثہ سے منزّہ ہونا یعنی صفاتِ محمودہ اور قدیمہ سے موصوف ہونا وَھُوَ الْعَزِیْزُ اور وہ اپنی کمال قدرت میں متفرد ہے اور بالخصوص جس کی گرفت کرے تو اس کا بالمقابل نہیں اَلْحَکِیْمُ اور صاحبِ حکمت ہے کہ وہ بمقتضائے حکمت جس طرح چاہے کرتا ہے۔ یہ بھی اسی کی حکمت کا تقاضا ہے کہ جسے چاہے اولاد نرینہ سے سرفراز فرمائے اور جسے چاہے لڑکیاں عطا فرمائے۔

سبق: عاقل وہ ہے جو اس کے ہر حکم کے سامنے سر جھکاتا ہے اور اس کے ہر امر کو مانتا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لیے کہ ہر شے اسی کے حکم اور ارادہ سے ظاہر ہوتی ہے جس شے کے لیے وہ چاہے بندہ کو کیا مجال اس کے خلاف کرے اور نہ ہی بندے کے ارادہ سے کچھ ہو سکتا ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

بدرد و صاف ترا نیست حکم درکش

کہ ہر چہ ساقی ما کرد عین الطافست

[ترجمہ: تجھے صفائی اور میل کچیل سے کیا تعلق، تو خاموشی اختیار کر اس لیے کہ ساقی نے جو کچھ کیا ہے وہ اسی کا لطف و کرم ہے]

مسئلہ: الشرعۃ (کتاب) میں ہے کہ جس کے ہاں لڑکی پیدا ہو وہ بہ نسبت لڑکے کی پیدائش کے زیادہ خوشی کا اظہار کرے تاکہ اہلِ جاہلیت کی مخالفت ہو۔

من برکۃ المرأۃ تبکیرھا بالبنات ۔

حدیث شریف ۱: عورت کے بابرکت ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ پہلے لڑکی جنے۔

چنانچہ قرآن مجید کی آیت یھب لمن یشاء اناثا و یھب لمن یشاء الذکور "جسے چاہے لڑکیاں دے جسے چاہے لڑکے" سے ظاہر ہوتا ہے کہ مضمون کی ترتیب میں پہلے لڑکیوں کو بیان فرماتا ہے۔

حدیث شریف ۲: جس کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوں اور اس نے ان کی نیک تربیت کی تو قیامت میں اس کی لڑکیاں اس کے لیے جہنم کا پردہ بن جائیں گی۔

ف: الابتلاء بمعنے الامتحان لیکن اس کا اکثر استعمال رنج و محن میں ہوتا ہے اور لڑکیوں کی ولادت کو ابتلاء سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ انسان کو زیادہ خوشی لڑکوں کی ولادت سے ہوتی ہے۔

ف: مصابیح (کتاب) کے بعض شراح نے فرمایا کہ یہاں پر حدیث شریف میں لڑکیوں کے ساتھ احسان کرنے سے ان کی تزویج یعنی اپنی کفو (برادری) میں نکاح کر دینا مراد ہے لیکن موزوں ترین یہ ہے کہ اسے عام رکھا جائے یعنی کسی خاص مسئلہ کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے۔

مسئلہ وہابی و شیعہ کش: بعض فقہاء کرام نے فرمایا اپنی لڑکی معتزلی کے نکاح میں نہ دے اس لیے کہ اعتقادیات کا اختلاف بھی اختلاف دین کی طرح ہے یعنی جس طرح ہندو مسلم کا دین مختلف ہے ایسے ہی اعتقادی لحاظ سے سنی اور معتزلی کے اعتقادی مسائل میں فرق ہے [ایسے ہی مرزائی [illegible] دیوبندی، وہابی، خاکساری، پرویزی، مودودی کے اعتقادیات اور اہلسنت کے اعتقادیات میں کفر و اسلام جیسا فرق ہے فقیر اویسی غفرلہ چند ایک اعتقادیات کی فہرست کتاب "التحقیق الکامل" میں لکھ چکا ہے]

مسئلہ: شان تقویٰ کے خلاف ہے کہ غیر مجانس سے صحبت ہو جب غیر مجانس کی صحبت سے احتراز ضروری ہے تو وہ کون مسلمان ہوگا جو اپنی لڑکی بدعقیدہ کے بیاہ میں دے لیکن موجودہ دور میں اس طرح کے بیوقوفوں کی بہتات ہے (قال اللہ المشتکی) ؎

آں یکے را صحبت اختیار یار
لاجرم شد پہلوئے فجار جار

[ترجمہ: سب پر نیک دوست کی صحبت ضروری ہے پھر اس کی کیا حالت ہو جس کا ہمسایہ فاجر ہو]

حدیث شریف ۳: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اس اولاد کی دعا مانگی جس میں محنت و مشقت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے مجھے لڑکیاں عطا فرمائیں [واقعی بچیوں میں کوئی تکلیف نہیں لیکن اولاد نرینہ بخدا کسی خوش قسمت انسان کی اولاد نرینہ راحت و فرحت کا موجب ہوگی ورنہ اکثر دل و جگر جلانے والا معاملہ ہے]

حدیث شریف ۴: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لڑکیوں سے کراہت نہ کرو کہ میں بھی متعدد لڑکیوں کا باپ ہوں۔
[اس میں شیعوں کے اس غلط نظریہ کا رد ہے جو چار بنات کے قائل نہیں تحقیق مزید فقیر اویسی کے رسالہ "القول المقبول فی بنات الرسول" میں ہے]

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ
فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ
وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ۝
تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّ
رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ۧ

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی ان کی غلطیوں پر گرفت فرماتا تو سطح زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتا لیکن ایک میعاد مقرر تک انھیں مہلت دیتا ہے پھر جب ان کا وہ وقت آجاتا ہے تو پل بھر نہ پیچھے ہٹ سکیں گے نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ اور جنھیں اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے تجویز کرتے ہیں اور ان کی زبانیں جھوٹ بکتی ہیں کہ ان کے لیے بھلائی ہے، یقیناً ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے اور بے شک وہ جہنم میں سب سے پہلے جھونک دیے جائیں گے۔ بخدا ہم نے آپ سے پہلے کئی اُمتوں کے ہاں پیغمبر بھیجے تو شیطان نے ان کے اعمال انھیں بہتر کر کے دکھائے سو آج وہی ان کا یار ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور ہم نے آپ پر کتاب نہیں اتاری مگر اس لیے کہ آپ لوگوں پر وہ باتیں واضح فرمائیں جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں اور یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا تو اس کے سبب سے زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ فرمایا بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو سنتے ہیں۔

(صفحہ ۲۳۴ سے آگے)

حکایت الروضہ کے لطائف میں سے ایک لطیفہ یہ ہے کہ حجاج بن یوسف نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ تمھیں کون سی آواز پسند ہے؟ کسی نے کہا قاری کی تلاوتِ قرآن آدمی رات کو کرے مجھے اس سے خوب ذوق ہوتا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ میں اپنی عورت کو دردِ زہ میں مبتلا چھوڑ کر مسجد شریف نوافل پڑھنے جاؤں تو صبح کو مجھے لڑکے کی ولادت کا مژدہ سنایا جائے۔ حجاج نے کہا بہت خوب۔ شعبہ بن علقمہ تمیمی نے کہا بخدا مجھے تو وہ آواز نہایت لطف دیتی ہے کہ بھوک نے خوب ستایا ہو تو کہیں سے طعام خوانچوں کی کھٹ کھٹ سنائی دے۔ حجاج نے کہا اے بنو تمیم تم زندگی بھر کھانے پینے کے تصورات میں غرق رہتے ہو۔

ایہا المحبوس فی رھن الطعام
سوف تنجو ان تحملت الفطام
چوں ملک تسبیح حق را کن غذا
تا رہی ہمچوں ملائک از اذی

[ترجمہ: اے طعام کی رہن کا قیدی تو اس وقت نجات پائے گا جب تو فقر میں جائے گا فرشتے کی طرح تسبیح حق کو غذا بنا تاکہ فرشتوں کی طرح برد کھ تکلیف سے بچ جائے۔]

(تفسیر آیات صفحہ ۲۳۵)

تفسیر عالمانہ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ مفاعلہ کا باب یہاں پر مجرد کے معنے میں ہے النَّاسَ یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگوں یعنی کافروں کی گرفت فرماتا بِظُلْمِهِمْ ان کے ظلم یعنی کفر و معاصی کی وجہ سے مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا تو زمین پر کسی کو نہ چھوڑتا۔

سوال: تم نے زمین کا معنیٰ کہاں سے لیا؟

جواب: لفظ الناس سے زمین کا معنیٰ اس لیے مراد لیا جاتا ہے کہ لوگوں کی بود و باش زمین پر ہے۔ اسی طرح من دابۃ سے بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ دابۃ اسے کہتے ہیں جو زمین پر چلے۔ اسی لیے عرب کا مقولہ مشہور ہے:

فلان افضل من علیہا و فلان اکرم من تحتہا۔

ان دونوں جملوں میں فوقہا و تحتہا سے زمین و آسمان مراد لیا جاتا ہے حالانکہ ان جملوں سے پہلے نہ آسمان کا ذکر ہوتا ہے نہ زمین کا۔ نیز ہر سمجھدار سامع و متکلم خود بھی سمجھ جاتا ہے۔ اور اسی قبیل سے ہے:

والذی شقہن خمسا من واحدۃ۔

یہاں ھن کی ضمیر اصابع (انگلیوں) کی طرف راجع ہے حالانکہ اس عبارت سے قبل اصابع کا ذکر نہیں ہوتا۔

سوال: عقل کا تقاضا ہے کہ ما ترك علیٰ ظهرها ہو۔ لیکن یہاں صرف علیہا کہا گیا ہے۔

جواب: ظاء اور ذال قریب المخرج ہیں اور ان کا ایک جملہ میں جمع ہونا فصاحت کے خلاف ہے۔ اور ذال لو یؤاخذ میں مذکور ہے۔ اب ظهرها کہا جاتا تو کلام غیر فصیح ہو جاتا۔ اسی لیے علیٰ ظهرها کی بجائے علیہا کہا گیا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کافروں کے کفر کی وجہ سے انھیں تباہ و برباد کرنا چاہتا تو زمین پر کسی کو زندہ نہ چھوڑتا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا:

واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کی تباہی و بربادی عذاب کی وجہ سے ہوتی ہے اور جانوروں کی ہلاکت ان کی موت طبعی کے تحت۔

ظلم کی نحوست سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی کو کہتے سنا وہ کہہ رہا تھا ظالم صرف اپنے آپ کو تباہ کرتا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں ظالم کے ظلم کی نحوست ہمہ گیر ہوتی ہے یہاں تک کہ پرندہ اپنے گھونسلے میں بھی ظالم کے ظلم کی نحوست سے مر جاتا ہے۔

تاخیرِ عذاب سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ مخلوق کو بنی آدم کے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرتا تو تمام مخلوق عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آجاتی یہاں تک کہ جعلانؔ اپنے بلوں میں ہوں وہ بھی عذاب سے نہ بچ سکیں اور نہ ہی آسمان اپنی بارش کو روکے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے معاف فرماتے ہوئے عذاب کو مؤخر فرماتا ہے۔

ف : [صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ ظالم کے ظلم کا اثر ظاہر ابھی ہوتا ہے اور معنے بھی اسے یوں سمجھئے کہ اگر کوئی اپنے گھر کو جلائے تو نہ صرف اس کا گھر جلے گا بلکہ ہمسائیگان کے گھر بلکہ تمام محلّہ بلکہ تمام شہر جل جائے گا اور ان کے ساتھ جانور اور کیڑے مکوڑے بھی جل مریں گے ؎

بے ادب نہ تنہا خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

[ترجمہ : بے ادب نہ صرف خود برباد ہوا بلکہ اس نے تمام جہان کو جلا دیا]

وَلٰكِنْ وہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کی گرفت نہیں فرماتا بلکہ **يُؤَخِّرُهُمْ** انہیں اپنے فضل و کرم سے مہلت دیتا ہے **اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى** ایک میعاد مقرر تک یعنی جب تک ان کی عمریں ختم نہیں ہوتیں یا عذاب میں دیر کرتا ہے تاکہ اولاد در اولاد جن سکیں اور تعداد میں زیادہ ہو کر مریں۔ **فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ يَسْتَاْخِرُوْنَ** جب ان کا مقرر کردہ میعاد آتا ہے تو اس میعاد سے پیچھے نہیں ہوتے۔

نکتہ : مضارع کے صیغے میں اشارہ ہے کہ باوجودیکہ اس کی انہیں طلب ہے لیکن مؤخر کرنے سے عاجز ہیں ؎

کہ یک لحظہ صورت نہ بندد امان
چو پیمانہ پُر شد بدور زمان

[ترجمہ : ایک لحہ بھی انھیں مہلت نہیں دی جاتی جب دورِ زمانہ کا پیالہ پُر ہو جاتا ہے]

سَاعَةً تھوڑا سا لحہ۔ اس سے قلتِ مدت مراد ہوتی ہے۔ **وَلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ** اور نہ اجل وقت سے پہلے آسکتا ہے۔

سوال : لا یستاخرون کے بعد اس کی ضرورت نہیں اس لیے کہ جو شے اپنے وقت سے پیچھے نہیں ہٹ سکتی وہ وقت سے پہلے کیسے آسکتی ہے۔

جواب : بطور مبالغہ کہا گیا ہے کہ مقرر کردہ وقت (اجل موت) اپنے وقت پر ضرور آئے گا۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے لیے ثابت کرتے اور اپنے گمان فاسد کے مطابق منسوب کرتے ہیں **مَا يَكْرَهُوْنَ** وہ چیزیں

لہ جمع جعل (بضم اول و فتح ثانی) ایک سیاہ جانور جو سیاہ رنگ کے پر رکھتا ہے بھڑ کی مانند "گوبر گس" اور نباتات میں پیدا ہوتا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

جاہتے لیے مکروہ سمجھتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کے لیے ملائکہ کرام کو لڑکیاں کہنا اور اس کی سلطنت و حکومت میں دوسروں کو شریک ٹھہرانا۔

وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ یہ تصف کا مفعول بہ ہے۔ علاوہ مذکورہ بالا خرابیوں کے ایک اور خرابی بھی ان میں ہے وہ یہ کہ ان کی زبانیں جھوٹ بولتی ہیں أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ یہ الکذب سے بدل الکل ہے بمعنے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین انجام ہے یعنی کافر کہتے کہ اگر بفرض محال مان لیں کہ مرنے کے بعد جی اٹھنا ہے تو اللہ تعالیٰ ہمیں بہشت سے نوازے گا۔ چنانچہ دُوسرے مقام پر کافر کا مقولہ یُوں حکایۃً بیان فرمایا، ولئن رجعت الیٰ ربی ان لی عندہ للحسنیٰ یعنی اگر میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں لوٹا تو میرے لیے اس کے ہاں بہشت ہوگی۔

سوال: کافروں کے عقیدہ لا یبعث اللہ من یموت [اللہ تعالیٰ کسی مردے کو مرنے کے بعد زندہ نہیں اٹھائے گا] کی تصریح میں موجود ہے تو پھر یہاں اس کا اعتراف کیسے؟

جواب: بفرض المحال والتقدیر کے طور اس دُوسری آیت میں معنیٰ کیا جائے گا جیسا کہ ہم نے پہلے بھی لکھ دیا ہے۔

حکایت کسی بزرگ نے ایک دولت مند کو فرمایا کہ قیامت میں تیرا کیا جواب ہو گا جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس دولت مند کا وہ مال بھی لاؤ جو اس نے بادشاہ اور اس کے اعوان یا حکام وقت وغیرہ کو ہدیئے نذرانہ دیا چنانچہ بہترین جانور، قیمتی کپڑے بیش بہا چیزیں لائی جائیں گی اس کے بعد فرمائے گا وہ چیزیں بھی لاؤ جو اس نے میرے نام پہ فقراء کو دیں چنانچہ پھٹے پرانے اور بے کار اور وہ چیزیں لائی جائیں گی جن کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے دولت مند تجھے شرم نہ آئی اور اس حاضری کے وقت کو یاد بھی نہ کیا کہ بادشاہ اور حکام وقت کو اعلیٰ اور بہترین اور میرے نام پر بے قدر اشیاء یہ کہہ کر دولت مند کو اس بزرگ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔

لَا جَرَمَ یہ کافروں کے قول مذکور کی تردید اور اس کی نقیض کی تائید میں لایا گیا ہے وہ مصدر بمعنے حقاً ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ حق یہی ہے کہ قیامت میں ایسے ہوگا أَنَّ لَهُمُ النَّارَ کہ وہ جس جنت کی اُمید رکھتے ہیں اس کے عوض انھیں جہنم نصیب ہوگی، اور اس میں سوائے عذاب کے اور کچھ نہ ہوگا اور دُکھ درد کا مرکز یہی ہے وَأَنَّهُمْ مُفْرَطُونَ اور بے شک وہ جہنم میں دھکیلے جائیں گے۔ یعنی اس کی طرف انھیں لے جانے میں عجلت کی جائے گی۔ یہ افرطتہ سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو پانی کی طلب میں سب سے پہلے بھیجا جائے۔ یا مفرطون بمعنے منسیون ومترکون فی النار ہے یعنی انھیں جہنم میں داخل کرکے اتنا عرصہ دراز تک پڑا رہنے دیا جائے گا کہ گویا وہ بھول چکے ہیں۔ یہ افرطت فلانا خلفی سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو اپنے پیچھے کرکے کہیں چلا جائے تو پھر اسے یاد بھی نہ کرے۔

ربط: کفار کے بد انجام کے ذکر کے بعد اب رسولِ اکرم کو تسلی دلائی کہ آپ کو کفار جہالت و حماقت سے جو کچھ بکتے ہیں اس سے ملال کے بجائے ان کی بکواسیات پر صبر کیجیے کیونکہ، تَاللَّهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ بخدا ہم نے آپ سے پہلے بہت سی امتوں کے ہاں رسل کرام بھیجے انھوں نے بھی ان امتوں کو حق کی دعوت دی لیکن انھوں نے رسل کرام کی دعوت کو قبول نہ کیا۔

فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ تو شیطان نے ان کے سامنے ان کے اعمال بھلے کر دکھائے ان کے اعمال سے کفر اور تکذیب الرسل

وغیرہ مراد ہیں کہ جنہیں شیطان نے یہ اعمال ان کے سامنے سنوار کر دکھائے تو یہ لوگ ان اعمال قبیحہ پر لٹو ہوئے فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ بس وہ شیطان آج ان کا ساتھی ہے اور بہت برا ساتھی ہے الیوم سے وہ دن مراد ہے جس دن شیطان نے ان کے لیے اعمال سنوارے یا اس سے دنیا کے دن مراد ہیں جن میں شیطان نے انہیں گمراہ کیا یا اس سے قیامت کا دن مراد ہے اس لیے کہ شیطان اس دن اپنی مدد سے بھی عاجز ہوگا پھر تمہاری مدد کیسے کر سکے گا یہ حکایت تعبیہ یعنی قیامت کے دن ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ف : الولی بمعنی الناصر ہے۔

ف فقیر [حقی] کہتا ہے کہ یوم سے یوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آپ کا زمانہ اقدس مراد ہے اور ولیهم کی ضمیر ان کفار کی آنے والی نسل یعنی ان کی آل و اولاد وغیرہ مراد ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معصر تھے وَلَهُمْ اور ان کے لیے آخرت میں عَذَابٌ اَلِيْمٌ دردناک عذاب ہے اس سے جہنم کا عذاب مراد ہے۔

وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اور ہم نے آپ پر کتاب یعنی قرآن مجید اتارا اس میں اور کوئی غرض اور علت نہیں ۔ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ سوائے اس کے کہ آپ ان لوگوں کو بیان فرمائیں الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وہ جو اس میں انہوں نے اختلاف کیا یعنی عقیدۂ توحید اور احوال آخرت اور حلال و حرام میں جو ان کا اختلاف ہے آپ انہیں قرآن مجید کی روشنی میں سمجھائیں۔ اس سے اہلِ ایمان اور کفار کا اختلاف مراد ہے ۔ (کذا فی الکواشی)

وَهُدًى وَّرَحْمَةً ان کا لتبین کے محل پر عطف ہے۔ اور ان کا منصوب ہونا اس لیے ہے کہ یہ الذی انزل الکتاب کا فعل ہیں بخلاف لتبین کے کہ وہ منزل کا فعل نہیں بلکہ مخاطب کا ہے۔ یعنی قرآن مجید کو اس لیے نازل کیا ہے کہ وہ گمراہی سے ہدایت کا اور عذاب سے رحمت کا سبب بنے لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ اہل ایمان کے لیے ان کی تخصیص اس لیے ہے کہ قرآن مجید سے صرف یہی اہلِ ایمان نفع پاتے ہیں۔

بدمذاہب کا رد

حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہمکو پہنچا قرآن مجید کے بغیر اور قرآن مجید کا اتصال رسول کریم کے سوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پہنچنا ان حضرات کے بغیر مشکل ہے جن کی وجہ سے اسلام کے ارکان قائم ہوئے یعنی صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین اور اولیا کاملین و علمائے راسخین رضی اللہ عنہم اجمعین[1]

مالک بن دینار کا ملفوظ

منقول ہے کہ حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حفاظ القرآن کو مخاطب ہو کر فرمایا اے حافظو تمہارے قلوب پر قرآن نے کیا اثر کیا ہے کیونکہ قرآن مؤمنین کے قلوب کی بہار ہے جیسے بارش سے زمین کی بہار ہے۔

جمیع العلوم فی القرآن

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عنقریب فتنے الٹھ کھڑے ہوں گے میں نے عرض کی آپ نے کہاں سے معلوم کیا آپ نے فرمایا "کتاب اللہ (قرآن مجید) سے اس لیے کہ اس میں گزشتہ اور آئندہ اور موجودہ

---

[1] اس سے منکرین حدیث یعنی پرویزی، چکڑالوی، شیعہ، غیر مقلد وہابی دیوبندی وغیرہم عبرت حاصل کریں۔ اویسی غفرلہٗ

حالات کے ذرہ ذرہ کی خبر موجود ہے۔[1]

ف : اس روایت پر اہل ایمان کا ایمان ہے کہ واقعی قرآن مجید میں ماکان ومایکون کے ذرہ ذرہ کا علم ہے یہ روایت نہ مؤول ہے اور نہ ہی سرسری (اجمالی طور پر فرمایا گیا ہے اور قرآن مجید میں علمی وسعت کی کوئی حدود نہیں اسے علمائے کرام پڑھتے سمجھتے رہ گئے کیونکہ حبل اللہ المتین اور الذکر الحکیم اور الصراط المستقیم [illegible] ہوتا ہے وہ سچا ہے جو اس سے فیصلہ کرتا ہے وہ عادل ہے جو اس پر عمل کرتا ہے وہ ماجور ہے جو اس کی دعوت دیتا ہے وہ صراط مستقیم کا راستہ بتاتا ہے۔

ف احکام القرآن کا بیان کرنا عوام کے لیے اور اس کے حقائق خواص کے لیے ہیں اور ان احکام وحقائق کو حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے وارثین کاملین صحابہ کرام تابعین وتبع تابعین وائمہ مجتہدین واولیاء کاملین رضی اللہ عنہم اجمعین قرناً بعد قرن بالتبعیۃ الوعیہ بیان کرتے ہیں۔

ف علمائے ظواہر عوام کے مسائل شرعیہ وضاحت کے طور کرتے اور علمائے بواطن ان کے باطنی حقائق سے کشف کے ذریعے عوام کی مشکل حل کرتے ہیں ہر ایک کا اپنا مشرب ہے جس کے ہاں حاضری دو گے بیڑا پار ہوگا اس لیے کہ علمائے ظواہر ومشائخ بواطن ہر دونوں دین کے مضبوط ستون ہیں۔

ف قرآن مجید کی آیات سے مواعظ حاصل کرنا بندے کو سعادۃ ابدیہ میں داخل کرتا اور حظوظ نفسانیہ سے نجات دلاتا ہے۔

حکایت

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اپنی مملکت وسلطنت کے معاملات میں بہت بڑے مسرور تھے رات کو سوئے تو کسی نے ان کے ہاتھ میں ایک پرچہ پکڑا دیا جس پر لکھا ہوا تھا کہ اے ابراہیم فانی دنیا کو باقی رہنے والی دار آخرت پر ترجیح نہ دے اور نہ ہی اپنے ملک پر مغرور ہو اس لیے کہ اس پر تجھے اس وقت خوشی اور ناز مفید ہے جب وہ ملک معدوم نہ ہو جاتا تجھے اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لازمی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وسارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم و جنۃ** اس خواب سے گھبرا کر اٹھے اور کہا کہ مجھے اس سے تنبیہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت اور ہدایت نصیب ہوئی ہے اس کے بعد تائب ہو کر اطاعت وعبادت میں مشغول ہو گئے۔ حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہر کہ دل بر عشوۂ گیتی نہاد

پُر حذر باش از غرور وجہل او

دامن او گیر کز ہمت فشاند

آستیں بر دنیا و بر اہل او

[ترجمہ : جس نے گیتی زمانہ کے عشووں پر جی لگایا اس کے غرور جہل سے پُر حذر ہو اس شخص کا دامن پکڑ جو دنیا اور اہل دنیا سے علیحدہ ہو گیا]

اللہ تعالیٰ ہمیں عصمۃ عن الھویٰ اور تمسک باسباب الھدیٰ کی دولت سے نوازے۔

---

[1] ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ حضور سرور کائنات کو موجودات کائنات کے ابتدائے آفرینش سے تا دخول جنت ونار ذرہ ذرہ کا علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے گئے ہیں۔ جسے ہم اہلسنت علم کلی سے تعبیر کرتے ہیں۔ تفصیل فقیر کی کتاب "علم غیب" میں ہے۔ دلائل میں سے ایک دلیل یہی ہے کہ قرآن مجید میں علم کلی کے ذرہ ذرہ کا تفصیل بیان ہے۔ فقیر نے اس دعوے پر "احسن البیان فی مقدمہ ترجمۃ القرآن" میں متعدد دلائل قائم کیے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ اور اللہ تعالیٰ نے آسمان یا بادل سے زمین پر نازل فرمایا مَآءً پانی ایک خاص قسم کا یعنی بارش۔ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ اس کے سبب سے ویران زمین کو آباد کیا یعنی بارش کے سبب سے زمین پر قسم قسم کی کھیتیاں اگائیں بَعْدَ مَوْتِهَا زمین کی ویرانی یعنی خشک ہونے کے بعد۔

ف : زمین میں قوتِ نامیہ کی رونق اور قسم قسم کی نباتات کی سرسبزی کو احیاء سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ صنعت حس و حرکت کو تقاضا کرتی ہے اور سرسبزی کے بعد خشکی کو موت بعد الحیات کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور فا اگرچہ تعقیب بلاتاخیر کے لیے آتی ہے اور یہاں دو معطوفوں کے درمیان واقع ہوئی ہے اس کا اپنے معنے میں نہ ہونے سے کوئی حرج نہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بے شک اس میں یعنی انزال السماء من السماء اور احیاء الارض میتۃ میں لَاٰیَةً البتہ دلیل ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے علم و قدرت و حکمت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ان کے بتوں کو ایسی قدرت و طاقت کہاں لِقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ایسے لوگوں کے جو سنتے ہیں یعنی ایسے نصائح سنکر تدبر و تفکر کرتے ہیں اور جو تدبر و تفکر سے محروم ہے وہ بہرہ ہے مثنوی شریف میں ہے ؎

چوں سلیمان سوئے مرغانِ صبا
یک صفیری کرد آں جملہ را
جز مگر مرغے کہ بد بے جان و پر
یا چو ماہی گنگ بد از اصل کر
نے غلط گفتم کہ کر گر سر نہد
پیش وحی کبریا سمعش دہد

[ترجمہ : جب سلیمان علیہ السلام نے صبا کے تمام پرندوں کو آواز دی سوائے اس پرندے کے کہ جو بے جان و پر یا گونگا تھا، سب نے سن لیا بلکہ میں نے غلط کہا کہ گونگے وغیرہ نے نہ سُنا بلکہ وہ ضرور سن لیتا کیونکہ وحی الٰہی میں ایسے گونگے بہرے کو سنانے کی برکت ہے ہاں ازلی بدقسمت نے سلیمان علیہ السلام کی آواز نہ سُنی]

تفسیر صوفیانہ

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ واللہ انزل من السماء ماءً سے قرآن مجید مراد ہے اس لیے کہ وہی اہلِ ایمان کے قلوب کی زندگی کا سبب ہے اس لیے کہ وہ قلوب جو جہالت کی موت کی وجہ سے مردہ تھیں انھیں قرآن مجید نے ایمان کی دولت سے دائمی زندگی بخشی ان فی ذالك لاٰیۃ لقوم یسمعون بیشک قرآن ان لوگوں کے لیے دلیل ہے جو قبولیت کے سماع سے قرآن سنتے ہیں تو گویا وہ اللہ تعالیٰ سے ہی براہ راست اس کا کلام سنتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کلام ازلی کے ساتھ ابدا متکلم ہے اور اس کلام کو صرف وہی سن سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے کلام سننے کی توفیق کا اعزاز بخشے۔ کما قال تعالیٰ :

ولو علم اللہ فیھم خیراً لاسمعھم ۔ (اگر اللہ تعالیٰ کو ان کے متعلق بھلائی کا علم ہوتا تو انھیں سماع قبول کی دولت سے نوازتا) اللہ کبھی اپنے بندوں پر کتاب کے ذریعے خارج سے اپنا کلام پڑھتا ہے اور کبھی اپنی ذات سے بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو کلام

حق سننے کا اہل بنائے اور اپنے آپ کو گونگے اور اندھے پن سے بچائے اس لیے کہ جس میں یہ بیماری ہوتی ہے تو وہ کتاب کبیر کی تلاوت کے باوجود اس کے حقائق و دقائق سے محروم رہتا ہے یا در ہے کہ گونگا پن وہ مرض ہے کتاب کبیر یعنی قرآن کی تلاوت کے بعد اس کے حقائق تک نہیں پہنچنے دیتا اور بہرے پن کے مرض سے قرآن مجید کی تلاوت کے بعد حقائق سے محرومی ہوتی ہے اور دراصل قرآن مجید انسان خود ہے اس لیے کہ انسان الجمع کا محل ہے کیونکہ جو کچھ عالم کبیر میں ہے وہ تمام انسان میں موجود ہے۔

ف : جن لوگوں کو سماع قبول نصیب ہوا جنھیں صوفیاکرام محققین سے تعبیر کرتے ہیں ان کی علامت یہ ہے کہ وہ ہر عمل جو اقرب الی اللہ ہو اسکے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں یعنی امر ونہی پر فوراً عمل کرتے ہیں اور اس پر انہیں تکلیف محسوس نہیں ہوتی ان کے لیے قرآن مجید پر عمل کرنا ایسے آسان ہوتا ہے جیسے ہمیں سننے اور پڑھنے میں آسانی ہوتی ہے اس طرح دوسری علامت یہ ہے کہ وہ حضرات دوسروں کی غیبت و بہتان سے ان کے کان بہرے اور گلہ وغیبت سے ان کی زبان گنگ ہوتی ہے اور ان کی تیسری علامت یہ ہے کہ وہ آیات الٰہی میں ہر وقت غور و فکر میں لگے رہتے ہیں ان کی چوتھی علامت یہ ہے کہ وہ قرآن میں بحث و تمحیص اور جنگ و جدال سے بچتے ہیں ان کی پانچویں علامت یہ ہے کہ وہ مزامیر اور ہر حرام بات نہیں سنتے اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا :

واذا سمعتم آیات اللہ یکفر بہا ویستھزاء بہا فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلھم ——— [جب تم سنو کہ آیات الٰہی کے ساتھ کفر و استہزاء کیا جاتا ہے تو تم ان کے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری باتوں میں لگ جائیں اگر تم ان کے ساتھ بیٹھے سنتے رہے تو تم بھی ان کی طرح ہو گے]

مسئلہ : کافر و منافق جب آیاتِ الٰہی سے استہزاء کریں اور کوئی ان کی مجلس میں بیٹھے تو وہ بھی ان میں شمار ہوگا (اسی لیے ہم اہلسنت بدمذہب کی مجلسوں اور جلسوں میں جانے سے عوام کو روکتے ہیں)

مسئلہ : جو اللہ والوں عارفوں کی پاک مجلسوں میں بیٹھتا ہے تو وہ بھی ان کی بھلائی اور خیر و برکت میں شریک ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

انھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم۔

یہ (عارفین) وہ لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین کبھی محروم نہیں ہوتا۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ دنیا میں طاعت پر زندگی بسر کرے اور آداب شرعیہ کو ملحوظ رکھے اور آخرت کا معائنہ اور قرب حق کو ہر وقت تصور میں لائے مولا کریم سے دعا ہے کہ ہمیں دنیا و آخرت میں صلحاء کاملین کی صحبت نصیب فرمائے آمین۔

لہ اسی لیے خواجہ غلام فرید نے فرمایا : ایہا دل قرآن کتب اے " یعنی انسان کا قلب ہی قرآن کتاب ہے۔ اویسی غفرلہٗ

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا
سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ ○ وَمِن ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا ۗ
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ○ وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ
بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ○ ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ
ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِن بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً
لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ○ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ ۚ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ
لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ○

ترجمہ: اور بیشک چار پایوں میں تمہارے لیے عبرت ہے ہم تمہیں پلاتے ہیں جو ان کے پیٹ میں ہے گوبر اور خون کے درمیان میں سے خالص دودھ جو پینے والوں کے گلے سے آسانی سے اترتا ہے اور کھجور اور انگور پھلوں میں سے کہ تم اس سے نبیذ[1] اور کھانے کی عمدہ چیزیں[2] بناتے ہو۔ بیشک اس میں عقلمندوں کے لیے نشانی ہے اور آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کو الہام فرمایا کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں اور چھتوں میں بھی، پھر ہر قسم کے پھلوں میں سے بھی کھا اور اپنے رب کے راستوں پر چل جو تیرے لیے آسان اور نرم ہیں اور اس کے پیٹ سے پینے کی شے نکلتی ہے جس کی رنگتیں مختلف ہیں جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں اور اللہ تعالے نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تمہیں موت دے گا اور تمہارے بعض ایسے ہیں جنہیں ناکارہ عمر کی طرف پھیرا جاتا ہے تاکہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑی قدرت والا ہے۔

(تفسیر بر صفحہ آئندہ)

---

[1] مویز اور انگور وغیرہ کا رس جب اس قدر پکا لیا جائے کہ دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہے اور تیز ہو جائے اسے نبیذ کہتے ہیں۔ یہ حد سکر تک نہ پہنچے اور نشہ نہ لائے تو شیخین کے نزدیک حلال ہے۔ بہت سی احادیث اور یہی آیت اس کی دلیل ہے ۱۲

[2] جیسے سرکہ، رُب، خرما، مویز وغیرہ ۱۲ اویسی غفرلہ

تفسیر عالمانہ وَاِنَّ لَکُمْ اے لوگو! تمھارے لیے فِی الْاَنْعَامِ، نَعَمٌ (بالتحریک) کی جمع ہے۔ اس کی چار اقسام ہیں:

۱۔ اُونٹ

۲۔ گائے

۳۔ بھیڑ

۴۔ بکری

لَعِبْرَۃً جانوروں میں عبرت، یعنی جہل سے علم کی طرف دلالت ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوا کہ جانور میں عبرت کیسی؟ جواب ملا کہ نُسْقِیْکُمْ ہم تمھیں پلاتے ہیں۔

حلِ لغات: زجاج نے فرمایا کہ سقیتہ و اسقیتہ کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ لیکن اسئلۃ المقحمہ میں فرق کیا ہے وہ یہ کہ جب اسقیتہ کہا جائے گا تو اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ میں نے ہمیشہ اس کے لیے پانی پلانے کا انتظام کیا۔ اور سقیتہ بمعنیٰ میں نے اسے ایک گھونٹ پانی پلایا۔

مِمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ یہ من تبعیضیہ ہے اس لیے کہ جانوروں کے بعض حصے میں دُودھ ہوتا ہے اور ہٖ لبعض الانعام کی طرف راجع ہے یعنی ان کی مادینیاں۔ کیونکہ دودھ تمام جانوروں میں نہیں۔ یا صرف المذکور کی طرف راجع ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ بعض جانوروں (جو دودھ والے ہیں) کے شکموں میں سے۔ (کذا قالہ الکسائی)

مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا مِن ابتدائیہ، اور نُسْقِیْکُمْ کے متعلق ہے اس لیے کہ گوبر اور خون کی درمیانی جگہ دودھ کا مرکز ہے۔ اور گوبر گھاس کا فضلہ ہے جو اوجھ میں جمع ہوتا ہے۔ اور اوجھ جانوروں میں ایسے ہے جیسے انسانوں میں معدہ۔ خَالِصًا صاف شفاف کہ جس میں نہ خون کے رنگ کی آمیزش ہوتی ہے نہ گوبر کی بدبُو کی ملاوٹ سَآئِغًا خوشگوار لِّلشّٰرِبِیْنَ پینے والوں کے لیے۔ یعنی حلق میں جلد تر اُترنے والا۔ بعض نے کہا کہ ہم نے صرف دُودھ کے پینے سے کبھی نہیں سنا کہ ہیضہ ہوا ہو۔ کھانے پینے کی اشیا میں نافع ترین دُودھ ہے۔

طعام کھانے کے بعد کی دُعا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کھانے سے فراغت پاؤ تو کہو: اللھم بارك لنا فیہ واطعمنا خیراً منہ۔ اے اللہ! ہمیں اس میں برکت دے اور اس سے بہتر طعام عطا فرما۔

دُودھ پینے کے بعد کی دعا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دودھ پینے کے بعد کہے: اللھم بارك لنا فیہ وزدنا منہ۔ اے اللہ! اس میں برکت دے اور زیادہ عطا فرما۔

ف : اکبر اشی نے فرمایا وہ اس لیے کہ جب اوجھ گھاس کو پکاتی ہے تو نیچے کا حصہ گوبر اور درمیانی حصہ دودھ خالص بن جاتا ہے جس میں گوبر وغیرہ کی ملاوٹ نہیں ہو سکتی اور اوپر کا حصہ خون اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ دیکھئے کہ دودھ اور خون و گوبر کے درمیان کیسا بہتر پردہ لٹکایا ہے کہ دودھ میں نہ گوبر اثر انداز ہو سکتی ہے نہ خون باوجودیکہ ان تینوں کو آپس میں شدید اتصال ہے لیکن خون اور گوبر کا معمولی شائبہ رنگ یا بو بھی گوبر میں نہیں ہوتا پھر جگر کے آمدہ کمال رکھا ہے کہ ان تینوں کی تقسیم اسی کے ذمہ ہے اور کیسی تقسیم کہ خون رگوں میں اور دودھ تھنوں اور گوبر اوجھ میں رہ جاتی ہے جیسے جانور اسے وقت پر نیچے گراتا ہے۔

سوال : دودھ اور خون تو اوجھ میں پیدا نہیں ہوتے اسی لیے ذبح کرتے وقت اوجھ میں نہ ہمیں دودھ نظر آتا ہے اور نہ خون۔

جواب : اوجھ کے نیچے گوبر کا اور اس کے درمیان میں دودھ کا اور اس کے اوپر خون کا مادہ ہے اسی لیے پستانوں میں دودھ کا مادہ ہے نہ کہ خون کا۔

ازالۂ وہم : بعض کہتے ہیں کہ پستانوں میں خون منعقد ہوتا ہے پھر وہی خون پستانوں میں پہنچکر دودھ بن جاتا ہے اس لیے کہ پستانوں کی برودت خون سے دودھ بنا دیتی ہے وہ اس کے متعلق دلیل دیتے ہیں کہ جب پستانوں کو بیماری یا آفت پہنچتی ہے تو پستانوں سے بجائے دودھ کے خون اترتا ہے یہ ان کا قول غلط ہے ان کا دلیل میں یہ کہنا کہ آفت و بیماری سے دودھ کی بجائے خون اترتا ہے یہی تو ہماری دلیل ہے کہ بیماری سے ہی دودھ خون ہو گیا ہے جیسے کبھی پیپ اترتی ہے جتنا آفت و بیماری سخت ویسے ہی دودھ میں خرابی یہی قول جمہور زیادہ روشن اور واضح ہے۔ بلاغات زمخشری میں ہے ہے

کما یحدث بین الخبیثین ابن لایئوبن

الفرث والدم یخرج منهما اللبن

ترجمہ مع توضیح : جیسے دودھ طیب و طاہر دو پلیدیوں کے درمیان سے نکلتا ہے یعنی گوبر و خون سے کہ دودھ پر ان کے اوصاف میں سے کوئی صفت اثر انداز نہیں ہوتی باوجودیکہ وہ دونوں دودھ کے بالکل قریب ہیں اسی طرح بعض خبیث ماں باپ سے طیب و طاہر بیٹا پیدا ہوتا ہے جس میں کسی قسم کا عیب نہیں ہوتا اور نہ ہی خبیث ماں باپ کے اوصاف خبیثہ میں سے کوئی خبیث صفت اس پر اثر انداز ہوتی ہے ؎

می ز غوزہ شود شکر از نے

عسل از نحل حاصلست بقے

مگو ز نہار اصل عود چو بست

بہ بین دودش چہ مستثنیٰ و خوبست

[ترجمہ : شراب انگور وغیرہ کے نچوڑ سے اور شکر نے سے شہد مکھی کی قے سے حاصل ہوتی ہے یہ مت کہہ کہ عود ایک لکڑی ہے بلکہ اس کے دھوئیں کو سونگھ کہ کیسی خوشبو ناک ہے]

صوفیانہ پند سودمند

حضرت شقیق سے اخلاص کے بارے میں سوال ہوا کہ وہ کس طرح ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ اسے اعمال میں اس طرح خالص رکھا جائے جیسے دودھ کو گوبر اور خون سے علیحدہ کیا جاتا ہے جس میں گوبر اور خون کی ذرہ برابر ملاوٹ نہیں ہوتی اسی لیے قوت القلوب میں لکھا ہے کہ مکمل ترین نعمت دودھ ہے اگر اس میں گوبر یا خون کی تھوڑی سی بھی ملاوٹ کا شائبہ ہوتا تو پینا تو درکنار دیکھنا بھی گراں

نہ ہوتا ایسے ہی بندگان حق کا معاملہ ہے کہ انہیں لازم ہے کہ وہ بارگاہ حق میں خالص عبادت پیش کریں اگر کسی بندۂ خدا کی عبادت میں معمولی سی
گرد اور غبار ریا اور خواہش نفسانی کی ملاوٹ ہوئی تو وہ عبادت منہ پر ماری جائے گی اس لیے کہ ریا عبادت میں شرک خفی ہے اسی طرح خواہش نفسانی
کے تحت عبادت بھی بیکار ہے اسی لیے لازم کہ عبادت میں ریا و ہوائے نفس کو جگہ نہ دے۔ سے

طاعت آلودہ نیاید بکار
مشک جگر سودہ نیاید بکار
ہر کہ ز آلودگی افتاد پاک
پیش نظرہا نبود تابناک

(ترجمہ: ملاوٹ کی عبادت کام نہیں آتی اسی طرح مشک خراب شدہ بھی بیکار ہوتی ہے جو شخص ہر آلودگی سے پاک ہوتا ہے وہی
اہل نظر کے نزدیک تابناک ہوتا ہے]

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ عاقل کو عبرت کرنی چاہیے کہ نفوس کے جانوروں کے بطون سے الہام ربانی کا دودھ پلایا
ہے جو کہ فرث الخواطر الشیطانی اور دم الخواطر النفسانی کے درمیان واقع ہے جسے اہل دل پی کر صراط مستقیم پر بلا تکلیف چلتے ہیں
(کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ اور ہم تمہیں پلاتے ہیں کھجوروں اور انگوروں کے ثمرات سے
اور ان سے کھلاتے بھی ہیں۔

ربط: اسے کھانے اور پینے کی کنہ بتاتے ہیں کہ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ تم ان کے نچوڑ سے بناتے ہو سَکَرًا شراب۔
قاموس میں ہے کہ السکر (محرکۃ) بمعنے الخمر۔ یاد رہے کہ نبیذ کھجور سے تیار ہوتا ہے۔ یہ آیت شراب کی حرمت
سے پہلے کی ہے کیونکہ شراب کو قرآن نے حرام بتایا اور یہاں اسے نعمتوں میں گنایا ہے۔ حرام شے نعمت نہیں ہو سکتی جس سے لازماً
نتیجہ نکلا کہ شراب نعمت تھی لیکن ایک وقت تک۔ جب حرمت کا نزول ہوا تو وہ نعمت نہ رہی بلکہ زحمت بن گئی۔
وَرِزْقًا حَسَنًا رزقِ حسن، جیسے کھجور کا میوہ اور اس کا نچوڑ، اور انگور کا میوہ اور اس کا نچوڑ اور سرکہ۔
حدیث شریف میں ہے تمہارے لیے بہترین سرکہ انگوری ہے۔

کھانسی کا علاج مامون الرشید (خلیفہ عباسی) مرو شہر میں جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے تو لوگوں نے بیماری کی وجہ سے
کھانسنا شروع کر دیا۔ آپ نے خطبہ میں اعلان فرمایا کہ جسے کھانسی ہو وہ سرکہ انگوری استعمال کرے۔
چنانچہ سرکہ انگوری استعمال کرنے سے لوگ کھانسی سے صحت یاب ہو گئے۔ (کذا فی الروضہ)
نکتہ: آیت مذکورہ پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے دودھ اور شراب اور رزق حسن کو کیسی بہتر ترتیب سے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً
دودھ کی صنعت میں انسان کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ اسی لیے اس کو نسقیکم سے تعبیر کیا ہے۔ اور شراب اور رزق حسن

میں انسانی صنعت کو دخل ہے۔ اسی لیے ان کے بارے میں فرمایا تتخذون منہ یعنی اے لوگو! شراب اور رزق حسن کی ساخت میں تمہا دخل ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بیشک اس دُودھ پلانے وغیرہ میں لَاٰیَةً البتہ دلیل روشن ہے لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ایسے لوگوں کے لیے جو اپنے عقول و افہام کو آیاتِ الٰہی کے لیے غور و فکر اور تامل و تدبر پر استعمال کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ومن ثمرات النخیل اور طاعات والاعناب اور مجاہدات کے ثمرات سے تتخذون یعنی ثمراتِ طاعات و مجاہدات و مکاشفات و مشاہدات و وقائع ارباب الطلب والاحوال العجیبہ سے حاصل کرتے ہو۔ سکرا و رزقا حسنا صوفیا کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں سکر سے وہ شراب مراد ہے جو نفس کو جب پلائی جاتی ہے تو نفس کو نشہ چڑھ جاتا ہے پھر اس نشہ کی وجہ سے نفس شرابی کی طرح مست ہو کر جھومتا ہے تو کبھی حق اور صراطِ مستقیم سے ہٹ جاتا ہے اور کبھی رعونت (سرکشی، جوش و غضب (شرابی کی طرح) اس کے اقوال و افعال سے ریا و سمعہ کا صدور ہوتا ہے اور رزقِ حسن سے قلب اور روح کی شراب مراد ہے اور قلب و روح کو جب شراب نصیب ہوتی ہے تو روح و قلب کے شوق و محبت و عشق و صدق و طلب میں اضافہ ہو جاتا ہے کسی شاعر نے کہا؎

شربت الحب کاساً بعد کاس

فما نفد الشراب وما رویت

[ترجمہ: میں عشق و مستی کے پیالے پیتا چلا گیا پھر نہ شراب ختم ہوتی اور نہ میری پیاس بجھتی۔]

اور فرمایا؎

سقانی شربت احیی فؤادی

بکاس الحب من بحر الوداد

[ترجمہ: مجھے محبوب نے صرف ایک گھونٹ عطا فرمایا جس سے میرا دل زندہ ہو گیا یعنی بحرِ عشق کے پیالے سے مجھے صرف ایک گھونٹ نصیب ہوا تو میرا دل زندہ ہو گیا]

ان فی ذالك لاٰیة لقوم یعقلون بیشک اس میں دلالت ہے ان لوگوں کے لیے جو اشارات حق کا عقل سے ادراک کرتے ہیں اور اسی عقل سے اشارات کو سمجھتے ہیں۔

ف: اہلِ تحقیق نے فرمایا کہ عقل ایک درخت ہے جس کا ثمر علم و حلم اور قاعدہ ہے کہ شے کا ثمر ہی شے کی شرافت اور بزرگی ظاہر کرتا ہے اور عقلمند انسان اپنی قوم میں ایسے ہے جیسے کسی قوم کا نبی یعنی جیسے نبی علیہ السلام سے قوم علمی عملی فوائد حاصل کرتی ہے ایسے ہی عقلمند سے لوگوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبی

اللہ تعالیٰ نے عقل کے دو ہزار حصے کئے ایک ہزار حصے تمام انبیاء علیہم السلام کو ملے اور باقی ایک ہزار حصوں میں سے نو سو ننانوے حصے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے گئے باقی ایک حصہ میں سے چار دانق تمام علماء اولیاء، محدثین، مفسرین مجتہدین صحابہ کرام و عام علماء (از آدم تا قیامت) کو نصیب ہوئے اور ایک دانق دنیا بھر کے تمام مردوں کو اور نصف دانق دنیا بھر کی تمام عورتوں کو باقی نصف دانق دنیا کے تمام دیہاتیوں جاہلوں گنواروں کو۔

ف: دانق بالفتح و بالکسر درہم کے چھٹے حصے کو کہتے ہیں۔

ف: ایک بزرگ نے فرمایا کہ دنیا کی عمر قلیل لیکن اس کی حسرت آخرت میں بہت طویل ہوگی انسان اپنے لیے ہی آخرت کا کام کرتا ہے نیک کام کرے گا تو عزیز ہوگا ورنہ ذلیل۔

سبق: عاقل وہ ہے جو موت سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح میں جدوجہد کرتا ہے ہر خشک و تر اور اعلیٰ و ادنیٰ سے نصیحت حاصل کرتا ہے اور غفلت اور ہوائے نفس کے نشے سے ہوشیار رہتا ہے بلکہ وہ ہر وقت ہدایت کی راہ پر چلتا ہے مثنوی شریف میں ہے ؎

عقل جزوی را وزیر خود مگیر
عقل کل را ساز اے سلطان وزیر
کین ہوا پر حرص و حالی بین بود
عقل را اندیشہ یوم الدین بود

[ترجمہ: عقل جزوی کو وزیر مت بنا اے سلطان عقل کل کو وزیر بنا اس لیے کہ خواہش نفسانی پُر حرص اور حال بین ہے عقل کل کو یوم الدین کی فکر رہتی ہے]

تفسیر عالمانہ

وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تیرے رب نے وحی بھیجی اِلَى النَّحْلِ شہد کی مکھی کی طرف النحل یعنی شہد کی مکھی اور اس کا بھڑ یعنی اللہ تعالیٰ نے الہام کیا اور اس کے قلب میں ڈالا اور اسے بتایا وہ جو صرف اسے معلوم ہوا۔

مسئلہ: وحی کا اطلاق غیر نبی پر جائز ہے بشرطیکہ اس سے لغوی معنے مراد ہو اصطلاحی معنی مراد لینا کفر ہے اس کا اطلاق غیر نبی پر قرآن مجید میں متعدد مقامات پہ آیا ہے کما قال بان ربك اوحى لها اور اس کا اطلاق تنبیہ خفی پر بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حیوانات کو وحی کرنے کا یہ معنی ہے کہ ان کے دل میں تمنا پیدا فرمائی کہ وہ اپنے منافع طلب کریں اور ضرر رساں چیزوں سے بچیں مثلاً کوّے کے دل میں خیال ڈالا کہ وہ زمین کھود کر قابیل کو دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو مٹی میں کس طرح دبائے مثنوی شریف میں ہے ؎

پس بچنگال از زمین انگیخت گرد
زود زاغ مردہ را در گور کرد

دفن کردش پس بپوشیدش بخاک
زاغ از الہام حق بد علمناک

[ترجمہ: پنجہ مار کر زمین کو کریدا اور اپنے کوتے مردہ کو قبر میں دفن کیا دفن کر کے اس پر مٹی ڈالی اس لیے کہ کوتے کو اللہ تعالیٰ سے یہ الہام کے طور پر علم ملا]

نحل کی وجہ تسمیہ زجاج نے کہا کہ شہد کی مکھی کو نحل اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نچوڑ لوگوں کو عطا فرمایا ہے اور لغت میں نحل بمعنی عطیہ ہے اس کی شرافت کی دلیل اتنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اوحیٰ ربک الی النحل۔

اعجوبہ: ہر مکھی جہنم میں جائے گی سوائے شہد کی مکھی کے (م ا) عجائب المخلوقات میں ہے کہ عید الفطر رحمت کا دن ہے اسی دن اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کو شہد کی صنعت کا الہام فرمایا۔

مسئلہ: حیوۃ الحیوان میں ہے کہ شہد کی مکھی کا کھانا حرام ہے اگرچہ شہد حلال ہے جیسے انسان عورت کا گوشت حرام ہے لیکن اس کا دودھ حلال ہے

مسئلہ: شہد کی مکھی کو مارنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: شہد کی مکھی کا چھتہ بیچنا جائز ہے بشرطیکہ اسے دیکھ لیا جائے کہ کیا واقعی اس میں شہد ہے اور کتنا ورنہ بیع الغائب میں شمار ہوگی اور وہ ناجائز ہے کذا فی التتمہ اور التہذیب میں اس کے برعکس ہے۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زنبور اور دیگر حشرات کی طرح شہد کی مکھی کی بیع و فروخت ناجائز ہے ریشم کے کیڑے کی بیع جائز ہے جن سے ریشم تیار ہوتا ہے۔ اَنِ اتَّخِذِیْ اپنے لیے تیار کر یہ عبارت دراصل بان اتخذی تھی اس لیے کہ ان مصدریہ ہے اور صیغہ مؤنث اس لیے ہے کہ نحل مذکر مؤنث دونوں طرح مستعمل ہے۔ مِنَ الْجِبَالِ پہاڑوں کے سوراخوں سے بُیُوْتًا رہنے سہنے کی جگہ کہ جہاں سے وہ گھوم پھر کر واپس آجائیں شہد کی مکھی کی اس بنا کو (جہاں سے وہ شہد تیار کرتی ہے) بیوتاً سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ اسے انسان کے گھر سے مشابہت ہوتی ہے اس لیے کہ شہد کا گھر مسدس متساویہ ہوتا جسے وہ پرکار و مسطر کے بغیر تیار کرتی ہے اور ایسی کامل مہارت کے ساتھ کہ جسے ہندسی دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں اور باوجودیکہ ان کے ہاں ہر قسم کے آلات اور پیمانے ہوتے ہیں لیکن شہد کی مکھی کے گھر جیسا تیار کرنے سے عاجز ہیں۔

ف: گھر کو مسدس اس لیے تیار کرتی ہیں کہ وہ مثلث و مربع و مخمس سے وسیع تر ہوتا ہے اور ان کا گھر کچھ ایسی عجیب طرز سے تیار ہوتا ہے کہ اس میں کوئی سوراخ خالی نہیں ہوتا جیسے کہ عموماً مدورات اور مضلعات میں ہوتا ہے۔

ف: مِنْ تبعیضیہ ہے اس لیے کہ وہ پہاڑ کے کل حصوں میں اپنے گھر نہیں بناتیں اسی طرح وَمِنَ الشَّجَرِ میں بھی من تبعیضیہ ہے یعنی درخت کے بعض حصوں میں اپنے گھر بنا وَ جب کہ اس درخت کا مالک آقامت پذیر نہ ہو اسی طرح وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ میں بھی من تبعیضیہ ہے کیونکہ انسان کی بلند تر بنائی چیزوں کے کل میں گھر نہیں بناتیں۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ مما یعرشون سے انگور یا مکان کی چھت یا دیواریں مراد ہیں۔

ربط: حیوان کو راحت کے بعد کھانا اہم ضرورت ہے اسی لیے پہلے راحت کے اسباب بتائے اس کے بعد کھانے کا ذکر فرمایا اور چونکہ ہر درخت سے کھانا بھتا ہے اسی لیے اسے عموم کے صیغہ کے ساتھ لایا ہے اس میں اس کی عجیب صفت اور سہل الحصول کی طرف اشارہ ہے۔

ثُمَّ كُلِي پھر تو کھا دُ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ہر قسم کے ثمرات سے۔ اس میں کثرت رزق کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ اوتیت من کل شئ میں کثرت مراد ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اسے شہد کی مکھی جہاں سے اور جو تجھے پسند ہے وہاں سے حاصل کرے تجھے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں میٹھا یا کھٹا یا کڑوا وغیرہ وغیرہ اس تقریر پر یہ عام مخصوص منہ البعض ہوگا اور اس کی مخصص عادت ہے فَاسْلُكِي یہ شرط محذوف کی جزا ہے دراصل عبارت یوں تھی فاذا اکلت الثمار الخ یعنی جب تو اپنے گھر سے مواضع بعیدہ سے پھل حاصل کرنا چاہے تو تو داخل ہو جا۔

سُبُلَ رَبِّكِ اپنے رب کے راستوں میں یعنی پہاڑوں اور درختوں میں یعنی وہ راستے جو تجھے تیرے رب تعالیٰ نے بتائے اور تجھے پیٹ کر واپس لوٹنے کا الہام فرمایا کہ اگرچہ تو کتنا ہی دور چلا جائے تب بھی تو اپنے گھر واپس لوٹ آئے گی ذُلُلًا ذلول کی جمع ہے یعنی درانحالیکہ وہ رستے چلنے اور پہنچنے کے لیے آسان ہوں گے۔

ف: جب شہد کی مکھی کو اپنے قرب وجوار میں شہد کے لیے اسباب میسر نہیں آتے تو اپنی خوراک کی طلب کے لیے بہت دور دور علاقوں میں چلی جاتی ہے پھر جب گھر کو لوٹتی ہے تو نہ بھولتی ہے نہ بھٹکتی ہے۔

نکتہ: لفظ رب میں اشارہ فرمایا کہ یہ اس کا لطف عظیم ہے کہ اس نے شہد کی مکھی کی بہتر تربیت فرمائی ورنہ اسے راہ شناسی کب نصیب ہوتی یہ القطا پرندے کی طرح ہے وہ ایک پرندہ ہے جو راہ شناسی میں ضرب المثل ہے مثلاً کہا جاتا ہے اهدی من القطاة وہ اس لیے کہ وہ اپنے بچے گھونسلے میں چھوڑ کر پانی تلاش میں دس دن کبھی اس سے زائد دنوں کی مسافت پھرتی ہے طے کرتی ہے اتنا طویل مسافت کر صبح سے شام تک طے کر لیتی ہے یعنی صبح کو گھونسلے سے نکل کر مسافت مذکورہ طے کر کے شام کو واپس آ جاتی ہے (کذا فی شرح الشمار)

يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شہد کی مکھی کی کارروائی مذکورہ کا نتیجہ اور سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ شہد کی مکھی کے فوائد کیا ہیں جواب دیا مکھی کے پیٹ سے قے کے ذریعے شہد نکلتی ہے شَرَابٌ شہد یہ مصدر بمعنی مفعول یعنی شراب بمعنی مشروب ہے کیونکہ شہد کو پیا جاتا ہے اسی لیے اسے شراب بمعنی مشروب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ف: شہد کی مکھی اشجار واز ہار پھولوں کے اوراق کے اجزا لطیفہ طیبہ اور میٹھے کھاتی ہے اور ثمرات رطبہ اور اشیاء عطریہ چوستی ہے پھر اپنے گھر میں اگل قے کر دیتی ہے تاکہ وہ غذا اسے سردیوں میں کام دے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسے شہد بنا دیتا ہے اسی طرف ظہیر فاریابی نے ارشاد فرمایا ہے

بداں طمع کہ دہن خوش کنی ز غایت حرص
نشستۂ مترصد کہ قے کند زنبور

[ترجمہ: غایت حرص میں تجھے طمع ہے کہ دہن وزبان کو میٹھا کرے اسی لیے تو انتظار میں ہے کہ زنبور قے کرے تو میں کھاؤں]

سوال: سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دنیا کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کا بہترین لباس ایک کیڑے کی تھوک اور اس کا بہترین

پنے کی شے شہد کی گربر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہد اچھی شے نہیں۔

جواب: شہد کی لذت اور اس کی افضلیت میں کوئی شک نہیں لیکن دنیا کی شے ہے اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصد دنیا کی مذمت کرنا ہے نہ کہ شہد کی مذمت مطلوب ہے۔

سوال: تم نے شہد کو مکھی کی قے کہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گربر فرمایا۔

جواب: مقصد تو مذمتِ دنیا ہے اور چونکہ شہد مکھی کے پیٹ سے ہی خارج ہوتی ہے بایں مناسبت کہ وہ منہ سے نکلتی ہے اسی لیے اسے قے سے تعبیر فرمایا اور چونکہ پیٹ کی شے خارج شدہ ہے اسی لیے اسے گربر کہا گیا۔

اعجوبہ: حیٰوۃ الحیوان میں ہے کہ شہد کی مکھی میں اللہ تعالیٰ نے زہر اور شہد کو جمع فرمایا ہے تاکہ اس کی قدرت کاملہ کی دلیل ہو کہ اس نے اپنی کمال قدرت سے موم رکھی کہ شہد کو رحمت بنایا اور موم کو زہر۔

سبق: یہی حال مومن کا ہے کہ اس کے دل میں خوف و رجا کو یکجا کیا گیا ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ دیکھئے کہ شہد کی مکھی باوجودیکہ مختلف درختوں اور مختلف شہروں سے کھاتی ہے لیکن شہد میٹھی ہے آکل وبلاد اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاتی۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

این کہ کرمنا ست و بالا مے رود
وحیش از زنبور کے کمتر بود
چونکہ اوحی الرب الی النحل آمد ست
خانۂ وحیش پر از حلوا شد ست
او بنور وحی حق عز و جل
کرد عالم را پر از شمع و عسل

(ترجمہ: ولقد کرمنا کے تاج والے اوپر کو پرواز کرتے ہیں ان کی وحی زنبور کی وحی سے کم نہیں۔ اوحی الرب الی النحل قرآن مجید میں ہے۔ اس وجہ سے اس کا سارا گھر شہد سے پُر ہے۔ اس نے وحی ربانی کے نور سے جملہ عالم کو شہد اور موم سے بھر دیا ہے]

عسل کو الحافظ الامین بھی کہا جاتا ہے وہ اس لیے کہ جو کچھ اس کے اندر بطور امانت رکھا جائے اس کی حفاظت کرتی ہے مثلاً میت پر لپیٹ دیجئے تو الی الابد اور گوشت کو تین ماہ اور میوہ جات کو چھ ماہ محفوظ کر سکتی ہے اسی طرح جس چیز کے متعلق جلد خراب ہونے کا خطرہ ہو اسے شہد میں رکھا جائے تو وہ شے خراب نہیں ہوتی۔

ف: ——— حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم شہد اور حلوہ کو پسند فرماتے تھے۔

ف: علماء نے فرمایا علو سے مراد یہاں ہر میٹھی شے ہے۔

سوال: جب ہر میٹھی شے مراد ہے تو پھر شہد کا ذکر دوبارہ کیوں؟

جواب: شہد کی افضلیت و اہمیت کے اظہار کے لیے اس معنی پر ذکر الخاص بعد العام کے قبیل سے ہوگا۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ رزقِ الٰہی سے طیبات اور لذیذ اطعمہ وغیرہ کھانا جائز ہے اور یہ زہد و تقویٰ کے منافی نہیں جبکہ جائز طریقے سے ہو اور ضروریاتِ زندگی میں تنگی و کمی نہ ہو۔

حدیث شریف: حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلی نعمت جو زمین سے اٹھائی جائے گی وہ شہد ہے۔

دنیا کی نعمتیں: سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ دنیا چھ چیزوں کا نام ہے (۱) مطعوم (۲) مشروب (۳) ملبوس (۴) مرکوب (۵) منکوح (۶) مشموم۔ اشرف مطعومات شہد ہے اور اشرف المشروبات پانی ہے اس میں نیک اور بُرا برابر ہیں۔ اشرف الملبوسات ریشم ہے اور وہ بھی ایک کیڑے کی تھوک ہے اور اشرف المرکوبات گھوڑا ہے لیکن اس پر سوار ہونے سے کئی جانیں تلف بھی ہو جاتی ہیں۔ اشرف المشمومات مشک خالص ہے لیکن یہ بھی ایک جانور کا خون ہے اور اشرف المنکوحات عورت ہے اور یہ بھی ایک پانی کا دوسرے پانی سے ملنا ہے۔

مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ: اس کے مختلف رنگ ہیں سفید، سبز، زرد اور سیاہ رنگ کی شہد ہوتی ہے یہ اختلاف شہد کی مکھیوں کی سن کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے مثلاً سفید شہد ان کے نوجوانوں سے اور زرد ان کے انتہائی بوڑھوں سے اور سرخ ان کے درمیانی عمر والوں کی اور بعض اوقات ان کے رنگ کا اختلاف پھولوں کے مختلف رنگوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ف: کسی ایک حکیم نے اپنے شاگردوں کو فرمایا کہ تم لوگوں میں ایسے رہو جیسے شہد کی مکھی اپنے گھروں میں ہوتی ہے شاگردوں نے عرض کی وہ شہد میں کیسے گزارتی ہیں انہوں نے فرمایا کہ وہ اپنے گھروں میں بہت بڑی صفائی رکھتی ہے یونہی گھر میں معمولی سی گرد یا خس دیکھا اسے فوراً باہر پھینک مارے گی تاکہ گھر کی صفائی میں آنچ نہ آئے اسی لیے وہ اپنا گھر نہایت تنگ اور مختصر بناتی ہے تاکہ صفائی اور ستھرائی میں سہولت ہو اور پھر شہد و خوشبو تے گھر میں سلیقے سے رکھتی ہے تاکہ خراب نہ ہو یہی وجہ ہے کہ شہد سے جان میں پھرتی اور راحت و فرحت پیدا ہوتی اور سستی و کاہلی دور ہو جاتی ہے۔

ملفوظ ابن عمر رضی اللہ عنہما: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مومن شہد کی مکھی کی طرح ہے کہ وہ پاک غذا کھاتی اور پاک شغل کرتی ہے یعنی شہد دیتی ہے اور مومن کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے ظاہر ہے کہ شہد کی مکھی میں یہ صفات ہیں:

۱۔ اپنے معاملہ یعنی شہد بنانے میں حاذق و ماہر ہے۔

۲۔ اسی طرح یہ بھی فطین و ذکی و فہیم ہے۔

۳۔ تا حدِ امکان کسی کو ایذا نہیں دیتی۔

۴۔ ان گنت منافع رکھتی ہے جو اپنے لیے نہیں غیروں کے لیے۔

۵۔ یہ گندگیوں غلاظتوں سے متنفر ہے۔

۶۔ پاک اور حلال غذا کھاتی ہے۔

۷۔ دوسروں کی دست نگر نہیں خود کما کر کھاتی ہے بلکہ یوں کہو کہ غیروں کو کما کر کھلاتی ہے۔

۸۔ اپنے امیر کی خوب اطاعت گزار ہے اسی طرح مومن میں مذکورہ خصلتیں ہوں تو پھر مرکز تجلیات حق بن جائے گا۔

شہد کو نقصان پہنچانے والی اشیاء اشیا شہد کے لیے نقصان دہ ہیں (۱) تاریکی (۲) بادل (۳) ہوا (۴) دھواں (۵) پانی (۶) آگ

سبق: مومن کو بھی چھ چیزیں نقصان دہ ہیں (۱) ظلمت الغفلۃ (۲) غیم الشک ۔ شک کے بادل (۳) فتنہ کی ہوا (۴) دخان الحرام ۔ حرام مال وغیرہ کا استعمال (۵) ماء السفہ (بیوقوفی) (۶) نار الجہل۔

فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے یعنی شہد ان دردوں کی دوا ہے جن کے متعلق اس میں شفا دینے کا مادہ رکھا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ ہر مرض کی دوا ہے کما قال فی جامع المیزان۔

فیہ شفاء للناس میں عموم کلی نہیں کہ ہر مرض کی دوا ہو یا ہر انسان کی شفا ہو اس کے عموم کلی کے نہ ہونے کی دلیل موجود ہے وہ یہ کہ نکرہ سیاق و اثبات میں واقع ہے اور وہ عام نہیں بلکہ وہ نکرہ جو سیاق نفی میں واقع ہو وہ عام ہوتا ہے۔ والتفصیل فی الاتقان للسیوطی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شہد بھی بیماریوں سے ویسے شفا دیتی ہے جیسے دوسرے ادویہ فائدہ بخشتے ہیں یعنی جیسے ان کے مخصوص خواص ہیں اس کے بھی وہی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود و حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم ہر دو حضرات سے عموم پر محمول فرماتے فقیر اویسی غفرلہ بھی اس کو ترجیح دیتا ہے اس لیے کہ اگر یہ دوسرے ادویہ کی طرح ہے تو پھر خصوصیت سے اس کا ذکر کیوں ہوا کہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ کسی شے کا خصوصیت سے ذکر کرنا اسے غیروں سے ممتاز ثابت کرنے کے لیے ہوتا ہے دوسرا قاعدہ عموم میں نہ ہونا اس کے عموم کلی کی نفی نہیں کرتا اس لیے کہ اس کا عموم دوسرے قاعدے سے ثابت ہے وہو الحصر والتاخیر بافیہ التقدیم چنانچہ مطول و علم معانی میں اور خود اتقان میں یہ قاعدہ موجود ہے تفصیل فقیر اویسی غفرلہ کے مقدمہ (احسن البیان جلد دوم) میں ہے)

ف: قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فیہ شفاء للناس میں اشارہ ہے کہ شہد بذات خود بہت سی بیماریوں کی شفا ہے مثلاً امراض بلغمیہ کو خالص شہد کا استعمال فائدہ بخشتا ہے یا ایسے دوسرے ادویہ میں ملا کر جیسے جملہ امراض کے اکثر و بیشتر ادویہ میں شہد کا ہونا ضروری ہے بلکہ کوئی معجون اور شربت ایسا نہیں جس میں شہد نہ ملائی جائے اور دور سابق میں اس کے لیے تو بھی صرف شہد ورنہ گڑ، شکر، کھانڈ، مصری وغیرہ تو قریب زمانہ کی صنعت اور وہ بھی چند مخصوص علاقوں تک محدود ہیں گویا یہ اشیاء بدعت ہیں جو لوگ بدعت سے گھبراتے ہیں گو حسنہ سہی لیکن انہیں دیکھئے کہ اس بدعت کو کیسے ہڑپ کر جاتے ہیں اور انہیں ڈکار تک نہیں آتا اور نہ ہی انہیں کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار یاد آتا ہے اویسی غفرلہ بہر حال دور سابق میں اکثر ادویہ کے لیے شہد کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

عقل قربان کن بہ پیش مصطفٰے مروی ہے کہ ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے بھائی کو اسہال چل رہے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے شہد پلا دے اس نے واپس جا کر شہد پلا دی تو اسے مرض میں اضافہ ہو گیا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ شہد پلانے سے میرے بھائی کا مرض بڑھ گیا ہے آپ نے فرمایا اسے شہد پلاؤ

خاموشی سے واپس جاکر بھائی کو دوبارہ شہد پلا دیا لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی پھر بارگاہ رسالت میں حاضری دی اورعرض کی حضور! حسب الارشاد میں نے بھائی کو شہد پلایا تو اور اسہال کا زور ہو گیا آپ نے فرمایا: "اذھب فاسقہ عسلا فقد صدق اللہ وکذب بطن اخیک۔ جا بھائی کو اور شہد پلا دے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سچا ہے تیرے بھائی کے پیٹ میں جھوٹ ہے۔" حسب الحکم شہد پلا دی اس سے ایسے صحیح اور تندرست ہو گیا جیسے اونٹ سے نکیل دور کی جائے تو خوش ہو کر بھاگتا ہے۔

قوتِ حافظہ کا نسخہ ایک شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی اہلیہ کے ضعف حافظہ کی شکایت کی آپ نے فرمایا؛ اسے اپنے گھر واپس لوٹنے کی اہلیت ہے یعنی باہر جا کر خود واپس لوٹ آتی ہے اس نے عرض کی ہاں آپ نے فرمایا اسے کہہ کہ وہ تمہیں مہر سے دو درہم بطیب خاطر دے دے یعنی حلال مال سے ان سے شہد اور دودھ خریدلے اور ان کے ساتھ بارش کا پانی ملا کر منہ نہار پئے اللہ تعالیٰ اسے قوتِ حافظہ سے نواز دیگا۔

ف: حضرت حسن بن الفضل رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین آیتوں سے یہ نسخہ تیار فرمایا وہ تین آیتیں یہ ہیں ؛

۱- وانزلنا من السماء ماء مبارکا ۔ اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا اس سے بارش کے پانی کا جز لیا۔

۲- خالصاً سائغاً للشاربین ۔ دودھ خالص اور خوشگوار ہے پینے والوں کے لیے اس سے آپ نے دودھ کا جز لیا۔

۳- فیہ شفاءٌ للناس سے شہد کا جز ملایا اور مہر کی قید فکلوہ ھنیئاً مریئاً ، کھاؤ اسے رچتا پچتا سے لگائی۔

ف: جب کسی نسخے میں (۱) برکت (۲) شفا (۳) رچتا پچتا مال (۴) خالص خوشگوار (دودھ) مل جائے تو پھر کیا تعجب کہ بیماری سے شفا نصیب نہ ہو۔

ہر درد کی دوا حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو آپ نے فرمایا پانی لاؤ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وانزلنا من السماء ماء مبارکا۔ اس کے بعد فرمایا شہد لاؤ اس کی دلیل میں یہی آیت فیہ شفاءٌ للناس پڑھی اس کے بعد فرمایا تیل زیتون لاؤ اس لیے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے شجرۂ مبارکہ فرمایا ہے آپ نے سب کو ملا کر پیا اور شفایاب ہو گئے۔

ہر بیماری کا علاج بعض حضرات سرمے کی طرح آنکھ میں شہد کو سلائی پر لگا کر آنکھ میں پھیرتے تھے ۔ اور ہر بیماری کا علاج شہد سے کہتے تھے اور ایسی شہد جس میں پانی اور آگ دھوئیں کی ملاوٹ نہ ہو اور اس میں تھوڑی سی مشک خالص ملا کر سرمہ کی طرح آنکھ میں لگائی جائے تو نزول الماء دور ہو جاتا ہے۔

جوئیں مارنے کا نسخہ : شہد سر پر ملنے سے جوئیں مر جاتی ہیں۔

زہر اتارنے اور باولے کتے کاٹے کا علاج : شہد کو گرم پانی میں ملا کر پینے سے زہر اتر جاتا ہے باولے کتے کے کاٹے ہوئے کو شہد کا لعوق چاٹنا فائدہ دیتا ہے۔

نکتہ : امام الاولیا حضرت حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شہد میں اس لیے شفا کی رکھی ہے کہ شہد کی مکھی نے اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلت کا

اظہار کیا اور ہر طرح کی اطاعت کی اور درخت کے ہر قسم کے ثمرات کڑوے میٹھے کھٹے کھائے اس نے اپنی شہوات کو ترک کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عجز و نیاز کے پیش نظر اس کی شہد کو تمام بیماریوں کی شفا بنا دیا۔

سبق : اسی طرح انسان بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و نیاز کرے اور اس کی رضا کی خاطر ترکِ شہوت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے کلام سے بیمار قلوب کو شفا بخشے گا۔

ف : شہد میں تین فائدے ہیں (۱) شفا (۲) حلاوت (۳) نرمی، یہی مومن میں ہے کما قال اللہ تعالیٰ ثم تلین جلودھم و قلوبھم الیٰ ذکر اللہ۔

ف : نوجوان شہد کی مکھیوں سے بوڑھی مکھیوں کے شہد کا رنگ مختلف ہوتا ہے اسی طرح بعض افراد عبادت میں میانہ رو ہوتے ہیں اور بعض سبقت کرنے والے۔

حدیث شریف حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ شہد ہر مرض کی دوا ہے یعنی اجسام کی تمام بیماریوں کی شفا شہد میں ہے ایسے ہی قرآن مجید میں قلوب و ارواح کی جملہ امراض کی شفا ہے۔

ف : تم دو شفاؤں کو لازم رکھو یعنی قرآن مجید اور شہد ؂

رنج اگر بسیار شد کے غم خورم
چوں شفائے جان بیمارم توئی

[ترجمہ: بیماری اگرچہ بہت زیادہ ہے تو کیا غم اس لیے کہ تیرا جیسا محبوب میری شفا ہے]

حدیث شریف : اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں میں شفا رکھی ہے (۱) الحبۃ السوداء (کلونجی) (۲) حجامۃ پچھنے لگوانا (۳) شہد (۴) ماء السماء بارش کا پانی۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بیشک شہد کی مکھی میں لَاٰیَۃً قدرت کاملہ پر حجۃ ظاہرہ اور دلالۃ باہرہ ہے لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ایسے لوگوں کے لیے جو تفکر و تدبر کرتے ہیں تو انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ شہد کی مکھی نہایت صغیر جثہ اور بہت بڑی کمزور ہونے کی وجہ سے اتنا عظیم کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتی اس پر ضرور کسی ذات کی نظر عنایت ہے ورنہ دوسرے حشرات الارض بھی ہیں اور اس سے بہتر اور برتر پرندے بھی ہیں لیکن ان سے ایسی صفت کہاں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا خالق اس کا مددگار ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ آیت میں اس گروہ کے لیے دلیل ہے جو تدبر و تفکر کرتے ہیں کہ شہد کی مکھی کو اتنا بہت بڑے بہترین امور کے سرانجام دینے میں الہام ربانی کی تائید شامل ہے ورنہ ایسی کمزور مخلوق سے اتنا بہت بڑا کارنامہ کیسا یہ اس کی نوازش ہے کہ اس نے ایسے ضعیف اور کمزور جانور میں ایسی صنعت اور دانشمندی امانت و ودیعت رکھی اس لیے وہ اس سے سبق حاصل کرتے ہیں کہ ہم اس ذات کی فرمانبرداری سے کیوں انحراف کریں جبکہ اس کریم نے ایسے کمزور جانور میں بہترین شہد پیدا فرمائی تو وہ بھی انسانوں کے لیے اور وہ بھی کیفیت ہے جو اس کی نعمت کھا کر اس کے سامنے سر نہیں جھکاتا نیز جس طرح کے گھر شہد کی مکھی تیار کرتی ہے اسے دیکھ کر بہت بڑے کاریگر اور اونچے درجہ کے انجینئر انگشت بدنداں ہیں پھر وہ شہد نہ صرف لذیذ بلکہ جملہ امراض کی شفا بھی ہے اس لیے تفکر و تدبر کرنے والے حضرات شہد کی مکھی کے حالات سے قلوب و ارواح کی بیماریوں سے

شفا پاتے ہیں سہ

نکر دل را نیک و ہم نمکین کند

کام جاں را چوں عسل شیریں کند

شربت نکر ار بکام جاں رسد

چاشنیٔ آں بماند تا ابد

[ترجمہ: نکر دل کو نیک اور نمکین کرتا ہے روح کو شہد کی طرح شیریں کرتا ہے نکر کی شربت اگر جان میں پہنچتی ہے تو اس کی چاشنی ہمیشہ تک رہتی ہے]

نکتہ: امام قشیری رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ اعلیٰ شے کو حقیر شے میں پوشیدہ رکھتا ہے مثلاً ابریشم کو کیڑے میں باوجودیکہ وہ اصغر الحیوانات اور نہایت کمزور ہے لیکن ابریشم جیسی قیمتی شے کو اس میں مخفی رکھا اسی طرح شہد کی مکھی اضعف الطیور ہے اور صدف بھی حیوانات بحریہ میں سے وحشی جانور ہے اس میں موتی بیش بہا پوشیدہ ہے اسی طرح سونا، چاندی اور فیروزہ پتھروں میں چھپائے ایسے ہی اپنی معرفت و محبت و عشق اہل ایمان کے قلوب میں چھپائے اور وہ عوام اہل ایمان میں رہتے ہیں جن میں بعض عاصی و مجرم ہیں اور خطا کار و گنہگار ہیں اور ان میں عارفین کاملین ہیں سہ

کسے را کہ نزدیک ظنت بد اوست

ندانی کہ صاحب ولایت ہم اوست

[ترجمہ: بہت سے لوگ تیرے گمان میں بُرے ہیں تجھے کیا خبر کہ وہی صاحب ولایت اور معرفت کے حامل ہوں]

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جملہ حیوانات باوجود کثرت کے اپنی شان کے لائق تصرف کرتے ہیں تو اللہ تبارک تعالیٰ کے عنایت کردہ عرفان والہام سے تصرف کرتے ہیں یہ بھی اس کا قانون اور اس کی حکمت قدریہ کا تقاضا ہے ورنہ اپنے طور کون تصرف کرسکتا ہے۔

نکتہ: شہد کی مکھی کو الہام وحی سے مخصوص کرنے کی حکمت یہ ہے کہ وہ انسان سے مشابہت رکھتی ہے بالخصوص اہل سلوک سے اسے مشابہت تام حاصل ہے اس لیے کہ اہل سلوک عوام سے علیحدگی اختیار کرتے اور عزلت نشین ہو کر عبادت حق میں مشغول ہوتے ہیں ایسے ہی شہد کی مکھی بھی پہاڑوں اور جنگلوں میں پسیرے تیار کرتی ہے یہی کیفیت ابتدائے نبوت میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی کہ ہفتہ ہفتہ عبادت کی مشغولی میں غار حرا میں گزار دیتے تھے بلکہ کبھی آپ کا اس حال میں مہینہ مہینہ بھی گزر جاتا تھا پھر جیسے اہل سلوک بیٹھنے اور لباس اور خوراک وغیرہ میں نظافت پسند ہیں ایسے ہی شہد کی مکھی کا حال ہے کہ وہ جب شہد کرتی ہے تو کسی صاف ستھرے پتھر یا نظیف و لطیف اینٹ پر تاکہ مٹی اور گرد وغبار وغیرہ نہ مل جائے ایسے شہد کی مکھی گندگی، غلاظت، گوبر وغیرہ پر نہیں بیٹھتی نہ ہی وہ مردار وغیرہ پر وہ بھی انسان کی طرح ایسی غلیظ اور گندی چیزوں سے اپنے آپ کو بچاتی ہے یاد رہے کہ انسان کے بدن کے ثمرات اعمال صالحہ اور اس کے نفس کے ثمرات ریاضات و مجاہدات و مخالفۃ الہوٰی لہ

اس کی قلب کے ثمرات ترک الدنیا وطلب العقبیٰ والترجا الی حضرۃ المولیٰ اور اس کی تر کے ثمرات شواہد الحق والتطلع علی الغیوب والتقرب الی الغیب یہ تمام اشیاء انسان کی روح کی غذائیں ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی سے فرمایا کلی من کل الثمرات ایسے ہی سالکین راہ ہدیٰ سے فرمایا کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً۔

تفسیر عالمانہ وَاللّٰہُ اور اللہ تعالیٰ علم وقدرت کے لحاظ سے ہر شے کو محیط ہے خَلَقَكُمْ تمہیں پیدا فرمایا یعنی تم معدوم تھے تو تمہیں موجود فرمایا یعنی تمہیں ظلمات عدم سے انوار وجود کی طرف لایا ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ پھر تمہیں فوت کرے گا یعنی تمہاری ارواح قبض کرے گا کسی کو بچپن میں کسی کو ادھیڑ عمر میں کسی کو بڑھاپے میں نہ چھوٹے بچے کو قدرت ہے کہ وہ اپنے اجل کو موخر کر سکے نہ ہی بڑھے کو طاقت ہے کہ وہ وقت سے پہلے مرجائے اور بعض تم میں جوانی میں فوت ہو جاتے ہیں وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اور تم میں بعض وہ ہوتے ہیں کہ موت سے پہلے لوٹائے جاتے ہیں اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ رذیل خسیس وحقیر ترین عمر کی طرف یعنی بڑھاپے کی طرف کہ ایسے حال میں ہو جاتا ہے جیسے ننھا بچہ۔ جیسے ننھا بچہ قوت، جسم، عقل وفہم میں کمزور ہوتا ہے ایسے ہی بڑھا بابا اور اس کی کوئی حد مقرر نہیں بعض ساٹھ سال کی عمر میں ایسے بڑھاپے کو پہنچ جاتے ہیں اور بعض سو سال ہو جانے کے باوجود بھی موٹے تازے ہوتے ہیں۔

ف: قتادہ نے فرمایا کہ نوے سال کے بعد انسان کاروبار اور تصرف سے معطل ہو جاتا ہے نہ ہی اس سے کوئی نیکی ہو سکتی ہے نہ حج نہ جہاد۔ اسی لیے محمد بن علی الواسطی نے اپنے لیے یوں دعا مانگی ہے

یا رب لا تحینی الی زمن	اکون فیہ کلا علی احد
خذ بیدی قبل ان اقول لمن	القاہ عند القیام خذ بیدی

[ترجمہ: اے اللہ مجھے اس وقت تک زندہ نہ رکھنا کہ کسی پر بوجھ ہوں میری اس وقت سے پہلے موت دے دے کہ کسی دوسرے سے سہارا لوں]

حکایت حجاج نے ایک بوڑھے سے پوچھا کہ تیری خوراک کا کیا حال ہے اس نے کہا کہ کھاتا ہوں تو بوجھل ہوتا ہوں نہیں کھاتا ہوں تو کمزور پڑ جاتا ہوں پھر پوچھا کہ تیری نیند کا کیا حال ہے کہا کہ مجمع میں نیند کرتا ہوں اور بستر پر نیند نہیں آتی پھر پوچھا تیرا اٹھنا بیٹھنا کیسا ہے کہا کہ میں بیٹھتا ہوں تو زمین سے دور ہو جاتا ہوں اور جب بیٹھ جاتا ہوں تو زمین چمٹ جاتی ہے پھر پوچھا تیرے چلنے کا کیا حال ہے اس نے کہا کہ چلتے وقت پاؤں کو رستے پکڑ جاتے ہیں اور صرف مینگنی کی اڑ سے گرنے لگتا ہوں۔

لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْــٴًـا تاکہ جاننے کے باوجود نہ جان سکے یعنی اس کا بچوں جیسا حال ہو جاتا ہے کہ جیسے نا سمجھ ہر بات جلد بھول جاتا ہے ایسے ہی بوڑھے کا حال ہو جاتا ہے تجربہ شاہد ہے کہ بوڑھے آدمی کو جب کوئی بات بتائی جائے تو تھوڑی دیر کے بعد پھر پوچھتا ہے یا اس سے اس بات کا پوچھا جائے تو کچھ نہیں بتا سکتا خلاصہ یہ کہ بڈھا آدمی بات کو جلد تر بھول جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کے علم میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جب وہ بتائی ہوئی بات کو یاد نہیں رکھ سکتا تو مزید علم کو کیسے محفوظ رکھ سکے گا۔

سوال: لفظ کَیْ جب مذکور ہے تو پھر لام کَیْ کا کیا فائدہ؟

جواب : محض تاکید کے لیے استعمال میں لائی گئی ہے اور یہ یرد کے متعلق ہے بعض نحوی کہتے ہیں کہ یہ لام جارہ اور کَے حرف مصدری ہے ان کی طرح کَے بھی مصدریہ ہوتا ہے اور شیئاً، لا یعلم کا مفعول بہ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری زندگیوں کی مقداریں جانتا ہے۔

کاشفی نے لکھا کہ وہ دانا ہے اور اس کی دانائی پر جہل کا طاری ہونا محال ہے قَدِیۡرٌ وہ قدرت والا ہے کہ اس کی قدرت پر عجز کو گزر نہیں یعنی وہ قدرت رکھتا ہے کہ نوجوان کھیلتے ہنستے کو موت دے دے اور بوڑھے کمزور پریشان حال کو تا دیر زندہ رکھے حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

اے بسا اسپ تیز رو کہ بماند
کہ خر لنگ جاں بمنزل برد
بس کہ در خاک دوستاں را
دفن کردند و زخم خوردہ نمرد

[ترجمہ : بہت سے تیز رفتار گھوڑے منزل سے رہ گئے لیکن لنگڑا گدھا جان سلامت لے کر منزل مقصود کو پہنچا بہت سے مجبوروں نوجوانوں کو دفن کیا گیا لیکن زخم خوردہ بیمار کو موت نہ آئی]

مسئلہ : زندگی کے ایام قادر حکیم کی تقدیر پر ہیں ان کے اجسام اور مزاج اپنی تقدیر کے مطابق پیدا فرمائے اگر سب کی عمریں مقتضائے طبع پر موقوف ہوتیں تو مختلف عمر کے لوگ نہ ہوتے۔

زندگی کے ادوار اہل علم فرماتے ہیں کہ انسان کی زندگی کے دور سات ہیں :

۱۔ دورِ طفولیت سات سال تک۔

۲۔ دورِ صبی چودہ سال تک۔

۳۔ دورِ شباب بتیس سال تک۔

۴۔ کہولت

۵۔ شیخوخت۔

۶۔ ہرم

۷۔ آخر العمر یعنی موت۔

الارشاد میں زندگی کے ادوار چار لکھے ہیں :

۱۔ نشو و نما کا سن

۲۔ سن الوقوف یعنی سنِ شباب

۳۔ سن الانحطاط القلیل یعنی سنِ کہولت

۴۔ سن الانحطاط الکبیر یعنی سن الشیخوخۃ۔

ف : تمام ادوار سے برا دور بڑھاپے کا ہے کہ اس میں بچوں جیسا حال ہو جاتا ہے یعنی عقل و قوت میں خلل پڑ جاتا ہے جب یہ سن شروع ہوتا ہے دبیماری سے شناسائی ہے نہ کوئی دوا اثر کرتی ہے۔

حضور کی ایک دعا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے :

اعوذ بك من البخل والکسل وارذل العمر وعذاب القبر وفتنة الدجال وفتنة المحيا والممات ۔

[اے اللہ میں تیری مہربانی سے بخل، سستی اور ارذل العمر اور عذابِ قبر اور فتنۂ دجال اور زندگی و موت کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں]

مومن کی شان بعض مفسرین نے فرمایا کہ ارذل العمر کی وعید کافر کے لیے ہے ورنہ اہلِ ایمان کی عمر کے اضافے سے عقل و فہم میں اضافہ ہوتا ہے صرف اس کے ایمان کی تعظیم و تکریم کی بنا پر۔

تلاوتِ قرآنِ پاک کی برکت : حدیث شریف میں ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کو ارذل العمر نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ ایسے ہی جو قرآن مجید کے آیات میں تدبر و تفکر اور ان پر عمل کرتا ہے (کذا فی تفسیر العیون)

انبیاء و اولیاء کی شان فقیر (اسماعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ جنون اور پاگلپن وغیرہ واقعی نقص و عیب ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا قانون عادت ہے کہ وہ کاملین یعنی انبیاء و اولیاء کو اس بیماری میں مبتلا نہیں فرماتا۔

ف : مفسرین نے لکھا کہ علماء کو ارذل العمر کی خرابیوں میں مبتلا نہیں کیا جاتا کیونکہ اگرچہ اس عمر تک پہنچ جاتے تو علماء کے آخر تک یعنی خوفِ خدا دل میں رکھنے یعنی باعمل علماء مراد ہیں اس سے مطلقاً ہر پڑھا لکھا مولوی عالم مراد نہیں اس لیے کہ ہم اپنے زمانہ کے بعض مولویوں کو دیکھ رہے ہیں کہ ان کی زندگی کے لمحات لہو و ہوس میں بسر ہوئے جب بڑھاپے میں مبتلا ہوئے تو ان کی عقل ماری گئی کہ بچوں سے بھی گئے گزرے ہو گئے۔

مسئلہ : واقعی ارذل العمر کا دور نہایت مشکل اور سخت ترین زمانہ ہے لیکن یہی وقت مغفرت اور بلندی درجات حاصل کرنے کا ہے۔

حدیث شریف انسان جب اسّی سال کا ہوتا ہے تو اس کی نیکیاں لکھی اور برائیاں مٹتی ہیں جب نوے سال کا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ سب گناہ بخش دیتا ہے بلکہ اس کو دنیا میں اسیر اللہ (اللہ کا قیدی) کا لقب دیا جاتا ہے پھر وہ قیامت میں اپنے گھر والوں کی شفاعت کرے گا۔

بے ادبی اور گستاخی کی سزا مروی ہے کہ ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ فقر و فاقہ اور تنگدستی نے ستایا ہے آپ نے فرمایا شاید تو کسی بڑے سے آگے آگے چلا ہوگا۔

سب سے پہلا بوڑھا : آدم علیہ السلام کی اولاد میں سب سے پہلے بڑھاپے کے آثار ابراہیم علیہ السلام میں نمودار ہوئے عرض کی یا اللہ یہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ میرا نور ہے ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ تو پھر اپنے نور میں اضافہ فرما اور وقار عطا فرما۔

انجوبہ : پہلے دور میں انسان کو اسّی سال کے بعد احتلام ہوتا تھا۔

ف : حضرت آدم علیہ السلام کا سب سے پہلا چھوٹا بچہ دو سو سال کا ہو کر فوت ہوا۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ امتِ مصطفیٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عمریں اگرچہ چھوٹی ہیں لیکن ان پر فضلِ باری بہت زیادہ ہے اس لیے کہ یہ تھوڑے عرصہ میں بہت بلند مراتب حاصل کر لیتے ہیں جو پہلے لوگوں کو صدیوں کے بعد بھی حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔

انجوبہ : کسی حکیم نے فرمایا کہ انسان کی پہلی زندگی بہتر ہوتی ہے اس لیے کہ اس کے آخری دور میں اس سے جو غلطی ہو جاتی ہے وہ معذور سمجھا جاتا

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۗ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا
وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۗ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ
هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّ
لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا
عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۗ هَلْ
يَسْتَوٗنَ ۗ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۗ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا
يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۗ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ
بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت بخشی ہے تو جنھیں فضیلت بخشی گئی وہ اپنا رزق اپنی باندیوں غلاموں کو ایسے نہیں دیں گے کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں تو پھر کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تم ہی سے تمہارے لیے عورتیں بنائیں اور تمہارے لیے تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے اور نواسے پیدا کیے اور تمھیں عمدہ چیزوں سے روزی بخشی تو پھر کیا باطل پر یقین اور نعمتِ الٰہی کے منکر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ایسوں کی پرستش کرتے ہیں جو آسمان و زمین سے کچھ بھی رزق دینے کا اختیار نہیں اور نہ کچھ کر سکتے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں مت گھڑو بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی (وہ یہ کہ) ایک غلام ہو دوسرے ایسے شخص کا جو خود کسی شے کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک ایسا ہے جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق عطا فرمایا ہے تو وہ اس میں سے پوشیدہ طور اور اعلانیہ خرچ کرتا ہے تو کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں۔ جملہ تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں بلکہ ان کے اکثر تو جانتے ہی نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے دیگر دو مردوں کی مثال بیان فرمائی ایک ان کا گونگا جو کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ اپنے آقا پر وبالِ جان ہے وہ اسے جدھر بھیجتا ہے کوئی صحیح کام کر کے نہیں لاتا کیا برابر ہو گا یہ اور وہ جو انصاف کا حکم کرتا ہے اور وہ خود بھی سیدھی راہ پر ہے۔

(ص ۲۵۹ سے آگے)

اور دماغ پختہ ہو جاتی ہے اور عورت کی پچھلی عمر بہت بری ہوتی اس لیے کہ اس دور میں بد خلق اور تیز زبان ہو جاتی ہے اور آخری عمر میں پہنچنے سے بھی رہ جاتی ہے۔

حدیث شریف: تمہارے نوجوانوں میں وہ بہترین جو بڑھوں سے مشابہت رکھیں اور وہ بڑے بہت برے ہیں جو نوجوانوں سے مشابہت کریں۔

شرح الحدیث از صاحب روح البیان فقیر (حقی) کہتا ہے کہ مشابہت چند انواع پر مشتمل ہے:
۱۔ اقوال ۲۔ احوال ۳۔ افعال ۴۔ قیام
۵۔ قعود ۶۔ لباس وغیرہ۔ یعنی ان امور میں ایک دوسرے کی نقل اتاری جا سکتی ہے۔ صوفی معنےٰ شیخ (بوڑھا) ہے۔ اس لیے کہ اس کا مقصد فنا ہے یعنی کل اوصافِ بشریہ سے فانی ہو جانا۔ اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ وہ بوڑھوں والا لباس پہنے اگرچہ نوجوان ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو چالیس سال کا ہو جائے اور اس کے شر پر خیر غالب نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو جہنم کے لیے تیار رکھے۔
حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ساری زندگی کا عیش آخرت کے مقابلے میں صرف ایک لمحہ ہے اگر تم نے زندگی کے لمحات ضائع کر دیے تو سمجھو کہ تم نے ہمیشہ کا خسارہ پایا اور تمہیں خاسرین میں لکھا جائے گا۔ نیز آیت میں بقا بعد الفنا کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ فانی وہ ہے جو اپنے وجود مردود سے بالکل فارغ ہو جائے اور باقی وہ ہے جو وجود حقیقی میں گم ہو لکی لا یعلم بعد علم شیئا کا مطلب یہ ہے کہ اس کا انجام یہ ہو کہ اپنے علم کی فناء کے بعد خود کچھ نہ جانے بلکہ جو کچھ اسے معلوم ہو وہ اپنے رب تعالیٰ کے علم سے ہو۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

(تفسیر آیات صفحہ ۲۶۰)

تفسیر عالمانہ وَاللّٰہُ اور اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہ نے فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ تمہارے بعض کو بعض پر رزق کے بارے میں فضیلت بخشی ہے یعنی رزق میں متفرق درجے رکھے ہیں تم میں بعض دولت مند ہیں اور بعض تنگدست۔ بعض تم میں مالک ہیں اور بعض مملوک۔

ف: وہ مطعومات و مشروبات جو اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے لیے مقرر فرمائے ہیں اسے عرف شرع میں رزق کہا جاتا ہے۔
ف: اس سے معلوم ہوا کہ رزق و وفرت نہ عقل پر موقوف ہے نہ دانائی پر اور نہ کثرت جد وجہد پر۔ اور تنگ دستی بھی بیوقوفی اور کم عقل اور جد وجہد میں کمی کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ یہ دونوں منجانب اللہ ہوتے ہیں۔

کم عاقل عاقل اعیت مذاهبه
وجاهل جاهل تلقاه مرزوقا

[ترجمہ: بہت سے بڑے دانا روزی سے تنگ ہوتے ہیں اور بہت سے جاہل خوشحال ہوتے ہیں]

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

سکندر را نمی بخشند آبے
بزور و زر میسر نیست ایں کار

[ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے سکندر کو آبِ حیات نہ بخشا حالانکہ اسے طاقت اور دولت حاصل تھی]

ف : ابن الشیخ نے فرمایا یہ صرف مال و دولت اور رزق سے مخصوص نہیں بلکہ ہر معاملہ میں تقسیم ربانی ہوتی ہے۔ مثلاً کسی کو ذکاء بخشا کسی کو کند ذہنی، کسی کو شعور اور کسی کو جہالت، اور کسی کو حسن عطا فرمایا، کسی کو قبح۔ کسی کو تندرستی اور کسی کو بیماری وغیرہ

گنج زر گر نبود کنج قناعت باقیست

آنکہ آں داد بشاہاں بگدایاں ایں داد

[ترجمہ : دولت کا خزانہ برباد ہو سکتا ہے لیکن کنج قناعت دائمی اور باقی ہوتی ہے۔ اُس نے بادشاہوں کو مٹنے والی شاہی بخشی اور گداگروں (فقیروں، درویشوں، اللہ والوں) کو دائمی شاہی عنایت فرمائی]

تفسیرِ صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلوب ارواح کو قلوب پر مکاشفات و مشاہدات کے رزق کے بارے میں فضیلت بخشی ہے۔ یعنی وہ مکاشفات و مشاہدات جو فنا کے بعد بقا میں سالک کو نصیب ہوتے ہیں اور قلوب کو نفوس پر زہد و ورع و تقویٰ و صدق و یقین اور ایمان و توکل و تسلیم و رضا کے رزق میں فضیلت بخشی اور نفوس کو ابدان پر تزکیہ و شدائد مجاہدات کی تکالیف کو برداشت کرنے اور مصائب و بلایا پر صبر اشارات طریقت کے ساتھ اعبائے شریعت کے اٹھانے اور اخلاقِ حمیدہ کے ساتھ اخلاقِ ذمیمہ کو تبدیل کرنے کے رزق سے فضیلت بخشی اور کافروں کے ابدان پر اہلِ ایمان کے ابدان کو اعمالِ صالح (جو ارکانِ شریعت ہیں) کے رزق سے فضیلت بخشی اور انہیں تلاوتِ قرآن اور ذکر باللسان جو مشرف باخلاص بالجنان ہیں سے مشرف فرمایا۔

تفسیرِ عالمانہ

فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا یہ ما نافیہ ہے اور الذین سے وہ مالک مراد ہیں جو رزق میں ممالیک (غلاموں) پر فضیلت رکھتے ہیں بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ با زائدہ ہے۔ رادی رزقہم دراصل رادین رزقہم تھا۔ نون اضافت کی وجہ سے گر گیا ہے۔ رادین بمعنے معطین ہے۔ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ان کے وہ ممالیک جو مخلوقیۃ و مرزوقیۃ میں ان کے شریک ہیں فَهُمْ اس کا مرجع آقا اور ممالیک دونوں ہیں فِيْهِ اس کا مرجع رزق ہے سَوَآءٌ فھم کی فاء دلالت کرتی ہے کہ تساوی کا ترتب الرد پر ہے۔ اب ترجمہ یوں ہوا کہ وہ ممالیک کو نہیں دے سکتے کہ وہ بھی آقاؤں کی طرح تصرف میں ان کے برابر اور تدبیر امور میں ان کے شریک ہیں۔ ہاں چند چیزیں آقا اپنے ممالیک کو دے سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ہم نے جن کو دنیا و دولت وغیرہ سے نوازا ہے وہ نہیں چاہتے کہ ان کے ممالیک (ماتحت) مال و دولت اور دُوسرے امور میں ان کے شریک ہوں حالانکہ وہ ممالیک (ماتحت) بشریت و مخلوقیت میں ان کی ہم جنس ہیں۔ غور کیجئے جب وہ اپنے ہم جنسوں کے لیے اپنے ممالیک (ماتحت) کو اپنے برابر نہیں چاہتے تو پھر وہ بیوقوف اللہ تعالیٰ کے بندوں بلکہ اس کی پیدا کردہ چیزوں کو اس کا شریک کیسے بناتے ہیں حالانکہ ان معمولی اشیا (بُت وغیرہ) کو اس قادرِ مطلق اور خالقِ برحق سے کیا نسبت۔ کہاں یہ عاجز بندے اور کہاں ربِ کائنات الٰہ الارض والسماوات۔

ف : اس میں اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کی بت پرستی کی مثال نہایت قبیح طرز میں بیان فرمائی تاکہ وہ اپنی حماقت کا ماتم کریں۔ جبکہ وہ تلبیہ میں کہتے تھے لبیك لا شریك لك الا شریك ھو لك۔ [ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس کے کہ جسے تُو نے خود شریک بنایا ہے] اس سے وُہ اپنے معبود مراد لیتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ ان کے یہ معبود اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خود شریک مقرر فرمائے ہیں (معاذ اللہ)

اَفَبِنِعۡمَةِ اللّٰهِ یَجۡحَدُوۡنَ فا عاطفہ ہے۔ اس کا فعل مقدر پر عطف ہے۔ اگرچہ یہ بظاہر اسم پر داخل ہے لیکن معنیٰ اس کا دخول فعل پر ہے۔ اور جحود بمعنے انکار ہے۔ اور با صلہ کی ہے اس لیے کہ جحود کفر کے معنے کو متضمن ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ کفار جب جانتے ہیں کہ رزاق وہی ہے تو پھر عمداً اس کا شریک بنا کر اس کی نعمت کا انکار کیوں کرتے ہیں۔ یہ معنی ہم نے اسے اختیار کیا ہے کہ کفار کے شرک کے ارتکاب کا تقاضا یونہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تمام عطا کردہ نعمتوں کو اپنے بتوں کی طرف منسوب کریں۔ اور اس کا صاف انکار کر دیں کہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔

خلاصہ یہ کہ آیت ہٰذا میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو توحید و نفی شرک کی دعوت دیتا ہے تاکہ شرک ظلمات کفر سے نجات پا کر توحید خالص اور انوارِ ایمان سے مشرف ہوں۔

سبق : بندے پر طاعت اور رضائے حق اور عرفان رب کے حصول کی جدوجہد ضروری ہے کیونکہ رزق تو اس نے اپنے فضل و کرم سے دینا ہے پھر ہم اس کی جدوجہد کیوں کریں۔

توراتِ شریف کے احکام مبارکہ

حضرت کعب الاحبار نے توراۃ شریف سے مندرجہ ذیل احکام نقل فرمائے ہیں :

۱۔ ابن آدم! میں نے تجھے اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے فلہٰذا دنیا میں کھیل کود کو چھوڑ کر صرف میری عبادت میں مصروف ہو جا۔

۲۔ میں نے تیرا رزق ازل میں لکھا ہے اسی لیے اس کی جدوجہد میں دُکھ سر پر نہ رکھ اور نہ ہی اپنی قسمت سے زاید کی امید رکھ اور نہ ہی اس سے کمی کی گھبراہٹ میں رہ۔ اگر تُو اپنی ازلی تقسیم پہ راضی ہے تو اس سے تیرا دل خوشی میں رہے گا بلکہ تو مسرور ہو کر زندگی بسر کرے گا۔ اور میرے ہاں بھی تُو پسندیدہ ہو گا۔ اگر تو اس پر راضی نہیں تو مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم، میں تیرے اُوپر دنیا کو ایسے مسلط کر دُوں گا کہ رات دن جنگل میں جانوروں کی طرح ذلیل وخوار ہو کر زندگی بسر کرے گا۔ لیکن ملے گا وہی جو میں نے تیرے لیے ازل میں لکھا ہے اور تُو میرے نزدیک مذموم اور ذلیل ترین انسان ہو گا۔

۳۔ اے ابنِ آدم! میں نے سات آسمان اور سات زمینیں تیرے لیے بنائی ہیں مجھے پھر بھی تھکاوٹ نہیں ہوئی۔ کیا تیری ایک دو روٹیوں سے میں تھک جاؤں گا! میں تیرا محب ہوں تجھے بھی لازم ہے کہ تُو میری محبت کی قدر پہچان کر صرف میرے ساتھ محبت کر۔

۴۔ تُو مجھ سے کل کا رزق طلب مت کر جیسا کہ میں تجھ سے کل کا عمل نہیں مانگتا۔ جب میں نافرمان کا رزق نہیں بھولتا تو فرمانبردار کے

رزق کو کیسے بنرول جاؤں گا۔

ف : بابِ رزق میں بندگانِ خدا چند قسم ہیں :

۱۔ جس نے رزق کا حصول طلب رزق میں سمجھا ہے اسے لازم ہے کہ وہ حلال طیب رزق کمائے۔ مثلاً اپنے ہاتھ کی کمائی۔

۲۔ بعض ان میں وہ ہیں جو قناعت میں اپنا رزق سمجھتے ہیں۔ یہ لغت میں تقسیم الٰہی پر راضی ہونا ہے۔ اور اہلِ حقیقت کی اصطلاح میں یہ ہے کہ بندے کو من بھاتی غذا نہ ملے تب بھی راضی ہو۔

۳۔ بعض وہ ہیں جو توکل میں رزق کا انحصار سمجھتے ہیں۔ یعنی انہیں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہوتا ہے اور خلق خدا سے بالکل مایوس۔

۴۔ بعض حضرات نے اپنا رزق مجاہدہ و مشاہدہ میں سمجھ رکھا ہے۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی۔ [میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں وقت گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے]

اس میں مشاہدہ کی طرف اشارہ ہے۔

اور فرمایا :

جعل رزقی تحت ظل رمحی۔ [اللہ تعالیٰ نے میرا رزق میرے تیر کے سائے تلے رکھا ہے]

اس میں مشاہدہ کی طرف اشارہ ہے۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ عبادت و مجاہدہ صرف رضائے الٰہی کے پیشِ نظر کرے۔ اس میں جنت کی نعمتوں کا تصور ہو نہ دوزخ کے عذاب سے نجات کا خیال۔ اور اگر عبادت کی علت اور غرض و غایت جنت و دوزخ ہو تو ایسے عبادت گزار کا ثمرہ حقیقی ثواب و عقاب ہوگا۔ اسی لیے مثنوی شریف میں فرمایا :

ہشت جنت ہفت دوزخ پیشِ من
ہست پیدا ہمچو بت پیشِ وثن

[ترجمہ : آٹھ بہشتیں اور سات دوزخ میرے آگے ہیں جیسے بُت پرست کے سامنے بُت]

وَاللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ واحد و شریک نے **جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ** پیدا فرمائی ہیں تمہارے نفسوں سے یعنی تمہاری جنس سے **اَزْوَاجًا** تمہاری عورتیں تاکہ تم ان سے اُنس حاصل کرو اور ان کے ذریعے اپنی مصالح زندگی صحیح رکھ سکو تاکہ تم جیسی اولاد ان سے پیدا ہو۔

مسئلہ : اسی آیت سے بعض علما نے استدلال کیا ہے کہ انسان جن عورت سے نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ جنات ہمارے ہم جنس نہیں۔ تو پھر ان سے نکاح کیسا۔ لیکن اکثر علما کا فتویٰ یہ ہے کہ جنات سے انسانوں کا نکاح ممکن ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ بلقیس کی ماں جنیہ تھی۔

حکایت بلقیس کا والد بہت بڑا بادشاہ تھا۔ اس نے ایک جن عورت سے نکاح کیا تھا جس کا نام ریحانہ بنت السکن تھا

اس سے ہی بلقیس پیدا ہوئی۔ اس کے متعلق مزید حکایات "آکام المرجان" میں مندرج ہیں۔

سوال: جنات میں آگ کا عنصر غالب ہے اس اعتبار سے آدمی کا نطفہ جنیہ عورت میں کیسے ٹھہر سکتا ہے اس لیے کہ شدۂ حرارت نار سے وہ نطفہ تو منتشر ہو جاتا ہوگا۔ اسی طرح جنات کا نکاح انسان عورتوں سے بھی نہیں ہونا چاہیے۔

جواب: اگرچہ جنات ناری عنصر سے پیدا ہیں مگر وہ اپنے اس عنصر میں باقی نہیں رہتے بلکہ ان کی نار کھانے پینے توالد و تناسل سے جسم میں تحلیل ہو جاتی ہے جیسے آدمی کا عنصر مٹی ہے لیکن مذکورہ بالا امور سے مٹی کے اثرات باقی نہیں رہتے۔

۲۔ نار سے تو ابو الجن پیدا ہوا جیسے مٹی سے آدم علیہ السلام پیدا ہوئے ایسے ہی نہ ہر جن نار ہے نہ ہر انسان مٹی۔

مسئلہ: بحری انسان سے بھی عام انسان نکاح کر سکتے ہیں۔

حکایت حیاۃ الحیوان میں مرقوم ہے کہ بحر الشام میں بسا اوقات ایسی صورتیں دکھائی دیتی ہیں جن کی شکل انسانی اور داڑھی سفید ہوتی ہے۔ اسے شیخ البحر سے موسوم کرتے ہیں۔ جب لوگ اسے دیکھتے ہیں تو یوں سمجھتے ہیں کہ وہ سال خوشحالی سے لبریز ہوگا۔

حکایت ایک بادشاہ کے ہاں بحری انسان لایا گیا۔ بادشاہ کا ارادہ ہوا کہ اس کے حالات سے آگاہی حاصل کرے۔ اس کا کسی عورت سے نکاح کر دیا گیا۔ ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ماں اور باپ دونوں کی بولی سمجھتا تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تیرا باپ کیا کہتا ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ کہتا ہے کہ ہر حیوان کی دُم پیچھے کی طرف ہوتی ہے مگر ان (انسانوں) کا کیا ماجرا ہے کہ ان کی دُم (داڑھی) چہرے میں ہے۔

مسئلہ: بنات الماء کا نکاح عام انسان سے جائز ہے۔ اور ان سے توالد و تناسل کا سلسلہ بھی ہو سکتا ہے۔

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اور پیدا کیے ہیں تمہارے زن و شوہر سے **بَنِيْنَ** بچے **وَحَفَدَةً** حافد کی جمع ہے جو خدمت و طاعت میں عجلت کرے اسے حافد کہا جاتا ہے۔ چنانچہ دعائے قنوت میں ہم پڑھتے ہیں "و نحفد" یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نوکر چاکر پیدا فرمائے جو تمہاری خدمت و طاعت میں عجلت کرتے اور ہر وقت تمہاری مدد میں لگے رہتے ہیں، جیسے تمہاری اولاد اور اولاد کی اولاد وغیرہ تمہاری خدمت و طاعت اور معاونت کرتی ہے۔

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ بعض مفسرین نے حفدۃ سے لڑکیاں مراد لی ہیں اس لیے کہ بچیاں گھریلو کام میں ماں باپ کی خوب خدمت کرتی ہیں۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ خطاب مشرکین مکہ کو ہے کیونکہ وہ لڑکیوں کی ولادت پر چیں بجبیں ہوتے تھے۔ اور یہ سورۃ ہے بھی مکیہ۔ لیکن یہ قول موزوں نہیں کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا ذکر فرما رہا ہے۔ اور مشرکین لڑکیوں کو نعمت کی بجائے عذاب سمجھتے تھے۔

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اور تمہیں طیبات میں سے رزق بخشا۔ طیبات سے لذیذ اشیا مراد ہیں جیسے شہد وغیرہ۔ اور یہ من تبعیضیہ ہے اس لیے کہ کل طیبات تو بہشت میں عطا ہوں گی اور دُنیا کی طیبات معمولی نمونہ ہیں۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ ... طیبات سے مراد عام کی لذیذ ترین اشیاء ... یعنی ہر شہر اور عادت کے موقع محل کے مطابق لذیذ اشیاء۔ اس سے نہ بہشت کی ہی طیبات مراد ہیں اور نہ دنیا کی۔

اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ فاء کا فعل مقدر پر عطف ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی: ایکفرون باللہ؟ کیا تم ایسے بلند شان والے معبود کے ساتھ شرک کرتے ہو کہ باطل معبودوں پر ایمان لاتے ہیں۔ باطل سے ان کے بت مراد ہیں۔ اسی طرح بھانہ وغیرہ۔

وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ... بایں معنی کفر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو بتوں کی طرف منسوب کرتے۔

ف : باطل سے بت یا ہر وہ امر مراد ہے جو شرک کا سبب ہو۔ اور نعمت اللہ سے اسلام، قرآن اور اس کی بیان کردہ توحید و احکام مراد ہیں۔

وحدۃ الوجود کی جھلک

محققین کے نزدیک باطل دو قسم ہے۔

۱۔ باطل حقیقی

۲۔ باطل مجازی

باطل حقیقی ——— یعنی جس کا نہ تحقق ہے نہ وجود نہ ثبوت۔ یعنی اس عالم میں اس پر تجلی حق واقع ہی نہیں ہوئی۔

باطل مجازی ——— یعنی یہی تعینات موجودہ، یہ باطل بایں معنیٰ ہیں کہ یہ فی نفسہٖ معدوم ہیں۔ کما قیل :

الا کل شئ ما خلا اللہ باطل۔ اللہ کے سوا سب باطل ہے اور مجاز اس لیے ہے کہ یہی تعینات وجود اضافی کا آئینہ اور تجلیات کا مظہر ہیں اور ان پر ایمان لانے والا مطلقاً کافر ہے ؎

سالک پاک نخوانندش

آنکہ از ماسوی منزہ نیست

[ترجمہ : سالک اس شخص کو پاک نہیں کہتے جو ماسوی اللہ کو باطل نہیں مانتا]

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ شَيْئًا الرزق مصدر ہے اور شیئاً منصوب علی المفعولیۃ ہے اور ما موصولہ سے معبودانِ باطلہ مراد ہیں۔ یعنی کفار ان کی عبادت کرتے ہیں جنہیں ان کے رزق دینے کی کسی قسم کی قدرت نہیں، نہ تو وہ آسمانوں سے بارش اتار سکتے ہیں نہ زمین سے انگوری اگا سکتے ہیں۔ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اور نہ ہی انہیں استطاعت ہے کہ وہ اس کے مالک ہوں۔ انہیں استطاعت ہو بھی کیسے جبکہ وہ جماد محض ہیں فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اور اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں مت بناؤ یعنی مخلوق کے ساتھ کسی معاملہ میں اس کی تشبیہ نہ دو اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ۔

سوال : تم نے تشبیہ کا معنی کہاں سے نکال لیا؟

جواب: ضرب المثل میں ہوتا بھی یہی ہے کہ ایک حال کو دوسرے حال سے یا ایک قصے کو دوسرے قصے سے تشبیہ دی جائے اور اللہ تعالیٰ تو واحد حقیقی ہے ازلاً و ابداً اس کا کوئی شبہ نہیں ؎

در تصور ذات او را گنج کو
تا در آید در تصور مثل او

ف: الارشاد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان کو شئونِ مختلفہ سے کسی شان کے ساتھ تشبیہ مت دو۔ اور یہ لام مثلیہ ہے جیسے آیات:

۱- ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امرأۃ نوح۔

۲- وضرب اللہ مثلا للذین آمنوا امرأۃ فرعون۔

۳- واضرب لہم مثلا اصحاب القریۃ وغیرہ۔

اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے افعال کی کنہ اور اس کی عظمت یعنی انجام کو جانتا ہے کیونکہ وہی تمہارے اعمال کی سزا دے گا۔ پھر جتنا گناہ بڑا ہو گا سزا اسی قدر سخت اور بڑی ہو گی وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور اسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اگر تم جانتے ہوتے تو گناہوں وغیرہ پر جرأت نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہی خطا و ثواب کو جانتا ہے۔ انسان کی خطا یہ ہے کہ دنیا و ہوائے نفس اور مخلوق سے طلب مقاصد کے لیے عبادت کرتا ہے۔ اور اس کی یہ بھی خطا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تشبیہات بناتا ہے حالانکہ وجود کا مؤثر صرف وہی ہے۔ وہی مقصود ہے اور اسی کی طرف پہنچنا مطلوب ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جیسے اللہ تعالیٰ ابصار سے محجوب ہے ایسے ہی بصائر سے بھی۔ جیسے تم اس کی طلب میں ہو ایسے ہی ملأ الاعلیٰ بھی اس کی طلب میں سرگرداں ہیں۔

ف: اس لیے کہ نہ اس کے لیے زمان ہے نہ مکان۔ اگرچہ زمان و مکان اسی کے نور سے پُر ہیں۔ اہل سما اہلِ ارض کی طرح اس کی طلب میں ہیں۔

ف: موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی یا اللہ! میں تجھے کہاں ملوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جہاں بھی تم مجھے ملنے کا ارادہ کرو گے مجھے وہیں پر پاؤ گے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ملنے والا اسے زمان و مکان کے بغیر ملتا ہے کیونکہ یہ کلام قصد و جدانی اور میل کلی میں ہے۔ اس لیے جو بھی جدوجہد کرتا ہے وہ ضرور مقصد کو حاصل کرتا ہے اور جو کسی کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے وہ ضرور اس میں داخل ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ملنے کا دروازہ قلب ہے اس لیے کہ بندہ معرفتِ الٰہی کے گھر میں اسی دروازے سے داخل ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد مشاہدہ ربانیہ کے صدر دروازے تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے انس، حضور، ذوق، صفا نصیب ہوتا ہے۔ اس وقت اس سے ہیبت، حیرت، وحشت، غفلت، کدورت اور جفا دور ہو جاتی ہیں۔ اے اللہ! ہمیں واصلین سے بنا۔ (آمین)

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا ایک شے کے حال کو دوسری کے حال یا ایک قصے کو دوسرے قصے سے تشبیہ دینا یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک شے ذکر فرمائی ہے جس سے اللہ تعالیٰ اور بتوں کے درمیان تباین حال کا استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمانۂ ماضی میں کوئی اس قسم کی مثال بیان فرمائی جس کی اب خبر دے رہا ہے بلکہ ابھی جو کچھ بیان فرمایا ہے یہی بطور انشاء ہے عَبْدًا مَّمْلُوْکًا یہ مثلاً سے بدل ہے۔ اور اس کی تفسیر ہے۔ اور اس مثل کا مقصد یہ ہے کہ اس کی مملوکیت اور اس کے عجز و ضعف کا اظہار ہو۔ اور عبد کے مملوک میں اشارہ ہے کہ یہاں پر وہ عبد مراد ہے جو کسی کا زرخرید ہو ورنہ عبدیتِ الٰہی میں تو آزاد و مملوک دونوں برابر ہیں لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ پر وہ کسی شے پر تصرف کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اس سے عبد ماذون و مکاتب خارج ہو گئے اس لیے کہ ان میں من وجہ تصرف کی قدرت ہوتی ہے وَمَنْ رَّزَقْنٰهُ مَن موصوفہ ہے اور اس کا عطف عبداً پر ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ آزاد انسان جسے ہم نے رزق کا مالک بنایا۔ ہم نے آزاد انسان کا معنیٰ اس لیے کیا تاکہ عبداً مملوکاً کے مطابق گفتگو ہو سکے مِنَّا ہماری جانب سے یعنی اللہ کبیر متعال سے رِزْقًا حَسَنًا حلال طیب رزق یا اس سے وہ رزق مراد ہے جو لوگوں کی نظروں میں مستحسن متصور ہو۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ وہ روزی جو بہت اور ان گنت ہو جس میں تصرف کرنے میں دشواری نہ ہو۔

فَهُوَ پس وہ آزاد انسان یُنْفِقُ مِنْهُ اس سے خرچ کر سکے۔ یہ ضمیر رزق حسن کی طرف راجع ہے سِرًّا وَّجَهْرًا یعنی حالتِ سر اور حالتِ جہر میں۔ اور حالتِ سر کی تقدیم میں اس طرف اشارہ ہے کہ چھپا کر خرچ کرنے میں زیادہ ثواب ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ پنہان و آشکار سے مراد یہ ہے کہ وہ آزاد انسان ہر طرح کے تصرف کا مالک ہو اسے خرچ کرنے میں کسی سے رکاوٹ اور عار و شرم کا احساس نہ ہو۔

هَلْ يَسْتَوٗنَ کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں۔ جمع کی ضمیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہاں پر وہ لوگ مراد ہیں جو ایسے اوصاف سے متصف ہوں یعنی عبد اور آزاد جو اوصافِ مذکورہ سے موصوف ہوں وہ شان و قدر میں برابر نہیں۔ یہاں متعین فرد مراد نہیں اسی لیے صیغہ جمع کا موزوں ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ کیا یہ لوگ برابر ہیں یعنی برابر نہیں اس لیے کہ مملوک اپنے آقاؤں اور صاحبِ اقتدار لوگوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ پھر جب مملوک اپنے آقا کے سامنے عاجز، کمزور اور ضعیف و ناتواں ہے تو پھر اس آزاد انسان کا مقابلہ کس طرح کر سکتا ہے جو ہر طرح کے تصرف کا مالک ہو اور اس کے ہاں دنیا و دولت کی فراوانی ہو۔ اسی طرح بتوں کا حال ہے کہ وہ جمادِ محض ہیں پھر وہ خالقِ کائنات اور مالکِ جملہ تصرفات کے برابر کس طرح ہو سکتے ہیں ؎

راہ تو بنور لایزالی
از شرک و شریک ہر دو خالی
آں بندہ کہ عاجز است و محتاج
کہ راہ برد بصاحبِ تاج

[ترجمہ: تیرا راستہ نورِ لایزال سے موصوف، شرک و شریک سے بالکل منزہ و مبرا۔ اور وہ بندہ عاجز و محتاج ہے

پھر وہ صاحبِ تاج کا کس طرح مقابلہ کرسکتا ہے]

ف: کہاں یہ مٹی کے ڈھیلے (بت) اور کہاں وہ رب الارباب۔

حکایت صاحبِ کشف المحجوب [داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہٗ] نے لکھا کہ میں ایک دن خلوت میں حضرت شیخ ابو العباس شیبانی قدس سرہٗ کے حضور میں حاضر ہوا انھیں دیکھا کہ وہ یہی آیت پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے بلکہ چیخ رہے تھے۔ مجھے یوں لگتا تھا کہ وہ ابھی اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ میں نے عرض کی: اے شیخ! یہ کیا؟ فرمانے لگے کہ مجھے ایسے ہی چیختے چلاتے گیارہ سال ہو رہے ہیں اور یہاں سے کہیں گیا بھی نہیں۔ یہ بھی سوچتا ہوں کہ حدوث و قدوم کو کیا نسبت اور ممکن کو واجب سے کیا تعلق۔

ف

نیست با ہست چوں زند پہلو

قطرہ با بحر چوں کند دعوٰے

[ترجمہ: نیست کو ہست سے کیا تعلق، اور قطرہ دریا سے کیا دعویٰ کرسکتا ہے]

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یہ جملہ معترضہ ہے اس لیے لایا گیا ہے تاکہ اشارہ ہو کہ ہر ایک کو عطا کرنے والا وہی ہے اگرچہ اسباب کیسے بھی ہوں۔ اس معنے پر وہی عبادت کا مستحق ہے نہ کہ وہ بت جو کسی قسم کی قوت و طاقت نہیں رکھتے۔ **بَلْ اَکْثَرُھُمْ** بلکہ مشرکین کے اکثر یہاں پر تمام مشرکین مراد ہیں۔ یعنی مشرکین عناد و سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی کو نہیں جانتے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا: یعرفون نعمۃ اللہ ثم ینکرونہا واکثرھم الکافرون۔ **وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا** یہ مضمون سابق کی دوسری مثال ہے۔ اس سے بھی وہی مطلوب ہے جو مثال اول سے ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ مثال مثال اول سے زیادہ واضح اور زیادہ ظاہر ہے۔ **رَّجُلَیْنِ** الحواشی میں ہے کہ یہ عبارت دراصل مثلا مثل رجلین تھی۔ اس معنے پر پہلا مثلاً مفعول بہ اور دوسرا مثلاً اس پہلے مثل سے بدل یا عطف بیان ہے۔ پہلا حذف کر کے رجلین اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے۔ **اَحَدُھُمَآ اَبْکَمُ** ابکم مادر زاد گونگے کو کہا جاتا ہے اور گونگے کے لیے لازم ہے کہ وہ بہرہ بھی ہو۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ گونگا مادر زاد نہیں ہوتا بہرہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے وہ گونگا ہو جاتا ہے۔

لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وہ اپنی قلتِ فہم کی وجہ سے، اسے نہ اپنے معاملات صحیح اور درست کرنے کا سلیقہ ہوتا ہے نہ کسی دوسرے کا۔ **وَّھُوَ کَلٌّ عَلٰی مَوْلٰہُ** اور وہ اپنے مولیٰ پر بوجھل ہوتا ہے۔ مولیٰ سے یہاں ہر وہ شخص مراد ہے جس کے ذمہ اس کی تولیت ہے۔ پہلے تو بتا دیا گیا کہ اسے کسی مصلحت اور کسی معاملہ کا علم نہیں ہوتا۔ اب بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے متعلق بھی کسی فائدہ کا نہیں ہوسکتا **اَیْنَمَا یُوَجِّھْہُّ** جہاں بھی اسے بھیجتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کے کام کا بھی نہیں ہوتا۔ **لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ** کوئی بھلائی نہیں لاتا اس لیے کہ نہ کچھ سمجھتا ہے اور نہ سمجھا سکتا ہے **ھَلْ یَسْتَوِیْ ھُوَ** کیا وہ برابر ہوسکتا ہے یعنی جس کی یہ حالت ہو جو مذکور ہوئی تو کیا وہ کام کا ہوسکتا ہے **وَمَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ** اور وہ جو فصیح الکلام اور صاحب رائے ثاقب

اور ذی فہم صاحب ہو اور ہر کام میں ہوشیار اور دوسروں کو بہت بڑے فائدے پہنچانے والا۔ غرضیکہ جامع جمیع الفضائل والمکارم ہو۔ اور بولنے میں سحبان کا ثانی ہو۔

ف : سحبان ایک فصیح و بلیغ مرد تھا کہ کلام فصیح بولنے میں ایک لفظ کی بھی کمی نہیں کرتا تھا اگرچہ اسے دن رات مسلسل بولنا پڑتا۔ وہ ایک لفظ کو دوبارہ بھی نہیں لاتا تھا۔ اگر کسی لفظ کی کسی عبارت میں ضرورت محسوس ہوتی تو اس کا ہم معنی اور لفظ لاتا تھا۔ اور دوران گفتگو کھنکارتا بھی نہیں تھا۔

حکایت ایک شخص احمق مشہور تھا اس نے کہیں سے گیارہ درم میں ہرنی خریدی۔ کسی نے اس سے اس کی قیمت پوچھی تو اس نے اپنی دونوں ہتھیلیاں کھول دیں اور ادھر منہ سے زبان نکال کر۔ گویا اس نے گیارہ کا اشارہ کیا۔ اس کی اس چال سے ہرنی بھاگ گئی۔ اس کی اس حماقت پر مذکورہ کہاوت بن گئی۔

وَهُوَ ایسا انسان جس کے اوصاف ابھی مذکور ہوئے یعنی ہر عام و خاص کو فائدہ پہنچانے والا وہ فی نفسہٖ ہو گا **عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ** سیدھے راستے اور اچھی سیرت پر کہ جس کام کے لیے جائے گا بامقصد لوٹے گا۔ ایسے ہی مشرکین کے بتوں کا حال ہے کہ ان کو مادر زاد گونگے سے بدتر سمجھو لیکن انہیں خالق کائنات سے کیا نسبت۔ اس میں بت پرستوں کی بے وقوفی کا اظہار مطلوب ہے۔

ف : امام سہیلی "کتاب التعریف والاعلام" میں رقمطراز ہیں کہ قرآن کے مبہمات میں سے ایک مقام یہی ہے کہ الابکم سے مراد ابوجہل ہے۔ اس کا نام عمرو بن ہشام بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخذوم ہے۔ اور من یامر بالعدل سے مراد عمار بن یاسر العنسی (رضی اللہ عنہ) ہیں۔

ف : العنس (بالنون)، مدلج کے ایک قبیلے کا نام ہے اور وہ بنو مخزوم کا حلیف تھا۔ ابوجہل انہیں اسلام کی وجہ سے سخت عذاب دیتا تھا اور ان کی والدہ مکرمہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو بھی سخت اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتا تھا۔ حضرت سمیہ ابوجہل کی کنیز تھیں اور انہیں ابوجہل نے کہا کہ تو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ان کے جمال کی وجہ سے محبت کرتی ہے۔ یہ کہہ کر ان کے منہ پر تیر مارا اور اسی سے بی بی سمیہ کا وصال ہوا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس امارہ کسی نیکی کی طاقت نہیں رکھتا اس لیے کہ نفس ہمیشہ خواہش نفسانی کی اتباع اور اپنے مالک کی نافرمانی کرتا ہے اور روح نفس کو طاعت و حسن عبودیت کا حکم فرماتی ہے لیکن الٹا روح کو نفس معاصی اور خواہش نفسانی کا حکم دیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے روح کو توفیق ایزدی نصیب ہوتی ہے۔ مومن کے تین دشمن ہیں : (۱) نفس (۲) شیطان (۳) دنیا نفس کا مقابلہ اس کی مخالفت سے اور شیطان کا مقابلہ ذکر سے اور دنیا کا مقابلہ قناعت سے ہو سکتا ہے۔

ف : ایک بزرگ نے فرمایا کہ نفس تیرے دین کا چور ہے اس کی حفاظت کیجئے۔ کیونکہ یہ تیرا دشمن ہے اس کے ساتھ جہاد کیجئے۔ (کذا فی الخالصہ)

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ۙ وَّجَعَلَ
لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ
السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ
بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ
وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ
ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ
بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝
يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ع ۱۷

ترجمہ : اور آسمانوں اور زمینوں کی چھپی ہوئی چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور نہیں قیامت کا معاملہ جیسے آنکھ جھپکنا بلکہ اس سے بھی زود تر۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے ایسی حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور اس نے تمہیں کان اور آنکھ اور دل دیے تاکہ تم شکر کرو۔ کیا انھوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ وہ فضائے آسمانی میں حکم کے پابند ہیں انھیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں روکتا بیشک اس میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں بسنے کے لیے گھر بنا دیے اور تمہارے لیے چوپایوں کی کھالوں سے بھی گھر بنائے جنھیں تم سفر اور منازل پر ٹھہرنے کے دنوں میں ہلکا پاتے ہو اور اُن کی اون اور روؤں اور ان کے بالوں سے گھر کا سامان اور فائدے کی چیزیں ایک وقت تک کے لیے بنائیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوق میں سے تمہارے لیے سائے بنائے اور پہاڑوں میں تمہارے لیے چھپنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لیے کچھ پہناوے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچائیں اور کچھ ایسے پہناوے بنائے جو لڑائی میں تمہاری حفاظت کریں یونہی تم پر اپنی نعمت پوری کرتا کہ تم مان جاؤ پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو آپ کے ذمہ تو صرف واضح طور پیام پہنچا دینا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پہچانتے ہیں لیکن پھر بھی منکر ہوتے ہیں اور ان کے اکثر کافر ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَلِلّٰهِ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، کسی دوسرے کے لیے نہ بالاستقلال نہ بالاشتراک۔

شانِ نزول : کفار قریش [illegible] استہزا کے طور پر وقوع قیامت کے لیے عجلت کرتے تھے۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی وہ جو آسمانوں اور زمینوں کے پوشیدہ علوم ہیں۔

مسئلہ: الارشاد میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حضوری ہے کیونکہ غیوب کا تحقق فی نفسہا اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب ہونا بھی علم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وللہ علم غیب السمٰوٰت والارض نہیں فرمایا۔

وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ - الساعۃ اس گھڑی کو کہتے ہیں جس میں قیامت قایم ہوگی۔ اور وہ بھی ایک غیب ہے جس کے متعلق کفارِ مکہ جلت کرتے تھے۔ اور اسے الساعۃ سے اس لیے بھی تعبیر کرتے ہیں کہ ایک معمولی گھڑی میں ایک عظیم حادثہ واقع ہوگا۔ یعنی نہیں شان قیام ساعۃ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ، اللمح بمعنٰی النظر بسرعۃ جلدی سے اوپر نیچے آنکھ کا دیکھنا، جسے آنکھ جھپکنا کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو قیامت کے لانے میں نہایت آسانی ہے جیسے تم آنکھ کو بآسانی جھپکاتے ہو۔ اَوْ هُوَ بلکہ قیامت کا معاملہ جو ابھی مذکور ہوا اَقْرَبُ آنکھ جھپکنے سے قریب تر ہے۔ یعنی قیامت نہایت ہی قریب تر ہے۔

نکتہ: کاشفی نے لکھا کہ قیامت کو آنکھ جھپکنے سے بھی قریب تر اس لیے فرمایا کہ آنکھ جھپکنے میں دو فعل ہیں:

۱۔ آنکھ کی پلک کا رکھنا

۲۔ اٹھانا

اور وقوعِ قیامت ان دونوں کی نصف حرکت میں ہوگا۔

اس معنے پر لمح البصر سے وقوعِ قیامت کو اقرب کہنا موزوں تر ہوا۔

ف: اَوْ کا لفظ شک کے لیے آتا ہے لیکن یہاں تخییر کے لیے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے مخاطبو! چاہو قیامت کو لمح البصر سے تشبیہ دو، چاہو تو اس سے بھی قریب ترین وقت سے۔ باقی رہا کہ وقوعِ قیامت کو لمح البصر اوھو اقرب سے اس لیے تشبیہ دی گئی کہ اس سے کمترین وقت اور کوئی نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے فلہٰذا وہ قیام ساعۃ اور مخلوق کو اس دن زندہ کرنے پر قدرت بھی رکھتا ہے کیونکہ یہ اس کے مقدورات میں سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جیسے تمام مخلوق کو بتدریج زندہ کرنے پر قادر ہے ایسے ہی یکبارگی پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اور ان کی ابتدائے آفرینش سے انھیں اس لیے خبر دی ہے تاکہ وہ مرنے کے بعد اٹھنے پر استدلال کر سکیں۔

شانِ نزول: بعض اہل مکہ نے کہا کہ قیامت آئے گی لیکن دیر سے۔ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ قیامت کا وقوع اگرچہ بعید سہی لیکن اللہ کے نزدیک قریب ہے۔ اسی لیے اس کی تیاری میں غفلت اور سستی نہ کرنی چاہیے۔

محبت وعشق کا صلہ مروی ہے کہ ایک شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

متی الساعۃ۔ یعنی قیامت کب ہے؟

آپ نے فرمایا، ما اعددت لہا۔ تُو نے اس کے لیے کیا تیار کیا؟

عرض کی: لا شئ الا انی احب اللہ ورسولہ۔ کچھ نہیں تیار کر سکا سوائے اللہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے۔

حضور علیہ السلام نے اسے فرمایا: انت مع من احببت۔ قیامت میں تُو اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تیری محبت ہے۔

ف: شرط یہ ہے کہ جسے جس سے محبت ہو وہ اس کے ساتھ دین میں بھی شریک ہو۔ یعنی محبوب ومحب آپس میں متحد ہوں۔ نیز محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کے جملہ مامورات وترک محظورات پر پابندی سے عمل کرے اس لیے کہ محبت کاملہ اس کے سوا نہیں ہو سکتی جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر کی مخالفت کرتا ہے اس کا محبت کا دعویٰ خالی ہے کیونکہ محبت کے دعوے کے ساتھ مخالفت کیسی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

نظر دوست نادر کند سوئے تو
چو در روئے دشمن بود روئے تو
ندانی کہ کمتر نہد دوست پائے
چو بیند کہ دشمن بود در سرائے

[ترجمہ: دوست تیری جانب نظر ہرگز نہیں فرمائے گا جب تیری توجہ اس کے دشمن کی طرف ہو۔ تجھے معلوم ہے کہ اس گھر میں دوست نہیں آتا جس میں دشمن کا قیام ہو]

تفسیر صوفیانہ

رجوع النفس الی اللہ ہرگز نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے صفات سے مرشد کی صفات الٰہی سے متصف نہ ہو اور نفس کا مارنا صفت جلال کے ساتھ متجلی ہونے سے اور اسے زندہ کرنا صفت جمال کے ساتھ متجلی ہونے سے ہوتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو تجلیات سے نوازتا ہے تو پھر نہ وہ زمان کا محتاج ہوتا ہے نہ مکان کا۔ کیونکہ وہ بندہ اب فانی عن نفسہ ہو کر باقی باللہ ہو گیا ہے۔ ان اللہ علیٰ کل شئ قدیر بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر شے اولیا کو عطا فرمائی ہے قدیر وہ ایسی عطایا عطا کرنے پر قادر ہے اگرچہ اغبیا ایسے عطیات کو نہیں سمجھ سکتے۔ یعنی وہ کمالات و معارف جنہیں اولیاء کرام جانتے ہیں ان کے سمجھنے اور ادراک کرنے سے کند ذہن لوگ [وہابی، دیوبندی، نجدی وغیرہ] عاجز ہیں بلکہ عقلا اپنی عقول وافہام [عقیدت ومحبت اور عشق ولایت کی برکت کے بغیر صرف عقل] سے بھی اس تحقیق کا ادراک نہیں کر سکتے اس لیے کہ یہ امور اطوار عقول وافہام سے بالاتر ہیں۔ ع

سیل ضعیف واصل دریا نمیشود

[ترجمہ: ضعیف رفتار والا پانی دریا تک کیسے پہنچ سکتا ہے]

ف: تجلیات تین قسم ہیں:

۱۔ تجلی علمی

۲۔ تجلی عینی

۳۔ تجلی حقی

تجلی علمی ــــ یہ اصحابِ برزخ کہلاتے ہیں، ایسے لوگ کسی دُوسرے کی رہبری کر سکتے ہیں۔ لیکن کسی کی تقلید میں۔

تجلی حقی ــــ یہ اربابِ الیقین والوصول کہلاتے ہیں۔ یہ حضرات عوام الناس کی جمیع مراتب میں رہبری کر سکتے ہیں۔ مراتب سے طبیعت، نفس، قلب، رُوح اور طریقت و معرفت و حقیقت مراد ہے۔ اور یہی اہلِ بصیرت ہیں۔ ان کا اشارہ آیت قل هذه سبیلی ادعو الی الله علیٰ بصیرة انا و من اتبعنی میں ہے۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ ایسے حضرات کی ہی اقتدا کرے۔ ان کے ماسوا سے دُور رہنا لازم ہے۔

سوال : تجلی ثانی و ثالث کے حامل میں کیا فرق ہے ؟

جواب : ہر دو قطبِ ارشاد ہونے میں برابر ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تجلی ثانی (عینی) کا حامل قطبیت صغریٰ کا مالک ہے، اور تجلی ثالث (حقی) کا حامل قطبیت کبریٰ کا۔ اور یہی مرتبہ تمام مراتب سے اعلیٰ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ واحد لاشریک نے أَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ أُمَّهٰتِكُمْ تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے تمہیں نکالا۔ امہات، اُم کی جمع ہے۔ ھا اہراق کی ہا کی طرح زائد ہے۔ اہراق دراصل اراق تھا۔ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا تم کسی شے کو نہیں جانتے تھے۔ یہ جملہ حالیہ ہے یعنی درانحالیکہ تم امورِ دنیا و آخرت کے کسی ایک امر کو نہیں جانتے تھے اور نہ ہی عالمِ ارواح میں تمہاری ارواح کو کچھ خبر تھی اور نہ ہی تمہارے ذرات کا کچھ پتہ تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا الست بربکم اور نہ ہی انھیں اس کے جواب میں بلیٰ کہنے کا علم تھا حالانکہ تمام حیوانات کو پیدائش کے وقت طلبِ غذا اور اپنی ماں اور اس کی طرف رجوع اور پستانوں کے متعلق کچھ خبر ہوتی ہے اور انھیں علم ہوتا ہے کہ پستانوں سے دودھ کا حصول کس طرح ہوتا ہے اور پیدا ہوتے ہی ماں کے پیچھے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اور ضروری امور کا انھیں پتہ ہوتا ہے بخلاف انسان کے کہ وہ بوقتِ پیدائش ان جملہ امور سے بے خبر ہوتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

مرغک از بیضہ بروں آید و روزی طلبد
آدمی بچہ ندارد خبر و عقل و تمیز

[ترجمہ : مُرغی کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی روزی طلب کرنے لگ جاتا ہے لیکن آدمی زادہ کو کوئی عقل تمیز اور خبر نہیں ہوتی]

جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ اور بنائیں تمہاری آنکھیں۔

نکتہ : سمع کی تقدیم اس لیے ہے کہ وحی کے حصول کا راستہ یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام نابینا تو ہوئے لیکن بہرے کبھی نہ ہوئے یا اس لیے کہ سمع کا ادراک بصر سے پہلے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نومولود بچے کے کان آنکھوں سے پہلے کھلتے ہیں اور سمع کو مفرد اسی لیے لایا گیا ہے کہ یہ دراصل مصدر ہے اور مصدر تثنیہ و جمع نہیں ہوتا۔

وَالْاَبْصَارَ بصر (بفتحتین) کی جمع ہے۔ آنکھ کی حس کو بصر کہا جاتا ہے۔ وَالْاَفْئِدَةَ فؤاد کی جمع ہے۔ وہ دل کے لیے ایسے ہے جیسے سینہ میں دل۔ یہ بھی ان جمع قلت کے صیغوں سے ہے جو کثرت کے معنے میں مستعمل ہیں۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ افئدۃ اس آیت میں دوسری آیات کی طرح جمع کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جمع مخاطب کے ضمائر اس کے بعد واقع ہوئے ہیں۔ ان کی وجہ سے ہم نے افئدۃ کو عام یعنی جمع کثرت کے معنے میں کہا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے یہ اشیا تمہارے لیے بطور آلات بنائی ہیں تاکہ تم ان کے ذریعے سے علم و معرفت حاصل کر سکو۔ یعنی مشاعر سے جزئیات اشیا کو محسوس کرو۔ اور افئدہ سے ان کا ادراک کر سکو اور متنبہ ہو سکو کہ یہ باوجودیکہ من وجہ ایک شے ہیں اور من وجہ ایک دوسرے کے مباین ہیں لیکن ان سے مختلف اعتبارات سے علوم و معارف حاصل ہوتے ہیں جو شخص ان میں غور و فکر کرے گا تو اسے عجیب و غریب علوم و فنون حاصل ہوں گے۔

ف : جَعَلَ کا اَخْرَجَ پر عطف ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ پہلے اخراج ہوا تو پھر جعل۔ بلکہ اس سے دونوں کے اجتماع کا اظہار ہے کیونکہ واو مطلق جمع کے لیے آتی ہے، اگر ترتیب کے لیے ہوتی تو پھر وہم مذکور پیدا ہوتا۔ ہاں اس کی ترتیب میں یہ اشارہ ضرور ہے کہ جعل کے اثر کا ترتب اخراج کے بعد ہوتا ہے۔ (کذا فی الارشاد)

صوفیانہ تقریر

اللہ تعالیٰ کے ذاتی صفات سات ہیں جن کی ترتیب یہ ہے :

۱۔ حیاۃ ۲۔ علم

۳۔ ارادہ ۴۔ قدرت

۵۔ سمع ۶۔ بصر

۷۔ کلام

نکتہ : کلام کا قلب کمال ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ کلام کمالاتِ الٰہیہ کا آخری کمال ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کا کمال اول بھی کلام ہے اس لیے کہ تعینات الٰہیہ کے پہلے تعین کو ہویت ذاتیہ کہا جاتا ہے اور ان کا آخری تعین کلام (مطلقاً) ہے اور مظہر انسانی میں بھی یہی تقریر جاری ہوتی ہے۔ مثلاً ماں کے پیٹ میں سب سے پہلے انسان کو حسن سمع، پھر بصر اور آخر میں حاصل ہوتا ہے۔

مسئلہ : شوہر مردہ کی عورت حاملہ ہو تو اس کے وضع حمل سے پہلے نکاح حرام ہے۔ اس میں بھی یہی نکتہ ہے۔

مسئلہ : زنا سے نطفہ ٹھہر جائے تو وضع حمل سے پہلے اس کے نکاح میں اختلاف ہے۔ [صحیح یہ ہے کہ نکاح جائز ہے لیکن اس سے وطی نہ کرے۔ ہاں جس کے زنا سے نطفہ ٹھہرا ہے وہ وطی بھی کر سکتا ہے (کتب فقہ احناف)] ۱۲

ف : حمل میں نکاح کی ممانعت کی دلیل حدیث شریف میں ہے ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنا پانی غیر کی کھیتی میں نہ ڈالے ۔ یعنی غیر کی منکوحہ سے وطی نہ کرے ۔

سوال : حمل سے تو رحم بند ہو جاتا ہے پھر غیر کی کھیتی میں پانی ڈالنے کا کیا معنیٰ ؟

جواب : حدیث شریف میں اس کا جواب موجود ہے وہ یہ کہ حمل میں وطی کرنے سے بچے کی سمع و بصر تیز ہو جاتی ہے ۔

ف : خلاصہ یہ کہ نبیل کی ولادت کے بعد کلام کا آغاز ہوتا ہے اور یہ انسان کی تکمیل کا آخری وقت ہے ۔

سوال : قرآن مجید کی آیت ہذا سے معلوم ہوتا ہے کہ سمع و بصر کا کمال ولادت کے بعد ظاہر ہوتا ہے اور تم انھیں پہلے ثابت کر رہے ہو ۔

جواب : ہم نے ان اشیا کو بالقوہ ثابت کیا ہے اور شے کا بالقوہ پہلے اور بالفعل بعد کو ہونا مضر نہیں ۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اس ارادہ پر کہ تم شکر کرو ۔ ان آلات (سمع ، بصر ، کلام) کی ادائیگیِ شکر کی صورت یوں ہے کہ انھیں ان امور میں استعمال کیا جائے جن کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں ۔ مثلاً کان کلامِ الٰہی و احادیثِ نبوی و ملفوظاتِ اولیا سننے کے لیے اور جن امور سے روکا گیا ہے ان سے باز رہنے کے لیے دیے گئے ہیں ، اور آنکھ آیاتِ الٰہی کو دیکھنے اور ذاتِ حق کے مشاہدے اور تمام کائنات کے حدوث اور اللہ تعالیٰ کی وحدت اور اس کے علم و قدرت پر استدلال کے لیے عطا کی گئی ۔ جس نے ان آلات کو غیر موضوع امر میں استعمال کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور اس کی امانت میں خیانت کی ۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

گزرگاہ قرآن و پند ست گوش
بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش
دو چشم از پے صنع باری نکوست
ز عیب برادر فروگیر و دوست

[ترجمہ : قرآن و نصیحت کی گزرگاہ کان ہے اسے بہتان اور بُری بات سننے میں استعمال نہ کیجئے ۔ اور آنکھیں اللہ تعالیٰ کی صنعت کو دیکھنے کے لیے بنائی گئی ہیں ، اپنے دوست اور بھائی کے عیب دیکھنے سے انھیں بند رکھیے]

حضرت صائب رحمۃ اللہ نے فرمایا : ؎

ترا بگو ہر دل کردہ اند امانتدار
ز دزد امانت حق را نگہدار مخسپ

(ترجمہ : تجھے دل کا موتی بطور امانت عطا ہوا اس لیے اسے چور سے محفوظ رکھ اور غفلت نہ کر)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جعل لکم السمع والبصر والافئدۃ اور تمہارے اجسام میں دوسرے حیوانات کی طرح اللہ تعالیٰ نے سمع و بصر اور دل پیدا فرمائے تاکہ تم وہی دیکھو سنو اور سمجھو جو دوسرے

دیکھتے، سُنتے اور سمجھتے ہیں۔ اور تمہارے ارواح میں بھی کان پیدا فرمائے ہیں تاکہ تم وہی سنو جو ملائکہ سنتے ہیں اور تمہارے ارواح میں آنکھیں رکھی ہیں تاکہ تم وہی دیکھو جو ملائکہ دیکھتے ہیں اور تمہارے ارواح میں دل رکھا ہے تاکہ تم وہی سمجھو جو ملائکہ سمجھتے ہیں۔ اور تمہاری خصوصیت یہ ہے کہ تمہارے اسرار میں سمع پیدا فرمائی تاکہ تم اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور انوار و تجلیات باہرہ سے سنو، اور ان میں بصر رکھی تاکہ اس کے نور سے دیکھو اور فواد رکھا تاکہ اس کے نور سے عرفان حاصل کرو۔ یہ حدیثِ قدسی

كنت له سمعا وبصرا ولسانا فبي يسمع وبي يبصر وبي ينطق[1]

میں اس کی آنکھ کان اور زبان ہو جاتا ہوں میرے نور سے سنتا میرے نور سے دیکھتا اور میرے نور سے بولتا ہے۔

کی طرف اشارہ ہے۔

لعلکم تشکرون اس ارادہ پر کہ تم ان آلات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرو۔ اور ادائیگیِ شکر کا طریقہ یہ ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا و طلب میں ان اعضا کو عبادت میں استعمال کیا جائے بلکہ التفات الی الغیر کو ترک کرکے منعم کی نعمتوں کو ہر وقت مدِ نظر رکھا جائے۔

تفسیر صُوفیانہ ۲

آیت میں دُوسرا اشارہ یہ ہے کہ واللہ اخرجکم من بطون امھاتکم الخ میں بطون امھات سے عدم مراد ہے اس لئے کہ کل موجودات کی حقیقی ماں یہی عدم ہے اور اللہ تعالےٰ کے بتائے بغیر ہم کسی شے کو نہیں جانتے تھے۔ وجعل لکم السمع الخ میں اسی وقت کی طرف اشارہ ہے جب اللہ تعالےٰ نے بندوں کو الست بربکم کا خطاب فرمایا یعنی اللہ تعالےٰ نے تمہارے اوپر اپنی ربوبیت کی تجلّی ڈالی تو تمہیں سمع۔ بصر اور فواد نصیب ہوا اس کے نور سے تمہیں بولنے کی طاقت نصیب ہوئی تو تم نے خطاب حق کے جواب میں کہا بلیٰ؛

لعلکم تشکرون اس کا یوں شکر کرو کہ سمع سے سوائے اس کے کلام کے اور کچھ نہ سنو اور بصر سے سوائے اس کے جمال کے اور کسی کو نہ دیکھو اور دل سے سوائے اس کی ذات کے اور کسی سے محبت نہ کرو اور زبان سے اس کے سوا اور کسی سے نہ بولو۔

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ جو ان پرندوں کو دیکھتا ہے اور ان سے تعجب کرتا ہے اس کے لئے تقریر ہے الطیر طائر کی جمع ہے اب معنے یہ ہوئے کہ کیا انھوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا تاکہ ان سے وہ قدرتِ الٰہی پر استدلال کرسکیں۔ مُسَخَّرَاتٍ حکم کے بندے یعنے اڑنے پر حکم الٰہی کے پابند ہیں اس لئے کہ ان پر پر پیدا کئے گئے ہیں جہاں اور جس وقت وہ اڑنا چاہیں پَر ان کا ساتھ دیتے ہیں اور دوسرے اسباب بھی ان کے موافق ہیں۔

ف : اس میں مبالغہ ہے اس لئے کہ تسخیر کا معنے یہ ہے کہ ایک شے کو دوسرے کے قابو میں دے دیا جائے کہ وہ اس کو جیسے

---

[1] اس حدیث شریف کی مکمل تشریح فقیر اویسی غفرلہٗ کے رسالہ "نور الصفا فی البقا بعد الفنا" میں ہے۔

چاہے تصرف کرے جیسے دریا اور کشتی میں اور جانوروں میں انسانوں کا تصرف۔ اور یہاں پر یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو پرندے کے قابو میں دے دیا ہے کہ وہ جیسے اور جہاں چاہے اڑے ورنہ پرندے کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ وہ نیچے گر پڑے لیکن ہوا کو اس کا تابع کر دیا ہے تاکہ وہ اسے اڑا کر لے جائے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ پرندے کا اڑنا اس کی اپنی ذاتی منشا اور طبع کے تابع نہیں بلکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قوت عطا فرمانے سے ہے۔ یہی عقیدہ آگ کے جلانے اور سردی کے مارنے میں ہونا چاہیئے اس لئے ان کا یہ فعل ذاتی نہیں بلکہ تاثیر الٰہی کی وجہ سے ہے۔ فِی جَوِّ السَّمَآءِ ، آسمانوں کی فضا میں یعنے اڑنے والا پرندہ ہوا میں اڑتا ہوا زمین سے کچھ دور نہیں نکل جاتا بلکہ زمین کے قریب ہوتا ہے۔

سوال: اگر پرندہ زمین کے قریب ہوتا ہے تو پھر اسے جو السماء سے تعبیر کرنے کے کیا معنے؟

جواب: چونکہ دیکھنے والے کو پرندے کا اڑنا آسمان کی طرف معلوم ہوتا ہے اسی لئے اسے جو السماء سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ف: القاموس میں ہے کہ الجو بمعنے الھوا ہے۔

مَا یُمْسِکُھُنَّ انھیں فضا میں گرنے سے نہیں روکتا جب کہ وہ اڑتے وقت اپنے پر کبھی سمیٹتے اور کبھی کھولتے اور کبھی اڑنے سے ٹھہرتے ہیں۔ اِلَّا اللّٰہُ ، اللہ تعالیٰ کے سوا وہی اپنی قدرت کاملہ اور تدبیر واسعہ سے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے کہ بعض کے پر بڑے بنائے اور بعض کے چھوٹے۔ اور پھر وہ آسمان میں اڑتے ہوئے نیچے نہیں گرتے حالانکہ ان کے جسم کے ثقل اور قوام ہوا کی رقت کا تقاضا تو ہے کہ پرندہ اوپر سے نیچے گر جائے اس لئے کہ نہ اوپر کوئی ایسی شے ہے جو پرندے کو سہارا دے سکے اور نہ نیچے کوئی ستون ہے جو پرندے کو روک سکے۔ اسے یوں سمجھو کہ پرندہ ہوا میں ایسے ہی آسانی سے اڑتا ہے جیسے تیرنے والا پانی میں آسانی سے تیرتا ہے اس لئے کہ پانی میں تیرنے والا پانی میں کبھی ہاتھ سمیٹتا اور کبھی پھیلاتا ہے ورنہ اس کے جسم کے ثقل اور پانی کی رقت کا تقاضا تو یونہی ہے کہ تیرنے والا پانی میں ڈوب جاتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اسے ڈوبنے نہیں دیتا۔

اعجوبہ: اللہ تعالیٰ کی عجیب ترین قدرت سے ہے کہ فضائے آسمانی میں بعض پرندے گھونسلے بنا کر زندگی بسر کرتے ہیں۔

حکایت عجیبہ ایک دن ہارون الرشید شکار کے لئے گھر سے باہر نکلے تو باز کو آسمانی فضا میں روانہ کیا، باز بہت دور نکل گیا یہاں تک کہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا بالآخر باز اڑنے سے تھک کر واپس لوٹا تو اس کے منہ میں ایک مچھلی تھی۔ ہارون الرشید نے علماء کرام کو جمع کر کے اس کے متعلق دریافت کیا تو حضرت مقاتل نے فرمایا: اے بادشاہ! ہمیں آپ کے دادا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ فضائے آسمانی میں بھی مختلف امتیں آباد ہیں اس میں بعض ایسے جانور ہیں جن کا رنگ سفید ہے وہ بچے جنتے ہیں جن کی شکل مچھلی سی ہوتی ہے اور ان کے پر بھی ہوتے ہیں لیکن وہ اڑتے نہیں۔ حضرت مقاتل کا جواب سن کر ہارون الرشید نے انھیں انعام سے نوازا۔

ف: فضائی پرندوں میں ایک ابابیل بھی ہے جنھوں نے اصحاب الفیل پر کنکریاں پھینکی تھیں۔ یہ سیاہ رنگ کا پرندہ ہے ان میں

بعض پرندے وہ ہیں جنھیں فارسی میں ہما سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ بھی فضائی پرندہ ہے یہ فضا میں زندگی بسر کرتا ہے وہیں انڈے دیتا اور بچے نکالتا ہے اس کے پاؤں نہیں ہوتے اور جنگلی کوّے کے برابر ہے اور سکری اللون ہے اس کے مرنے کے بعد چند گے بعض جنگلوں میں اس کا ڈھانچہ ملتا ہے۔

عجیب ترین پرندہ پرندوں میں سے ایک پرندہ نہایت ہی عجیب تر ہے اس کا نام الرُّخ[1] (بالضم) یہ پرندہ چین کے جزائر میں ہوتا ہے اور اس کے ایک پر کا طول دس ہزار ہاتھ ہے۔

ف: قاموس میں لکھا ہے وہ اتنا بڑا پرندہ ہے کہ وہ گینڈے کو بھی اٹھا کرلے جاتا ہے۔

حکایت مغرب میں ایک ایسا تاجر آیا جس نے جزائر چین کے سفر کئے ہوئے تھے۔ اس نے اپنا حال سنایا کہ ہمیں آندھی ایک بہت بڑے جزیرے میں اڑا کے لے گئی۔ اہل سفینہ (مسافر) کشتی سے نکل کر اسی جزیرے سے پانی اور لکڑیاں لینے گئے۔ آگے بڑھ کر دیکھا کہ اسی جزیرے میں ایک بہت بڑا قبہ ہے جس کا طول ایک سو گز تھا لیکن اس سے نور چمکتا ہوا دکھائی دیتا تھا اس سے متعجب ہوئے آگے چل کر دیکھا تو وہ قبہ دراصل الرُّخ (پرندے) کا انڈہ تھا۔ اسے مسافروں نے لکڑیوں، پتھروں اور ہتھوڑوں سے توڑا تو معمولی طور پر انڈہ ٹوٹا تو اس سے ایک بچہ نکلا جو گویا ایک پہاڑ ہے۔ تمام مسافروں نے اسی بچے کے ایک پر کو کھینچا تو سالم پر تو ہاتھ نہ لگا صرف ایک ٹکڑا ساتھ لے آئے اور وہ بھی ابھی کچا انڈہ توڑا گیا۔ اسی ٹکڑے کا گوشت اتنا تھا کہ وہ ہر ایک اپنی طاقت و وسعت کے مطابق ساتھ لے آیا۔ جب سورج نکلا تو الرُّخ پرندہ دور سے آسمان سے نمودار ہوا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا گویا ایک بہت بڑا بادل امنڈ آیا ہے اس کے پاؤں میں پتھر کا ایک بڑا چٹان تھا جو ان مسافرین کی کشتی تک کے طول وعرض سے بڑا تھا ایسے معلوم تھا کہ گویا بہت بڑی کوٹھی اکھیڑ لایا ہے۔ ان مسافرین کی کشتی کے بالمقابل اوپر سے وہی پتھر نیچے گرا دیا جو کشتی سے دور گرا۔ اس طرح سے وہ کشتی اور کشتی والے بچ گئے ورنہ الرُّخ (پرندے) نے اپنے انڈے کا بدلہ لینے کے لئے پورا انتظام کر لیا تھا۔ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے وہ لوگ نجات پا گئے ورنہ الرخ (پرندہ) انھیں اپنے طور پر فنا کر چکا تھا۔ (کذا فی حیوۃ الحیوان)

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ بے شک جو مذکور ہوا مثلاً پرندوں کو اڑنے کے لئے ہوا کو مسخر کر دینا اور فضا کو ایسا بنا دینا کہ پرندے آسانی سے اڑ سکیں وغیرہ وغیرہ ہیں۔ لَاٰیٰتٍ کھلی نشانیاں ہیں۔ لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ○ ایمان والے لوگوں کے لئے یعنی جن کی شان یہ ہے کہ وہ ایمان لائیں اور ان کی تخصیص بھی اسی لئے ہے کہ وہ اس سے نفع حاصل کرتے ہیں کہ جونہی پرندوں کو فضا میں

---

[1] :- غیاث میں ہے کہ ایک بہت بڑا پرندہ ہے جو ہاتھی اور گینڈے کو اٹھالے جاتا ہے۔ نفائس الفنون میں ہے کہ وہ اونٹ کی طرح کا پرندہ ہے۔ جس کے دو کوہان ہوتے ہیں آگے کی طرف نہایت تیز دو دانت ہوتے ہیں۔ جس جانور کو جھپٹ لگاتا ہے پھر اُس کا اس سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

اڑتا ہوا دیکھ کر معرفتِ الٰہی سے سرشار ہوتے ہیں اور اس میں تدبر و تفکر کرتے ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کرامات نصیب ہوتی ہیں۔ ؎

فکر ازیں خانہ فرازت کشد
سوئے سرا پردۂ رازت کشد

ترجمہ: تجھے فکر بلندی بخشے گا اور راز داری کے خیمہ میں لے جائے گا۔

مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

گر بینی میل خود سوئے سما
پر دولت بر کشا ہمچوں ہما
ور بینی میل خود سوئے زمین
نوحہ میکن ہیچ منشین از حنین

ترجمہ: اگر اپنا میلان سما کی طرف دیکھو تو ہما کی طرف اپنی دولت کے پَر کھولئے۔ اگر اپنا میلان زمین کی طرف دیکھو تو اپنی قسمت پر آنسو بہایئے بلکہ تجھے گریہ میں زندگی بسر کرنی چاہیئے۔

حدیث شریف دنیا میں زندگی مہمان ہو کر بسر کرو اور مسجدوں کو اپنا گھر بناؤ اور اپنے قلوب میں رقت کی عادت ڈالو۔ غور و فکر اور گریہ بکثرت کرو اور اپنے اندر ہوا و ہوس کے مختلف خیالات مت گھسنے دو۔

روحانی نسخے حضرت محمد عبد اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ غور و فکر کے پانچ مقامات پہ ہونا چاہیئے اور ان سے پانچ فائدے نصیب ہوں گے۔

(۱) آیاتِ الٰہی میں غور و فکر سے معرفت حق نصیب ہوتی ہے۔
(۲) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات میں غور و فکر کرنے سے محبتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔
(۳) اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور ثواب میں غور و فکر کرنے سے رغبت الٰہی نصیب ہوتی ہے۔
(۴) اللہ تعالیٰ کی وعیدوں اور سزاؤں میں غور و فکر کرنے سے خوفِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔
(۵) اللہ تعالیٰ کے احسانات کے مقابلہ میں نفوس کے ظلم و جفا میں غور و فکر سے ندامت و حیا پیدا ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ارواح قلوب کے آسمان کی فضا میں مسخر نہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں روک سکتا اس لئے کہ ارواح عالمِ علوی سے ہیں اور وہ اجساد سفلیات میں سوائے اللہ تعالیٰ کی تسخیر کے نہیں رہ سکتے۔

کما قال تعالیٰ:

ونفخت فیہ من روحی۔ اور میں نے اس میں اپنی روح پھونکی ۔

اور فرمایا :

ثم رددناہ اسفل السافلین پھر ہم نے اسفل سافلین کی طرف لوٹایا ۔

روح ایک بادشاہ ہے اور بادشاہ خراب اور ویران مقام پر کسی ضرورت کے تحت رہ سکتا ہے ورنہ اس کی شان بلند اور عزت ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ ایسے ویرانوں میں رہ سکے ۔

تفسیر عالمانہ

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ بُیُوْتِکُمْ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے معہودہ گھر بنائے ہیں یعنی وہ جنہیں تم پتھروں اور مٹی کے ڈھیلوں (اینٹوں) وغیرہ سے تیار کرتے ہو یہ مِنْ بیانیہ ہے اور وہ مجہول جو ان کے لئے بطور ابہام ذکر فرمایا اسے من بیوتکم سے واضح فرما دیا۔ سَکَنًا فعل بمعنے مفعول ہے یعنے وہ جگہ جہاں تم اقامت کے وقت ٹھہرتے ہو یعنے آرام گاہ ۔

ف : الکواشی میں ہے کہ وہ ہر جگہ جس میں بندہ سکونت پذیر ہو یا کاروبار کی فراغت کے بعد اسی کی طرف سکونت کے لئے رجوع کرے اسے سکن بمعنے مسکن کہا جاتا ہے ۔

سلوک کے شرائط

الواقعات المحمودیہ میں ہے کہ سلوک کے لئے تین شرائط ہیں :

(۱) زمان

(۲) مکان

(۳) اخوان

زمان ومکان : اس لئے کہ فراغت کے وقت سکون حاصل کرسکے اور اخوان اس لئے کہ حوائج ضروریہ کا تدارک ان سے ہوگا تاکہ ضروریات میں پھنس کر سلوک سے باز نہ رہے بلکہ ہر تینوں ضروری ہیں تاکہ سالک اپنے سلوک میں تسلسل قائم رکھ سکے ورنہ انقطاع سے اسے فائدہ کی بجائے نقصان ہوگا ۔

ف : ان تینوں میں سے سب سے پہلے مکان ضروری ہے پھر زمان پھر اخوان اس کے بعد تصفیۂ خواطر۔

ف : الاسرار المحمدیہ میں ہے کہ مسکن سے اصلی غرض یہ ہے کہ انسان گرمیوں میں دھوپ اور بارش سے اور سردیوں میں سردی سے بچ سکے ۔ ان سے باقی اغراض معمولی نہیں ان سے مزید بڑھائے گا تو اسراف اور فضول خرچی میں داخل ہوگا۔ ویسے گرمیوں میں گرم علاقوں میں مکان میں گذارہ ممکن ہے لیکن سردیوں میں مکان کے بغیر مشکل ہے اس لئے کہ اگر مکان کے بغیر سردی کے ازالہ کی تدبیر نہ کی جائے گی تو انسان کو موت گھیرے گی۔ اسی لئے معمولی سا مکان ضروریات زندگی کے لئے تیار کرنا زہد و تقویٰ کے منافی نہیں۔ اسی طرح گرمیوں میں بھی مکان اس لئے تیار کئے جائیں کہ نیچے مٹی پہ زندگی بسر کرنے میں گرمی نقصان پہنچائے گی یا ضروریات کے مطابق ہوا حاصل نہیں ہوگی یا اولاد یا اہل خانہ کو تکلیف ہوگی یا رات کے وقت مچھر اور کیڑے مکوڑے وغیرہ

نیند میں مخل ہوں گے۔ ان سے بچنے کے لئے مکان کے اوپر سونا پڑے گا۔ ایسے مقاصد کے تحت مکان بنانا زہد و تقویٰ کے خلاف نہیں بلکہ ایسی ضروریات کے لئے سردی اور گرمی کے مطابق مکان بنانے میں اجر و ثواب ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مکان بنایا اس کی تعمیر میں نہ کسی پر ظلم کیا اور نہ ہی کسی پر تجاوز۔ تو جب تک اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس مکان سے فائدہ اٹھاتی رہے گی مکان بنانے والے کو اجر و ثواب نصیب ہوتا رہے گا

حکایت حضرت بہلول دانا رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہارون الرشید نے ایک بہت بڑے محل کی دیوار پر لکھا کہ اے ہارون! تو نے گارے (مٹی) کو اونچا اور دین کو نیچا اور چونے گچ وغیرہ کو اونچا اور نصوص قرآن و حدیث کو نیچا کیا اگر تو نے یہ مکان اپنے ذاتی مال سے بنوایا ہے تو اسراف و فضول خرچی کی ہے اور اللہ تعالیٰ اسراف اور فضول خرچی کو پسند نہیں فرماتا اور اگر تو نے غیروں کے مال سے بنوایا تو تو نے ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ ظالم کو بھی دوست نہیں رکھتا۔

وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جانوروں کے چمڑوں سے بنائے ہیں، انعام نعم (بالفتح) کی جمع ہے اور اس کا اطلاق صرف ان جانوروں پر ہوتا ہے:

(۱) اونٹ

(۲) گائے

(۳) بکری

(۴) بھیڑ

بُيُوتًا ایسے گھر جو تمہارے ان معہودہ گھروں سے مختلف ہیں مثلاً خیمے، قبے اور شامیانے وغیرہ وغیرہ جو اکثر و بیشتر خانہ بدوش تیار کر کے سروں پر اٹھائے ہوئے مختلف مقامات پر زندگی گذارتے ہیں۔ **تَسْتَخِفُّونَهَا** جنہیں تم ہلکا پاتے ہو یعنے ان کا توڑنا، اٹھانا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہلے جانا تمہارے لئے آسان ہو۔ **يَوْمَ ظَعْنِكُمْ** تمہارے کوچ کرنے اور سفر آخرت کے وقت۔ **وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ** اور تمہارے کہیں جگہ پر ٹھہرنے کے وقت کہ انہیں آسانی سے لگا کر آرام کر سکتے ہو۔ **وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا** اصواف۔ صوف کی اور اوبار۔ وبر کی اور اشعار۔ شعر کی جمع ہے اور ضمائر ان جانوروں کی طرف راجع ہیں جن کی تفصیل ابھی ہم نے لکھی ہے یعنے ہم نے تمہارے فائدہ کے لئے بھیڑوں اور اونٹوں کی اون اور بکریوں کے بال بنائے۔ **أَثَاثًا** گھر کا وہ ساز و سامان جو لباس اور نیچے بچھانے اور بستر وغیرہ کے کام آئے۔ **وَمَتَاعًا** اور متاع یعنے وہ شے جس سے مختلف طور طریقے سے منافع حاصل کئے جائیں۔ **إِلَىٰ حِينٍ** ○ ایک مقرر مدت تک اس کے بال اور اون سخت اور مضبوط ہونے کی وجہ سے طویل عرصہ تک باقی رہ سکتے ہیں

ف: حافظ نے فرمایا کہ بھیڑ بکری سے افضل ہے جیسا کہ مسئلہ قربانی سے ثابت ہوتا ہے لیکن دوسری وجوہ سے بکری بھیڑ

پر فضیلت رکھتی ہے مثلاً بکری کا دودھ بھیڑ کے دودھ سے بہتر ہے اور بکری کا چمڑہ بھیڑ کے چمڑے سے اچھا ہے اگر بکری کی ران کے گوشت میں کمی ہو تو وہ چربی میں پورا کر لیتی ہے جب اللہ تعالےٰ نے بھیڑ کا چمڑا نرم فرمایا تو اس کی کمی اس کی اون میں پوری فرما دی اور بکری کا چمڑا موٹا پیدا فرمایا تو اس کے بالوں میں کمی فرما دی۔ کذا فی حیوٰۃ الحیوان۔

ف: اللہ تعالےٰ نے ان جانوروں کو پیدا فرمایا تاکہ انسان ان کی چمڑے اور گوشت اور بالوں سے فائدہ اٹھائے۔

مسئلہ: مُردار جانور کی چربی سے انتفاع ناجائز ہے۔

حدیث شریف حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام الفتح فرماتے سُنا جب کہ آپ مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے کہ بے شک اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر کی بیع اور مُردار اور خنزیر اور بتوں کو حرام فرمایا ہے۔ عرض کی گئی کہ مُردار جانوروں کی چربی کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے جب کہ اس سے کشتیوں کے سوراخ بند کئے جاتے ہیں اور چمڑے رنگے جاتے ہیں اور اس سے دیا بنا کر روشنی حاصل کی جاتی ہے آپ نے فرمایا: وہ حرام ہے۔

فائدۂ صوفیانہ جیسے انسان سفر و حضر میں ان جانوروں اور ان کے متعلقات سے نفع حاصل کرتا ہے ایسے ہی سالک قوائے حیوانیہ اور حواس خمسہ سے بھی نفع پاتا ہے کہ ان کے ذریعے سے اسے سیر الی اللہ نصیب ہوتی ہے اس لئے کہ سالک کے لئے یہی اشیاء بمنزلہ سواریوں کے ہیں اور ان کے ذریعے سے سالک کو سیر الی اللہ کے لئے مدد ملتی ہے۔ کمال خجندی نے فرمایا: ؎

با کرم روئے واقف ایں راہ چنیں گفت
آہستہ کہ ایں رہ بدویدن نتواں یافت

ترجمہ: راہ حق کے چلنے والے واقف کار نے یونہی فرمایا ہے آہستہ چلو اس لئے کہ اس راستہ پر دوڑنا کام نہیں دیتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ اور اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے پیدا فرمائے جس میں تمہاری کارگذاری کو کوئی دخل نہیں ظِلٰلًا ظل کی جمع ہے ہر وہ شے جس سے سایہ حاصل کیا جائے یعنی وہ اشیاء جن کے ذریعے سے تم گرمی سے بچتے ہو جیسے بادل، درخت اور پہاڑ وغیرہ۔

ف: اللہ تعالےٰ نے ان اشیاء کا اس لئے احسان جتلایا کہ اس علاقہ میں گرمی کا غلبہ تھا۔

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا اور تمہارے لئے پہاڑوں کو اوڑھنیاں بنائیں اکنان، کن کی جمع ہے ہر وہ جگہ جہاں انسان چھپ کر بیٹھے جیسے غاریں، گڑھے اور سرداب وغیرہ۔

ف: حضرت عطاؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ ان معمولی چیزوں سے ان کے لئے احسان جتلایا حالانکہ اس کے ان سے بڑھے

عظیم اور احسانات بھی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ پہاڑوں میں زندگیاں بسر کرتے ان کے لئے یہی عظیم نعمتیں تھیں ان کی سمجھ کے مطابق ان کا ذکر فرمایا۔ وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ یہ سربال کی جمع ہے بمعنے اوڑھنی یعنے ہر وہ شے جو لباس کے طور پر استعمال کی جائے وہ روئی سے تیار کی جائے یا کتان سے یا صوف وغیرہ سے۔ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وہ تمہیں گرمی کے ضرر بچاتی ہیں۔

سوال: البرد (سردی) کا نام کیوں نہیں لیا گیا؟

جواب: اس کا ذکر گرمی کے ضمن میں آگیا اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ شے کی نقیض کا ذکر شے کے ضمن میں آجاتا ہے یا اس لئے کہ ان کے ہاں گرمی سے بچنے کی اہمیت زیادہ تھی کیونکہ وہ علاقے گرم تھے اس میں سردی چنداں ضرر رساں نہ تھی۔ ہاں! رومی علاقوں میں سردی سخت تر ہوتی ہے اسی لئے مشہور ہے کہ گرمی انسان کو صرف ضرر پہنچاتی ہے اور سردی مار دیتی ہے۔ حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عرب کی سردی معتدل ہے بخلاف ہمارے علاقوں کی سردی کے کہ وہ انسان کو قتل کر دیتی ہے۔

حدیث شریف حدیث میں ہے کہ بہار کی ٹھنڈک کو غنیمت جانو اس لئے کہ وہ تمہارے ابدان کو وہی فائدہ پہنچاتی ہے جو درختوں کو۔ اور خزاں کی سردی سے بچو اس لئے کہ تمہارے ابدان سے وہی کر گزرے گی جو درختوں سے کرتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

آں خزاں نزد خدا نفس و ہواست
عقل و جان عین بہارست و بقاست
مر ترا عقل است جزئی در جہان!
کامل العقلی بجو اندر جہان!
جزو تو از کل او کلی شود
عقل کل بر نفس خود چوں غلی شود
پس بتاویل ایں بود کانفاس پاک
چوں بہارست و حیات برگ تاک
از حدیث اولیا نرم و درشت!
تن مپوشان زانکہ دینت است پشت

گرم گوید سرد گوید خوش بگیر
تاز گرم و سرد بجهی و از سعیر
گرم و سردش نوبہار زندگیست
مایۂ صدق و یقین بندگیست
زانکہ زاں بستان جانہا زندہ است
زیں جواہر بحر دل آگندہ است

ترجمہ: خزاں سے مُراد نفس و ہوا ہے اور عقل و جان بہار اور بقا ہیں۔ تیرے اندر عقل جزوی ہے۔ جہاں میں عقل کلی کی جستجو کیجئے۔ تیرا جز کل سے مل کر عقلِ کلی بنتا ہے عقل نفس پر غلبہ پاتا ہے۔ انجام کار یہ ہے کہ پاک نفوس بہار کی طرح اور پتوں کی بقا ہیں۔ اولیاء کرام کی نرم گرم باتوں سے جسم کو نہ چھپا اس لئے کہ ان کے ملفوظات سے تیرا دین صحیح ہوگا۔ وہ گرم بات فرمائیں یا سرد تو انہیں خوشی سے لے لے تاکہ ان کے ملفوظات گرم و سرد کی برکت سے جہنم کی آگ سے نجات پا سکے ان کی گرمی اور سردی تازہ بہار اور زندگی کا سبب ہے بلکہ بندگی صدق و یقین کا سرمایہ ہے۔ اس لئے کہ اسی باغ سے روح زندہ ہیں انہی جواہر سے دل کا دریا پُر ہے۔

وَسَرَابِيلَ اور لوہے کی زرہیں۔ تَقِيكُمْ بَأْسَكُمْ تمہیں باس سے بچاتی ہیں۔ نیزوں اور تلواروں کے حملے جو جنگ کے وقت ہوتے ہیں انہیں باس کہا جاتا ہے نیز جنگ کی شدت اور قتل اور تلوار وغیرہ کے زخموں کو بھی بأس کہتے ہیں۔ (کذا فی التبیان)۔

سب سے پہلے زرہیں حضرت داؤد علیہ السلام نے بنائیں چنانچہ لوہا ان کے ہاتھوں میں موم کی طرح ہوجاتا تھا۔ کما قال اللہ تعالٰی۔ (والنالہ الحدید)

حکایت حضرت لقمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں کئی ماہ رہے اور انہیں زرہ بنتے دیکھتے رہے لیکن ان سے سوال نہ کیا۔ جب آپ نے اسے مکمل کرکے پہنا تو لقمان علیہ السلام نے فرمایا: اب پتہ چلا کہ یہ جنگ کا لباس ہے۔ ؎

چو لقمان دید کاندر دست داؤد
ہمی آہن بمعجز موم گردد
نہ پرسیدش چہ می سازی کہ دانست
کہ بے پرسیدنش معلوم گردد

ترجمہ: جب لقمان علیہ السلام نے دیکھا کہ داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا موم بن جاتا ہے آپ نے ان سے نہ

پوچھا کہ آپ کیا بتلاتے ہیں اس ارادہ پر کہ یہ پوچھے بغیر ہی معلوم ہو جائے گا۔

كَذٰلِكَ ان نعمتوں کے اتمام کی طرف جو ابھی مذکور ہوئی ہیں۔ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ اے قریشیو! اپنی نعمتیں تمہارے لئے مکمل کرتا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ اس ارادہ پر کہ تم فرمانبردار ہو جاؤ۔ اسلام بمعنے استسلام و انقیاد ہے اسے سبب کی جگہ پر لایا گیا ہے اس کا سبب نظر و فکر ہے اب معنے یہ ہوئے کہ ہم نے اس ارادہ پر مکمل نعمتیں ظاہری، باطنی، انفسی، آفاقی تمہیں عطا فرمائی ہیں تاکہ تم منعم حقیقی کا حق پہچان کر اس پر ایمان لاؤ اور بتوں کی پرستش ترک کر کے صرف ایک معبود حقیقی کے اوامر کے سامنے سر جھکاؤ۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا یہ فعل ماضی ہے یعنے اگر یہ لوگ اسلام سے روگردانی کریں اور آپ کی بیان کردہ دلیلیں اور عبرتیں اور نصیحتیں نہ مانیں۔

نکتہ: صیغہ تفعل میں اشارہ ہے کہ انسانی فطرت اولی کا تقاضا بھی یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ ہو اور غیر اللہ سے روگردانی کرے۔ اور ان امور کے لئے خصوصی ارادہ کی ضرورت ہے۔

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ تو آپ پر پیام پہنچانا ہے آپ کی جانب سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں سمجھی جائے گی اس لئے کہ آپ کا کام تبلیغ ہے اور آپ نے تبلیغ بطریق اتم کی ہے یہاں بھی سبب کے بجائے مسبب لایا گیا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ما نصیحت بجائے خود کردیم
روزگارے درین بسر بردیم
گر نیاید بگوش رغبت کس
بر رسولاں پیام باشد و بس

ترجمہ: ہم نے فریضہ نصیحت پورا کیا اور زندگی اسی میں بسر کردی۔ اگر کسی کو ہماری نصیحت کی طرف توجہ نہیں تو نہ ہو پیغام پہنچانے والوں کا کام ہے پیام پہنچانا اور بس۔

اور فرمایا: ؎

بگوے آنچہ دانی سخن سودمند
وگر ہیچ کس را نیاید پسند
کہ فردا پشیماں بر آرد خروش
کہ آوخ چرا حق نکردم بگوش

ترجمہ: تجھے جو شخص سودمند کہا کرتا ہے کہہ ڈال اگرچہ کسی کو وہ پسند نہ ہو تو نہ ہو۔ اس لئے کہ قیامت میں وہی پریشان ہو کر فریاد کر کے کہے گا کہ افسوس! میں نے فلاں کی بات کو نہ سنا۔

يَعْرِفُوْنَ بعض مشرکین پہچانتے نہیں۔ نِعْمَتَ اللّٰهِ اللہ تعالے کی ان نعمتوں کو جو اسی سورت میں مذکور ہوئیں اور وہ مانتے ہیں کہ واقعی یہی نعمتیں اللہ تعالے کی عطا کردہ ہیں۔ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا پھر انکار کر دیتے ہیں یعنے ان سے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جو انکار پر دلالت کرتے ہیں مثلاً بت پرستی کرتے ہیں حالانکہ انھیں اپنے منعم کے سامنے سر جھکانا تھا لیکن انھوں نے اس کے غیر کے سامنے سر جھکا دیا جب کہ اس نے ان کے سامنے سر جھکانے سے روکا اور پھر ان کی پرستش سے یہ سمجھا کہ یہ معبودان باطلہ معبودِ برحق کے ہاں ان کی سفارش کریں گے یا ان کی پرستش اور غلط سلط اسباب بتانے ہیں ثُمَّ اگرچہ بُعد مسافت کے لئے آتا ہے یہاں استبعاد انکار کی مناسبت سے لایا گیا کہ باوجودیکہ منعم کی نعمتوں کو پہچانتے بھی ہیں لیکن پھر بھی غیروں کی پرستش کر کے عملاً نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ اور ان کے اکثر دل سے منکر ہیں اور مذکورہ بالا نعمتوں کا اعتراف کرتے ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے۔ يعرفون نعمت الله آپ کو پہچاننے پر اللہ تعالے کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں۔ واكثرهم الكفرون اور ان سے اکثر آپ کا اور اللہ تعالے کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں جیسے اللہ تعالے سے بواسطہ نعمت نصیب ہو تو اس پر بھی شکر واجب ہے اس لئے کہ وہ واسطہ بھی اللہ تعالے کا بنایا ہوا ہے اگر غیر کا واسطہ سمجھ کر اسی غیر کا شکریہ ادا کیا یا سرے سے شکریہ نہ کیا گیا تو بہت سی نعمتوں سے محرومی ہوگی۔

ع

چو بیابی تو نعمتے در چند
خرد باشد چو نقطۂ موہوم
شکر آں یافتہ فرو مگداز
کہ زنا یافتہ شوی محروم

ترجمہ: جب تمہیں بہت سی نعمتیں نصیب ہوں تو وہ تجھے نقطۂ موہوم کی طرح معلوم ہوگا۔ ہر حاصل شدہ نعمت کا شکر ضروری ہے ورنہ نایافتہ نعمت سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔

ملفوظ سری سقطی رحمہ اللہ تعالے حضرت سری سقطی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ شکر تین طرح کا ہے:

(۱) شکر القلب
(۲) شکر البدن
(۳) شکر اللسان

قلب کا شکریہ ہے کہ بندہ دل سے یقین کرے کہ کل نعمتیں اللہ تعالے کی عطا کردہ ہیں اور بدن کا شکریہ ہے کہ بدن کے ہر عضو کو اللہ تعالے کی عبادت میں استعمال کرے اور زبان کا شکریہ ہے کہ حمد الٰہی پر مداومت کرے۔ (بقیہ صفحہ ۲۸۸ پر)

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ۝ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ ۖ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝

ترجمہ : اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے پھر کافر لوگوں کو نہ تو ان کو اجازت ہوگی اور نہ ہی اللہ تعالے کے راضی کرنے کے لئے منانے کی بات کی جائے گی۔ اور جب ظالم لوگ عذاب دیکھیں گے تو پھر نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی وہ مہلت دیئے جائیں گے۔ اور جب مشرک اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! یہی ہیں وہ ہمارے شریک جن کی ہم تیرے سوا پرستش کرتے تھے تو پھر وہ ان کی طرف متوجہ ہوکر کہیں گے کہ بے شک تم جھوٹے ہو۔ اور وہ لوگ اللہ تعالے کے حضور عاجزی سے گر پڑیں گے اور ان سے ان کی افترا بازیاں اوجھل ہو جائیں گی۔ اور جنھوں نے کفر کیا اور راہِ حق سے روکا ہم نے ان کا عذاب بر عذاب بڑھایا یہ بدلہ ہوگا ان کے فساد کا جو دنیا میں پھیلاتے تھے۔ اور جس دن کہ ہم ہر امت سے انھیں میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے جو ان پر گواہی دے اور آپ کو ان سب پر شاہد لائیں گے اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب اتاری جس میں ہر شے کا روشن بیان اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ ۲۸۷)

حکایت : حضرت عیسٰے علیہ السلام کا ایک دولت مند پر گذر ہوا اسے لے کر ایک تنگدست کے ہاں پہنچے اور فرمایا کہ یہ اسلامی بھائی ہے اور تجھے اللہ تعالے نے وسعت بخشی ہے تجھے اس پر شکر ادا کرنا لازم ہے اس کے بعد تنگدست کو مریض کے ہاں لے گئے اور فرمایا: بے شک تو تنگدست ہے لیکن بیمار تو نہیں اگر تو تنگدستی کے ساتھ بیمار بھی ہوتا تو تُو اللہ تعالے کا کیا کر سکتا تھا اسی لئے تجھے اپنی اسی حالت پر شکرِ حق ادا کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد مریض کو کافر کے ہاں لے گئے اور فرمایا کہ اگر تو تنگدست اور مریض اور کافر بھی ہوتا تو اللہ تعالے کا کیا کر سکتا تھا اسی لئے تجھے اللہ تعالے کا شکر لازم ہے۔

سبق: حضرت عیسٰے علیہ السلام نے ان سب کو مشاہدہ کرا کر اور اپنے سے کم مرتبہ کا حال دکھا کر شکر کی ہدایت کی اور انہیں متنبہ کیا کہ اللہ تعالٰے کی ہر دی ہوئی نعمت کا شکر لازم ہے اور نعمت کو ڈوہ رکھنا چاہیے ورنہ نعمت کا شکار ہونا پڑے گا جس سے ناشکری صادر ہوگی تو اسے بہت بڑے وبال میں مبتلا ہونا ہوگا۔

فائدہ: اللہ تعالٰے کے ساتھ کفر کرنا نعمت الٰہی کے کفر سے سخت تر ہے اسی لئے پہلا کفر کفرِ ثانی کو لازم ہے لیکن کفرانِ نعمت سے کفر باللہ لازم نہیں اس لئے بہت سے ناشکرے ہیں لیکن ہم انہیں کافر باللہ نہیں کہہ سکتے یہی وجہ ہے کہ کفرانِ نعمت اور ایمان باللہ کا اجتماع نہ صرف ممکن بلکہ بہت سے لوگوں میں موجود ہوتا ہے۔ اسی لئے فرمایا:

وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون۔

اور ان سے اکثر اللہ تعالٰے پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ وہ مشرک ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ قلیل لوگ ہیں جو اللہ تعالٰے پر ایمان لاتے ہیں ان میں سے موحد وہ مؤمن ہے جو صدقاً وحقاً ایمان لاتے ہیں یہی لوگ مخلص ومصلح ہیں۔

(تفسیر آیات صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ وَيَوْمَ نَبْعَثُ اور اے افضل الرسل صلے اللہ علیہ وسلم یوم قیامت کو یاد فرمائیں کہ ہم اٹھائیں گے۔ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ ہر گروہ سے شَهِيدًا نبی جو اپنی اپنی امت کے ایمان واطاعت اور کفر ومعصیت کی شہادت دیں گے۔ ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا پھر کافروں کو معذرت کی اجازت نہ ہوگی اس لئے کہ وہ معذرت کا دن نہیں۔

ف: انسان کی ایسی سوچ بچار کہ جس سے اس کا گناہ محو ہو مثلاً کہے کہ میں نے یہ فعل سرے سے کیا نہیں یا کہے کہ یہ کام اس لئے کیا تھا یا کہے کہ میں نے یہ کام کیا تھا لیکن آئندہ نہیں کروں گا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے امور کو عربی میں العذر کہا جاتا ہے اور ثُمَّ سے ثابت ہوتا ہے کہ معذرت کی اجازت کی نفی میں اشارہ ہے کہ انہیں قیامت میں رحمتِ حق سے بالکل مایوسی اور ناامیدی ہوگی یہ اخسأوا فیہا ولا تکلمون (جاؤ جہنم میں پڑے رہو میرے ساتھ پھر کوئی بات نہ کرنا) کے اعلان کے بعد ہوگا۔ نیز کفار کے لئے سخت ابتلا یہی ہوگا جب کہ انبیاء علیہم السلام ان پر گواہی دیں گے۔ اس کے معنے پر یہ ثُمَّ تراخی رتبی کے لئے ہوگا۔

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ○ اور نہ ہی ان کو رضامندی کی امید دی جائے گی مثلاً کہا جائے گا کہ جاؤ رب تعالٰے کو راضی کرلو۔ یہ العتبیٰ یعنے الرضی سے مشتق ہے اس معنے پر لا یستعتبون یعنے لا یطلب منھم ما یوجب العتبیٰ ای الرضی ہے (یعنے ان سے اس فعل کا مطالبہ کیا جائے گا جو رضامندی کا موجب ہو) وہ اس لئے کہ رضامندی ایمان وعمل صالح سے ہوتی ہے اور آخرت میں ایمان وعمل صالح کہاں وہ تو جزا کا گھر ہے وہاں عمل اور تکلیف بالایمان نہ ہوگا۔ اس دنیا کو اسی دار آخرت کی کھیتی مقرر کیا گیا تھا جو بیج زمین خراب ہو اور جس میں قبول تربیت کی استعداد بھی باطل ہو وہ انگوری کس کام کی اور

کاٹتے وقت کھیت کیا فائدہ دے اور کسان کو اس سے کب منافع حاصل ہوں گے جب کھیتی کے اسباب ہی غلط تھے اور بیج ہی خراب تھا تو پھر کھیتی کے پکنے کی امید کیسی۔ (ایسے ہی) انہی ارواح کا حال ہے یہ اجسام میں بمنزلہ بیج کے ہیں اُن کا اگانا اور ان کی تربیت کرنا اور ثمرہ نکالنا اعمال شرع کا کام ہے جب کہ ایمان باللہ کے ساتھ ہوں اور ان کا فاسد و باطل اور خراب کرنا کفر اور اعمال طبعیہ یعنی خواہش نفسانی کے مطابق اعمال کا کام ہے یاد رہے کہ یہ کھیتی موت کے وقت کاٹی جاتی ہے اور قیامت کے دن صاف کر کے اٹھائی جائے گی۔

حافظ نے فرمایا: ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت برآورد
روزیکہ رخت جان بجہان دگر کشیم

ترجمہ: ابھی ہم اپنا کام بنالیں ورنہ سخت شرمساری ہوگی جب ہم اس جہان سے دوسرے جہان سے دوسرے جہان کی طرف سامان لے جائیں گے۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ اور ظالم یعنی کافر لوگ دیکھیں گے۔ ظَلَمُوا الْعَذَابَ اسی عذاب کو جو ظلم کی وجہ سے ان پر واجب ہوا (اس سے جہنم کا عذاب مراد ہے) تو چیخیں گے اور جہنم کے داروغے سے تخفیف کا سوال کریں گے لیکن فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ جہنم میں داخل ہونے کے بعد ان کے عذاب کی تخفیف نہ ہوگی۔ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۝ اور نہ ہی وہ مہلت دیئے جائیں گے تاکہ تھوڑی دیر کے لئے دم نکال لیں بلکہ ہر وقت عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

قاعدہ جس نے ایمان کی بجائے کفر اور اعمال شریعت کے بجائے اعمال طبعیہ کو ترجیح دی تو اس سے اخلاق ذمیمہ کا بوجھ ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ ہی اسے اخلاق ذمیمہ کو دور کر کے اخلاق حمیدہ حاصل کرنے کی مہلت نصیب ہوگی۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ اور جب مشرک لوگ اپنے بتوں کو دیکھیں گے۔ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا تو کہیں گے کہ اے اللہ! یہی ہمارے معبود ہیں جنھیں ہم نے تیرا شریک بنایا تھا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِن دُونِكَ جن کی ہم پرستش کرتے تھے تیری عبادت سے متجاوز ہو کر۔

ف: یہاں مشرکین اور کفار اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں گے اور چاہیں گے کہ عذاب میں ان کے ساتھ ان کے معبودوں کو شریک کیا جائے۔

فَأَلْقَوْا اس کا فاعل ان کے معبودان باطلہ ہیں اور کہا جاتا ہے:

القیت الی فلان کذا بمعنی قلت یعنی ان کے بت کافروں کو جواب دیں گے وہ اس لئے کہ اللہ تعالے انھیں بولنے کی توفیق بخشے گا اسی لئے وہ بت اپنے پرستاروں کی تکذیب کرتے ہوئے کہیں گے إِنَّكُمْ بے شک تم اے مشرکو! لَكَاذِبُونَ ۝ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہو جب کہ ہمارے متعلق کہتے ہو کہ ہم اللہ تعالے کے شریک ہیں۔ اس لئے کہ

: ہم نے تمھیں اپنی پرستش کا حکم دیا بلکہ ہم تو اللہ تعالےٰ کی تسبیح و طاعت میں مشغول تھے اور ہمارا تمھارے ساتھ کوئی واسطہ نہیں تھا اور نہ ہی تمھارے احوال سے کوئی شغل رکھتے تھے۔

جس طرح اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

وان من شیء الا یسبح بحمدہ

وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ اور مشرکین اللہ تعالےٰ کے سامنے آج کے دن سر جھکاویں گے اور عرض کریں گے کہ ہم تیرے حکم کے بندے ہیں حالانکہ دنیا میں تو سخت اکڑے رہے۔

چوں کار ز دست رفت فریاد چہ سود

جب کام ہاتھ سے نکل جائے تو پھر فریاد کا کیا فائدہ۔

وَضَلَّ عَنْهُمْ اور ضائع اور باطل ہو جائے گا مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ○ وہ جو افترا کرتے تھے مثلاً کہتے کہ اللہ تعالےٰ کے شریک نہیں اور وہی ان کی مدد اور سفارش کریں گے۔ یہ انقیاد و استسلام اس وقت ہوگا جب بت اپنے پرستاروں کی تکذیب اور ان سے برأت کا اظہار کریں گے۔ الَّذِينَ كَفَرُوا وہ لوگ جو خود بھی کافر تھے۔ وَصَدُّوا اور دوسروں کو بھی روکتے تھے۔ عَن سَبِيلِ اللَّهِ اللہ تعالےٰ کے راستے سے یعنی دوسروں کو اسلام سے روکتے اور کفر پر ابھارتے تھے زِدْنَاهُمْ عَذَابًا ان کے راہ حق کے روکنے کی وجہ سے ہم ان کا عذاب بڑھائیں۔ فَوْقَ الْعَذَابِ عذاب بعذاب کیونکہ وہ بوجہ کفر کے ایسے شدید عذاب کے مستحق تھے۔ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ○ یعنے ان کے عذاب کا اضافہ ان کے کفر پر استمرار اور دائمی فساد کی وجہ سے ہوگا۔ فساد سے راہ حق سے روکنا مراد ہے۔

عذاب کی کیفیت

(۱) حضرت ابن جبیر نے فرمایا کہ عذاب کی زیادتی سے مراد یہ ہے کہ جہنم میں ان کے لئے بچھو خچر کے برابر اور سانپ بختی اونٹ کے برابر ہوں گے اس کے ایک ڈنس سے چالیس سال تک بخار رہے گا۔

(۲) مروی ہے کہ ایک ہزار سال تک اللہ تعالےٰ سے بارش کا سوال کرتے رہیں گے تاکہ بارش سے ہی دوزخ کی گرمی دور کر سکیں بالآخر ہزار سال کے بعد بادل نمودار ہوگا اس سے ان کا گمان ہوگا کہ ابھی بارش نصیب ہوگی لیکن جونہی بادل سے سانپ اور بچھو ان پر برسیں گے جس سے ان کے عذاب میں اور اضافہ ہو جائے گا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جہاں سے خیر کی امید ہو وہاں سے خیر کی بجائے شر حاصل ہو تو انسان پر صدمہ بڑھ جاتا ہے۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ اور حضرت مقاتل نے فرمایا کہ پگھلے ہوئے تانبے سے آگ کی پانچ نہریں عرش معلےٰ کے نیچے سے جہنمیوں کے عذاب کے لئے جاری ہوں گی جہنمیوں کو تین نہروں میں دنیا بھر کی راتوں کی مقدار اور دو نہروں میں دنیا بھر کے

دونوں کے برابر عذاب میں رکھا جائے گا۔

نکتہ صاحب روح البیان (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ نہروں کے پانچ کے عدد میں نکتہ یہ ہے کہ پانچ ارکان اسلام یا پانچ نمازیں انسان کی تطہیر باطن کے لئے کافی ہیں اور اس میں اشارہ یہ ہے کہ جس نے ارکان اسلام اور صلوات خمسہ کو ضائع کیا تو انہیں ان پانچ نہروں کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اس لئے کہ اللہ تعالٰے کے ہاں ہر عمل کی جزاء و سزا مکمل ہے۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ پہلے یوم نبعث پر عطف ہے اور اس کا تکرار صرف تنبیہ کے لئے ہے۔ فِي كُلِّ أُمَّةٍ اے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم! اس دن کو یاد کیجئے کہ ہم ہر امت میں کھڑا کریں گے۔ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ ان پر ان کے نبی علیہ السلام کو گواہ بنا کر۔ مِنْ أَنْفُسِهِمْ جو ان کے نفسوں یعنے ان کی جنس سے ہوں گے تاکہ عذر نہ کر سکیں کہ دنیا میں ہمارے ہاں کوئی نبی نہیں آیا حالانکہ اللہ تعالٰے نے ہر امت میں نہ صرف ان کی جنس بلکہ اکثر ان کی برادری اور اپنی قوم کا نبی بھیجا مثلاً لوط علیہ السلام یہ اگرچہ باہر سے تشریف لائے لیکن ان لوگوں کے ہاں نکاح کیا اور پھر ان میں زندگی بسر فرمائی اس معنے پر یہ بھی انہی کی جنس اور اسی قوم سے شمار ہوئے۔

ف: لفظ علیھم سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ان کے سامنے اور ان کی موجودگی میں گواہی دیں گے۔

وَجِئْنَا بِكَ اور اے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کو لائیں گے۔ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ گواہ ان امتوں اور ان کے گواہوں (انبیاء علیہم السلام) پر گواہ بنا کر اس طرح کا مضمون اذا جئنا من کل امة بشھید وجئنا بك علی ھولاء شھیدا میں گذرا ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ اور ہم نے آپ پر کامل کتاب نازل فرمائی یعنے وہ کتاب جو کتابت حقیقی میں کامل ہے کہ مطلقاً اگر کوئی کتاب ہے تو یہی ہے اس سے قرآن مجید مُراد ہے۔ تِبْيَانًا اس میں مکمل بیان ہے لِكُلِّ شَيْءٍ ہر ان جملہ امور کا جو دین سے متعلق ہیں اور انہی امور میں سابقہ امتوں اور ان کے انبیاء علیہم السلام کا بیان بھی ہے۔

سوال: قرآن مجید میں تمام مسائل کے بیان کا واضح دعویٰ ہے حالانکہ بہت سے احکام قرآن مجید میں بیان نہیں ہوئے پھر علے الاطلاق یہ دعویٰ کیسے۔ کیا یہی وجہ ہے کہ بہت سے مسائل میں علماء کا اختلاف ہے اور تا قیامت رہے گا؟

جواب: تبیانا لکل شیء کا مطلب یہ ہے کہ بعض مسائل قرآن مجید میں واضح ہیں اور بعض کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کیا گیا چنانچہ بہت سی آیات میں قرآن مجید نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع و اطاعت کا حکم فرمایا ہے اور واضح طور پر فرمایا ہے کہ قول نبی قول حق ہے۔

کما قال تعالٰے:

وما ینطق عن الھوٰی

نیز بعض مسائل کو اجماع کے سپرد فرمایا یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع سے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا چنانچہ اپنی امت سے صحابہ کے لئے فرمایا:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھدیتم

میرے صحابہ ہدایت کے ستارے ہیں ان میں جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین وائمہ مجتہدین رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین نے مسائل اختلافیہ میں اجتہاد فرمایا اور اجتہاد کے طریقے بتائے اس معنے پر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع اور قیاس امت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی تبیانا لکل شیء کے حکم میں داخل ہو کر مستند ہوں گے اس معنے پر تبیانا لکل شیء کے عموم میں فرق نہیں آتا اگرچہ بعض مسائل پردۂ خفا میں ہیں۔ وَّهُدًى اور کامل فی الہدایۃ من الضلالۃ یعنے کتاب گمراہی سے بچا کر مکمل طور پر ہدایت بخش ہے۔ وَّرَحْمَةً اور کل عالم کے لئے رحمت ہے اور کافروں کا اس سے فائدہ نہ اٹھانا ان کی اپنی کمی ہے اس سے کتاب کے رحمت ہونے میں فرق نہیں پڑتا۔ وَّبُشْرٰى اور بہشت کی بشارت دینے والی کتاب ہے۔ لِلْمُسْلِمِيْنَ مسلمانوں کو۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ کتاب میں سالک کی سیرالی اللہ کے جمیع مایحتاج الیہ کا کامل بیان ہے یہاں تک کہ راہ حق سالک کو مقام کمال تک پہنچاتی ہے اور یہ کتاب ہادی ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کے ذریعے سے اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے اپنے ہاں پہنچاتا ہے! ور خوشخبری دینے والی ہے ہر اس بندے کو جو اللہ تعالےٰ کے لئے گردن جھکا دیتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع فرمان کو تو مقام کمال اور حضرت جلال کا راستہ دکھاتی ہے جیسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے ذریعے سے ان مقامات تک پہنچے ایسے ہی ان کے تابع فرمان کو وہی مقامات نصیب ہوتے ہیں اور ایسا شخص لسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب کا بیان حاصل کرتا ہے اسے غیر سے سمجھنے اور پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث کامل پر جو الہامات ہوتے ہیں وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و ارشاد کی برکت سے ہوتے ہیں ایسے ہی ہر وہ شخص جو اپنے مربی و مُحسن کے سامنے سر جھکائے اور ان کے فرمان پر چلے اور میت کی طرح بن جائے تو وہ اُدناس بشریہ سے پاک ہو کر راہ ہدایت پاتا ہے بلکہ عارفین کے درجات سے فائز ہو جاتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

من بسر منزل عنقانہ بخود بردم راہ
قطع این مرحلہ با مُرغ سلیمان کردم

ترجمہ: میں اپنے محبوب کی منزل تک از خود نہیں پہنچا بلکہ مجھے اپنے رہبر کامل اور مرشد برحق نے وہاں تک

۔ بقیہ صفحہ ۲۹۵

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ
يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا
وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا
مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ
اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَلَتُسْــَٔـلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا
السُّوْۗءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ
اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ
بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ مَنْ عَمِلَ
صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ
بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ
عَلَي الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝

ترجمہ : بے شک اللہ تعالے تمھیں انصاف اور احسان اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم فرماتا ہے اور تمھیں بے حیائی اور بُری بات اور سرکشی سے روکتا ہے تمھیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم نصیحت قبول کرو۔ اور تم اللہ تعالے کا عہد پورا کرو جب اسے اپنے ذمہ لگا لو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو اور اللہ تعالے کو اپنے اوپر ضامن بنا چکے ہو بے شک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور تم اس عورت کی طرح نہ ہو جس نے اپنا سوت پختہ کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اپنی قسمیں آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بناتے ہو کہ کہیں ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ نہ ہو اس سے تو اللہ تعالے تمھاری آزمائش فرماتا ہے اور جن باتوں میں جھگڑتے ہو قیامت میں وہ ضرور تم پر ظاہر فرمائے گا۔ اور اگر اللہ تعالے چاہتا تو تمھیں ایک ہی امت بنا دیتا لیکن جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے اور بالضرور تم سے تمھارے کردار کے متعلق سوال کرے گا۔ اور اپنی قسموں کو آپس میں حیلہ بہانہ نہ بناؤ کہ کہیں کوئی قدم جمنے کے بعد پھسل نہ جائے اور تمھیں راہ حق سے روکنے کی سزا میں بُرائی کا مزہ چکھنا پڑے اور تمھیں بڑا عذاب ہو۔ اور اللہ تعالے کے عہد کے عوض تھوڑے دام نہ لو بے شک وہ جو اللہ تعالے کے ہاں ہے وہ تمھارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ جو تمھارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ تعالے کے پاس ہے وہ ہمیشہ رہنے والا ہے اور بے شک صبر کرنے والوں کو

ہم ان کے بہتر اعمال کے عوض ضرور اجر عطا فرمائیں گے۔ جو نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم ضرور اسے بہتر زندگی عطا فرمائیں گے اور ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر بخشے گا۔ تو جب تم قرآن مجید پڑھو تو شیطان مردود سے پناہ مانگو۔ بے شک اس کا ان پر تسلط نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالےٰ پر ایمان لاتے اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔ ہاں ان پر اس کا تسلط ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرتے ہیں۔

(بقیہ تفسیر گذشتہ صفحہ ۲۹۴)

پہنچایا ہے۔

قرآن مجید اہلِ شریعت و اہلِ حقیقت ہر دونوں کو کفایت کرتا ہے جو اس کی تصریحات و اشارات پہ چلتا ہے وہ ہر دکھ اور پریشانی سے محفوظ ہو جاتا ہے اور جو اس سے ہٹ کر اپنی راہ چلتا اور نفس کا بندہ بن جاتا ہے وہ اللہ تعالےٰ سے دُور بلکہ اس کے رنج اور غضب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

ف: حضرت سہل بن عبد اللہ رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ دین کے دو ارکان ہیں:

(۱) تمسک بکتاب اللہ

(۲) اقتداء بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ف: حضرت ابو یزید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ چھ چیزیں ساتوں اعضاء کی حفاظت کرتی ہیں۔

(۱) علم پر عمل کرنا

(۲) حسنِ ادب

(۳) محاسبۂ نفس

(۴) حفظ لسان

(۵) کثرت عبادت

(۶) اتباع سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

ف: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ تعالےٰ سے ملنے کے راستے ہر طرف سے بند ہیں سوائے اتباع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کے۔

(تفسیر آیات گذشتہ)

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بے شک اللہ تعالےٰ حکم فرماتا ہے قرآن میں۔ بِالْعَدْلِ عدل کا یعنی اپنے نفسوں پر ظلم کرو اور نہ دوسروں کو اپنے ظلم کا نشانہ بناؤ بلکہ آپس میں حقوق کو برابر رکھو اور ہر صاحب حق کا حق ادا کرو یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ تمہیں ہر معاملہ میں میانہ روی کا حکم فرماتا ہے اعتقادیات میں توحید کے متعلق تعطیل و تشرک کے درمیان رہو اور قدر جبر سے بچ کر کسب و اختیار پر چلو نہ یوں کہو کہ اللہ تعالےٰ بندے سے گناہوں کا بدلہ نہ لے گا اور نہ یہ کہو کہ وہ گناہوں کی وجہ سے جہنم کے دائمی عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ تمام اعتقادیات میں اہلسنت وجماعت کا مذہب حق اختیار کرو اور عبادات میں بھی میانہ روی پر چلو نہ تو ادائیگی فرائض اور واجبات کا بالکل ترک ہو اور نہ بالکل رہبانیت اختیار کرو۔ اسی طرح عادات میں سخاوت اختیار کرو نہ بخل سے کام لو اور نہ فضول خرچ بنو اسی طرح شجاعت میں نہ ہر ایک پر حملہ آور رہو اور نہ بزدلی اختیار کرو۔ اسی لئے ضروری ہے کہ بندہ ہر معاملہ میں میانہ روی کے مسائل سیکھے اور اس پر عمل کرے یہی وجہ ہے کہ میانہ روی ممدوح اور افراط و تفریط مذموم ہے۔

حدیث شریف کسی نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو رہبانیت اختیار کر دوں اور صائم الدہر رہوں اور ساری رات عبادت کروں۔ آپ نے اظہار ناراضگی فرما کر فرمایا کہ تیرے نفس کا اور تیری زوجہ کا اور تیرے ملاقاتیوں کا تیرے اوپر حق ہے اسی لئے چند دن روزے بھی رکھو اور چند دن روزے کے بغیر گذارو رات کو کچھ دیر عبادت کرو اور رات کا کچھ حصہ آرام کرو۔

حدیث شریف ایک دفعہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جہر سے قرآن مجید پڑھتے سنا تو فرمایا یہ کیوں؟ انھوں نے عرض کی کہ نیند والوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تھوڑا سا آہستہ پڑھیئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے تو انھیں بالکل آہستہ پڑھتے سنا۔ آپ نے ان سے پوچھا یہ کیوں؟ انھوں نے عرض کی کہ جس سے مناجات کر رہا ہوں صرف اسے سنا رہا ہوں آپ نے فرمایا تھوڑا سا آواز بلند کر کے پڑھیئے۔

مسئلہ نماز کے امام کو چاہیئے کہ وہ نہ ضرورت سے زیادہ زور سے پڑھے اور نہ ہی اتنا پست آواز سے کہ اس کی تلاوت سے لوگوں کو اشتباہ ہو۔ درمیانی آواز سے تلاوت کرنی چاہیئے۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عدل یہ ہے کہ آلات جسمانیہ اور روحانیہ اور اموال دنیویہ اور شرائع دین واعمال صالحہ کو اللہ تعالےٰ کی طلب اور اس کے پہچاننے میں صرف کرے اس لئے انھیں غیر اللہ کی طلب میں صرف کرنا ظلم ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کار عشق ز ما این قدر نمی آید

ترجمہ : افسوس! کہ عمر و مال کو دوست کے لئے فدا نہ کرسکے افسوس! کہ ہمیں راہ عشق میں بھی نہ ہوسکا ۔

وَالْاِحْسَانِ اور اپنے تمام اعمال میں احسان کا حکم فرماتا ہے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے ہر شے میں احسان کا حکم فرمایا ہے ۔

ف : حضرت فضیل سے منقول ہے انھوں نے فرمایا کہ اگر کسی نے ہر ایک کے ساتھ ہر معاملہ میں احسان کیا لیکن معمولی سی خامی ہوئی مثلاً گھر کی مرغی کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا تو صوفیاء کے نزدیک وہ شخص محسنین سے نہیں ۔

حدیث شریف و حکایت مروی ہے کہ ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب ہوا جب کہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا جس سے وہ بے چاری کھا پی نہ سکی یہاں تک کہ مر گئی ۔ اور دوسری ، ایک عورت پر اللہ تعالےٰ نے رحم فرما کر بخش دیا صرف اس نیکی کی وجہ سے کہ اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا ۔

حکایت حضرت شبلی رحمہ اللہ تعالےٰ بغداد کے کسی کوچے سے گزرے ، دیکھا کہ ایک بلی سردی سے مر رہی ہے ، آپ نے اسے اپنی آستین میں چھپالیا ۔ اس وجہ سے اللہ تعالےٰ نے انھیں اپنا ولی بنایا اور بہت بڑے مراتب و درجات عطا فرمائے ۔

مسئلہ : کسی کے جرائم سے درگذر کرنا اور برائی کرنے والے کے ساتھ احسان کرنا بھی اسی آیت کے حکم میں ہے ۔

؎

ہر کہ سنگت دہد ثمر بخشش

ترجمہ : جو تمہیں پتھر مارتا ہے تو اسے ثمر (پھل) عطا فرما ۔

مسئلہ : اوامر و نواہی اور ادائے نوافل پر صبر کرنا بھی اسی میں شامل ہے ۔ فرض میں کسی قسم کی خامی اور کمی ہوتی ہے تو ان کی تکمیل نوافل سے ہوتی ہے ۔

حدیث شریف (۱) نوافل کو اچھا کر کے پڑھا کرو اس لئے کہ ان سے ہی تمہارے فرائض کی تکمیل ہوتی ہے ۔

حدیث شریف (۲) مرفوع روایت ہے کہ نوافل مؤمن کا ہدیہ ہے جو انھیں اللہ تعالےٰ کے اپنے ہدیہ کو اچھا اور بہتر کر کے پیش کرو ۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

احسان کا صوفیانہ معنی صوفیاء کرام کے نزدیک احسان مشاہدہ کو کہا جاتا ہے چنانچہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

احسان یہ ہے کہ عبادت کرتے وقت یقین کرو کہ گویا تم اللہ تعالےٰ کو دیکھ رہے ہو اگر اسے دیکھ نہیں سکتے تو یہ تصور تو ہو

کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

ازالۂ وہم مشاہدہ ان ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کا نام نہیں بلکہ وہ ایک کیفیت ہے جو انسان کو اعراض ماسوی اللہ اور توجہ تام الی حضرۃ اللہ ایسے طور حاصل ہو کر اس کے قلب ولسان بلکہ ارادہ تک ذات حق کے سوا اور کچھ نہ ہو اور مشاہدہ سے اسے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ یہ کیفیت بصیرۃ کو نصیب ہوتی ہے اور بصیرۃ کو مشاہدہ حق ہوتا ہے اسی مناسبت سے اسے مشاہدہ (بصری) سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ بعض عارفین نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:

ع

خیالک فی عینی وذکرک فی فمی

وحبک فی قلبی فاین تغیب

ترجمہ: تیرا خیال میری آنکھ میں اور تیرا ذکر میری زبان پر اور تیرا عشق میرے قلب میں پھر تم مجھ سے کیسے چھپ سکتے ہو۔ (کذا فی الرسالۃ الرومیہ)

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ احسان یہ ہے کہ جیسے تجھے اللہ تعالےٰ عطیات سے نوازا اور اپنے لطف وکرم سے تجھے راہ ہدایت دکھائی ایسے ہی تم اس کی مخلوق کو سیدھے راستے پر چلانے کی جدوجہد کرو تاکہ انھیں بھی وصال ووصول نصیب ہو چنانچہ اس معنے پر واحسن کما احسن اللہ الیک دلالت کرتا ہے۔ نیز یہ بھی ہے کہ عدل بمعنے اعراض ماسوی اللہ اور احسان بمعنے اقبال علے اللہ ہے۔

وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی القربیٰ بمعنے القرابۃ ہے یعنے ذوی القربیٰ کو ضرورت کی چیزیں مال وغیرہ دینے کا حکم فرماتا ہے

مسئلہ: ان کے لئے دعائے خیر کرنا بھی احسان میں شامل ہے۔

سوال: جب احسان کا حکم عام تھا تو پھر ذی القربیٰ کو علیحدہ ذکر کرنے کا کیا معنی؟

جواب: صلہ رحمی کی جلالت شان کے پیش نظر اسے خصوصیت سے علیحدہ ذکر کیا گیا تاکہ اس کی فضیلت پر تنبیہ ہو جیسے تنزل الملائکۃ والروح میں روح کو علیحدہ ذکر کرنے میں اس کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے حالانکہ الروح تو الملائکۃ میں داخل تھا۔

مسئلہ: ذی رحم سے یہاں ہر طرح کا رشتہ مراد ہے محرم ہو یا غیر محرم وارث ہو یا غیر وارث جیسے چچا اور ماموں اور پھوپھی اور ان کی اولاد وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ: قطع رحمی حرام ہے اور غضب حق کا موجب ہے اور قطع رحمی کرنے والے کے گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

مسئلہ: صلہ رحمی واجب ہے اس سے رزق و عمر میں بہت اور جلد تر برکت نصیب ہوتی ہے۔

مسئلہ: قطع رحمی کا معنی یہ ہے کہ ان کی ملاقات اور ہدایا بھیجنا اور ان کی قولی و فعلی امداد ترک کی جائے اور انھیں کسی معاملہ میں نہ بھولے اور صلہ رحمی کا ادنیٰ درجہ ان کو السلام علیکم کہنا اور دور ہو تو سلام بھیجنا انھیں خط لکھنا اور خطوط وغیرہ لکھنے کا کوئی وقت مقرر نہیں یہ عرف و عادت پر منحصر ہے۔ (کذا فی شرح الطریقہ)

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ توحید و محبت خدا کا نام عدل ہے اور عشق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان پر درود شریف بھیجنے کا نام احسان ہے اور اہل بیت و صحابہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ایتائ ذی القربیٰ ہے۔

(کذا فی فصوص عبدالوہاب)

فائدہ صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انسان کا زیادہ قریبی رشتہ اپنے نفس کا ہے اس کے ساتھ صلہ رحمی کا یہ معنے ہے کہ اسے تباہیوں سے بچا کر مالک الملک کے قریب تر بنا دے۔

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ اور اللہ تعالیٰ فحشاء سے روکتا ہے۔ فحشاء ہر وہ گناہ ہے جو قبح میں مشہور ہے جیسے کذب بہتان، شرعی امور کی اہانت، زنا، لواطت وغیرہ۔

فائدہ صوفیانہ: صوفیاء کرام کے نزدیک فحشاء سے وہ امور مراد ہیں جو سالک کو اللہ تعالیٰ سے صاحب اور اس کی ذات سے منقطع کرنے والے از قسم مال ہوں یا اولاد وغیرہ اسی لئے کہ انقطاع عن اللہ سے اور کوئی قبیح تر فعل نہیں اسی طرح وہ امور جو انقطاع عن اللہ کے اسباب ہوں وہ بھی فحشاء میں داخل ہیں اس لئے کہ جو شے قبیح تر فعل کا سبب ہے وہ بھی قبیح تر ہے۔ (العیاذ باللہ) **وَالْمُنْكَرِ** اور برائی سے روکتا ہے اور ان امور سے بھی روکتا ہے جنھیں نفوس زاکیہ برا اور ناپسند سمجھتے ہیں۔

(کذا فی بحر العلوم)

یا المنکر سے شرک یا وہ افعال مراد ہیں جو شرع و سنۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں نہیں اسی سے امراد علی الذنوب یا وہ امور مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہیں۔

فائدہ صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ المنکر سے اہل حق کو گمراہ کرنا اور بدعات (سیئہ) کی ایجاد اور فتنہ و فساد پھیلانا مراد ہے جیسے ہمارے دور میں لوگوں نے ہزاروں بدعتیں (سیئہ) اور لاکھوں فتنے اور فسادات پھیلا رکھے ہیں بالخصوص جاہل صوفی ان امور میں اوّل نمبر ہیں۔[1]

(ہم نے بارہا کہا ہے کہ بدعات سے بدعات سیئہ مراد ہیں اور مزید تفصیل فقیر اویسی کی کتاب العصمۃ عن البدعۃ کا مطالعہ کیجئے۔ اور جاہل صوفی سے وہ لوگ مراد ہیں جو تصوف کے پردے میں شریعت مطہرہ کی توہین کرتے اور اپنے جاہل مریدوں کو کہتے ہیں کہ شریعت اور ہے اور طریقت شئے دیگر۔ اسی لئے وہ خود شریعت کے امور کے خلاف کر کے جاہل مریدوں

---

[1] فقیر کا رسالہ "تحقۃ الدرر" دیکھئے (اویسی غفرلہ)

کو تاثر دیتے ہیں کہ وہ جو کچھ خلاف شرع کر رہے ہیں یہی طریقت ہے۔ ایسے جاہل صوفی اور گمراہ پیر خود بھی جہنم کا ایندھن ہیں اور مریدوں کو بھی لے ڈوبیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محبوب مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبوب شریعت سے محبت اور اس پر چلنے کی توفیق بخشے[له] (آمین)

وَالْبَغْيِ اور بغی وظلم اور لوگوں پر حملہ آوری اور ان پر بلا سبب زیادتی اور ان کے عیوب کے تجسس اور ان کی غیبت اور ان پر طعن وتشنیع اور تجاوز عن الحق الی الباطل وغیرہ سے اللہ تعالیٰ روکتا ہے۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ البغی سے نفس کی صفات کا وہ حملہ مراد ہے جس سے خلق خدا کو نقصان ضرر اور اذیت پہنچے اسی لئے سالک پر لازم ہے کہ نفس کو قوتِ ریاضت سے دبائے تاکہ سلوک کے قواعد آسانی سے ادا ہو سکیں اس لئے کہ انسان کا بدترین دشمن اس کا اپنا نفس ہے۔

ے

این سگ نفس شوم و بدکاره
کہ در آغوش تست همواره
بدتر قاصد یست جان ترا!
می خوره مغز استخوان ترا
پیشتر گر ترا به بند د چست
محکمش بند کن کہ دشمن تست

ترجمہ: یہ کتا نفس شوم اور بدکار ہے طرفہ یہ کہ وہ ہر وقت تیری آغوش میں ہے یہ تیری جان کا سب سے بڑا دشمن ہے تیری ہڈیوں کا مغز کھا رہا ہے قبل اس کے کہ وہ تجھے اپنی گرفت میں لے۔ تم ہی اسے مضبوط جکڑ لو کیونکہ یہی تیرا سخت اور بدترین دشمن ہے۔

لطائف التقریر میں اسی آیت کے تحت لکھا ہے کہ ملک کو تین چیزیں مستحکم اور مضبوط رکھتی ہیں اور تین چیزیں برباد اور تباہ کرتی ہیں:

(۱) عدل سے دشمنوں پر فتح ونصرت

(۲) رعایا وغیرہ پر احسان ومروت

(۳) ثنا و مدح اور صلہ رحمی سے انس والفت نصیب ہوگی اور فحشاء سے دین کا فساد اور منکر سے دشمن کا حملہ اور بغی

له: اضافہ از اویسی غفرلہ۔

سے ہر آرزو سے محرومی حاصل ہوگی۔

يَعِظُكُمْ اللہ تعالیٰ تمہیں ان امور مستحسنہ پر عمل کرنے اور امور مستقبحہ سے بچنے کی نصیحت فرماتا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○ اس ارادہ پر کہ تم نصیحت پکڑو اور اوامر پر عمل کرو اور نواہی سے بچو۔

ف: اللہ تعالیٰ نے آیت ہٰذا میں تین امور پر عمل کرنے اور تین امور سے بچنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور ان چھ چیزوں میں علوم الاولین والآخرین کو جمع فرما دیا بلکہ جمیع خصائل محمودہ و مذمومہ کو یکجا بیان فرمایا اسی لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں خیر و شر کی جامع ترین آیت یہی ہے۔ اسی لئے اکثر خطباء اس آیت کو خطبات جمعہ کے آخر میں پڑھا کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو خیر و شر کے متعلق نصیحت ہو۔ خلاصہ یہ کہ آیت ہٰذا جمیع مامورات و منہیات کی جامع ہے۔ (کذا فی المدارک)

ف: خارجیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خطبات جمعہ میں لعنت کے الفاظ داخل کر لئے تھے۔ اہل سنت نے ان کے مقابلے میں یہ آیت پڑھنی شروع کی جو بعد میں خارجیوں کا زور ٹوٹنے پر لعنت کے الفاظ نکال دیئے گئے اور آیت ہٰذا بدستور پڑھی جانے لگی۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف: امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب "الوسائل الی معرفۃ الاوائل" میں لکھا ہے کہ خطبہ میں اس آیت کو سب سے پہلے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے شروع فرمایا اور بحمدہ تعالیٰ تا حال خطبات میں یہ آیت پڑھی جا رہی ہے۔

ف: حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز ۹۹ھ کو ہوا۔ ان کی خلافت کا کل زمانہ دو سال پانچ ماہ ہے۔ اور بالاتفاق حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ پہلی صدی کے مجدد برحق ہیں۔

(اس کا نتیجہ نکلا کہ بدعت حسنہ اہل حق کے ہاں رائج رہی اور تا قیامت اہل حق میں ہی رائج رہے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ[1]
لیکن بعض لوگ بدعت حسنہ کو بدعت سیئہ کا درجہ دے کر عوام کو بہکاتے ہیں)۔

ف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ کے آخر میں سورۃ قٓ پڑھا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ میں سورۃ اذا الشمس کورت تا ما احضرت پڑھتے تھے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سورۃ النساء کی آخری آیت یستفتونک پڑھتے تھے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورہ کافرون و اخلاص پڑھا کرتے تھے۔ (ذکرہ ابن الصلاح)

دیوبندی وہابی کو تنبیہ از صاحب روح البیان فقیر (حقی) کہتا ہے کہ غور کیجئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے لے کر خلیفہ رابع سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک کیسے کیسے اطوار بدلے جیسے زمانہ بدلتا دیکھا ویسے ہی الفاظ بدلے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض احکام تبدل فرماں سے بدلتے ہیں۔

(اسی لئے فقہاء کرام نے قاعدہ بنایا:

---

[1]:- اضافہ از اویسی غفرلہ۔

تتبدل الاحکام بتبدل الزمان۔

اور ہم اہل سنت نے بعض ضروریات کے پیش نظر بدعت حسنہ کا اجرا کیا لیکن کل بدعۃ ضلالۃ کی رٹ لگانے والے اس قاعدہ شرعیہ کو ہڑپ کر جاتے ہیں اگر اس قاعدہ شرعیہ کا جواز نہ ہوتا تو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کبھی اپنے خطبات میں سوائے سورہ ق کی آخری آیات کے اور آیات نہ پڑھتے کیونکہ وہ ہم سب سے زیادہ عاشق سنت اور قاطع بدعت تھے[1]۔ (فافہم وتدبر ولاتکن من الوہابیین)۔

بدعات ہی بدعات ہمارے خطبات (جمعہ، عیدین وغیرہ) میں خلفاء راشدین و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر ان کے اسمائے گرامی پر رضی اللہ عنہم اور درود و سلام کے اضافے بھی بدعت حسنہ ہیں جب کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں ایسے خطبات کے الفاظ کہاں اور یہ اضافے بھی محض ضروریات اسلامیہ کے تحت ہوئے مثلاً روافض اور وہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض و عداوت رکھنے والوں کی تردید کے لئے اضافات کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس میں شک نہیں کہ یہ دین کے اہم مقاصد سے ہے۔ اسی لئے ان بدعات حسنہ کا ایجاد کیا گیا۔ اہل حق میں سے کوئی بھی منکر نہیں۔

[وہابیوں دیوبندیوں کا انکار قابل اعتبار نہیں لانہم قوم لایعقلون][2]

بدعاتِ سیئہ بعض لوگ عوام کو پھنساتے ہیں کہ ہر نیا مسئلہ اگر بدعت حسنہ ہے تو پھر بدعت سیئہ کس جانور کا نام ہے۔ اس کی تفصیل تو فقیر اویسی کی کتاب العصمۃ عن البدعۃ میں ہے سردست صاحب روح البیان کی بتائی ہوئی بدعات سیئہ کی تفصیل سنئے]۔

(۱) مؤذنین کا اذان میں ترجیع (شہادتوں کے لئے دو بار لوٹنا) (جیسے وہابی کرتے ہیں)۔

(۲) ائمہ و خطباء کا خطبات لحن یعنی موسیقی کے قوانین کے پیش نظر آواز نکالنا کہ جس سے معنے غلط ہو جائے یا فاسد (ایسے ہی حفاظ کا قرآن مجید پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔

ازالۂ وہم قواعد موسیقی کے مطابق خطبہ، قرآن مجید پڑھنے میں حرج نہیں بشرطیکہ الفاظ و حروف میں معمولی سے معمولی بھی تغیر و تبدل نہ ہو بلکہ شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر ان قواعد موسیقی سے بہتر آواز کے ساتھ بلا تبدل و تغیر حروف و الفاظ قرآن مجید پڑھنے سے نفس پر گہرا پڑتا ہے جو اسے رفیق بننے میں مدد ملتی ہے تو کوئی حرج نہیں جیسے اچھی (حسین) صورت دیکھنے سے مخصوص دینی فائدہ ہو تو جائز ہے۔

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ۔

[2] اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ۔ ع ۱۔ ایک فائدہ یہ ہے کہ حسین چہرہ دیکھنے سے آنکھ کی روشنی بڑھتی ہے۔ دکتب طب الٰہی۔

[لیکن یہ جواز صرف اور صرف شیخ اکبر قدس سرہٗ جیسے اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ تک محدود ہو سکتا ہے ورنہ ہمارے جیسے تو صرف آڑ بنا کر ہی نفس کو خوش کریں گے اسی آڑ نے ہمارے دور میں سلسلہ قادریہ چشتیہ کے منسلکین کے اکثر حضرات کو دھوکہ دیا ہے۔

ایک اور بدعت حسنہ خطبہ میں آیت ان اللہ وملئکتہ سب سے پہلے مہدی عباسی خلیفہ نے پڑھی جو تا حال یہ بدعت رائج ہے[2] ہاں! طویل خطبات میں یہ آیت پڑھی جاتی ہے ورنہ جو لوگ اختصار کو مدِ نظر رکھتے ہیں وہ آیت ہٰذا کو نہیں پڑھتے۔

[صاحب روح البیان کے دور میں اور ممکن ہے کہ اب بھی کہیں پڑھی جاتی ہو یعنے آیت ہٰذا خطیب کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے مؤذن اس آیت کو پڑھتے تھے۔ (یہ بھی بدعت حسنہ میں شمار ہوگی) اور زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ اسے خطیب کے خطبہ سے پہلے پڑھی جاتے یہی حضرت شیخ دفا قدس سرہٗ کا مختار مذہب ہے۔[3]

حدیث شریف سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اثنائے خطبہ میں جب تم کسی کو کہو گے کہ خاموش ہو تو تم نے لغو کام کیا خطبہ کو خاموشی سے سنا کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔

بدعت سیئہ لیکن افسوس کہ بعض جاہلوں نے آیت ہٰذا کو کچھ ایسے طریقے سے پڑھنا شروع کر دیا ہے کہ جس سے موسیقی قواعد کے تحت بہت بڑی غلطیوں کا ارتکاب کرواتے ہیں۔ ان کی اس روش سے دین کی عزت پر روناآتا ہے اور اہلِ حق کو ان کے اسی فعل سے سخت وحشت ہوتی ہے۔ یہی بدعات سیئہ ہیں جو مسلمانوں میں رائج ہو رہی ہیں۔

وَاَوْفُوْا اور وفا پر استمرار کرو یہ ایفا سے مشتق ہے بمعنے وفا کرنا۔

شانِ نزول کاشفی نے لکھا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں جنھوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظمہ میں عہد کیا تھا لیکن جونہی قریش کا غلبہ اور اہلِ اسلام کا ضعف ظاہر ہوا تو انھوں نے جزع فزع و اضطراب کا اظہار کیا شیطان کو موقعہ مل گیا کہ انھیں فریب دے کر ان کے نقض عہد کراتے اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے انھیں وفا پر ثابت قدمی کی تلقین فرمائی۔

بِعَهْدِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے عہد کو۔ اس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بیعت اسلام مراد ہے اس لئے کہ

---

[1]۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2]۔ یہ بھی بدعت حسنہ ہے ۱۲

[3]۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت درحقیقت اللہ تعالےٰ کے ساتھ بیعت ہے۔
کما قال تعالےٰ:

ان الذین یبایعونك انما یبایعون الله

کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فنافی اللہ اور باقی باللہ تھے۔

حدیث شریف حجر اسود زمین پر اللہ تعالےٰ کا دایاں ہاتھ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت نہیں پاسکا تو وہ حجرِ اسود کو ہاتھ لگالے اس طرح سے اس نے گویا اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرلی۔

بیعت کے معنے بیعت کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ثواب کا وعدہ فرمارہے ہیں اور جس نے بیعت کی وہ وعدہ کررہا ہے کہ وہ ان کی اطاعت پر التزام کرے گا اور معاہدہ کو مبالغہ سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ معاہدہ کو معاوضۂ مالی سے مشابہت ہے پھر ہر عہد کو بیعت سے تعبیر کرتے ہیں جو انسان اپنے اختیار سے اپنے اوپر لازم کرے۔ عام معنی ہم نے اس لئے اختیار کیا ہے کہ سبب خصوصی عام حکم کے منافی نہیں ہوتا۔

اِذَا عَاهَدْتُّمْ جب تم معاہدہ اور پختہ وعدہ کرتے ہو۔ عہد، عقد اور میثاق کا ایک معنے ہے۔ **وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ** اور قسموں کو نہ توڑو یعنے معاہدہ کے وقت جو قسیں کھاتے ہو انھیں نہ توڑو۔ **بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا** انھیں مؤکد کرنے کے بعد یعنے اثنائے عہد میں جو معہود ہو ذکر الٰہی اور اس کے اسم مبارک سے قسموں کو پختہ کرنا مراد ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف: سعدی المفتی مرحوم نے فرمایا اس سے اشیاء محلوف علیہا مراد ہیں۔
کما قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم:

من حلف علی یمین الخ

کیونکہ اگر ہم اس سے ذکر یا اسم الٰہی مراد لیں تو تاکید کا غیر ہوگا نہ کہ مؤکد اور یہ مقصد خلاف ہے۔

وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اور اپنے اوپر اللہ تعالےٰ کو شاہد اور رقیب بناتے ہو ہم نے کفیل کے معنی شاہد و رقیب اس لئے کئے ہیں کہ کفیل مکفول بہ کے حال کی محافظت کرتا ہوا اس کی کفالت کرتا ہے۔ **اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝** بے شک اللہ تعالےٰ جانتا ہے وہ جو تم عمل کرتے ہو مثلاً قسموں اور وعدوں کا توڑنا۔ وہی تمھارے اعمال کی جزا و سزا دے گا۔

ف: اپنے اوپر واجب کردہ امر کو ادا کرنے کو وفا کہا جاتا ہے جو اپنے طور اپنے اوپر واجب کیا ہو یا منت مان کر۔

شریعت کی پابندی بعض متکلمین فرماتے ہیں کہ جب کسی کو دیکھو کہ وہ بڑی کرامات ظاہر کرتا ہے مثلاً ہوا پہ اڑتا اور پانی پہ چلتا ہے تو اس کی ان کرامات سے دھوکہ مت کھاؤ یہاں تک کہ دیکھو کہ وہ حفظ حدود اور وفا بالعہود اور شریعت مقدسہ کی پابندی کرتا ہے یا نہیں۔

کسی حکیم سے پوچھا گیا کہ مرتے دم تک کس عمل پر پابندی کروں، حکیم نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی موافقت، خلق خدا کو ہر وقت نصیحت اور نفس کے ساتھ مخالفت اور شیطان سے عداوت اور دین کے ساتھ وفاداری کو مرتے دم تک نہ چھوڑو۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے، واوفوا بعهد الله یعنے اوامر الٰہی کی پابندی اور نواہی حق سے رکنے کے عہد کو پورا کرو۔ اذا عاهدتم جب کہ تم نے یوم میثاق میں اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا۔ ولا تنقضوا الایمان اور تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ کرتے وقت قسم کھا کر جو وعدہ کیا تھا اسے نہ توڑو۔ بعد توكيدها اسے پختہ کرنے کے بعد یعنے اپنے نفسوں پر (بلیٰ) سے شہادت دے کر وقد جعلتم الله عليكم كفيلاً اور اپنے اوپر تم نے اللہ تعالیٰ کو کفیل بنایا کہ وہ تمھارے اعمال پر تمھیں جزا دے گا اس لئے کہ اس نے تمھارے ساتھ معاہدہ کے وقت تمھارے نیک اعمال کی تمھیں نیک جزا دے گا؛

کما قال تعالیٰ؛

اوفوا بعهدی اوف بعهدكم

اسی معاہدہ کی تشریح حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمائی ہے:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا؛ اے معاذ! تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کے کیا حقوق ہیں انھوں نے عرض کی: الله ورسوله اعلم (اللہ اور اس کے رسولؐ خوب جانتے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں یعنے عبادت صرف اسی کو مطلوب بناؤ اس کی طلب میں کسی دوسرے کو ساتھ نہ ملاؤ پھر فرمایا؛ اے معاذ! بتاؤ بندوں کا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر کیا حق ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کریں۔ حضرت معاذ نے عرض کی اللہ ورسولہ اعلم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ لوگوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ وہ ان کو عذاب میں مبتلا نہ کرے یعنے انھیں فراق وہجر نہ رکھے بلکہ انھیں وجدان ووصال کا شرف عطا فرماتے۔

کما قال؛

الا من طلبنی وجدنی (خبردار! جو میری تلاش کرتا ہے وہ مجھے ضرور ملے گا)۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

مادرین دہلیز قاضی قضا
بہر دعوے اَلَستم و بلیٰ

چونکہ بلےٰ گفتیم آنرا ز امتحان
فعل و قول ما شہود است و بیان

از چہ در دہلیز قاضی تن زدیم
نے کہ ما بہر گواہی آمدیم

تا کہ ندہی ان گواہی اے شہید!
تو ازین دہلیز کے خواہی رہید

---

(۲) فعل و قول آمد گواہان ضمیر
ہر دو پیدا ے کند سر ستیر

---

(۳) جرعہ بر خاک وفا آنکس کہ ریخت
کے تواند صید دولت زو گریخت

---

(۴) پس پیغمبر گفت بہر این طریق
با وفا تر از عمل نبود رفیق

گر بود نیکی ابد یارت شود!
ور بود بد در لحد مارت شود!

[ترجمہ (۱) ہم قاضی کے قضاء سے الستم اور بلیٰ کے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے اس دنیا میں ہیں جب ہم نے امتحان کے طور پر بلیٰ کہا تھا اس پر ہمارے اقوال و افعال شاہد ہیں۔ ہم اس دنیا میں کس لئے آتے ہیں پس اسی گواہی کے اظہار کے لئے آئے ہیں۔ جب تک تم وہی گواہی نہ دو گے تو اس دنیا سے کس طرح نجات پاسکو گے۔

(۲) قول و فعل ہر دونوں اسی پوشیدہ راز کے گواہ ہیں یہ ہر دونوں اسی پوشیدہ راز کو ظاہر کرتے ہیں۔

(۳) جس نے خاک وفا پر اس عہد کے ایک قطرہ ڈالا اس سے دولت حق کہیں دور نہیں جائے گی۔

(۴) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس راستہ کا بہتر ساتھی عمل ہے۔

ف: اگر تیرے ہاں نیکی ہے تو وہ تیرا دائمی ساتھی ہے اگر برا عمل ہے تو وہ قبر میں تیرے لئے سانپ بن جائے گا]۔

تفسیر عالمانہ

وَلَا تَكُونُوا اے مومنو! عہد شکنی میں نہ ہو جاؤ۔ كَالَّتِي اس عورت جیسے نَقَضَتْ جس نے توڑا نقض مکانات اور رسی وغیرہ کے توڑنے پر مستعمل ہوتا ہے یہ ابرام کی نقیض ہے۔ غَزْلَهَا اپنا کاتا ہوا سوت الغزل (بمعنے دھاگہ کاتنا) مصدر بمعنے مفعول ہنے یعنے وہ دھاگہ جو اون وغیرہ سے کاتا جاتے۔ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ یہ نقضت کے متعلق ہے یعنے بعد اس دھاگہ کے پختہ اور مضبوط ہونے کے پھر اسے کردے۔ اَنْكَاثًا یہ غزلها سے حال اور نکث بمعنے منکوث کی جمع ہے۔ ہر وہ شے جو پختہ کرنے کے بعد کچی کر کے ٹکڑے ٹکڑے کی جائے اب معنے یہ ہوا کہ وہ مضبوط دھاگے جیسے اس عورت نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اس سے عہد شکنی کی قباحت کا اظہار مطلوب ہے عہد شکنی کرنے والے کو اس بیوقوف عورت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس نے بڑی محنت کر کے دھاگہ تیار کیا اور پھر توڑ دیا۔

یہ کوئی مخصوص عورت نہیں تھی اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جس شے کے ساتھ تشبیہ دی جائے اس کا وجود خارج میں موجود ہو۔

یہ عورت کون تھی؟ کلبی اور مقاتل نے کہا ہے کہ یہ عورت ریطہ بنت سعد بن تیم قرشیہ مکہ معظمہ میں رہنے والی تھی حد سے زیادہ بیوقوف اور وسواس کے مرض میں مبتلا تھی اس کا تکلا پورا ایک گز اور سنارہ انگلی کے برابر تھا (سنارہ بالکسرہ وہ لوہا جو تکلے کے سرے میں ہوتا ہے) اسی طرح فلکہ بھی سنارہ کے برابر موٹا تھا۔ صبح سے دوپہر تک اپنی ساتھی ہمسائیوں کے ساتھ چرخہ کاتتی رہتی پھر تمام کاتا ہوا سوت خود ہی توڑ دیتی اور دوسروں کو بھی توڑنے کو کہتی۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالے نے عہد شکنی کو دھاگہ توڑنے سے تشبیہ دے کر فرماتے ہیں کہ جیسے وہ عورت اپنے دھاگہ کو مضبوط کات کر پھر کاٹنے سے ضائع کر دیتی تھی۔ مرد عاقل پر لازم ہے کہ ہر رشتہ الہٰی کو توڑنے کی کوشش نہ کرے تاکہ اوفوا بعهدی اوف بعهدکم کے حکم سے جزا حاصل کرے: ے

گرت ہوا است کہ دلدار نگسلا پیمان
نگاہ دار سر رشتہ تا نگہدارد

ترجمہ: اگر تمہاری خواہش ہو کہ دوست عہد و پیماں نہ توڑے تم بھی وفا کے دھاگے کو مضبوط رکھو تاکہ وہ اپنے عہد و پیماں نہ توڑے۔

تَتَّخِذُونَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ یہ لا تکونوا کی ضمیر سے حال ہے یعنے تم اس عورت کے مشابہ ہو حالانکہ اس کا معاملہ یوں ہی ہے اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا موجب بنا لیتے ہو اور دخل دراصل اسی کو کہا جاتا ہے جو کسی ایسی شے میں داخل ہو جو اس کی جنس سے نہ ہو۔ اَنْ تَكُونَ اُمَّةٌ یہ کہ ہو ایک جماعت یعنے قریش مکہ۔ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ما دوسری جماعت اہل ایمان سے گنتی میں زائد زر اور مال میں اکثر۔

مسئلہ: اس میں اس شخص کو اس گندی عادت سے منع کیا گیا ہے جو کسی قوم کو اپنا حلیف بنائے پھر جب دیکھے کہ دوسری

قوم ان سے تعداد اور مال میں زائد میسر آئے تو پہلی قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم کو حلیف بنا لے۔ ھی اربیٰ محلاً منصوب کان کی خبر ہے اور المدارک میں ہے کہ :

ھی اربیٰ مبتدا و خبر محلاً مرفوع امۃ کی صفت ہے اور امۃ یکون کا فاعل اور یکون تامہ ہے۔

اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ط اس سے اللہ تعالےٰ تمہاری آزمائش کرتا ہے یعنے عدد و مال والی قوم نہیں دکھا کر تمہارے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے جو آزمائش کے طور پر کیا جاتا ہے تاکہ ظاہر ہو کہ تم اللہ تعالےٰ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیعت کی وفا کی رسی کو مضبوط کرتے ہو یا قریش مکہ کی کثرت اور ان کی شان و شوکت اور ان کی مال و دولت اور اہل اسلام کی قلت اور ظاہری ضعیفی اور کمزوری کو دیکھ کر دھوکہ کھاتے ہو۔

ف : شے کی کثرت و قلت سے دھوکہ کھانا بیوقوف کا کام ہے ورنہ ایک ہرنی ہزاروں خنزیروں سے بہتر ہے اور ہمارے نزدیک اہلِ حق اگرچہ ایک ہو وہ سوادِ اعظم ہے۔ بے دین اگرچہ کروروں کی تعداد میں ہوں انھیں سوادِ اعظم نہ کہا جائے گا دجّال کے متعلق ہم سب کو یقین ہے کہ وہ کافر ہے لیکن اسے اسی لئے دجال کہا جاتا ہے کہ وہ کثرت جماعات (لشکر) کی وجہ سے تمام روئے زمین کا چکر لگائے گا۔ اس سے کب لازم آتا ہے کہ وہ حق پر یا تمام روئے زمین کے لوگوں سے افضل ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ظاہری صورتوں اور کثرتِ مال کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نگاہ کرم قلوب اور اعمال پر ہے جب کسی قوم کے اعمال اور قلوب صالح ہوں تو وہ قوم اللہ تعالےٰ کے ہاں مطلقاً مقبول ہے انھیں مال کی کثرت اور حسین وجمیل صورتیں حاصل ہوں یا نہ۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

رہ راست باید نہ بالائے راست
کہ کافر ہم از روئے صورت چو ماست

ترجمہ : سیدھا راستہ ضروری ہے قد سیدھا ہو یا نہ ہو اس لئے کہ ظاہری لحاظ سے کافر کی شکل و صورت بھی ہماری جیسی ہے۔

وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ اور قیامت میں تمہیں واضح کرے گا وہ باتیں جن کے متعلق تم دنیا میں اختلاف کرتے تھے یعنے اس وقت تمہارے نیک اعمال پر تمہیں اجر و ثواب عطا فرمائے اور بُرے اعمال پر سزا دے گا۔ اس میں ملتِ اسلام کی مخالفت سے ڈرانا مطلوب ہے اس لئے کہ دین حق اور ملت اسلام کی مخالفت عذابِ ابدی کا سبب ہے۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ اور اگر اللہ تعالےٰ کسی کے مجبور کرنے پر چاہتا۔ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً تو تمہیں ایک ہی گروہ بنا دیتا یعنے تمہیں صرف ملت اسلام پر متفق رکھتا۔ وَّلٰكِنْ لیکن وہ ایسے نہیں چاہتا کیونکہ یہ اس کی حکمتِ ازلی کے خلاف ہے بلکہ وہ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ جس کی گمراہی چاہتا ہے تو اس میں گمراہی پیدا کر دیتا ہے یعنے اس

بندے کے اختیارات اسی گمراہی کی طرف پھر جاتے ہیں ۔ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اور جس کی ہدایت چاہتا ہے تو اس کے اندر اس کے اپنے اختیار کے مطابق ہدایت حاصل کرنے کا مادہ پیدا کرتا ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اضلال و ہدایہ کی تخلیق بندے کے کسب و اختیار کے مطابق ہوتی ہے اس میں عظیم راز ہے جسے صرف اہل ؓ اور اللہ تعالٰے کے محبوب بندے جانتے ہیں ۔ اور بخدا لَتُسْئَلُنَّ تم قیامت میں سوال کئے جاؤ یہ سوال زجر و توبیخ اور ان کی تبکیت اور جزا و سزا سنانے کے لئے ہوگا ورنہ اللہ تعالٰے کے سوال کا کیا معنے ؛ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ اس سے جو تم دنیا میں عمل کرتے تھے یعنی جنھوں نے عہد کی وفا کی انھیں جزا نصیب ہوگی اور جنھوں نے عہد شکنی کی ہوگی وغیرہ وغیرہ ۔

ف : عہد و پیمان کے کئی مقامات ہیں منجملہ ان کے ایک یہی ہے جو پیر و مرید کے درمیان ہوتا ہے جسے ہم بیعت سے تعبیر کرتے ہیں مرتے دم تک اس کی پابندی لازمی ہے ۔

[لیکن بیعت کا مفہوم وہی ہے جو ہم نے پہلے عرض کیا ورنہ ہمارے دور میں تو پیری و مریدی کی اکثر رسم رہ گئی ہے یا دنیا بٹورنا اور بس]ؔ[1]

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ جب مرید اپنے شیخ کامل کا دامنگیر ہوتا ہے اور اس کے ساتھ معاہدہ کرتا ہے کہ اثنائے سلوک میں ہر طرح کی تکالیف اور دکھ درد اور پریشانیاں سر پر رکھوں گا اور ہر ممکن نفس اور خواہشات نفسانی کی مخالفت اور شیخ کامل کی صحبت اور ان کے ہر حکم کے ، اپنے سر تسلیم خم اور ہر خدمت کے لئے کمربستہ اور پیر بھائیوں کی ہر میٹھی کڑوی بات پر بردباری اور حوصلہ اور ان کے ساتھ حسن اخلاق اور ادب سے پیش آؤں گا ۔ پھر جب سالک کو اثنائے سلوک تکالیف اور پریشانیاں ستائیں تو نفس کو سخت ملال ہوتا ہے اور اتنا بڑا بوجھ اٹھانے سے کتراتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ شیخ کے معاہدہ (بیعت) کو توڑ دے اور جو وعدہ شیخ سے کیا ہے اسے ختم کر کے اپنے دنیوی کام میں مصروف ہو جاؤں چنانچہ نفس کے اکسانے پر بیعت (سلوک) توڑ کر نفسانی خواہشات پر چلنے لگتا ہے لیکن پھر وہ بدستور سابق مجاہدات و ریاضت میں مصروف ہو جاتا ہے اور شیخ کی صحبت و خدمت میں حاضر باش ہونے لگتا ہے اسے اگر سلوک کی وجہ سے کچھ فتوحات الٰہیہ نصیب ہوں تو وہ ریاء و شہرت کو مطمح نظر سمجھتا اور شہوات نفسانی کے تابع ہوتا ہے تو سمجھو اسے اللہ تعالٰے نے آزمائش میں ڈالا ہے ایسے لوگوں کو ہجر و فراق کی جہنم میں ڈالا جائے گا ۔

حکایت حضرت شیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ یہاں ایک شخص حضرت مولانا جلال کا پوتا جسے لوگ دیوانہ چلپی کے نام سے پکارتے ہیں وہ خوب کھاتا پیتا ہے اور نفس کی خواہش کے مطابق عمل کرتا ہے اور اس کے باوجود حقیقت کا مدعی ہے اور کہتا ہے کہ وہ مظاہر حق سمجھ کر اس طرح کرتا ہے ۔ (اللہ تعالٰے ہمیں الحاد سے محفوظ رکھے) ، جب اس پر نزع طاری ہوئی تو

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ ۔

اس وقت تائب ہوا اور کہا افسوس ہے کہ میں نے تحقیق راہ سلوک کو نہ پہچانا وہ اسی حسرت میں مر گیا۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسے اس ندامت کی وجہ سے بخش دے۔ اس کی ایک کرامت بہت زیادہ مشہور تھی وہ یہ کہ ستر قدموں کی مسافت کو صرف ایک قدم میں لپیٹ لیتا تھا گویا اسے طے الارض حاصل تھا۔ صوفیاء کرام کے نزدیک انہیں کشوف سفلیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کشوف سفلیہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نامقبول ہیں اس لئے کہ یہ مرتبہ طبعیہ بلکہ شیطانیہ ہے۔ افسوس ہے کہ عوام ایسے کشف و کرامات طبعیہ شیطانیہ کے ظاہر کرنے والے کو قطب اور غوث سمجھتے ہیں۔

[ہمارے دور کے لوگ تو کشف و کرامت دیکھے بغیر ہی ہر آستانہ عالیہ کے سجادہ نشین اور صاحبزادگان کو غوث قطب سمجھتے ہیں خواہ وہ شریعت مطہرہ سے کوسوں دور بلکہ الٹا شریعت پاک سے تمسخر کرنے والا ہو[1]

یہ سب کچھ جہل خالص کی وجہ سے ہے ان بیوقوفوں کو خیر و شر کی تمیز نہیں اسی مشکل معاملہ کو دیکھ کر مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

در مسجد و خانقاہ بے گردیدم
بس شیخ و مرید را کہ پا بوسیدم
نہ یک ساعت از ہستی خود رستم
نہ آنکہ ز خویش رستہ باشد دیدم

ترجمہ: بہت سے خانقاہوں اور مسجدوں میں گھوما ہوں، بہت سے مشائخ اور مریدوں کے قدم چومے۔ لیکن ایک لمحہ بھر بھی اپنی ہستی کو نہ مٹا سکا۔ بلکہ ان کو بھی نفسانیت سے بھرپور پایا۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں غلط دعاؤں سے بچائے اور اہل تقویٰ بنائے)، آمین۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اور اپنی قسموں کو آپس میں مکر و فریب اور دھوکہ کا سبب مت بناؤ۔ فَتَزِلَّ نہی کے جواب کی وجہ سے منصوب ہے یعنی ڈگمگا جائیں گے۔ قَدَمٌۢ اے مومنو! حق کی سیدھی سڑک سے تمہارے قدم۔ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا ایمان پر ثابت اور راسخ ہونے کے بعد۔

نکتہ: جمع کی بجائے مفرد اور نکرہ لانے میں اشارہ ہے کہ قدم کیسا کیوں نہ ہو باعزت یا بے عزت اس کے ایک قدم کا ڈگمگانا ایک عظیم خرابی ہے پھر بہت سے قدموں کے ڈگمگانے کا کیا حال ہوگا۔

وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ اور چکھو گے تم دنیوی عذاب کو۔ بِمَا صَدَدْتُّمْ بوجہ تمہارے روکنے اور غیروں کو منع کرنے کے۔ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اللہ تعالیٰ کے راستے سے یعنے وہ عہد و ایمان جن کا پورا کرنا ضروری تھا اس لئے کہ جو

---

[1] از فقیر اویسی غفرلہٗ۔

بھی بیعت توڑ کر مرتد ہو جاتا ہے تو اس نے غیر کے طریقے پر چلنے کو اختیار کیا۔ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ اور آخرت میں تمہارے لئے بہت بڑا اور سخت عذاب ہے۔ وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ اور نہ خریدو یعنے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بیعت کے عوض ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ تھوڑا ثمن یعنے اللہ تعالیٰ کے عہد (بیعت) کو معمولی عوض میں ضائع نہ کرو۔

شانِ نزول قریش مکہ کمزور مسلمانوں کو دین سے منحرف کرنے کے لئے دنیا کی دولت کی پیشکش کرتے تھے۔

اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں جو کچھ ہے یعنے دشمنوں پر فتح و نصرت اور دنیا میں مال غنیمت عطا کرنا اور آخرت میں ثواب سے نوازنا۔ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ جتنی اشیاء کو تم دنیا میں بہتر و برتر سمجھتے ہو ان سب سے اللہ تعالیٰ کی مدد وغیرہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ اگر تم اہل علم اور اہلِ تمیز ہو۔ مَا عِنْدَكُمْ وہ جو تمہارے ہاں دنیوی اسباب ہیں اگرچہ کتنے ہی کثیر ہوں۔ يَنْفَدُ ختم ہو کر مٹ جائیں گے۔ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ اور وہ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مخفی رحمتیں ہیں بَاقٍ ؕ باقی رہنے والی ہیں وہ کبھی ختم نہیں ہوں گی اس میں جہمیہ کا رد ہے ان کا عقیدہ ہے کہ بہشت کی نعمتیں تمناہی اور ختم ہونے والی ہیں۔ وَلَنَجْزِيَنَّ بخدا ہم عطا کریں گے۔ الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا ان لوگوں کو جنھوں نے مشرکین اذیتوں اور اسلام کی مشقتوں پر صبر کیا منجملہ ان کے ایک یہی یعنے وفا بالعہود ہے اَجْرَهُمْ ان کا اجرِ خاص جو انھیں امور مذکورہ پر صبر کرنے کی وجہ سے عطا ہوگا۔ یہ لنجزین کا مفعول ثانی ہے۔ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ہم انھیں ان کے احسن اعمال مثلاً صبر مذکور کی وجہ سے پوری اور بہتر جزا دیں گے اور احسن کو صبر کی طرف مضاف کرنے میں اس کی فضیلت و بزرگی کی طرف اشارہ ہے جسے ثواب آخرت کی فضیلت کے اظہار کے لئے حسن ثواب الآخرۃ فرمایا ہے۔

ف: ان آیات سے معلوم ہوا کہ وفاء بالعہد اور اثبات علے الایمان اور مشقتوں پر صبر کرنے کا ثمرہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی۔

سبق: عاقل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور علماء باعمل اور صلحاء کاملین کے معاہدوں کو نہیں توڑتا۔

حکایت: ایک عالمِ دین اپنی آپ بیتی بیان کرتے ہیں کہ شہر مصیصہ میں تھا کہ اچانک دو مردوں کو گفتگو کرتے پایا کہہ رہے تھے کہ گوشہ نشینی اختیار کرنی چاہیئے جب وہ خلوت میں جانے لگے تو میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔ ایک جگہ پر بیٹھ کر آپس میں معاہدہ کرنے لگے کہ اس ظاہری علم سے ہمیں بھی نفع اٹھانا چاہیئے تاکہ قیامت میں یہی علم ہمارے اوپر حجت نہ بنے۔ یہاں سے لیا کہ جنگل میں عبادتِ الٰہی میں مصروف رہنا چاہیئے لیکن وہ کھانا ہرگز نہ کھانا ہوگا جس میں خلق خدا کا واسطہ ہو۔ میں نے ان کی باتیں سن کر کہا کہ مجھے بھی ساتھ شامل کرو۔ انھوں نے فرمایا ایک شرط پر آپ ہمارے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ میں نے کہا جو شرط آپ لگائیں مجھے منظور ہے۔ معاہدہ کے بعد مجھے جبل لکام پر لے گئے اور فرمایا فلاں نماز میں ہوا ... تھے۔

(یہی ہماری شرط ہے)۔ یہ سن کر میں غار میں داخل ہوکر عبادت میں مشغول ہوگیا۔ اور روزانہ ان میں سے ایک صاحب میرے ہاں بلاتکلف کھانا لاتا۔ میں ایک عرصہ تک اس معاہدہ پر قائم رہا۔ ایک دن دل میں خیال گزرا کہ یہاں کیوں پڑا رہوں مجھے دین و علم کی خدمت کرنی چاہئے اور اکلِ حلال پر گزر اوقات کروں۔ اسی خیال سے میں نے غار سے نکل کر شہر طرطوس میں مقیم ہوکر درس و تدریس وغیرہ میں زندگی گزار دی۔ ایک عرصہ کے بعد ان میں سے ایک بزرگ تشریف لایا اور فرمایا: اے فلاں! تو نے ہمارے ساتھ خیانت کی اور معاہدہ توڑ کر پوچھے بغیر چلا آیا اگر تو صبر کرتا تو جو کرامات ہمیں نصیب ہوئیں تجھے بھی نصیب ہوتیں۔ میں نے کہا آپ کو کونسی کرامات ملیں۔ انھوں نے فرمایا: تین کرامات ہیں:۔

(۱) طی الارض یعنے ہم چاہیں تو آنکھ جھپکنے میں مشرق سے مغرب میں پہنچ جائیں۔

(۲) پانی پر چلنا۔

(۳) جب چاہیں اوجھل ہوجائیں۔

یہ کہہ کر مجھ سے اوجھل ہوگئے۔

سبق اس حکایت سے معاہدہ کے توڑنے کی مذمت واضح ہے اس کی تصریح کی ضرورت نہیں۔ اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے کہ اس عالمِ دین نے اگرچہ بظاہر نیکی کے کام کے لئے غار کو چھوڑا لیکن معاہدہ توڑنے کا جو نقصان اٹھایا وہ کسی سے مخفی نہیں یعنے بہت بڑی کرامات سے محروم ہوگئے۔ یہ تو امرِ دین کے لئے معاہدہ توڑنے کا نقصان ہے نامعلوم دنیوی غرض کے لئے معاہدہ توڑنے سے کتنا نقصان ہوگا۔ اے سالکِ راہِ ہدیٰ! سوچ کہ اس عالمِ دین نے عرصہ تک قرآن مجید بھی پڑھایا اور دین کی بھی بہت بڑی خدمت کی اور یہ امور بھی آخرت سے ہیں لیکن پھر بھی اسے اللہ تعالےٰ نے محروم رکھا۔ اسی لئے صوفیاء فرماتے ہیں کہ سالک پر لازم ہے کہ وہ دنیا سے انقطاع اور خلق سے لاتعلق اور اسم و رسم سے بھی بچتا رہے اسی لئے صوفیائے نے فرمایا: ؏

منصب تعلیم نوع شہوتیست

[تعلیم کا منصب بھی ایک طرح کی شہوت رانی ہے۔ (جس تعلیم میں رضائے الٰہی شامل نہ ہو)]۔

اور اس مقام کو صرف اہل علم سمجھتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

گر نبودے امتحان ہر بدے
ہر مخنث در وغا رستم بدے

خود مخنث را زرہ پوشیدہ گیر
چوں بہ بیند زخم گردد چون اسیر

(ترجمہ: اگر ہر بڑے آدمی کا امتحان نہ ہوتا تو ہر چھوٹا مخنث رستم ہوتا۔ مخنث کو راہ سے دور سمجھے گر اسے کوئی راہ مل جائے تو قیدی کی طرح زخم خوردہ ہوگا۔)

اسی لئے عربی مقولہ مشہور ہے کہ بوقت امتحان انسان معزز ہوتا ہے یا ذلیل۔ اور جو امتحان کے وقت نعلی کھا گیا وہ زندگی بھر شرمسار رہے گا۔ بلکہ اسے ہجر و فراق کا مزہ چکھایا جائے گا اور اسے ہر طرح سے حصۂ حق سے محروم کیا جائے گا۔ اور امتحان کے وقت ثابت قدم ہو کر جس نے صبر کیا اور انجام بخیر کی طرف متوجہ ہوا تو وہ مُراد کو پالے گا اور اسے وہ جزا ملے گی جسے صرف رب الارباب جانتا ہے کیونکہ اس سے نیک بندوں کے لئے وہ جزا تیار فرمائی ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے تصور میں آسکتا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا جو نیک عمل کرے اور صالح عمل سے وہ عمل مُراد ہے جو رضائے حق کے لئے ہو جس میں خواہش نفسانی اور ریاء کو دخل نہ ہو اور ریا و ہوا میں فرق یہ ہے کہ ہوا کو نفس سے اور ریا کو خلق خدا سے نسبت ہے مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى مرد ہو یا عورت یعنے حالانکہ وہ عامل مرد ہو یا عورت، دونوں مرد و عورت کا ذکر اس لئے فرمایا ہے تاکہ آنے والا وعدہ ہر دونوں کو شامل ہو اور تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ یہ وعدہ صرف مردوں کے لئے ہے اور کسی کو گمان نہ ہو کہ مَنْ کا استعمال اکثر مردوں کے لئے ہوتا ہے اسی لئے صرف مرد ہی مراد ہوں گے اور تصریح کی ضرورت ہوئی کہ اکثر محاورات و احکام میں عورتیں مردوں میں داخل نہیں ہوتیں ہاں تغلیبًا و تبعًا عورتیں مردوں میں شامل ہوتی ہیں۔ وَهُوَ اور حال یہ ہے کہ وہ عامل مُؤْمِنٌ ہو یہ قید اس لئے ہے کہ استحقاق ثواب میں کافروں کے ثواب کا کوئی اعتبار نہیں البتہ ان سے تخفیف عذاب متوقع ہے۔

حدیث شریف

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
بے شک اللہ تعالٰے کا فرشتہ کو جہنم کی طرف بھیجے گا تو مالک یعنے جہنم کے خازن کو حکم ہوگا کہ اسے عذاب دو لیکن جو دنیا میں سخاوت کرتا تھا اس کی مقدار پر اس سے عذاب کی تخفیف کی جائے گی۔ (کذا فی تفسیر السمرقندی)۔

حاتم طائی جہنم میں

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج جہنم میں جھانک کر دیکھا تو ایک گوشہ میں حاتم طائی پڑا تھا جسے آگ کا اثر نہیں ہو رہا تھا جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہے؟ عرض کی گئی یہ قبیلہ طے والا حاتم ہے۔ اس کے جود و سخا کی وجہ سے اس سے جہنم کا عذاب ہلکا کیا گیا ہے۔ (کذا فی انیس الوحدۃ)۔

فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ پس ہم اُسے دنیا میں بہترین عیش و عشرت کی زندگی کا موقع بخشیں گے وہ اس طرح کہ اگر دولت مند تھا تو عیش و عشرت ظاہری مُراد ہے اگر تنگ دست ہے تو بھی بوجہ قناعت اور تقسیم ربانی پر راضی ہونے اور آخرت میں اجر عظیم کی توقع میں زندگی آرام اور اطمینان سے بسر ہوگی جیسے روزہ داروں کو بھوک و پیاس کے باوجود خوش ہوتا ہے کہ شام کو ٹھنڈا میٹھا اور بہتر غذا کھائے پیئے گا۔ بخلاف فاجر کے کہ اس کی زندگی تنگی و تلخی میں بسر ہوگی وہ تنگدست ہے تو اس کی تنگی و تلخی میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں اگر دولت مند ہے تو بھی حرص و ہوا اور مال و دولت کے چھن جانے کے

خطرے سے زندگی کا ہر لمحہ تنگ وتلخ ہو کر بسر کرے گا۔ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۝
آخرت میں ان کے مخصوص عمل کی وجہ سے ہم انھیں مخصوص اجر وثواب عطا فرمائیں گے اس لئے کہ ان کے اعمال مخصوصہ یعنے اعمال صالحہ ہوں گے اور انھیں احسن کہنے کی وجہ ہم نے بیان کی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں ذکر سے قلب اور انثیٰ سے نفس مراد ہے اور نفس سے عمل صالح کے صدور کا مطلب یہ ہے کہ نفس کو تقویٰ کے ساتھ شریعت پر چلایا جائے اور صدق کے ساتھ طریقت کے موافق صفات ذمیمہ وافعال طبعیہ سے اس کا تزکیہ کیا جائے۔ اور قلب سے عمل صالح کے صدور کا مطلب یہ ہے کہ طالب حق کے لئے اس کی ہر طرح کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف اور ماسوی اللہ سے بالکل انقطاع ہونے کی وجہ سے اسے صاف وشفاف رکھا جائے۔

فلنحيينه حيوة طيبة اس میں اشارہ ہے کہ عمل صالح اور حسن استعداد قبول حق کی مقدار ہر ایک کی زندگی بسر ہوتی ہے نفس کا حیات طیبہ کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ اپنے صفات سے صاف اور مزکیٰ ہو کر قلب روحانی سے مزین اور ذکر الٰہی سے مطمئن اور اپنے رب کی طرف راجع اور اس سے راضیہ ومرضیہ ہو اور قلب کا حیات طیبہ کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا یہ معنٰے ہے کہ وہ باخلاق اللہ ہوں اور اپنی انانیت سے فانی اور ہویت حق سے باقی یعنے ذات حق کی حیات سے زندہ اور دوئی کے گرد وغبار اور حدوث کی آلائش سے پاک وصاف ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان اوصاف سے پاک ہے اور وہ اسے قبول کرتا ہے جو ان اوصاف سے پاک ہو۔

ف: بندوں میں اعمال صالحہ کی صلاحیت ان کے صدق فی المعاملات اور فیض الٰہی کی قبولیت میں حسن استعداد کے مطابق ہوتی ہے اور ان کی زندگی بھی اسی کے مطابق بسر ہوتی ہے۔

ولنجزينهم اور ان کے ہر گروہ کو آخرت میں ہم مکمل جزا عطا فرمائیں گے جیسا کہ ان کا جزا کے متعلق گمان ہوگا۔ کما قال:

وَان تك حسنة يضاعفها ويؤت من لدنه اجرا عظيما

اور اگر نیکی کی ہوگی تو اللہ تعالیٰ انھیں دُہرا ثواب اور اپنی طرف سے اجر عظیم عطا فرماتے گا۔

حکایات الصالحین ① امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعض شاگردوں نے وصال کے بعد امام موصوف کو خواب میں دیکھا کہ وہ نہایت فخر وناز سے بہشت میں چل رہے ہیں۔ عرض کی یا حضرت! یہ کیسی چال ہے؟ آپ نے فرمایا: دین کے خدام بہشت میں ایسے ہی چلتے ہیں۔ انھوں نے پوچھا، اللہ تعالیٰ نے تمھارے ساتھ کیا کیا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور سونے کے دو جوتے مجھے پہنائے اور فرمایا یہ تیرے اس عقیدہ کی جزا ہے۔ جو تو نے مرتے دم تک اختیار فرمایا۔ وہ عقیدہ یہ تھا کہ قرآن مجید کلام اللہ اور منزل من اللہ اور غیر مخلوق

ہے اور فرمایا اے احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ تعالےٰ) آپ بہشت میں داخل ہو کر جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔

(۲) حضرت احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں بہشت میں چلتے چلتے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالےٰ سے ملا انھیں دیکھا کہ ان کے دو سبز پر ہیں جن کے ذریعے سے وہ بہشت کے جس مقام پر جانا چاہتے ہیں اڑ کر وہاں پہنچ جاتے اور وہ میرے سامنے ایک کھجور سے دوسری کھجور پر اڑ کر بیٹھے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے:

الحمد لله الذی صدقنا وعده و اورثنا الارض نتبوأ من الجنة حيث نشاء فنعم اجر العاملين

(جملہ محامد اللہ تعالےٰ کے لئے ہیں جس نے ہمارے ساتھ وعدہ سچا کر کے دکھایا اور ہمیں زمین کا وارث بنایا اور بہشت میں جہاں ہم رہنا چاہیں رہ سکتے ہیں اور نیک عمل والوں کا اجر کیسا اچھا ہے۔)

(۳) حضرت احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ میں نے حضرت سفیان ثوری سے حضرت عبد الواحد الوراق رحمہ اللہ تعالےٰ کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ میں انھیں ابھی بحر نور میں چھوڑ کر آیا ہوں۔

(۴) حضرت احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ میں نے سفیان ثوری سے حضرت بشر بن الحارث رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیسے ہیں۔ فرمایا: سبحان اللہ! ان کا کیا کہنا وہ بے خوف ہیں اور انھیں ابھی اللہ تعالےٰ کے حضور میں کھڑا دیکھ کر آیا ہوں اور اللہ تعالےٰ ان سے کرم فرما رہا تھا کہ اے دنیا میں نہ کھانے والے اب بہشت سے خوب کھاؤ اور نہ پینے والو! خوب پی لو اور عیش و عشرت ترک کرنے والو! خوب عیش و عشرت کرو۔

(۵) بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی رحمہ اللہ تعالےٰ کے وصال کے بعد انھیں خواب میں دیکھا کہ وہ سفید کپڑوں میں ملبوس ہیں اور ان کے سر پر تاج ہے۔ میں نے پوچھا، آپ کو سفید لباس کیسے ملا؟ فرمایا: طاعتِ الٰہی بجا لانے سے۔ پھر میں نے پوچھا تاج کس طرح ملا؟ فرمایا، علم کی عزت و شرافت کی وجہ سے۔

سبق ان تمام حکایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ کی جزاء لازماً ملتی ہے۔ جس طرح کے عمل ہوں اسی طرح کی جزا نصیب ہوتی ہے۔ مذکورہ حالات کا اختلاف بوجہ اختلاف اعمال کے تھا۔ عاقل پر لازم ہے کہ اعمال صالحہ میں سعی اور طاعات کی مشقتوں پر صبر کرے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کے وعدے کو پہنچے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

صبر کن حافظ بسختی روز و شب
عاقبت روزے بیابی کام را

(ترجمہ: اے حافظ! شب و روز کی سختی پر صبر کر اس لئے کہ بالآخر تو اپنے مقصد کو حاصل کرے گا۔)

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جب تم تلاوت قرآن کا ارادہ کرو۔ ہم نے قرأت کو تلاوت کے ارادہ کے معنی میں

از قبیل اطلاق اسم السبب علی السبب کے لیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ قرآت سے ارادہ مراد ہے۔ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اللہ تعالٰے سے سوال کیجئے تاکہ وہ تمہیں پناہ دے اور محفوظ رکھے۔ مِنَ الشَّيْطٰنِ شیطان سے جو بعید عن الخیر ہے۔ الرَّجِيْمِ ○ جو مطرود وملعون ہے یعنے شیطان رجیم کے وساوس وخطرات سے پناہ کا سوال کیجئے تاکہ تمہیں تلاوت قرآن مجید کے وقت وسواس میں مبتلا نہ کر سکے اس لئے کہ مخلوق کا ہر فرد اللہ تعالٰے کے قبضے میں ہے۔

مسئلہ: بہتر ہے کہ تلاوت قرآن مجید سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھا جائے۔ جن چودہ روایات میں استعاذہ مروی ہے ان میں سے یہی مختار ہے کہ اعوذ باللہ الخ پڑھا جائے۔ (کذا فی تفسیر خواجہ پارسا قدس سرہٗ)

اِنَّهٗ بے شک شان یہ ہے یا یہ ضمیر شیطان کی طرف راجع ہے۔ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ شیطان کا کوئی غلبہ اور تسلط نہیں۔ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ ان لوگوں پر جو ایماندار اور اپنے رب تعالٰی پر توکل کرتے ہیں ان سے اولیاء کاملین مراد ہیں کیونکہ ان پر شیطان کسی قسم کا اثر نہیں ڈال سکتا۔ یہ آیت سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالٰے نے تلاوت سے پہلے استعاذہ کا حکم فرمایا تو وہم پیدا ہوا کہ شیطان تمام بنی آدم پر اثر انداز ہو سکتا ہے اس آیت سے اس وہم کو دُور فرمایا کہ شیطان کے اثر سے اولیاء کاملین مستثنٰی ہیں۔

نکتہ: اس آیت میں اشارہ ہے کہ انسان شیطان کی شرارت سے ایمان کامل اور توکل صادق کے بغیر نہیں بچ سکتا۔

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ بے شک شیطان کا تسلط وغلبہ اس سے اس کی دعوت پر لبیک کہنا اور اس کے حکم کی اتباع مُراد ہے کیونکہ شیطان اسی قسم کا تصرف کرتا ہے۔ اس سے انسان کو محکوم کرنا اور اسے اپنے حکم پر مجبور کرنا مراد نہیں کیونکہ ایسے امور جانبین کے حال کے منافی ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وما کان لی علیکم من سلطان الا ان دعوتکم فاستجبتم لی۔ (اور میرا تمہارے اوپر صرف اتنا تصرف تھا کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے اسے قبول کر لیا۔)

اس آیت کی وضاحت آیت ہٰذا کے اس جملہ میں ہے: عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ

— ان لوگوں پر (شیطان کا تسلط) ہے جو شیطان کو اپنا دوست بناتے اور اس کی دعوت کو قبول کر کے اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں یہ تصور اس تصور کے خلاف ہے جو بظاہر سمجھا جائے کہ شیطان انسان کو بُرائی پر مجبور کرتا ہے۔ (کذا فی الارشاد)

اس سے سمرقندی کی تفسیر کا رد مطلوب ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ شیطان جب قیامت میں کہے گا:

وما کان لی علیکم من سلطان الا ان دعوتکم فاستجبتم لی۔

تو اللہ تعالٰے نے اس کے قول کو ابھی سے رد کر کے اس کی تکذیب ظاہر فرما دی۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ○

اور وہ لوگ جو اللہ تعالٰے کی الوہیت میں شریک ثابت کرتے ہیں بہٖ کا مرجع یا اللہ تعالٰے ہے جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں لکھا ہے یا اس کا مرجع شیطان ہے اب معنٰے یہ ہوگا کہ وہ شیطان کے سبب سے اللہ تعالٰے کا شریک ثابت کرتے ہیں اور شیطان ان کے لئے بتوں کی پرستش کا سبب بنا کہ اس نے انھیں بت پرستی پر ابھارا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت ہذا میں اگرچہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اس سے امت مُراد ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے بعض افراد ایسے تھے جن کے سایہ سے بھی شیطان بھاگتا تھا اس لئے ماننا پڑا کہ جب حضور علیہ السلام کے غلاموں کی یہ شان تھی تو آقا کی کیا شان ہوگی، بلکہ حدیث شریف میں ہے کہ شیطان سرکار دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں مسلمان ہوگیا تھا۔ چنانچہ انہ لیس لہ سلطٰن علی الذین امنوا وعلٰی ربھم یتوکلون سے بھی اسی طرح ثابت ہوتا ہے کہ نور ایمان اور توکّل کا سلطان وسوسۂ شیطان کے سلطان پر غالب ہے یہ امت کا حال ہے کہ ان کا نور ایمان شیطان کے وسوسہ پر غالب ہے تو نبوت کے نور کی کیا کیفیت ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ آیت میں خطاب امت کو ہے اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب اس لئے ہوا تاکہ امت کو معلوم ہو کہ جب نبی علیہ السلام کو شیطان سے استعاذہ کا حکم ہو رہا ہے تو امت کو کیا مجال کہ وہ شیطان سے پناہ نہ مانگے بلکہ وہ اس معاملہ میں اولی واحق ہے۔

ف: اس شیطان سے ہر شیطان مُراد ہے۔

کما قال:۔

ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض لہ شیطانا فھو قرین	جو اللہ تعالٰے کے ذکر سے روگردانی کرتا ہے تو ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں تو وہی اس کا ساتھی ہوتا ہے۔

یہ ہم میں ہے اور حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہی ہے کہ آپ ابلیس سے پناہ مانگیں۔ کیونکہ ہم عوام کو ساتھ رہنے والا شیطان ہی نقصان پہنچاتا ہے وہ شیاطین جو ہم سے دور ہیں وہ ہمیں چنداں ضرر رساں نہیں ہیں۔ اسی لئے ہمیں اپنے قرین سے استعاذہ کرنا ہوگا اور نبی علیہ السلام کا قرین تو مسلمان ہوگیا انھیں ابلیس یا اس کے لشکر کے اکابر سے استعاذہ کرنا ہوگا۔

قبل از تلاوت قرآن استعاذہ کے فوائد

(۱) قرآن کی تلاوت سے جب استعاذہ از شیطان رجیم کرے گا تو تالی قرآن کو شیطان کی داستان ذہن میں آجائے گی کہ وہ باوجودیکہ معلم الملکوت اور بہت بڑے مراتب وکمالات پر فائز تھا لیکن جونہی حق تعالٰے کی نافرمانی کی اور سجودِ آدم سے انکار کیا تو ملعون ٹھہرا تو پھر ہم تم کون ہیں۔ اسی لئے اسے تدبّر وتفکر کا موقع نصیب ہوگا۔ اس طرح سے اسے خلوص نیت حاصل ہوگا اور قرآن مجید کو غور وفکر سے پڑھ کر اوامر الٰہی کی پابندی اور نواہی سے احتراز کر سکے گا جب کہ سمجھے گا کہ شیطان پر

پھٹکار، لعن وطعن جاری ہے اور اسے کافر، فاسق کہا جارہا ہے اور پھر وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا ان وجوہ سے تالی قرآن کو شیطانی اوصاف سے بچنے کا موقع نصیب ہوگا۔

(۲) ہر بندے پر نفس کے گندے خیالات اور شیطان کے وساوس کا حملہ ہوتا رہتا ہے حالانکہ قلب کا ان امور سے صاف ہونا ضروری ہے اگر خیالات فاسدہ بھی ہوں اور وساوس شیطان بھی تو پھر کلام الٰہی کی تلاوت سے ذوق نصیب نہ ہوگا۔اسی لئے اسے حکم ہوا کہ وہ استعاذہ کرے تاکہ نفسانی خیالات اور شیطانی وساوس سے قلب پاک اور نفس کا بھی تزکیہ ہو پھر نور قرآن سے دل منور ہوگا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ قلب کو تصفیہ و تزکیہ کے بعد ہی جلوۂ حق نصیب ہوتا ہے۔

(۳) قرآن مجید کے ہر کلمے اور ہر لفظ اور ہر حرف میں اَن گنت اشارات ومعانی وحقائق ہیں انھیں وہ قلب سمجھ سکتا ہو جو ہواجس و وساوس کی گندگیوں اور غلاظتوں سے پاک کرنا اور اسے انفاس حق کی خوشبو سے معطر ہو اور قلب کو غلاظتوں اور گندگیوں سے پاک کرنا اور اسے انفاس حق سے معطر کرنا استعاذہ سے ہوسکتا ہے کیونکہ اللہ تعالٰے نے اس میں یہی طاقت وقوت امانت رکھی ہے اسی لئے اللہ تعالٰے نے تلاوت قرآن سے قبل استعاذہ کا حکم فرمایا ہے۔

حدیث شریف حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا اور آپؐ نے نماز میں کلمات پڑھے:

الله اکبر کبیرا و الحمد لله کثیرا وسبحان الله

بکرۃ و اصیلا اعوذ بالله من الشیطان الرجیم

من نفخہ ونفثہ وھمزہ

ف: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ نفخ شیطان سے اس کا کبر اور نفث سے شعر اور ھمز سے موتہ یعنی جنون مراد ہے۔

ف: انہ لیس لہ سلطان میں اشارہ ہے کہ شیطان کے تصرف وغلبہ سے مُراد اس کا اغوا واضلال (گمراہ کرنا) ہے اس کی صورت یہ ہے کہ شیطان انسان سے نور ایمان کے انقطاع کی کوشش کرتا ہے اور اس سے توکل کے ارادے ختم کرتا ہے اس لئے کہ جس انسان کا ایمان کامل اور توکل مکمل ہو وہ زاہد عن الدنیا اور راغب الی الآخرۃ بلکہ وہ صرف اللہ تعالٰے کا بن جاتا ہے جب بندہ اس حال کو پہنچتا ہے تو شیطان کو اس پر تصرف وغلبہ کا موقع نہیں رہتا اور نہ ہی ایسے خوش قسمت انسان کو گمراہ کرسکتا ہے البتہ اس کے دل میں وسوسہ ڈالنے کی جدوجہد ضرور کرتا ہے۔ اس لئے انسان کو سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالٰے نے اسے کیسے اپنے قریب لانے کے اسباب بنائے ہیں۔ اور اسے یاد رکھنا لازم ہے کہ قلب کی صفائی اور رونق اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ اپنے قلب کو شیطان کے وساوس اور نفسانی خیالات سے پاک نہ رکھے اور خیالات نفسانی اور وساوس شیطانی کو آپس میں ایک قسم کا تعلق ہے۔ ان دونوں کے ازالہ کے لئے ریاضت، مجاہدہ

اور مداومت علی الذکر ضروری ہے۔ ان اعمال کی کثرت سے نفس کے خیالات اور شیطان کے وساوس گھٹتے اور ان سے غفلت کرنے سے وہ بڑھتے ہیں۔ سالک پر لازم ہے کہ وہ ان اعمال پر مداومت کرے تاکہ اسے قرب حق اور قوت توکل اور نور ایمان نصیب ہو۔

شیطان کی کہانی

حدیث شریف میں ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی یا رب! تو نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ میرے بندوں پر شیطان کا کوئی تسلط نہیں۔ وہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جن کے چہرے کا نور میرے عرش سے اور جن کے جسم کی مٹی طین ابراہیم و مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہو، اور ان کے قلوب میرا خزانہ ہیں۔ ابلیس نے عرض کی یا اللہ! ایسے حضرات کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کی علامات یہ ہیں:

① وہ اپنے گناہوں پر نادم ہوں۔

② اپنے خاتمہ سے خائف ہوں۔ ایسے لوگوں کے چہرے میرے عرش کے نور سے ہیں۔

③ جو لوگوں کو طعام کھلائیں گے۔

④ میرے بندوں پر رحم کریں گے ان لوگوں کی مٹی طین ابراہیم و حضرت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوگی۔

⑤ جو میرے حکم پر راضی اور میری رضا کے طالب ہوں ان کے قلوب میرا خزانہ ہیں۔

شیطان کی دوسری کہانی

حدیث شریف میں ہے کہ جب مومن شیطان پر لعنت کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے تو نے لعین پر لعنت کی جب کہتا ہے: اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ تو شیطان کہتا ہے تو نے میری کمر توڑ دی۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے جو شخص دن میں دس دفعہ شیطان سے پناہ مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے جو اس نیک بندے سے شیطان کو دور رکھتا ہے۔

حضرت شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا:

در راہ عشق وسوسہ اہرمن بسیست
ہش دار و گوش دل بپیام سروش کن

(ترجمہ: عشق کی راہ میں شیطان بہت ہیں، ہوش رکھ اور دل کے کان غیبی فرشتے کی طرف کر دے۔)

مسئلہ: تلاوت قرآن کے وقت اعوذ باللہ پڑھنا واجب ہے خواہ ابتدائے سورت سے شروع کیا جائے یا درمیان میں کسی آیت سے۔

مسئلہ: استاذ کے سامنے شاگرد کو تعوذ نہ پڑھنی چاہئے خواہ قرآن مجید کا سبق شروع کرے یا کسی اور کتاب کا۔ (کذا فی مشارق الانوار)

مسئلہ: یہ وجوب جمہور کا مذہب ہے۔ (کذا فی الاشاد)

ف: الفارسی نے تفسیر الفاتحہ میں لکھا ہے کہ تلاوت کے وقت استعاذہ کا وجوب جمہور کا مذہب نہیں بلکہ یہ امران کے نزدیک مذہب کا ہے (یہی صحیح ہے)۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ یہی صحیح ہے کہ وجوب کا قول جمہور کا نہیں اس لئے کہ اس وقت تعوذ پڑھنا جمہور کے نزدیک مستحب ہے۔ البتہ وجوب کا قول بعض اکابر اہلِ اسلام کا ہے۔

ف: تفسیر قرطبی میں لکھا ہے:

تلاوت کے وقت تعوذ کا وجوب صرف حضور علیہ السلام پر تھا اور ہمارے لئے آپ کی اقتدار لازمی ہے اسی لئے ہمارے لئے بوقت تلاوت استعاذہ سنت ہے۔

مسئلہ: آیت سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں بھی استعاذہ واجب ہے لیکن جمہور امت کے اجماع میں اسے سنت قرار دیا گیا ہے۔ (کذا فی الکافی)

قرطبی نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالےٰ اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ نماز کی صرف پہلی رکعت میں تعوذ کے قائل تھے۔ دوسری رکعتوں میں اس لئے حکم نہیں دیتے تھے کہ ان کے نزدیک تمام نماز میں قرأت ایک ہے اگرچہ رکعات متعدد ہیں۔ (کذا فی حواشی سعدی المفتی)

ف: قرآت سے پہلے تعوذ سے اصلی غرض وسوسہ کو دُور کرنا ہے۔ اسی لئے قرآت سے پہلے تعوذ کا حکم ہوا۔

ف: سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تعوذ سے انسان کا منہ کذب، غیبت اور بہتان سے پاک ہو جاتا ہے اسی لئے قرآن مجید کی تعظیم کے پیش نظر تلاوت سے پہلے تعوذ کا حکم ہوا۔

سے

زبان آمد از بہر شکر و سپاس
بغیبت نگرد اندیش حق شناس

[ترجمہ: زبان شکر و سپاس کے لئے پیدا کی گئی ہے حق شناس لوگ اسے غیبت وغیرہ سے ملوث نہیں کرتے۔]

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ ۙ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مُفْتَرٍ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ○ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۗ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ○ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۙ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ○ مَن كَفَرَ بِاللَّهِ مِن بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ○ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ○ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِن بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ○

ترجمہ: اور جب ہم ایک آیت کے بدلے اور آیت تبدیل کرتے ہیں! اور اللہ تعالٰے جو حکم بھیجتا ہے اسے وہ خوب جانتا ہے تو کافر کہتے ہیں کہ آپ اپنی طرف سے گھڑنے والے ہیں بلکہ ان سے اکثر لاعلم ہیں۔ فرمایئے اسے روح القدس نے آپ کے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدمی بخشے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت و بشارت ہے۔ اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ کافر کہتے ہیں کہ اسے کوئی بشر سکھاتا ہے جس کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور (قرآن) صاف عربی زبان ہے۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالٰے کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اللہ تعالٰے انھیں ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ جھوٹ بہتان صرف وہی باندھتے ہیں جو اللہ تعالٰے کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔ جو ایمان لاکر پھر کفر کرے ہاں! سوائے اس کے کہ کفر پر اسے مجبور کیا جائے بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، ہاں! جو دل کھول کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالٰے کا غضب ہوگا اور ان کو بڑا عذاب ہوگا۔ یہ اس لئے کہ انھوں نے آخرت کی زندگی کے بجائے دنیوی زندگی سے پیار کیا اور اس لئے کہ اللہ تعالٰے ایسے کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر مہر کردی ہے اور وہی غافل ہیں۔ یقیناً آخرت میں وہی خسارے میں ہوں گے۔ پھر بے شک تمھارا پروردگار ایسے لوگوں کے لئے جنھوں نے ستائے جانے کے بعد گھر چھوڑے پھر جہاد کیا اور صبر کیا بے شک تمھارا پروردگار اس کے بعد ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ

شانِ نزول سلطان المفسرین ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا کہ جب قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہوتی تو اگر اس میں کوئی حکم سخت ہوتا تو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو شک گزرتا کہ اکثر لوگ اس پر عمل نہیں کرسکیں گے تو فرماتے اگر اللہ تعالٰے اپنے بندوں پر شفقت کرتا تو نرم احکام نازل فرماتا اور جو سخت احکام تھے انہیں منسوخ فرمادیتا۔ اس پر کفارِ مکہ نے کہا کہ حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے تمسخر کرتے ہیں کبھی کسی عمل کا حکم دیتے ہیں اور کبھی اسے منسوخ کردیتے ہیں کبھی سخت حکم پر عمل کرتے ہیں اور کبھی اُسے چھوڑا دیتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہر حکم اپنی طرف سے گھڑلیتے ہیں (معاذ اللہ) کفارِ مکہ کی اس بکواس پر یہی آیت نازل ہوئی۔

ف: آیت کا معنٰے یہ ہے کہ جب ہم قرآن مجید کی کسی آیت کے بدلے اور آیت نازل فرماتے ہیں یعنے دوسری نازل کردہ آیت کو پہلی آیت کا عوض بناتے ہیں یعنے پہلی آیت کو منسوخ کرتے ہیں۔

وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ یہ جملہ معترضہ شرط اور اس کی جزاء یعنے قَالُوْٓا کے درمیان ہے کفارِ مکہ کو زجر و توبیخ کے لئے لایا گیا ہے اور انہیں سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالٰے کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ نازل کرتا ہے اس کے علم میں ہے احکام و شرائع کے اسرار و رموز وہی جانتا ہے مصلحتیں اور حکمتیں اور بہت سے احکام ایک وقت کے لئے مصلحت رکھتے ہیں پھر دوسرے وقت میں ان کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہ اس وقت کی نزاکت کے ماتحت فساد کا موجب بن جاتے ہیں اسی لئے وہ بندوں کی مصلحت کے مطابق بعض احکام کو منسوخ کردیتا ہے اور بعض کو باقی رکھتا ہے۔ اسی کو ہر شے کی حقیقت اور اسی کو اس کے اوّل و آخر کا علم ہے۔ قالوا کفارِ مکہ نے کہا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ بے شک تو اللہ تعالٰے پر افتراء کررہا ہے یہ احکام اللہ تعالٰے کی طرف سے نازل نہیں ہوئے بلکہ تم اے نبی علیہ السلام اپنی طرف سے گھڑ کر بتارہے ہو۔ (معاذ اللہ)۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ بلکہ ان سے اکثر اللہ تعالٰے کی حکمت کو نہیں جانتے کہ اللہ تعالٰے اپنے بندوں کی اصلاحِ احوال کے لئے احکام نازل فرماتا ہے البتہ ان سے قلیل ایسے ہیں جو نسخ احکام کی حکمت کو جانتے بھی ہیں لیکن عناداً انکار کرتے ہیں۔ قُلْ اے محبوب! صلی اللہ علیہ وسلم ان کے رد میں فرمایئے، نَزَّلَهٗ اللہ تعالٰے نے قرآن مجید کو نازل کیا۔

سوال: قرآن مجید کا ذکر تو ہے نہیں تم نے کہاں سے قرآن کا معنٰے نکال لیا؟

جواب: آیت مذکورہ قرآن مجید پر دلالت کرتی ہے ہم نے دلالۃً قرآن مجید کا معنٰے نکال لیا۔

رُوْحُ الْقُدُسِ وہ روح جو تقدس اور ادناس بشریہ سے مطہر ہے اس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں

اور روح کی اضافت ایسے ہے جیسے حاتم کی جود کی طرف مثلاً کہا جاتا ہے حاتم الجود اس سے اسی وصف کا مبالغہ مطلوب ہوتا ہے گویا وہ صنعت اس کی طبعی ہے۔ اسی تقریر پر روح المقدس اور حاتم الجود کہنا جائز ہوا ورنہ لغوی قاعدہ اس کا انکار کرتا ہے لیکن اس تاویل پر لغوی قاعدہ کے عین مطابق ہو گیا۔

ف: آیاتِ مذکورہ میں نزل کو از باب تفعیل لانے میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید کا تدریجاً اتارنا بھی حکمت الٰہی کے تقاضا پر ہے۔

مِنْ رَّبِّكَ تیرے رب، تیرے آقا اور تیرے جملہ امور کے متولی کی طرف سے بِالْحَقِّ یہ محلاً منصوب حال ہے یعنے درآنحالیکہ وہ حق و ثابت اور تقاضائے حکمتِ الٰہی کے موافق ہے یعنے جیسے اس نے چاہا نازل فرمایا اور چاہا تو اسے منسوخ فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ آیات کا منسوخ ہونا حق ہے۔ لِيُثَبِّتَ تاکہ اللہ تعالے ثابت قدم رکھے یا یہ ضمیر جبریل علیہ السلام کی طرف راجع ہے اس وقت تثبیت کا اسناد جبریل علیہ السلام کی طرف مجازاً ہو گا۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اہلِ ایمان کو ایمان پر، اور وہ یقین کریں کہ واقعی یہ اللہ تعالے کا کلام ہے یعنے جب وہ کلام الٰہی سنیں اور بعض آیات دوسری آیات کے لئے ناسخ بن کر اترتی ہیں وہ ان میں تدبر کریں اور انھیں سمجھ آجائے کہ یہ آیات بندوں کے حال کے عین مطابق ہیں تو وہ بجائے شک کرنے کے ان کے عقائد مضبوط اور پختہ ہو جائیں اور ان کے دل مطمئن ہو جائیں کہ واقعی اللہ تعالے حکیم ہے اور اس کا ہر حکم مبنی بر حکمت و صواب ہے۔ وَهُدًى اور یہ قرآن مجید گمراہی سے ہدایت دینے والا۔ وَّبُشْرٰى اور جنت کی خوشخبری سنانے والا ہے لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ مسلمانوں کو یعنے وہ لوگ جو اس کے حکم کے سامنے سر جھکانے والے ہیں ان دونوں یعنے ھدٰی و بشرٰی کا محلاً لیثبت پر عطف ہے۔ اب عبارت یوں ہو گی، تثبیتا لھم و ھدایۃ و بشارۃ۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح اہلِ ایمان کو قرآن مجید کے نزول سے تثبیت، ہدایت و بشارت نصیب ہوتی ہے ایسے ہی کفار کو ان کی اضداد حاصل ہوتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالے طبیب ہے اور قرآن مجید دوا ہے وہ طبیب مطلق اس قرآن مجید سے مریض قلوب کا علاج کرتا ہے۔ کما قال:

وشفاء لما فی الصدور

پھر جیسے طبیب اپنے مریض کے احوال کی تبدیلی سے ادویہ کو تبدیل کرتا ہے یا مختلف امزجہ کے پیش نظر ادویہ بدلتا ہے تاکہ مریض کا مرض زائل ہو جائے مثلاً کبھی شربت پلاتا ہے تو کبھی معجون۔ یہ تبدیلی حکیم کی لاعلمی سے نہیں بلکہ مریض کے مزاج کی وجہ سے ہے ایسے ہی اللہ تعالے اپنے بندوں کے قلوب کا علاج کرتا ہے تو کبھی کوئی آیت نازل فرماتا ہے۔ اللہ تعالے کو ہی امزجہ اور نزول آیات کا علم ہے وہی ان کی حکمت کو جانتا ہے جو قوانین امراض اور معالجات سے بے خبر ہے وہ

اسے جہل پر محمول کرے گا یا نبوت کی طرف سے افترا پر۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی آیات کی تنزیل پھر ان میں نسخ و تبدیل اہل ایمان کی تثبیت اور ان کے شکوک کے ازالہ کا موجب ہے اس لئے کہ قرآن مجید شفا رحمت دین کے لئے ہدایت اور قلوب کی سلامتی اور اہل ایمان کے لئے بشارت ہے لیکن اس مسلمان کے لئے جو اللہ تعالےٰ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم قرآن مجید کی آیات سُن کر اس پر عمل کرنے کے درپے ہو جاتے تھے، اور ہے بھی یہی حق کہ قرآن مجید پر عمل کرنا مطلوب ہے نہ صرف تلاوت وغیرہ۔

حکایت و روایت ایک شخص حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوا اور عرض کی جو کچھ اللہ تعالےٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے اس سے مجھے بھی کچھ سکھائیے۔ آپؐ نے اسے ایک صحابی کے سپرد فرمایا جو اُسے قرآن مجید کی آیات سکھائے جب صحابی نے اسے سورۃ اذا زلزلت الارض سکھائی تو جب وہ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ تک پہنچے تو اس شخص نے کہا مجھے اتنا کافی ہے اس کی یہی خبر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو سنائی گئی تو آپؐ نے فرمایا: اسے اپنے حال پر رہنے دو اس لئے کہ اس نے جو کچھ سمجھنا تھا سمجھ گیا۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

علم چندانکہ بیشتر خوانی
چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانشمند
چار پائے برو کتابے چند
آں تہی مغز را چہ علم وخبر
کہ بروہیزم است و یا دفتر

[ترجمہ: علم جتنا زائد پڑھو مگر اس پر عمل نہ کرو تو تم نادان ہو۔ وہ نہ محقق ہے نہ دانا بلکہ وہ ایک جانور ہے۔ جس پر چند کتابیں لاد دی جائیں اس بے مغز کو کیا خبر کہ اس کے سر پر کتابیں ہیں یا لکڑی کا گٹھڑ]۔

اور فرمایا: ؎

عالم ناپرہیزگار کوریست شعلہ دار
بے فائدہ ہر کہ عمر در باخت چیزے نخرید و زر بینداخت

[ترجمہ: عالم بدپرہیز کو اس اندھے کی طرح سمجھو جو لالٹین اٹھائے پھرتا ہے اس نے بے فائدہ زندگی بسر کی اس کے پاس زر و دولت تھی لیکن کچھ نہ خرید سکا بلکہ زر و دولت ایسے ہی سے مٹی میں ڈال دی یعنے اس کا

مال بھی ضائع ہوا اور کچھ حاصل بھی نہ کر سکا ۔]

ہم اللہ تعالےٰ سے تقویٰ کی توفیق اور ہر زمان و مکان میں قرآن مجید پر عمل کرنے کی دعا کرتے ہیں ۔

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ نَعْلَمُ لفظ قد تحقیق میں اشارہ ہے کہ وہ واقعی ایسے کہیں گے اور علم کو مؤکد کرنے میں وعدہ و وعید کی طرف اشارہ ہے ۔

قاعدہ : ابن حاجب نے کہا کہ قد مضارع پر تقلیل کا فائدہ دیتا ہے لیکن اسے کبھی تحقیق کے معنے میں نقل کیا جاتا ہے جیسے لفظ ربما مضارع پر تقلیل کا فائدہ دیتا ہے لیکن کبھی اسے تحقیق کے لئے نقل کیا جاتا ہے ۔

اَنَّهُمْ بے شک ہم جانتے ہیں کہ کفار مکہ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ کہیں گے کہ حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کوئی بشر سکھاتا ہے ۔

شان نزول

امام واحدی نے اسباب النزول میں لکھا ہے کہ عبید بن مسلم نے فرمایا کہ عین التمر[2] کے دو باشندے ہمارے غلام تھے ۔ ایک کا نام یسار اور دوسرے کو جبر کہا جاتا تھا ۔ وہ تلواروں کو صیقل کرتے تھے ۔ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ان کے ہاں آنا جانا تھا وہ اپنی کتاب اپنی زبان میں پڑھتے اور حضور علیہ السلام ان سے ان کی کتاب سنتے تھے مشرکین مکہ نے کہا کہ حضور علیہ السلام ان سے کچھ کر آتے ہیں اور دعوےٰ کرتے ہیں کہ یہ قرآن منزل من اللہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہی آیت نازل فرمائی اور ان کے غلط گمان کو جھٹلایا ۔

ف : یہاں پر لبشر سے وہی دو غلام مراد ہیں ۔

لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ یہ مبتدا و خبر ہیں اسی طرح اس کا مابعد بھی مبتدا و خبر ہیں یہ ان کے طعن و تشنیع کے ابطال کے لئے ہے ۔

حل لغات

الالحاد بمعنے الامالۃ ۔ الحد القبر سے لیا گیا ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ قبر کا گڑھا استقامت سے کسی دوسری طرف ڈھل جائے اور اس طرف سے قبر کو کھودا جائے پھر ہر امالہ عن الاستقامۃ کے لئے استعارہ کیا گیا ہے مثلاً کہا جاتا ہے الحد فلان جب کہ وہ دین کی استقامت سے ہٹ کر بے دینی کی طرف ہو جاتے ملحد بمعنے بے دین اسی سے مشتق ہے وہ اس لئے کہ وہ تمام دینوں سے ہٹ کر اپنا ایک علیحدہ مذہب بنا لیا اور جو شخص ایک مذہب سے ہٹ کر دوسرا مذہب اختیار کرے اسے ملحد نہیں کہا جائے گا ۔

الاعجمی غیر فصیح کو کہا جاتا ہے اگرچہ عربی ہو اور العجمی منسوب الی العجم کو کہتے ہیں اگرچہ فصیح ہو ۔ اب معنےٰ یہ ہوا کہ یہ اس مرد کی بولی ہے جس کا قول استقامت سے ڈھلا ہوا ہے اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر فصیح عجمیہ سکھاتا ہے ۔

وَهٰذَا اور یہ قرآن کریم لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ○ فصیح عربی زبان میں ہے جب وہ فصیح عربی زبان میں ہے

تو پھر بغیر فصیح سے ان کا صدور کیسے یعنی اے کافرو! جب تم مانتے ہو کہ قرآن مجید کے تمام الفاظ و معانی ایسے فصیح ہیں کہ جن کے مقابلہ سے تم عجز کا اظہار کرتے ہو اور مانتے ہو کہ اس میں غیبی خبریں ہیں اور یقینی معلومات پر مبنی ہے تو پھر کیوں کہتے ہو کہ انہیں کوئی بشر سکھاتا ہے۔ اگر کوئی بشر انہیں سکھاتا ہے تو کیسے سکھاتا ہے جب یہ کلام معجزہ ہے جس کے مقابلہ سے تمام عالم دنیا کے لوگ عاجز ہیں تو تمہارا دعوئے غلط ہوا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عجمی وہ ہے جو اس کلام کو نہیں سمجھتا جسے اللہ تعالےٰ نے اس کے اندر اپنے اسرار و رموز اور اشارات و معانی و حقائق امانت رکھے ہیں ہاں! وہ اسے نصیب ہوتے ہیں۔ جسے اللہ تعالےٰ سمجھ عطا فرمائے اور لسان عربی وہ ہے جو اس کے پیارے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک سے بولی گئی اور آپ نے اللہ تعالےٰ کے کلام کے معانی و حقائق بیان فرمائے۔ کما قال تعالےٰ:

فانما یسرناہ بلسانک

اور فرمایا:

فاذا قرأناہ فاتبع قرانہ ثم ان علینا بیانہ

اس سے معلوم ہوا کہ عربی مبین سے وہ قلب سلیم اور لسان مبین مراد ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے کسی خوش قسمت کو نصیب ہوئی۔ اسے پورے طور پر سمجھ لو اس لئے کہ یہ اسرار نہانی ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ بے شک وہ لوگ جو آیاتِ الٰہی کی تصدیق نہیں کرتے اور یہ نہیں مانتے کہ یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوئیں ہیں بلکہ وہ کبھی کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالےٰ پر افترا ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ کسی بشر سے سیکھی ہوئی جھوٹی باتیں ہیں لَا یَھْدِیْھِمُ اللّٰہُ انہیں اللہ تعالےٰ سبیل نجات کی طرف ہدایت نہیں بخشتا تاکہ وہ اس ہدایت کی وجہ سے مطلوب کو پا سکیں کیونکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ اپنے بُرے احوال کی وجہ سے مطلوب تک پہنچنے کے مستحق ہی نہیں۔ وَلَھُمْ اور ان کے لئے آخرت میں عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ دردناک عذاب ہے۔ یہ سزا ان کو قرآن مجید سے کفر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف افترار کے انتساب کی وجہ سے ہے حالانکہ یہ خود مفتری اور کاذب ہیں۔ اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ بے شک جھوٹا افترا کرتے ہیں۔

سوال: افترار خود کذب ہے پھر اس کی تصریح کیوں؟

جواب: مبالغہ کے پیش نظر تاکہ اس کے قبح کا مزید اظہار ہو۔ افترار و کذب میں فرق ہے وہ یہ کہ افترار از باب افتعال ہے بمعنے اپنی طرف سے جھوٹی بات گھڑ کر بیان کرنا اور کذب کبھی دوسرے کی تقلید میں اس کا قول نقل کیا جاتا ہے کبھی اپنا جھوٹا قول بیان کیا جاتا ہے گویا افترار خاص ہے اور کذب عام اور یفتری کا فاعل

الّا الذین لا یؤمنون بآیٰت اللّٰہ ہے اور یہ کفار مکہ کے قول انما انت مفتر کے رد میں ہے یعنی

افترا اسی آدمی کا کام ہے جو اللہ تعالے پر ایمان نہیں رکھتا اس لئے کہ اسے عذاب آخرت کا خوف نہیں ہوتا جب آخرت کا خوف اس کے دل میں نہیں تو پھر وہ افترا کس طرح بچ سکتا ہے بہرحال چونکہ مومن آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو احکام قرآن مجید میں ہیں ان کی اس کے دل میں قدر ہے اسی لئے اس سے افترا کا صدور نہیں ہو سکے گا۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ افترا کافر سے اس لئے صادر ہوتا ہے کہ افترا نفس امارہ کے صفات سے ہے اور مطلقاً نفس امارہ کافر کا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ تعالے کی آیات پر مطلقاً ایمان نہیں رکھتا بخلاف مؤمن کے نفس کے کہ وہ ماموں لوامہ۔ ملہم من اللہ ہے بلکہ مطمئن بذکر اللہ ہوتا ہے بلکہ یوں کہو کہ ناظر بنور اللہ اور مؤمن بآیات اللہ ہوتا ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ اللہ تعالے کی آیات نور الٰہی سے ہی نظر آتے ہیں چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

المومن ینظر بنور اللہ

مومن اللہ تعالے کے نور سے دیکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مومن افترا نہیں کر سکتا کیونکہ جب وہ نور الٰہی سے دیکھتا ہے تو پھر وہ جھوٹا افترا کیسے کر سکتا ہے۔

سبق: غور کیجئے جب مومن کی یہ شان ہے تو پھر اہل ایمان کے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا شان ہوگی اور پھر ان سے افترا کا صدور۔ توبہ، توبہ۔ کیونکہ وہ نور من اللہ اور نور اللہ سے دیکھتے ہیں۔

وَاُولٰٓئِكَ اور وہ لوگ جن کا بیان اوپر ہوا یعنے وہ لوگ اللہ تعالے کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے **هُمُ الْكٰذِبُوْنَ** ۝ وہی حقیقۃً جھوٹے لوگ ہیں اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔ بخلاف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کہ ان کا حال برعکس ہے کہ ان سے جھوٹ کا امکان بھی ختم کر دیا گیا ہے یا ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو کامل فی الکذب ہیں اس لئے کہ اس سے بڑھ کر کذب اور کیا ہو سکتا ہے جو اللہ تعالے کی آیات کی تکذیب کرتا ہے۔ یاد رکھیئے کہ آیاتِ الٰہی پر طعن و تشنیع باطل پرستوں کا کام ہے۔ اس معنے پر یہ لام جنس اور حقیقت کی ہے اور اس جنس کو مشارالیہم کے قصر سے مبالغہ مطلوب ہے کہ وہ کذب میں اتنے اونچے ہیں کہ گویا دوسروں کا کذب ان کے مقابلہ میں لاشے ہے۔

ف: الارشاد میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ کذب ساذج یعنے واقعہ کے خلاف یا شئے کے وقوع کے باوجود اس کے عدم وقوع کی خبر دینا بھی اللہ تعالے کے پیدا کرنے سے ہوتا ہے

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ مومن چوری کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ممکن ہے۔ پھر عرض کیا گیا کہ کیا مومن جھوٹ بولتا ہے؟ فرمایا: یہ ممکن نہیں۔

نکتہ: کذب کی قباحت کے لئے اتنا کافی ہے کہ شیطان نے برملا کہہ دیا کہ وہ سب کو گمراہ کرے گا سوائے مخلصین بندوں کے۔ اس نے یہ اس لئے کہا کہ اسے معلوم تھا کہ اس کا وسوسہ کامل بندوں پر اثر انداز نہ ہوگا۔

لطیفہ: اسطالیس نے فرمایا کہ ناطق کو گونگے پر صرف بولنے کی وجہ سے فضیلت ہے اور بولنے کی زینت صدق میں ہے یہی وجہ ہے کہ گونگا اور صامت کاذب سے بہتر ہے۔

ے

بہائم خموشند و گویا بشر
پراگندہ گوے از بہائم بتر

[ترجمہ: جانور خاموش اور انسان بولنے والا ہے بکواس کرنے والا جانوروں سے بھی بدتر ہے۔]

ف: اہل علم نے فرمایا کہ صدق میں نجات اور کذب میں ہلاکت ہے۔

حکایت ایک دفعہ حجاج جمعہ میں تقریر کر رہا تھا تو ایک شخص کھڑا ہو گیا اس نے کہا: اے امیر الجبشۃ! نماز پڑھنے وقت جا رہا ہے۔ اس کی برادری نے سمجھا کہ حق گوئی کی سزا میں حجاج کے ظلم سے مارا جائے گا اس لئے انھوں نے برملا کہا کہ یہ شخص مجنون ہے۔ حجاج نے کہا کہ اگر یہ شخص اپنے جنون کا اعتراف کرلے تو اسے معاف کر دیا جائے گا۔ اس شخص نے کہا: مجھے جنون نہیں میں تندرست ہوں اور جو کچھ میں نے کہا صحیح اور حق کہا ہے۔ حجاج نے اس شخص کی حق بات کہنے اور سچ بولنے کی وجہ سے اسے معاف کر دیا۔ اس سے واضح ہوا کہ صدق نجات کا سبب ہے۔

اے اللہ! ہمیں سچے لوگوں سے بنا۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ وہ جو کلمۂ کفر بولتا ہے۔ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ ایمان کے اظہار کے بعد جیسے ابن حنظل وطعمہ ومقیس وغیرہ وغیرہ۔ من موصولہ محلا مرفوع علی الابتداء اور خبر محذوف ہے جیسا کہ آنے والی خبر لینے فعلیھم غضب محذوف خبر پر دلالت کرتی ہے۔ اور کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ ان پر غضب ربانی ہوگا اور کاشفی نے من کو شرطیہ بنایا ہے جیسا کہ اس کے ابتدائی ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہی ہر دونوں مبتداؤں کی مشترک خبر ہو۔ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ مگر وہ شخص جو کہ کفریہ کلمہ بولنے پر مجبور کیا جائے مثلاً اسے کہا جائے کہ اگر کلمۂ کفر نہ بولو گے تو تمھیں قتل کر دیا جائے گا یا تیرا عضو کاٹ لیا جائے گا۔

ف: یہ حکم غضب وعذاب سے مستثنیٰ متصل ہے اس لئے کہ کفر منۃً قول وعقد ہر دونوں کو عام ہے اب معنٰی یہ ہوا کہ جو اجبار واکراہ کے طور پر کفر کا کلمہ بولے تو وہ اللہ تعالےٰ کے عذاب وغضب سے مستثنیٰ ہے بعض نے کہا کہ یہ مستثنیٰ ہے اس لئے کہ کفر صرف اعتقاد سے متعلق ہے اور اکراہ کا تعلق صرف قول سے ہے اعتقاد سے اسے کسی قسم کا تعلق نہیں اب معنے یہ ہوا کہ جو زبان پر کفریہ کلمہ کے اجراء کے لئے مجبور کیا گیا تو اس پر اللہ تعالےٰ کا عذاب وغضب نہیں۔

وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ یہ مستثنیٰ سے حال ہے اب معنٰی یہ ہوا کہ اس مجبور کا حال یہ ہو کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اس کے اس عقیدے میں کسی قسم کا تغیر نہ آئے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰے کے نزدیک نجات دہندہ وہی ایمان ہے جس کی دل تصدیق کرے۔

وَلٰكِنْ مَّنْ لیکن ہر وہ شخص اس طرح نہ ہو۔ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا بلکہ وہ اپنے سینے کو کفر سے کھولے یعنے اس کا وہی اعتقاد ہو اور بخوشی ورضا اظہار کفر کرے۔ فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ پس ان پر بہت بڑا غضب ہے۔ مِّنَ اللّٰهِ اللہ تعالٰے کی طرف سے۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالٰے کے غضب کا دوسرا نام نار جہنم ہے۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔ عذاب اس سخت سزا کو کہا جاتا ہے جس میں کسی کو شدید ترین درد پہنچایا جائے۔ اور ان دونوں میں ظرف کی تقدیم اختصاص کے لئے ہے اور واضح کرنا ہے کہ وہ عذاب وغضب کے مستحق بھی صرف اسی لئے تھے کہ ان کا جرم ناقابل معافی تھا یعنے مرتد ہونا۔

شان نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کہ یہ حضرت عمار بن یاسر اور ان کی ماں سمیہ اور حضرت صہیب اور حضرت بلال اور حضرت خباب اور حضرت سالم رضی اللہ تعالٰے عنہم کو گرفتار کر کے سخت سے سخت اذیتیں دیں تاکہ یہ لوگ دین اسلام سے ہٹ کر کفر میں داخل ہوں لیکن عمار کے والدین نے انکار کر دیا کفار نے بی بی سمیہ رضی اللہ تعالٰے عنہا کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ کر خوب چابک مارے یہاں تک کہ بی بی صاحبہ کی فرج میں حربہ گھونپ کر کہا کہ تو مسلمان مردوں کے عشق کی وجہ سے مسلمان ہوئی تھی اب اس کا مزہ چکھ لے۔ بی بی صاحبہ نے استقامت نہ چھوڑی یہاں تک کہ شہید ہوگئیں۔ اس کے بعد حضرت یاسر رضی اللہ تعالٰے عنہ کو بھی شہید کر دیا گیا یہ ان حضرات کے حق میں نازل ہوئی۔

ف: یہی دونوں میاں بیوی پہلے اسلامی شہید ہیں۔ اور چونکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ ضعیف البدن اور نہایت کمزور تھے اسی لئے وہ کافروں کے عذاب وتکالیف برداشت نہ کر سکے اسی لئے کلمۂ کفر زبان پر جاری کیا یعنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیں اور کافروں کے بتوں کو بھلائی سے یاد کیا۔

علم غیب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ثبوت حضرت عمار رضی اللہ تعالٰے عنہ کے اس اجرائے کفر پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰے عنہم نے کہنا شروع کر دیا کہ عمار کافر ہوگیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

کلا ان عمارا ملئ ایمانا من قرنہ الی قدمہ	بے شک عمار سراپا ایمان ہے بے شک اس کے رگ وریشہ
واختلط الایمان بلحمہ ودمہ	میں ایمان ہی ایمان ہے۔

اس کے بعد حضرت عمار رضی اللہ عنہ روتے ہوئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے رسول کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عاشق راز حضرت عمار رضی اللہ تعالٰے عنہ کے آنسو پونچھتے ہوئے فرمانے لگے کیا ہوا؟ اگر تجھ سے بار بار وہی کلمہ کہلوائیں تو تم کہتے جاؤ (تیرے ایمان میں کسی قسم کا خلل نہیں پڑتا۔)

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اکراہ و اجبار کے وقت مجبور مکرہ کو کلمۂ کفر بولنا جائز ہے اگرچہ افضل یہی ہے کہ کلمہ کفر بولنے سے اجتناب کرو دکھ درد اور قتل پر صبر کیا جائے جیسے حضرت عمار کے والدین رضی اللہ عنہم نے کیا۔

مسیلمۃ الکذاب اور دو مسلمانوں کی حکایت مروی ہے کہ مسیلمۃ الکذاب نے دو مسلمانوں کو گرفتار کر کے ایک سے پوچھا کہ تیرا (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا عقیدہ ہے؟ اس نے کہا وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ پھر اپنے متعلق پوچھا۔ تو اس نے جواب دیا کہ تو بھی۔ اس نے اپنی مرضی کا جواب سن کر اسے چھوڑ دیا اس کے بعد دوسرے سے سوال کیا کہ تیرا (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا عقیدہ ہے؟ اس نے کہا وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اس نے اپنے متعلق پوچھا تو جواب دیا کہ اس سے میں بہرہ ہوں یعنے تیرے متعلق کچھ سننا بھی گوارہ نہیں۔ تین بار سوال ہوا ہر بار اس نے یہی جواب دیا مسیلمۃ الکذاب نے اس سے اپنی مرضی کا جواب نہ پا کر اسے شہید کرا دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں کا ماجرا سنایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ پہلے نے تو رخصت پر عمل کیا اور دوسرے نے حق پر جان دے دی۔ اسے صد مبارک۔

حدیث شریف ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا بہترین جہاد ہے۔

نکتہ یہ افضل الجہاد اس لئے ہے کہ کسی دشمن دین سے لڑنے میں موت وحیات ہر دونوں کا احتمال ہوتا ہے لیکن ظالم بادشاہ کو حق کہتے وقت جان ہتھیلی پر رکھنی پڑتی ہے اور اس میں موت کا یقین ہوتا ہے اسی لئے جو بھی بادشاہ کو کلمۂ حق اور امر بالمعروف کہے گا تو گویا وہ اپنے منہ اپنی موت خود مانگ رہا ہے۔ اسی لئے یہ افضل الجہاد ہے کہ اس میں موت کا خوف غالب ہے۔ (کذا فی ابکار الافکار فی مشکل الاخبار)

ذٰلِكَ وہ یعنے کفر بعد الایمان بِاَنَّهُمُ یہ بسبب اس کے کہ انھوں نے اسْتَحَبُّوا پسند کیا اور چن لیا۔ استحباب کو علیٰ سے متعدی کرنے میں اشارہ ہے کہ یہاں پر استحباب بمعنے ایثار ہے۔ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا حیات دنیا کو عَلَى الْاٰخِرَةِ آخرت کی نعمتوں پر وَاَنَّ اللّٰهَ اور بے شک اللہ تعالیٰ لَا يَهْدِي ایمان کی ہدایت نہیں دیتا اور نہ ہی ان امور کی طرف جو ثبات علی الایمان کے موجب ہیں الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ کافر لوگوں کو یعنے اللہ تعالیٰ کے علم محیط میں انھیں زیغ اور ان امور سے نہیں بچائے گا جو دردناک عذاب اور غضب الٰہی کا موجب ہیں وہ یہ کہ انھوں نے آخرت کے بجائے دنیا کو ترجیح دی اور یاد رہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ کا ہدایت نہ پہنچانا ان کے اپنے غلط کرتوت کی وجہ سے ہے اس لئے کہ انھوں نے آخرت کی بجائے دنیا کو ترجیح دی چنانچہ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُولٰٓئِكَ یعنے وہ لوگ جن کے قبائح ابھی مذکور ہوئے ہیں الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ جن پر حق تعالیٰ نے مہر لگائی ہے۔ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں پر تاکہ قول حق نہ پاسکیں۔ وَسَمْعِهِمْ اور ان کے کانوں پر تاکہ حق کو نہ پاسکیں وَاَبْصَارِهِمْ اور ان کی آنکھوں پر تاکہ آثار قدرت

نہ دیکھ سکیں۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ اور ان کی غفلت کی انتہا کا منے یہ ہے کہ وہ اپنے انجام میں غور و فکر نہیں کرتے۔ لَاجَرَمَ اَنَّهُمْ بالضرور بے شک وہ لوگ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ آخرت میں خسارے والے ہیں اس لئے کہ انھوں نے اپنی عمریں ضائع کیں اور انھیں دائمی عذاب میں صرف کیا۔

ف: انھیں خسارے والا اس لئے فرمایا کہ دنیا میں سرمایۂ حیات بھی خرچ ہوا لیکن آخرت میں ذرہ بھر بھی میسر نہ آیا بلکہ قیامت میں ان جیسا اور کوئی مفلس اور تنگدست نہ ہوگا اپنی اسی تنگی اور پریشانی سے سخت نادم ہوں گے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

قیامت کہ بازار مینو نہند
منازل باعمال نیکو دہند
بضاعت بچنداں آنکہ آری بری
اگر مفلسی شرمساری بری!

(ترجمہ: قیامت میں جو مراتب مقرر ہوں گے وہاں منازل اعمال کے مطابق نصیب ہوں گے۔ جتنے اسباب لائے گا اتنا مرتبہ پائے گا اگر مفلس ہوکر آئے گا تو شرمسار ہوگا۔)

نیز فرمایا: ؎

کہ بازار چندانکہ آگندہ تر
تہی دست را دل پراگندہ تر
کسے راکہ حسن عمل بیشتر
بدرگاہ حق منزلت بیشتر

(ترجمہ: وہ بازار پر رونق ہو لیکن خالی ہاتھ انسان سخت پریشان ہوگا جس کے اچھے اعمال زیادہ ہوں گے اس کے مراتب بارگاہ الٰہی میں بلند ہوں گے۔)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ دنیا میں جو لوگ غافل ہیں وہی آخرت میں خسارے والے ہوں گے۔ اس میں اشارہ ہے کہ عبودیت کے متعلق اعضاء کی غفلت قلب کے لئے مواہب رحمانیہ سے محرومی کا سبب ہے۔ بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ نفس کی اپنے سے جہالت و غفلت ہی اس کا حجاب ہے اگر اس سے اپنی جہالت و غفلت کے پردے اٹھ جائیں تو وہ ہر معاملہ کو ایسے معائنہ و مشاہدہ کرے گا جیسے دوپہر کے وقت سورج کا مشاہدہ و معائنہ کیا جاتا ہے۔

ف: ابن آدم کو غافل پیدا کیا گیا ہے اسی لئے اس کی زندگی ناخوشگوار بسر ہوتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

آستن این عالم اے جان غفلتست
ہوشیاری ایں جہان آفتست
ہوشیاری زان جہان است وچو آن
غالب آمد پست گردد ایں جہان
ہوشیاری آفتاب و حرص یخ
ہوشیاری آب و این عالم وسخ

[ترجمہ : اس جہان کی بنیاد غفلت پر ہے اس جہان کے لئے ہوشیاری اس کے لئے آفت ہے ہوشیاری اسی جہان سے متعلق ہے جب ہوشیاری کا غلبہ ہوتا ہے تو یہ جہان چلا جاتا ہے ہوشیاری سورج اور حرص یخ ہے ہوشیاری پانی اور یہ جہان میل کچیل ہے ۔]

اے اللہ! ہمیں یقظہ وانتباہ والوں سے بنا اور ان لوگوں سے نہ بنا جو اپنی خواہش نفسانی کو اپنا معبود بناتے ہیں اور ہمیں کاشفین عارفین کے مقامات سے مشرف فرما اور ہمیں حقیقۃً یقین وتحقیق وتمکین تک پہنچا اس لئے کہ مددگار معین ہے ۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ

شان نزول حضرت قتادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں بتایا گیا کہ جب اللہ تعالےٰ نے حکم نازل فرمایا کہ اہل مکہ کا اسلام قبول نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اس پر اہل مدینہ نے اپنے دوستوں کو خطوط لکھے کہ ہجرت کرکے مدینہ طیبہ آجاؤ۔ چنانچہ مسلمان مکہ معظمہ سے لوگ مدینہ منورہ کو جانے لگے تو کفار مکہ نے انھیں روک لیا ان کے روکنے پر آیت الم احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا أمنا وھم لا یفتنون اہل مکہ نے مدینہ والوں کو خطوط لکھے کہ ہمیں مدینہ طیبہ مکہ والے لوگ نہیں آنے دیتے مدینہ والوں نے جواب لکھا کہ اب ہجرت کرکے آؤ اگر کفار مکہ روکیں تو ان کے ساتھ جنگ کریں چنانچہ اہل مکہ ہجرت کرنے لگے تو کفار مکہ نے تیر برسانے شروع کر دیئے ان میں سے بعض شہید ہوگئے اور بعض بچ گئے ۔ ان کے واقعہ پر یہی آیت نازل ہوئی ۔ (کذا فی اسباب النزول للواحدی)

ثُمَّ ان کے ایک دوسرے کے بعد مرتبہ پر دلالت کرتا ہے چنانچہ حرف استثناء سے معلوم ہوتا ہے یعنے کفار ومشرکین غضب وعذاب الٰہی کے مورد ہیں اور اہل ایمان غضب وعذاب سے مستثنیٰ ہیں اس سے کفار کے مرتبہ بلند پر دلالت نہیں ہوسکتی ۔ (کذا فی الارشاد)

لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا ان لوگوں کے لئے جو دار الاسلام کی طرف ہجرت کر گئے ہیں ان سے حضرت عمار و صہیب و خباب و سالم و بلال وغیرہم رضی اللہ تعالےٰ عنہم مراد ہیں اور لام کے جز یعنے عفو کے متعلق ہے اور دوسرا ان پہلے کی تاکید ہے۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا اس کے بعد کہ وہ فتنہ میں پڑے یعنے مرتد ہونے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئے یعنے مجبوراً زبان پر کلمہ کفر کہا اور وہ اسی کفر پر دل سے بھی راضی ہیں اس سے وہ کافر مراد ہیں جو اپنے کفر سے دل پر مطمئن ہیں۔ ثُمَّ جَاهَدُوْا پھر انھوں نے راہ حق میں جہاد کیا۔ وَصَبَرُوْآ اور جہاد کی مشقتوں پر صبر کیا۔ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا بے شک ہجرت و جہاد و صبر کے بعد۔ لَغَفُوْرٌ غفور ہے۔ ان کے ان گناہوں سے جو ان سے پہلے سرزد ہوئے یعنے ان کے گناہوں کو ڈھانپنے والا اور مٹانے والا ہے۔ رَّحِيْمٌ ○ رحیم ہے۔ ان پر انعام کرنے والا ہے یعنے انہیں ان کے اعمال حمیدہ پر بہشت کے علاوہ اور بہتر جزا دے گا۔

ف: المهاجر بروزن مفاعلہ ہے ہجرت سے مشتق ہے بمعنے ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف منتقل ہونا اور المجاهد مفاعلہ از جُہد مشتق ہے بمعنے اپنی وسعت اور جد وجہد کو کسی کام کے لئے خرچ کرنا۔

صوفیانہ ترجمہ: التعریفات میں ہے المجاهد لغت میں بمعنے محاربت (جنگ کرنا) ہے اور شرع میں نفس امارہ بالسوء کے ساتھ جنگ کرنا یعنے ان امور کے لئے جو شرعاً محمود ہیں نفس کو مشقت میں ڈالنا۔

مسئلہ: مہاجرت صوریہ و معنویہ اسی طرح مجاہدہ وہی اللہ تعالےٰ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ ہیں جو صرف اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے ہوں۔

مسئلہ: جو اپنے علاقے سے دوسرے علاقے کی طرف اس غرض پر ہجرت کرتا ہے کہ اس کے اپنے علاقہ میں دین کے شعائر کی توہین ہوتی ہے لیکن دوسرے علاقہ میں شعائر دین کی تعظیم و تکریم ہوتی ہے۔ اس نیت سے ہجرت کرنے والے کے لئے جنت واجب ہوتی ہے اگرایسی ہجرت ایک بالشت کے برابر ہو۔

صوفی کی ہجرت جو شخص نفس کے وطن اور اس کی مالوف و مرغوب چیزوں کو چھوڑے اور باطنی دشمنوں سے جنگ کرے تو اسے قربۃ اور صدیقین کا مرتبہ نصیب ہو جاتا ہے اور صدیقین کا مرتبہ شہدار سے بہت بلند و بالا ہوتا ہے۔

حکایت حضرت عمر بن الفارض قدس سرہٗ ایک ولی کامل کے جنازہ پر حاضر ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ جب ہم ان کی نماز جنازہ سے فارغ ہوئے تو فضائے آسمانی پر سے آتا ہوا ایک بڑا سبز پرندہ دکھائی دیا جس نے اس بزرگ کو لقمہ کے طور پر نگل لیا اور آسمان پر اڑ گیا۔ اس پر میرے ساتھ کھڑا ہوا ایک مرد جو کہ آسمان سے نماز جنازہ کی خاطر نیچے اترا تھا کہا کہ تعجب مت کرو اس لئے کہ شہدار کی ارواح پرندوں کے سبز گھونسلوں میں رکھی جاتی ہیں اور وہ بہشت میں جہاں چاہیں چلتے پھرتے ہیں۔

حیات الاولیاء کی دلیل یہ ان اولیاء کا حال ہے جو دشمن کے مقابلہ میں تلوار سے شہید ہوتے ہیں اور وہ حضرات جو

شہید عشق ہوتے ہیں ان کے اجسام ہی ارواح کی طرح بن ہیں اس لئے کہ ارواح لطیفہ کے آثار ان کے اجسام میں اثرانداز ہوتے ہیں جس سے اجسام کو ارواح کی لطافت حاصل ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اولیاء کرام کے اجسام قبر میں گل سڑ نہیں جاتے بلکہ تا ابد زندہ رہتے ہیں۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اس مرتبہ کو حاصل کرے تاکہ اسے دائمی حیات نصیب ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان نفس امارہ کی سرکوبی کرے اور اسے برے اخلاق اور گندے اوصاف سے پاک وصاف رکھے اور نفس کے لئے برے اور گندے اوصاف یہ ہیں:

(۱) کبر
(۲) عجب
(۳) ریار
(۴) غضب
(۵) حسد
(۶) حب مال
(۷) حب جاہ

ف: صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ انسان کو جہنم کے سات طبقات انہی سات اوصاف سے حاصل ہوں گے ان سات اوصاف سے بچنے سے جہنم سے نجات نصیب ہوتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

۱ ترا شہوت و کبر و حرص و حسد
چون خون در رگند و چون جان در جسد

۲ اگر این دشمنان تقویت یافتند
سر از حکم ورائے تو بر تافتند

۳ تو برکرۂ توسنی در کمر!
نگر تا نہ پیچد ز حکم تو سر

۴ اگر پالہنگ از کفت در گسیخت
تن خویشتن کشت و خون تو ریخت

(ترجمہ: (۱) تیرے اندر شہوت و تکبر و حرص و حسد ایسے ہیں جیسے خون رگوں میں اور جان جسم میں۔ (بقیہ صفحہ ۳۳۶ پر)

يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝
وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ
فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝
وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ فَكُلُوْا
مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝
اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ
فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ
الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا
حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝
ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْۤا ۙ اِنَّ
رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ: جس دن ہر شخص اپنی طرف سے ہی جھگڑتا ہوا آئے گا اور ہر ایک کو اس کے کردار کا پورا بدلہ ملے گا اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے۔ اور اللہ تعالے نے ایک مثال بیان فرمائی ایک بستی کہ امان اور چین میں تھی ہر طرف سے اس کا رزق بکثرت آیا پھر اس نے اللہ تعالے کی نعمتوں کی ناقدری کی تو اللہ تعالے نے ان کی غلط کاریوں کی سزا میں اسے بھوک اور خوف کے پہناوے کا مزہ چکھایا۔ اور بے شک ان کے ہاں انہیں میں سے ایک پیغمبر تشریف لایا تو انھوں نے اس کی تکذیب کی تو انہیں عذاب نے پکڑا جب کہ وہ ظالم تھے۔ سو اللہ تعالے کا عطا کردہ حلال پاکیزہ رزق کھاؤ اور نعمت الٰہی کا شکر کرو اگر تم صرف عبادت کرتے ہو۔ تم پر اللہ تعالے نے صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت حرام کیا اور وہ بھی جس کے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔ پھر جو لاچار ہو اور نہ ہی لذت کے درپے ہو اور نہ ہی سے پڑھنے والا ہو تو بے شک اللہ تعالے بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جن چیزوں کو محض تمہاری زبانیں جھوٹ بناتی ہیں انہیں یوں نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام، کہ اللہ تعالے پر بہتان باندھو بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالے پر بہتان تراشی کرتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ (یہ دنیوی) تھوڑا سا سامان ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور صرف یہودیوں پر ہم نے حرام فرمائیں وہ چیزیں جو ہم نے تمھیں پہلے بیان کیں۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا ہاں وہی خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔ پھر بے شک تمہارا پروردگار ان کے لئے جنھوں نے نادانی سے برائی کی پھر اس کے بعد تائب ہوتے اور اپنی اصلاح کی تو بے شک اس کے بعد تمہارا پروردگار ضرور بخشنے والا

مہربان ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۳۲)

(۲) اگر ان دشمنوں نے تقویت پائی تو پھر تیرے حکم سے نکل جائیں گے۔

(۳) تو سرکش گھوڑے پر سوار ہے خیال کرنا کہیں تیرے حکم سے سرتابی نہ کرے۔

(۴) یہ سرکش تیرے ہاتھ سے نکل گیا تو پھر نہ اس کی اپنی خیر ہے نہ تیری۔

ان اللّٰہ غفور اللہ تعالٰی من حیث الافعال غفور بایں معنی ہے کہ مرتبۂ توحید افعال سے اہل تزکیہ پر تجلی ڈالتا ہے اور من حیث الصفات بایں معنی غفور ہے کہ ان پر مرتبہ الصفات سے جلوہ گر ہوتا ہے اور من حیث الذات مرتبہ توحید الذات سے ان پر تجلی ڈال کر ان کے افعال وصفات وذات کو ڈھانپ لیتا ہے اور اپنے افعال کے آثار اور اپنے صفات کے انوار اور اپنی ذات کے اسرار سے ان پر انعام فرماتا ہے اسی وجہ سے اہلِ تزکیہ فانی وجود سے نجات پاکر باقی باللہ بن جاتے ہیں اسی وقت انھیں مجاہدات کے ثمرات نصیب ہوتے ہیں یعنے مشاہدات سے نوازے جاتے ہیں اور اس وقت انھیں ازل سے تا حال کی مفارقات کے نتائج حاصل ہوتے یعنے اب وہ واصل باللہ ہوتے اور اس وقت انھیں معاقبات کے انجام حاصل ہوئے یعنے جنات عالیہ کی نعمتیں اور مقامات قربات کی شرافتیں نصیب ہوئیں کہ اب کے بعد دائمی استراحت قرب سے نوازے جائیں گے۔

اے اللہ! اسبیل ہجرت وصبر وجہاد کے سلوک میں ہماری مدد فرما اور ہمیں اہل بغی وفساد کے فتنوں سے محفوظ فرما اور صرف تو ہی اعانت وامداد کا مالک ہے۔

(گذشتہ آیات کی تفسیر)

تفسیر عالمانہ

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ۔ یوم کا منصوب ہونا اذکر محذوف کی وجہ سے ہے اور اس سے قیامت کا دن مُراد ہے یعنے قیامت میں ہر نفس آئے گا۔ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا اپنے نفس کی طرف سے جھگڑا کرے گا۔

سوال: نفس کا اپنے نفس کی طرف مضاف ہونے کا کیا معنٰے؟

جواب: عین الشئ کو نفس اور اس کی نقیض کو غیر سے تعبیر کرتے ہیں اور نفس بمعنے جملہ کے بھی مستعمل ہوتا ہے اس معنے پر پہلے نفس سے جملہ اور دوسرے اس کی اپنی ذات مُراد ہے اب معنے یہ ہوا کہ اے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم یاد کیجئے یا اس سے ہر وہ شخص مُراد ہے جو خطاب کا اہل ہے قیامت میں ہر انسان معذرت کرکے اپنی ذات کی نجات کے لئے جد وجہد

کرے گا مثلاً کافروں کے متعلق قرآن مجید میں منقول ہیں کہیں گے ھولاء اضلونا اور کبھی کہیں گے وما کنا مشرکین۔
اسے کسی دوسرے تک کا خیال نہ ہوگا مثلاً قیامت میں ہر ایک کہے گا نفسی نفسی یہ اس وقت کہے گا جب جہنم کو خوب بھڑکایا جائے گا اور وہ جوش سے بھڑک رہی ہوگی اس وقت ہر نبی اور ہر ملک مقرب یہاں تک کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام رب رحمٰن کے سامنے گھٹنوں کے بل گر کر عرض کریں گے۔ رب نفسی اے اللہ تعالےٰ! اب میں صرف اپنی ہی نجات چاہتا ہوں۔

ایک بد مذہب کے عذاب جہنم کا منظر

احمد دورقی نے فرمایا کہ ہمارے ہمسائیگاں سے ایک نوجوان فوت ہوا جسے میں نے رات کو خواب میں دیکھا تو بوڑھا نظر آیا میں نے اس سے پوچھا یہ کیا؟ اس نے کہا: ابھی ہمارے گورستان میں بشر مریسی مدفون ہوا ہے۔ اس کے عذاب کی کیفیت دیکھنے سے میرا یہ حال ہو گیا نہ صرف میرا بلکہ میری طرح کے تمام جوانوں کی یہی کیفیت ہے۔

ف: بشر مذکور حضرت قاضی ابو یوسف کا شاگرد تھا لیکن اس نے علم کلام پڑھا تو گمراہ ہو گیا اور خلق قرآن کے عقیدہ کا نہ صرف حامی تھا بلکہ اس عقیدہ پر بغداد کے بے شمار لوگوں کو گمراہ کیا۔ اس کو مناظرہ میں حضرت عبدالعزیز کنانی نے شکست دی تھی۔
خلاصہ یہ کہ یہی بشر مریسی پکا انسانی شیطان تھا بلکہ یوں کہو کہ بغداد میں ابلیس کا خلیفہ یہی تھا اس لئے کہ جیسے ابلیس کو گمراہ کرنے کا حرص ہے ایسے ہی خلق قرآن کے عقیدہ میں پھنسانے کا اسے حرص تھا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دام سخت است مگر لطف خدایا شود
ورنہ آدم نبرد صرفہ ز شیطان رجیم

[ترجمہ: شیطان کا جال سخت ہے اے اللہ تعالےٰ تیرا ہی لطف چاہیئے ورنہ آدم زادے شیطان رجیم سے سامان صحیح سالم نہیں لے جا سکیں گے۔]

اور فرمایا: ؎

سزدم چو ابر بہمن کہ درین چمن بگریم
طرب آشیان بلبل بنگر کہ زاغ دارد

[ترجمہ: میرے لائق ہے کہ ساون کے بادل کی طرح آنسو بہاؤں جب دیکھا کہ بلبل کے آشیانہ پر زاغ قابض ہے۔]

تفسیر صوفیانہ

نفس ہر نفس اپنی بقاء وجود کی مقدار میں تجادل عن نفسھا اپنے نفس کے لئے جھگڑے گا یا اس لئے کہ اس سے اس کے نقصانات دور ہوں یا اسے اس کے منافع حاصل ہوں وجہ یہ ہے کہ قیامت میں ہر ایک یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام بھی نفسی نفسی پکاریں گے سوائے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد

مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ چونکہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہیں اسی لئے آپ امتی امتی پکاریں گے۔علاوہ ازیں آپ سب سے پہلے دنیا میں تشریف لائیں گے اور قیامت میں سب سے پہلے اٹھیں گے اور آپ کو اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے گئے اور شب معراج میں بے شمار مراتب وکمالات سے نوازے گئے اور خصوصیت سے انھیں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کا خطاب ملا۔ آپ اللہ تعالٰی کے سلام کی برکت سے اپنے وجود سے فانی اور رحمت حق سے باقی ہوں گے اسی لئے نفسی نفسی کے بجائے امتی امتی پکاریں گے اگرچہ آپ بنفس نفیس رحمۃ لھداۃ تھے اور برکات کا خزینہ بن کر خلق خدا کی ہدایت کے لئے تشریف لائے اسی لئے آپ نے شب معراج اپنے خاص متبعین کو بھی ساتھ ملا کر کہا:

وعلینا علٰی عباد اللہ الصالحین

یعنے وہ صالحین جنھوں نے طلب مقصود اور حصول جود کی خاطر اپنا وجود بھی راہ حق میں نثار کردیا۔ اسی لئے ان کے متعلق مجادلہ المخلوق علے الخالق کا سوال ہی نہ رہا اسی لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل قیامت میں تمام لوگ نفسی نفسی کہیں گے اور میں سابقی سابقی پکاروں گا۔

تفسیر عالمانہ وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ اور ہر نفس کو جو نیک ہو یا بد پوری جزا اور سزا دی جائے گی: مَّا عَمِلَتْ وہ کیا۔

سوال: جزا وسزا کا معنٰے تم نے خود نکالا ہے آیت میں تو صرف ما عملت ہے؟

جواب: چونکہ جزا وسزا کا سبب اعمال ہیں آیت میں سبب اعمال کا ذکر ہے لیکن اس سے مسبب یعنے جزا وسزا مراد ہے نیز یہ بھی ظاہر کرنا مطلوب ہے کہ اعمال اور ان کی جزا وسزا کو آپس میں بہت بڑا اتصال ہے۔

سوال: وتوفی کے بعد کل نفس کا تکرار کیوں؟ یہاں ضمیر لائی جاتی تو کلام مختصر ہوتا۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ ان کا قیامت کے دن توفی اور مجادلہ کا وقت مختلف ہوگا۔ یہ دونوں کام بیک وقت نہ ہوں گے اگرچہ دن ہوگا۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے یعنے نہ ان کے اجر وثواب میں کمی جائے گی اور نہ ہی بلا سبب انھیں سزا دی جائے گی اور نہ ہی ان کے گناہوں کی سزا میں جرائم کی مقدار سے زائد سزا ہوگی۔

روح اور جسم کا جھگڑا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت میں ہر ایک شئے ایک دوسری شئے سے جھگڑا کرے گی یہاں تک کہ روح جسم سے جھگڑا کرے گا کہ یا اللہ میرا کوئی قصور نہیں یہ تمام شرارت جسم کی تھی اس لئے کہ نہ میرے ہاتھ تھے نہ پاؤں اور نہ آنکھ کہ جن سے میں غلطیوں کا ارتکاب کرتا یہ تمام اعضا اسی کے تھے اور اسی ہی نے گناہ کئے۔ جسم عرض کرے گا یا اللہ! میرا کوئی قصور نہیں تمام قصور اسی کا ہے

اس لئے کہ میرے تمام اعضا بے حس و حرکت پڑے تھے اسی نے ان میں روشنی ڈالی تو میرے ہاتھوں اور پاؤں اور آنکھ وغیرہ نے گناہ کئے نہ یہ ہوتا نہ میں گناہ کرتا۔

اندھا اور لنگڑا جسم اور روح ہر دونوں ہی جرائم و معاصی کی سزا پائیں گے جیسے ایک لنجے لنگڑے اور اندھے کی کہانی مشہور ہے اور وہ جسم اور روح کے مذکورہ جھگڑے پر صادق آتی ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک لنجہ لنگڑا اور اندھا کسی باغ میں داخل ہوئے اس میں بہت زیادہ میوہ جات تھے نابینا ثمرات کو نہیں دیکھ سکتا تھا اور لنجہ لنگڑا دیکھ رہا تھا لیکن توڑ نہیں سکتا تھا مشورہ طے ہوا کہ اندھا لنجے لنگڑے کو سر پر اٹھالے چنانچہ اسی حالت میں باغ کے ثمرات توڑنے جب دونوں گرفتار ہوئے تو دونوں نے برابر سزا پائی۔ (کذا فی تفسیر السمرقندی)

فائدہ صوفیانہ ہر نفس جو برا کام کرتا ہے اسے سزا ملے گی، اہل شرع نے فرمایا کہ وہ جہنم میں جائے گا اور صوفیا کرام نے فرمایا اسے نار ہجر و فراق کی سزا دی جائے گی۔ اسی طرح جو نیکی کرتا ہے اسے اہل شرع نے بہشت کی نعمتوں کا مژدہ سنایا ہے اور صوفیا کرام نے اس سے دیدار الٰہی مراد لی ہے۔ خلاصہ یہ کہ نہ اہل جنت کو عذاب ہوگا اور نہ اہل نار کو ثواب۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا قَرْیَۃً پہلے زمانہ کی کسی ایک بستی کی اللہ تعالےٰ نے مثال بیان فرمائی اس بستی سے شہر ایکہ مراد ہے۔ (کذا فی الکواشی)

یہ شہر ینبع اور مصر کے درمیان واقع ہے۔ ضرب المثل ہے کسی شے کو مثال کے طور پر بیان کرنا مراد ہے۔ اسی لئے کاشفی نے اس کا معنےٰ کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ مثال بتائی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے اگر جعل کے معنی کو متضمن ہو تو متعدی بدو مفعول ہوگا۔

سوال: قریۃ کو مثلاً کے بعد کیوں لایا گیا ہے حالانکہ یہ تو مفعول اول ہوگا۔ فلہٰذا اسے نمبر میں بھی اول آنا چاہئے تھا؟۔

جواب: چونکہ کانت آمنۃ قریۃ کی صفت ہے اگر اسے مقدم کیا جاتا تو موصوف و صفت کے درمیان غیر حائل ہو جاتا علاوہ ازیں مقصود کے ترتیب کا تقاضا بھی یہی تھا کہ قریہ کو مؤخر کیا جائے تاکہ اس پر مطلوب کا ترتب ہو سکے۔ اب معنےٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے ایکہ والوں کی مثال اہل مکہ کے لئے بیان فرمائی یا اس سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جنھیں اللہ تعالےٰ نے ہر طرح کے انعامات سے نوازا لیکن وہ نعمتوں کو پہچان سکے بجائے شکر الٰہی بجالانے کے سرکشی اور بغاوت کی اللہ تعالےٰ نے ان کی نعمتوں کو عذاب سے تبدیل کر دیا اس معنے پر حکم میں اہل مکہ وغیرہ سب داخل ہو گئے اور اہل مکہ کا داخل ہونا بطریق اتم و اکمل ہے۔

کَانَتْ اٰمِنَۃً تھی وہ بستی ہر خوف اور ڈر سے امن والی۔

یہ کاشفی نے لکھا ہے کہ تھی وہ بستی ہر قیصر یعنے سرکش بادشاہوں کے نزول اور جابروں ظالموں کی دستبرد سے امن و امان میں ۔

مُطْمَئِنَّةً اطمینان و سکون سے ۔ کواشی نے لکھا کہ وہاں کے باشی ایسے خوشحال تھے کہ وہاں سے وہ قلب مکانی کو گوارہ نہیں کرتے تھے ۔ يَّأْتِيهَا رِزْقُهَا یہ قریہ کی دوسری صفت ہے اس صفت کے اسلوب کی تبدیلی میں اشارہ ہے کہ انہیں رزق اور موسم کے مناسب حال کے مطابق ملتا تھا خلاصہ یہ کہ اس بستی کے لوگ نہایت خوشحال اور بہت پُر سکون تھے اور آرام اور چین سے زندگی بسر کر رہے تھے ۔ رَغَدًا وسیع پیمانہ پر ۔ مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ ہر جگہ تمام دریاؤں اور جنگلوں کے جملہ اطراف سے ۔ فَكَفَرَتْ پس کافر ہو گئے بستی والے ۔ بِأَنْعُمِ اللَّهِ اللہ تعالٰے کی جملہ نعمتوں کی ناشکری کی وجہ سے انعم ۔ نعمۃ کی جمع ہے نعمت کی جمع نعم اور انعم ہر دونوں کی طرح ہے ۔ جیسے درعۃ کہ اس کی جمع درع و ادرع ہر دونوں طرح مستعمل ہوتی ہے اور اس سے نعمت رزق اور وہ دائمی خوشحالی اور امن و سکون مراد ہے جس کا ابھی ذکر ہوا ۔

نکتہ : جمع قلت لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انھوں نے چند معمولی نعمتوں کی ناشکری کی تو اتنی بڑا سزا پائی پھر ان بد قسمتوں کا کیا حال ہوگا جو بہت بڑی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں ۔

اعجوبہ : منقول ہے کہ اہل ایکہ جن کی مثال ابھی گزری ہے وہ ایسے بد بخت تھے کہ روٹی کے ٹکڑوں سے استنجا کرتے تھے اس کی سزا پائی جس کا ابھی ذکر آتا ہے ۔ (کذا فی الکواشی)

روٹی تمام نعمتوں کی سرتاج ہے

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ روٹی تمام نعمتوں کی اصل ہے اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو کھیتی باڑی کا حکم ہوا تا کہ مناسبت ظاہر ہو کہ جیسے آدم علیہ السلام اصل البشر ہیں ایسے ہی روٹی جملہ نعمتوں کی اصل ہے ۔ نتیجہ نکلا کہ جو روٹی جیسی نعمت کو ٹھکراتا ہے وہ گویا تمام نعمتوں کے ساتھ ناشکری کرتا ہے بلکہ اسی کے زوال سے جملہ نعمتیں زوال پذیر ہوں گی ۔

نکتہ : اہل سنت و جماعت کے عقائد کی بھی یہی مثال ہے کہ اگر عقائد اہل سنت و جماعت حاصل ہیں تو جملہ اعمال صالحہ قبولِ بارگاہ حق ہیں اگر ان میں خامی ہے یا بالکل ان کے خلاف عقائد ہیں تو دین بھی برباد اور غضب الٰہی بھی قسمت میں ۔

؎

بآب زمزم اگر شست خرقہ زاہد شہر
چہ سود ازاں چو ندارد طہارت ازلی

[ترجمہ : زاہد اگر اپنا لباس زاہدانہ آب زمزم سے بھی دھوئے تو کیا فائدہ جب تک اسے طہارت ازلی نصیب نہ ہو ۔]

ف : اصل مقصود یہی ہے کہ وجود و قلب کو انانیت اور تعلق بغیر اللہ تعالٰی سے پاک رکھا جائے۔

فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ تو اللہ تعالٰی نے بستی والوں کو مزہ چکھایا۔

حل لغات : ذوق بمعنے شے کو منہ سے چکھنا۔ پھر اسے ابتلاء و آزمائش کے معنے میں استعارۃً استعمال کیا جاتا ہے۔ (کذا فی تفسیر ابی الیث)۔

لِبَاسَ الْجُوْعِ بھوک کا لباس یہاں تک کہ بھوک سے مٹی پاخانہ کھاتے تھے اس لئے کہ اعمال کے مطابق سزا ملتی ہے۔

نکتہ : الاسئلۃ المقحمۃ فی الاجوبۃ المفحمۃ میں ہے کہ جوع (بھوک) کو لباس سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ تنگدستی اور کمزوری بھوک سے نڈھال ہونے اور رنگ کی تبدیلی کے وقت لباس کی طرح ظاہر ہوتی ہے۔

وَالْخَوْفِ اور خوف کا لباس۔

ف : الارشاد میں لکھا ہے کہ جوع و خوف اور ان کے ضرر کو لباس سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ جس طرح لباس انسان کے جسم کو محیط ہوتا ہے اور اس کا احساس جسم کو ہوتا ہے اسی طرح بھوک جسم اور خوف جسم کو محیط ہو جاتا ہے تو انسان سے واضح طور پر اس کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔

بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ بسبب اس کے جو وہ کردار ادا کرتے تھے یعنے کفران نعمت۔

ربط : اگرچہ عقل کے تقاضائے کے مطابق اس طرح کی سزاؤں سے انسان کی ہدایت کا سبب کافی تھا لیکن اللہ تعالٰی نے اپنے فضل و کرم سے ایک اور اعلٰی سبب بنایا جس سے قیامت میں انھیں انکار کی گنجائش نہ ہو وہ اعلٰی سبب میں انبیاء علیہم السلام۔ کما قال تعالٰی :

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ بے شک بستی والوں کے ہاں ان کی جنس سے رسول تشریف لاتے۔

فَكَذَّبُوْهُ تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی حالانکہ وہ اپنے رسول کے حسب و نسب اور ان کے خاندان کو پوری طرح جانتے پہچانتے تھے اور اس رسول علیہ السلام نے انھیں نعمتوں کے شکر کا طریقہ بتایا اور فرمایا کہ نعمتوں کی ادائیگی پر شکر واجب ہے اور بتایا کہ کفران نعمت سے انجام بدنصیب ہوگا۔ باوجود ایں ہمہ فکذبوہ انھوں نے اپنے رسول علیہ السلام کی تکذیب کی۔ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ پس انھیں ایسے عذاب میں مبتلا کیا گیا جس نے ان کی جڑ کاٹ ڈالی یہ عذاب اس کے علاوہ ہے انھیں بھوک اور خوف وغیرہ میں مبتلا کیا گیا۔ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ درآں حالیکہ وہ کفران نعمت اور تکذیب کی وجہ سے ظالم تھے۔ بارہا ہم نے لکھا ہے کہ ایسے لوگوں کو ظالم اس لئے کہا گیا کہ انھوں نے شکر کے بجائے ناشکری اور تصدیق کے بجائے تکذیب کی۔ اور قاعدہ ہے کہ وضع الشیء علی غیر محلہ کا نام ظلم ہے اسی معنے پر یہ لوگ ظالم ہوئے اور پھر قاعدۂ الٰہی ہے کہ تکذیب کے بعد عذاب مرتب ہوتا ہے۔

کما قال :

وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ مثال اہل مکہ کے لئے دی گئی ہے اس لئے کہ وہ حرم شریف میں پرامن تھے۔ حرم کے احاطہ کے باہر کے لوگوں پر دھاڑ مار تھی لیکن اندر کے لوگ محفوظ تھے ان کو بال برابر بھی کسی قسم کا خوف نہیں تھا بلکہ ہر علاقہ کے پھل فروٹ، سبزیاں یہاں پہنچتے لیکن جونہی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انھوں نے آپ کی تکذیب کی اور اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کی تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بد دعا سے قحط سالی میں مبتلا ہوتے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی دعا یوں ہے :

اللهم اعنی علیهم بسبع کسبع یوسف

اے اللہ انھیں یوسف علیہ السلام کے قحط جیسے قحط میں مبتلا فرما۔

چنانچہ مشرکین عرب اور قحط اور تنگدستی اور بھوک میں مبتلا ہوئے یہاں تک کہ مردار اور مردے کتے اور چمڑے اور گلی سڑی ہڈیاں اور خون آلود گوبر آگ پر بھون کر کھائیں اور بھوک کی وجہ سے ان کے منہ سے نکلے ہوئے سانسوں کا دھواں آسمان میں نظر آتا تھا باوجودیکہ بہت خوشحال تھے لیکن حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد لوگوں کو لوٹنے مارنے اور ان کے قافلے در قافلے چھیننے اور دیگر خرابیوں پر تل آئے اور اہل اسلام کو ہر طرح کی اذیت پہنچائی ایسی قحط سالی میں مبتلا ہونے کے بعد بالآخر غزوہ بدر میں ان کا انجام برا ہوا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس امارہ جب انسانی جسم کی بستی میں اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی طاعت و توفیق کی ناشکری اور خواہش نفسانی کی اتباع اور شہوات کے درپے ہوتا ہے تو حق سے دوری اور دنیا اور لذات کے مردار کے کھانے اور خوف عذاب میں مبتلا ہوتا ہے بوجہ اپنی بدکرداری کے۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ خاطر روحانی کے رسول (جو کہ الہام ربانی سے مؤید ہے) کی اتباع کرے اور نفس و شیطان کی اقتدا ترک کردے کیونکہ یہ دونوں انسان کو اخلاق ذمیمہ کی طرف کھینچتے ہیں اور ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق حمیدہ کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوئے۔

کما قال :

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔

(میں اس بھیجا گیا ہوں تاکہ اخلاق حمیدہ کی تکمیل کروں۔)

المکارم المکرمہ کی جمع ہے جیسے معلوۃ کی جمع معالح آتی ہے اور اس کی اخلاق کی طرف اضافۃ، اضافۃ الصفۃ الی الموصوف کے باب سے ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی :

بعثت لاتمم الاخلاق الکریمۃ والشیم الحسنۃ

اور یاد رہے کہ ہر نبی علیہ السلام کی بعثت مبارکہ کا راز بھی یہی ہے کہ وہ شریعت کے قانون کے مطابق بشری تکمیل کریں اور انسانی اخلاق کو حسین بنائیں یہی وجہ ہے کہ ہمارے حضور پر نور شافع یوم النشور صلے اللہ علیہ وسلم ایسی شریعت مطہرہ لاتے ہیں جو جمیع جہات حسن کی جامع ہے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا:

لا نبی بعدی۔

تردید مرزا قادیانی حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جس بدبخت نے نبوت کا دعوٰے کیا در اصل اسے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان وقدر معلوم نہ تھی ورنہ وہ ایسی جرأت نہ کرتا بلکہ اس نے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کے علماء کی فضیلت سے بھی بے خبر نہ تھی ورنہ نبوت تو کجا امت مصطفویہ کے علماء کے علم کو بھی وہ حاصل نہ کر سکا (جیسے قادیانی مرزا بدبخت نبوت کا دعوٰے کر بیٹھا جسے علمائے امت کے علوم سے بھی ناواقفیت تھی)۔۔

تفسیر عالمانہ فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ اے اہل مکہ جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ جو اللہ تعالٰے کی نعمتوں کی ناشکری اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرے تو تم نے ان کا انجام برباد ملاحظہ کیا تو اب تمہارے لئے لازم اور ضروری ہے کہ تم سمجھ لو اور تمہارے اندر بھی وہی کرتوت موجود ہیں کہ نعمت الٰہی کے ساتھ ناشکری میں تم ان سے کم نہیں اور نہ ہی تکذیب رسول میں تم ان سے پیچھے ہو تو پھر کون سی دیر ہے کہ تمہارے اوپر بھی وہی عذاب نازل نہ ہو جو ان پر نازل ہوا تھا۔ اسی لئے اب وقت ہے کہ تم اللہ تعالٰے کی نعمتوں کو پہچانو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اوامر نواہی میں فرمانبرداری کرو اور اللہ تعالٰے کا رزق مثلاً کھیتی جانور وغیرہ کھاؤ۔ درآں حالیکہ حَلٰلًا طَيِّبًا حلال اور وہ لذیذ غذا جس سے روح کو تسکین نصیب ہو اور تحریم البحائر (جو تمہارے اپنے افترا کردہ اقوال ہیں) پرہیز کرو۔ مارزقکم اللہ سے حلالاً حال ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ کلوا کا مفعول بہ ہو۔

فائدہ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ عاشق صادق کے لئے انوار شریعت اور اسرار حقیقت معنوی رزق ہیں جسے شریعت وحقیقت قبول کرے وہ حلال طیب ہے اور جسے شریعت وحقیقت رد کرے وہ حرام اور خبیث ہے۔

اسی لئے کسی نے خوب فرمایا: ؎

علم دین فقہ ست و تفسیر حدیث
ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

(ترجمہ: علم صرف فقہ حدیث اور تفسیر ہے ان کے سوا اور علوم وفنون جو بھی پڑھتا ہے وہ خبیث ہوگا۔)

یعنے مقبول اور منافع صرف یہی تین علوم ہیں اس لئے کہ ان کے ظاہر اور باطن سے ہر طرح انسان کو قبول حق

عمل جو مباح ہے لیکن اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے نہیں بلکہ نفس کی خواہش کے مطابق کیا جائے اور اس میں صرف نفسانی خواہش کار فرما ہو اور لیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ فَمَنِ اضْطُرَّ

حل لغات: الاضطرار بمعنے کسی شے کا محتاج ہونا اہلِ عرب کہتے ہیں اضطرہ الیہ بمعنے فلاں کو فلاں شے کا محتاج کیا یہاں پر اضطر کو بضم الطاء پڑھا جاتا ہے یہ الضرورۃ سے مشتق ہے بمعنے الحاجۃ۔

(کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ پس وہ شخص جو حرام کھانے پر مجبور کیا گیا اور وہ اسی مجبوری کے تحت کوئی حرام شے کھا لے۔) دراں حالیکہ وہ غَيْرَ بَاغٍ نہ ہو کسی دوسرے پر ظلم کرنے والا اس لئے کہ اپنی ہلاکت دوسرے کی ہلاکت سے بہتر ہے اس معنے پر یہ فعل مقدر سے حال ہے۔ الباغی۔ البغی سے ہے بمعنے ظلم اور زیادتی۔ اہلِ عرب کہتے ہیں:

"بغی علیہ بمعنے علا وظلم ولا عاد"

اور نہ ہی حد ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو یعنے مجبوری کے وقت اتنا کھائے کہ صرف بھوک دفع ہو سکے یہ بلا واسطہ اور بواسطہ عَنْ متعدی ہوتا ہے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں:

عدا الامر وعنہ بمعنے جاوزہ۔

فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ بے شک اللہ تعالےٰ غفور رحیم ہے یعنے مجبور سے مواخذہ نہیں فرمائے گا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فمن اضطر پس وہ شخص جو ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے مجبور ہو تو کسب حلال سے زندگی بسر کرنے کے لئے معمولی طور پر کام چلا سکتا ہے۔ اس لئے نسل انسانی کو باقی رکھنے کے لئے نکاح کر سکتا ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی نیت پر خلق خدا کے ساتھ نشست و برخاست کر سکتا ہے اسی طرح جملہ امور دنیا میں اتنا کام چلا جتنا ضرورت ہے لیکن طلب حق میں کمی نہ کرنے پائے اور نہ ہی حد طریقت سے تجاوز کرے۔ فان اللہ غفور بے شک اللہ تعالےٰ مجبور کے لئے غفور ہے۔ رحیم طالبین راہ ہدیٰ کو اپنے مقاصد تک پہنچانے کے لئے رحیم ہے۔

مسائل شرعیہ

(۱) التہذیب میں ہے کہ بیمار کو دوا کے لئے پیشاب اور خون پینا جائز ہے بشرطیکہ مسلمان طبیب اجازت دے اور فرمائے کہ اس بیماری کی شفا سوائے بول اور خون کے اور کسی دوا میں نہیں اور نہ ہی کوئی اور حلال دوا اس بیماری کو شفا دے سکتی ہے۔

مسئلہ: غیر مسلم سے طبی مشورے جائز ہیں بشرطیکہ جس سے مشورہ لیا جائے وہ اس فن میں ماہر اور حاذق ہو اور اس کے سوا اور کوئی مسلم طبیب نہ ہو۔ (انسان العیون)

جانوروں یعنے وہ جو پنجہ سے شکار کرتے ہیں کے کھانے سے روکا۔

حدیث شریف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے، خچر اور گدھے کا گوشت کھانے سے روکا ہے۔

ف: اس سے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالے کے مذہب کی تردید ہوئی جب کہ وہ گھوڑے کے گوشت کی حلت کا حکم دیتے ہیں۔ ایسے ہی غیر مقلدین کے نزدیک بھی گھوڑے کا گوشت حلال ہے۔

سوال: حضرت جابر رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھے کا گوشت کھانے سے روکا لیکن گھوڑے کے گوشت کی اجازت فرما دی تھی اس حدیث سے تو گھوڑے کا حلال ہونا ثابت ہوتا ہے؟

جواب: جب دو حدیثیں متعارض ہوں تو حلت و حرمت میں حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ ہم نے اوپر حرمت کی حدیث روایت کی ہے۔ فلہذا ہمارے قول کو ترجیح ہوگی۔ (کذا فی حواشی الفاضل سنان چلپی)

تفسیر صوفیانہ آیت میں میتۃ میں جیفۃ دنیا کی طرف اشارہ ہے اور حیوان میں آخرت کی طرف۔ اس لئے کہ حقیقی حیات آخرت میں نصیب ہوگی۔ اسی طرح جس کی زندگی آخرت کے لئے نہ ہو تو سمجھو کہ اس کی زندگی بھی مردار ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

آن جہان چون ذرہ ذرہ زندہ اند
نکتہ دانند وسخن گویندہ اند

در جہان مردہ شان آرام نیست
کین علف جز لائق انعام نیست

ہر کرا گلشن بود بزم وطن!
کے خورد او بادہ اندر کولخن

جائے روح پاک علیین بود
کرم باشد کش وطن سرگین بود

[ترجمہ: اس جہان کا ذرہ ذرہ زندہ ہے وہ سخن دان بھی ہیں اور سخن گو بھی۔ اس جہان میں ان کے مردہ کو آرام نہیں اس گھاس کے لائق صرف جانور ہیں جس کا بزم وطن گلشن ہو۔ وہ بادہ خانہ میں کب شراب پیئے گا۔ پاک روح کی جگہ اعلےٰ علیین ہے۔ اس کیڑے کا وطن ہی گوبر ہے جو گندا کیڑا ہے۔]

اور اندرم سے شہوات دنیا اور لحم الخنزیر سے نیست جس او ظلم مراد ہے اور ما اھل بغیر اللہ بہ سے ہر

عمل جو مباح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نہیں بلکہ نفس کی خواہش کے مطابق کیا جائے اور اس میں صرف نفسانی خواہش کارفرما ہو اور بس۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ فَمَنِ اضْطُرَّ

حل لغات: الاضطرار بمعنے کسی شے کا محتاج ہونا اہل عرب کہتے ہیں اضطر و الیہ بمعنے فلاں کو فلاں شے کا محتاج کیا یہاں پر اضطر کو بضم الطاء پڑھا جاتا ہے یہ الضرورۃ سے مشتق ہے بمعنے الحاجۃ۔

کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ پس وہ شخص جو حرام کھانے پر مجبور کیا گیا اور وہ اسی مجبوری کے تحت کوئی حرام شے کھا لے درآں حالیکہ وہ غَیْرَ بَاغٍ نہ ہو کسی دوسرے پر ظلم کرنے والا اس لئے کہ اپنی ہلاکت دوسرے کی ہلاکت سے بہتر ہے اس معنے پر یہ فعل مقدر سے حال ہے۔ الباغی۔ البغی سے ہے بمعنے ظلم اور زیادتی۔ اہل عرب کہتے ہیں:

"بغی علیہ بمعنے علاوظلم و لا عاد"

اور نہ ہی حد ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو یعنے مجبوری کے وقت اتنا کھائے کہ صرف بھوک دفع ہو سکے یہ بلا واسطہ اور بواسطہ عن متعدی ہوتا ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں:

عدا الامر وعنہ بمعنے جاوزہ۔

فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے یعنے مجبور سے مواخذہ نہیں فرمائے گا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فمن اضطر پس وہ شخص جو ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے مجبور ہو تو کسب حلال سے زندگی بسر کرنے کے لئے معمولی طور پر کام چلا سکتا ہے۔ اس لئے نسل انسانی کو باقی رکھنے کے لئے نکاح کر سکتا ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی نیت پر خلق خدا کے ساتھ نشست و برخاست کر سکتا ہے اسی طرح جملہ امور دنیا میں اتنا کام چلا جتنا ضرورت ہے لیکن طلب حق میں کمی نہ کرنے پائے اور نہ ہی حد طریقت سے تجاوز کرے۔ فان اللہ غفور بے شک اللہ تعالیٰ مجبور کے لئے غفور ہے۔ رحیم طالبین راہ ہدیٰ کو اپنے مقاصد تک پہنچانے کے لئے رحیم ہے۔

مسائل شرعیہ

(۱) التہذیب میں ہے کہ بیمار کو دوا کے لئے پیشاب اور خون پینا جائز ہے بشرطیکہ مسلمان طبیب اجازت دے اور فرمائے کہ اس بیماری کی شفا سوائے بول اور خون کے اور کسی دوا میں نہیں اور نہ ہی کوئی اور حلال دوا اس بیماری کو شفا دے سکتی ہے۔

مسئلہ: غیر مسلم سے طبی مشورے جائز ہیں بشرطیکہ جس سے مشورہ لیا جائے وہ اس فن میں ماہر اور حاذق ہو اور اس کے سوا اور کوئی مسلم طبیب نہ ہو۔ (انسان العیون)

مسئلہ: غیر مسلم سے طبی مشورے سے احتراز اولیٰ ہے اس لئے کہ مومن اللہ تعالیٰ کا دوست اور کافر اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور اللہ تعالیٰ کے دوست کی بھلائی اللہ تعالیٰ کے دشمن سے نہیں ہو سکتی۔

ف: مریض پر لازم ہے کہ اپنی بیماری کا علاج اپنے ہم مذہب اور تجربہ کار اور حاذق و ماہر سے کرائے حضرت صائب نے فرمایا:

ع

زبے درداں علاج دردخود جستن آں ماند

کہ خار از پا بروں آرد کسے با نیش عقربہا

(ترجمہ: بے دردوں سے درد کا دوا طلب کرنا ایسے ہے جیسے پاؤں سے کانٹا نکالنے کے لئے پاؤں میں بچھو کا نیش دبا دیا جائے۔)

مسئلہ: ایک قول میں ہے کہ مریض کو نجاسات جیسے پیشاب اور شراب سے علاج کرنا جائز ہے۔ لیکن قاضی خان نے اس کے خلاف کو مختار فرمایا ہے۔

مسئلہ: اگر لقمہ حلق میں پھنس جائے اور اسے نیچے اتارنے کے لئے پانی نہ ملے تو شراب کا گھونٹ پینا جائز ہے۔

مسئلہ: بوقت ضرورت طبیب کو غیر محرم یہاں تک کہ غیر کے فرج وغیرہ کو دیکھنا جائز ہے۔

ف: فقیہ ابو اللیث نے فرمایا کہ انسان کو بقدر ضرورت طب پڑھنی چاہیئے تا کہ اپنی طبع کے موافق اور غیر موافق اشیاء سے نفع و نقصان کا پتہ کر سکے۔

ف: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ گائے بھینس کا گوشت بیماری اور ان کا دودھ شفاء اور مکھن اور گھی دوا ہیں اور یہ بھی صحیح احادیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے قربانی کے لئے گائے ذبح فرمائی تھی۔

ف: حلیمی نے فرمایا کہ خطہ حجاز خشک علاقہ ہے اسی لئے انہیں گائے کا گوشت نقصان دہ ہے اس لئے کہ اس کا گوشت خشک ہے اور گائے کا دودھ اور مکھن تر ہیں اسی لئے خشک مزاجوں کے لئے دودھ اور مکھن شفاء اور دوا ہے۔ گویا حلیمی نے گائے کا گوشت مضر ہونا مخصوص علاقوں اور مخصوص مزاجوں کے لئے ثابت کیا ہے۔ اور یہی تاویل مستحسن ہے ورنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گائے کو قربانی میں ذبح نہ فرماتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لئے بیماری بھری شے پیش کرتے اگرچہ خود حضور سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گائے کا دودھ اور مکھن خوب کھاؤ پیو لیکن اس کے گوشت سے بچو اس کے اس کے دودھ اور مکھن میں دوا و شفاء ہے لیکن اس کے گوشت میں بیماری ہے۔ اس کی تاویل بھی یہی ہو گی کہ خشک مزاجوں کے لئے گائے کا گوشت نقصان دہ ہے۔

ف: اس کے متعلق ایک اور جواب بھی ہے وہ یہ کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لئے قربانی میں گائے

ذبح فرمائی یا یہ کہ اس وقت سوائے گائے کے اور کوئی شے میسر نہ ہو۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ للامام السخاوی)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ یہ خطاب اہل مکہ کو ہے اور لما تصف کا ما موصولہ ہے اور لام لا تقولوا کے صلہ کی ہے جیسے آیت ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات میں لام صلہ کی ہے۔ اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ اے اہل مکہ نہ کہو وہ جو تمھاری زبانیں بیان کرتی ہیں مثلاً بعض جانوروں کی حلت وحرمت کے متعلق تم کہتے ہو کہ ان جانوروں کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے حلال اور ہماری عورتوں کے لئے حرام ہے۔ تمھارا یہ نظریہ عقل وفکر سے کوسوں دور ہے چہ جائیکہ وحی الٰہی سے تعلق ہو یا اس کے کسی احکام پر قیاس کیا جاسکے۔ اَلْكَذِبَ یہ لا تقولوا کا مفعول ہے۔ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ کو بدل بنانے میں مبالغہ مطلوب ہے اور لام صلہ کی ہے جیسے لا تقل للنبیذ انہ حرام میں لام صلہ کی ہے یعنے اس کی شان میں کہو کہ وہ حرام ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ زبانی باتوں سے احکام کا ترتب نہیں ہوتا۔ (کذا فی حواشی سعدی المفتی)

ف: اس میں قاضیوں مفتیوں کو تنبیہ ہے کہ وہ کوئی قول دلیل کے بغیر نہ کہیں۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث)

لِتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ کہ تم اللہ تعالٰے پر جھوٹا افترا کرو! اس لئے حلت وحرمت کا دارومدار صرف اللہ تعالٰے کے حکم پر ہے اس لئے جو بھی حلت وحرمت کا حکم سنائے گا وہ لا محالہ اللہ تعالٰے کی طرف منسوب ہوگا حالانکہ وہ اس کا حکم نہیں جس سے نتیجہ نکلا کہ تم حلت وحرمت کا حکم سنا کر اللہ تعالٰے پر افترا کر رہے ہو اس معنے پر لام عاقبۃ کی ہے علت کی نہیں اس لئے کہ افترا ان کی غرض نہیں تھی۔

جھوٹے صوفیوں کا رد تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو لوگ محض اپنے غلط گمان پر نفس کا دھوکہ کھا کر کہتے ہیں کہ اب ہم ایسے مراتب وکمالات کو پہنچ چکے ہیں کہ ہمارے لئے بعض محرمات شرعیہ حلال اور بعض حلال شرعی حرام ہیں ان کے متعلق یقین جانئے کہ وہ اللہ تعالٰے پر جھوٹا افترا کر رہے ہیں ورنہ حلال و حرام اپنے مقام پر کسی کے لئے مباح نہیں ہوسکتے لیکن اہل اباحہ (جھوٹے صوفی) اس طرح کے افترا کرتے رہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالٰے پر کسی قسم کا بھی جھوٹا افترا کرتے ہیں۔ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ وہ اپنے مقصد جس میں انھوں نے جھوٹے افترا کا ارتکاب کیا ہے، میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے: منفعتھم فیما ھم علیہ الخ یعنے جاہلیت کا ارتکاب کرکے جن منافع سے پر امید ہیں ان کے وہ منافع بالکل قلیل ہیں جو چند روز کے بعد منقطع ہو جائیں گے۔ وَلَهُمْ اور آخرت میں انھیں عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ایسا دردناک عذاب ہوگا کہ جس کی کنہ کو کوئی نہیں جانتا۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا اور بالخصوص صرف یہودیوں پر ان کے اگلے پچھلے مقام پر۔ حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ حرام کیا وہ جو ہم نے آپ کو بیان کیا وہ بیان کردہ حکم یہ ہے:

حرمنا کل ذی ظفر و من البقر و الغنم حرمنا علیھم شحومھما۔ اور ان پر تمام ناخن والے جانور ہم نے حرام کئے اور بکری اور گائے کی چربی بھی۔

مِنْ قَبْلُ یہ آیت کے نزول سے پہلے یہ قصصنا کے متعلق ہے یا اس من قبل کا مضاف الیہ التحریم ہے یعنے یہ تحریم امت مصطفویہ کی پیدائش سے پہلے، اس معنے پر یہ حرمنا کے متعلق ہوگا۔

ف: اس میں قرآن کریم کی حرام کردہ اشیاء مذکورہ بالا کی تحقیق اور یہود کے نظریات کی مخالفت و تکذیب مطلوب ہے۔ یہودیوں کا نظریہ تھا کہ ہمارے اوپر جو اشیاء حرام ہیں یہ صرف ہمارے لئے حرام نہیں بلکہ ہم سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں پر حرام تھیں یعنے نوح علیہ السلام اسی طرح ابراہیم علیہ السلام و دیگر اکابر انبیاء علیہم السلام کی امتوں پر، یہاں تک کہ ان کے بعد ہم پر بھی حرام ہوئیں۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ اور یہ چیزیں حرام کرکے ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے تھے۔ انھیں ان کے اپنے اعمال کی سزا ملی۔ کما قال:

فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبات احلت لھم۔ یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر طیبات حرام کردیں۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

کل الطعام کان حلا لبنی اسرائیل الا ما حرم اسرائیل علی نفسہ من قبل ان تنزل التوراۃ قل فاتوا بالتوراۃ فاتلوھا ان کنتم صادقین۔ تمام طعام بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے صرف وہ جو اسرائیل نے یعنے یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر اپنے لئے حرام کئے یہ تورات کے نزول سے پہلے کی بات ہے۔ فرمائیے لاؤ تورات لے پڑھو اگر تم سچے ہو۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالٰے نے ان کا رد فرمایا کہ یہود جو کچھ کہتے ہیں غلط ہے۔

یہود کا منہ کالا

مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب یہود کو یہی آیت سنائی تو مبہوت ہوگئے پھر انھیں جرأت نہ ہوسکی کہ وہ تورات لاکر کوئی دلیل دے سکیں اور وے بھی کیسے سکتے تھے جب کہ خود ان کی کتاب میں مرقوم تھا کہ ان پر یہ اشیاء حرام ہوئیں صرف ان کی اپنی شامت اعمال و بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے اور یہ بھی ان پر سزا ہے۔

ف: اس سے اور واضح ثبوت ان کے لئے اور کیا ہوگا جب کہ ان کے اقوال کی تردید ان کی اپنی کتاب میں موجود تھی نیز

سلہ:- پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ۱، ۱۲۔ اویسی غفرلہٗ۔

اس سے ثابت ہوا کہ ان کی تحریم اور ان کے غیروں کی تحریم میں بہت بڑا فرق تھا۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ جہالت سے غفلت و نادانی اور امور کے عواقب پر غور و فکر نہ کرنا مراد ہے یعنے جو لوگ برُے عمل نادانی وغفلت سے کرتے ہیں۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا کہ جو بھی برُا عمل کرتا ہے جاہل ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ السوء سے اللہ تعالٰے یا کسی اور پر جھوٹا افترا کرنا مراد ہو اور لام اِنّ کی خبر یعنے لغفور کے متعلق ہے اور اِنّ ثانیہ محض تاکید اور کلام کو طویل کرنے کی وجہ سے ہے جیسا کہ ثم ان ربك للذين هاجروا میں گزرا۔

ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اس کے بعد وہ تائب ہوئے یعنے برائی کے ارتکاب کے بعد توبہ کرلی۔ بعد کی تصریح کی ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ لفظ ثم اس معنے پر دلالت کرتا ہے لیکن تاکید و مبالغہ کی وجہ سے اس کی تصریح کی گئی ہے۔

وَاَصْلَحُوْٓا اور توبہ کے بعد اپنے اعمال سنوار لئے یا اپنے اعمال صلاح وخیر میں داخل کرلئے۔ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا بے شک تیرا رب ان کی توبہ کے بعد۔

سوال: ضمیر ھا کا مرجع تم نے توبہ بتایا ہے حالانکہ توبہ کا ذکر پہلے نہیں؟

جواب: اعدلوا هو اقرب للتقوىٰ میں جیسے ضمیر عدل کی طرف راجع ہے ایسے ہی تابوا میں توبہ کی طرف راجع ہے۔

ف: سعدی المفتی مرحوم نے فرمایا کہ توبہ کی تصریح کے ساتھ اصلاح کا ذکر بھی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ توبہ کی تکمیل اصلاح میں ہے اس لئے کہ معصیۃ پر عزم بالجزم سے ندامت ظاہر کرنا اور عزم کا معنٰے یہ ہے کہ جس فعل سے توبہ کی جارہی ہے پھر اسے بالکل ہاتھ نہ لگانا اس عدم عود اور اصلاح سے عزم کی تحقیق ہوتی ہے اسی لئے اصلاح کا ذکر نہیں کیا گیا۔

لَغَفُوْرٌ اسی برائی کو بخشنے والا اور اس کے گناہ ڈھانپنے والا اور مٹانے والا۔ رَّحِيْمٌ ○ رحیم ہے بایں معنے کہ بندہ کو طاعت کا ثواب دیتا ہے۔

نکتہ: اِنَّ رَبَّكَ تکرار میں اشارہ ہے کہ وہ کریم ہے کہ اپنے ہر وعدہ کا ایفاء اور اپنے بندوں پر لطف وکرم کرتا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ اعراض عن اللہ سے روگردانی کرکے صدق طلب اور اخلاص عمل کی طرف متوجہ ہو۔ یاد رکھئے! توبہ بمنزلہ صابون کے ہے جیسے صابن ظاہری میل کچیل کو دور کرتی ہے ایسے ہی توبہ باطنی میل کچیل کو ہٹاتی ہے۔

باطنی میل کچیل سے گناہ مراد ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے:

ے

گر سیہ کردی تو نامہ عمر خویش

توبہ کن زانہا کہ کردستی تو پیش

عمر اگر بگذشت بخش این دم است
آب توبہ اش دہ اگر او بے نم است
بیخ عمرت را بدہ آب حیات
تا درخت عمر گردد با ثبات،
جملہ ماضیہا ازین نیکو شوند
زہر پارینہ ازاین گردد چو قند

[ترجمہ: اگر تو نے زندگی بھر اپنے نامۂ اعمال سیاہ رکھا تو تمام سابقہ گناہوں سے توبہ کیجیے۔ اگرچہ زندگی گزر گئی اور غلطی میں گزری تو اسے توبہ سے اچھا کیجیے۔ اپنی عمر کو آب حیات (توبہ) سے سرسبز رکھ اس سے ہی تیری عمر کا درخت پھلدار بلکہ دائم و قائم رہے گا۔ بلکہ زمانہ ماضی کے جملہ افعال نیکی سے بدل جائیں اور زہر کو مصری سے تبدیل کر دیا جائے گا۔]

تفسیر صوفیانہ عوام گناہوں سے اور خواص اپنی غلطیوں اور غفلتوں سے اور اکابر رویت حسنات اور التفات الی الطاعات سے توبہ کرتے ہیں۔ جب بندہ اپنے گناہوں سے ہٹ کر اعمال کی اصلاح کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کی شان بلند کرتا ہے سب سے بڑھ کر افضل عمل یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات نفسانی کے خلاف جد و جہد کرے اور کلمہ لا الہ الا اللہ پر مداومت کرے۔

حدیث شریف اللہ تعالےٰ کے ہاں یاقوت سرخ کا ایک ستون ہے جس کا سر عرش کے نیچے اور نیچے کا سر تحت الثریٰ والی مچھلی کے اوپر ہے جب بندہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سچی نیت سے کہتا ہے تو عرش الٰہی کانپ جاتا ہے اور مچھلی اور خود ستون کو زلزلہ آ جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ عرش سے فرماتا ہے کہ اے میرا عرش! ٹھہر جا۔ عرش عرض کرتا ہے میں کیسے ٹھہروں جب تو اس کلمہ کے قائل کو نہیں بخشتا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:
اے عرش کے مکینو! گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اس کے قائل کے صغیرہ و کبیرہ اور پوشیدہ اور ظاہر تمام گناہ بخش دیئے۔

سبق: اللہ تعالےٰ کے ذکر سے بندہ، گناہوں سے نجات پا جاتا ہے اور اسی سے تزکیۂ نفوس اور تصفیہ قلوب نصیب ہوتا ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَ
هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ثُمَّ
اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى
الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ اُدْعُ
اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ
اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ
بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ
وَلَا تَكُ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ
هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝

ترجمہ: بے شک ابراہیم علیہ السلام ایک امام اللہ تعالٰے کے فرمانبردار اور سب سے جدا تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ اللہ تعالٰے کی نعمتوں پر شاکر تھے اللہ تعالٰے نے انھیں برگزیدہ بنایا اور سیدھی راہ دکھائی۔ اور انھیں ہم نے دنیا میں بھلائی بخشی اور بے شک وہ آخرت میں بھی مقرب لوگوں میں سے ہوں گے۔ پھر ہم نے آپ کو وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کے دین کی اتباع کریں وہ ہر باطل سے الگ تھے اور مشرک نہ تھے۔ بے شک ہفتہ تو ان پر لازم کیا گیا جنھوں نے اس میں اختلاف کیا۔ اور بے شک تمھارا رب قیامت کے دن ان کا فیصلہ فرمائے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف حکمت و نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے ایسے طریقہ سے بحث فرمایئے جو سب سے بہتر ہو بے شک تمھارا پروردگار اسے خوب جانتا ہے جو سیدھی راہ سے بھٹکا ہے اور انھیں بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں۔ اور اگر تم انھیں سزا دو تو ویسی کہ جیسی انھوں نے تمھیں تکلیف پہنچائی اور اگر صبر کرو تو صبر والوں کے لئے صبر ہی بہتر ہے۔ اور صبر فرمایئے اور آپ کا صبر تو اللہ تعالٰے ہی کی توفیق سے ہے اور ان کا غم نہ کیجئے اور وہ جو غلط تدبیر بناتے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہوں۔ بے شک اللہ تعالٰے ان کے ساتھ جو پرہیزگار اور نیک کردار ہیں۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً بے شک ابراہیم علیہ السلام مستقل ایک گروہ تھے اس لئے کہ آپ کے اندر وہ فضائل و کمالات تھے جو ایک گروہ میں مجموعی طور پر ہوں؛ ؎

لیس علی اللہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی واحد

(ترجمہ: اللہ تعالےٰ پر کوئی مشکل نہیں کہ وہ جملہ عالم کے اوصاف صرف ایک میں جمع فرمادے۔)

ے

جانا تو یگانہ و لے ذات ہست
مجموعہ آثار کمالات ہمہ

ترجمہ: اے محبوب تو یگانہ روزگار ہے تیری ذات میں جملہ کمالات موجود ہیں۔

حسین سبط من الاسباط کی شرح

حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایک مستقل سبط ہیں۔ (کذا فی المصابیح) یعنے حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ وہ صاحب کمالات ہیں جو ایک بہت بڑے گروہ میں کمالات ہوں وہ تمام آپ میں پائے جاتے ہیں یا اس کا معنے یہ ہے کہ آپ کی نسل سے ہی سادات کا خاندان بڑھے گا اور اس معنے کی تصدیق آج ہر شخص مشاہدہ سے کرسکتا ہے کہ ہر خطہ اور علاقہ میں سادات کرام پائے جاتے ہیں اور ان میں سے اکثر کا سلسلہ نسب حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

ازالہ وہم اور مسئلہ ختم نبوت

یہاں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نبی تھے جیسا کہ بعض (روافض) نے ان پر نبوت کا افترا کیا ہے۔ (نعوذ باللہ) اور شریعت کا متفقہ فیصلہ ہے:

من قال بعد نبینا نبی یکفر جو بھی ہمارے نبی اکرم صلے اللہ وسلم کے بعد کسی کی نبوت کا اقرار کرے وہ کافر ہے۔ (کذا فی البحر العلوم)

بعض مفسرین نے فرمایا کہ امۃ بمعنے مأموم ہے یعنے ہر وہ شخص جسے لوگ اپنا امام سمجھیں اور اسی کو اپنا مقصود و مطلوب مانیں تاکہ اس سے خیر و برکت حاصل کرسکیں۔

اہلسنت کے نزدیک امام کا مفہوم

ہمارے نزدیک ہر معلم الخیر اور دین کے مقتدا کو امام کہا جاتا ہے۔ (افافلالشیعۃ) حضرت ابراہیم علیہ السلام رئیس الموحدین وقدوۃ المحققین تھے۔ آپ نے مشرکین سے بڑے مناظرے ومجادلے کئے اور ان کو لاجواب کرکے گویا ان کے منہ میں پتھر دبا دیئے کہ انھوں نے آپ کے دلائل قاہرہ وبراہین باہرہ کے سامنے سر جھکا دیتے یہ آپ کا کمال تھا کہ بڑے زوردار دلائل سے بد مذاہب کو ملیامیٹ فرمایا۔

قَانِتًا لِّلّٰهِ اللہ تعالےٰ کے مطیع اور اس کے ہر حکم کے پابند تھے۔ حَنِیْفًا ہر باطل سے روگردان اور دین حق کی طرف مائل تھے۔ وَلَمْ یَکُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ○ وہ مشرکین کے مذہب کے کسی فروعی و اصولی مسئلہ پر نہیں تھے۔

ف: اس میں کفار مکہ کا رد ہے اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔

شَاکِرًا لِّاَنْعُمِهٖ: یہ نعمت کی جمع ہے اور امۃ کی تیسری صفت ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی

مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام طعام نہیں کھاتے تھے جب تک کوئی مہمان نہ آتا اور آپ اس کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے۔ ایک دن کوئی بھی مہمان نہ آیا اور آپ نے بھی طعام نہ کھایا یہاں تک کہ فرشتوں کا ایک گروہ انسانی شکلوں میں مہمانوں کی صورت میں حاضر ہوا معذرت کی اور تاثر پیدا کیا کہ گویا وہ کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہیں تاکہ ابراہیم علیہ السلام مرض سے نفرت کرکے طعام اٹھالیں گے لیکن آپ نے فرمایا، اگر تم کوڑھی ہو تو اب میرے لئے فرض ہوگیا ہے کہ میں تمہیں لازماً طعام کھلاؤں تاکہ اللہ تعالٰی کے شکر کی ادائیگی ہو اس لئے کہ اس نے مجھے عافیت وصحت بخشی اور تمہیں بیماری میں مبتلا کیا۔

نمک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمانی ہے

مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالٰی کو آرزو پیش کی کہ وہ حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی تمام امت کو اپنی مہمانی پیش کریں لیکن ان کا زمانہ کہاں اور وہ کہاں اسی لئے عرض کی یا اللہ میں بندہ عاجز اور تو قادر مطلق ہے اس لئے میری یہی آرزو پوری فرمادے۔ آپ کی دُعا قبول ہوئی کہ حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کافور کی ایک مٹھی بہشت سے ساتھ لائے اسے ابراہیم علیہ السلام لے کر جبلِ ابوقبیس پر چڑھے اور وہی مٹھی عالم دنیا میں پھینک دی جسے اللہ تعالٰی نے دنیا کے ہر علاقہ میں پہنچایا دیا جہاں بھی وہ قطرہ کافوری گرا نمک کی کان پیدا ہوگئی۔ اس معنے پر نمک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمانی ہے جو ہمیں نصیب ہوئی۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

خور و پوش بخشائی و راحت رساں
نگہ می چہ داری ز بہر کساں
غم شادمانی نماند و لیک
جزائے عمل ماند و نام نیک

[ترجمہ: کھا پی اور دوسروں کو دے اور راحت پہنچا لوگوں کے لئے اپنی دولت کو کیوں چھپا رکھا ہے۔ غم و راحت سب ختم ہوجائیں گے صرف اعمال کی جزا باقی رہے گی اور نام نیک۔]

اِجْتَبٰىهُ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالٰی نے نبوت کے لئے چن لیا۔ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝ اور انہیں صراط مستقیم چلایا۔ صراط مستقیم سے وہ راہ مراد ہے جو اللہ تعالٰی تک پہنچانے والی ہو۔ اس سے ملت اسلام مراد ہے اس لئے کہ یہی دین تسلیم پر مشتمل ہے اور ابراہیم علیہ السلام بطریق اتم تسلیم عطا کئے گئے۔ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ اور ہم نے انہیں دنیا میں اچھی حالت بخشی مثلاً تمام لوگوں میں ان کا ذکر جمیل اور ثنائے بے عدیل اور نیک اولاد اور عمر طویل اور رزق فراخ اور طاعت کی توفیق بالخصوص سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نسل سے ظہور پذیر ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر

درود وسلام کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر مثلاً:

کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم۔

وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ اور بے شک آخرت میں صالحین سے ہوں گے یعنی ان لوگوں سے جن کے بہشت میں درجات بلند ہوں گے یعنی انبیاء علیہم السلام کیونکہ یہی حضرات کامل فی الصلاح اور واصل الی غایۃ الکمال ہوں گے۔ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ پھر ہم نے آپ کے ہاں وحی بھیجی اگرچہ آپ کا مرتبہ بلند اور شان اونچی تھی لیکن وحی سے بھی نوازے گئے اور ثم۔ تراخی فی الرتبہ کے لئے ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے بڑی فضیلت یہی نصیب ہوئی کہ حضور تاجدار انبیاء علیہم السلام کو ان کی اتباع کا حکم ہوا۔ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ یہ کہ ملت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کیجئے۔ ملۃ ہر اس راہ کو کہا جاتا ہے جس پر اللہ تعالےٰ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اپنے بندوں کو چلنے کا حکم فرماتے یہ املت الکتاب ملت اور دین ایک شے ہے۔ فرق یہ ہے کہ امور مشروعیہ کی طاعت کا نام دین ہے اس سے ملتِ اسلام مراد ہے جسے صراط مستقیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حَنِيفًا یہ مضاف الیہ سے حال ہے۔ کمال اتصال کی وجہ سے مضاف الیہ کو مضاف کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے یہ رایت وجہ ھند قائمۃ کے قبیل سے ہے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ وہ مشرکین سے نہیں بلکہ وہ قدوۃ الموحدین تھے اس کا تکرار اس لئے ہے تاکہ تنبیہ ہو جن عقائد و اعمال پر ابراہیم علیہ السلام تھے وہ شرک سے کوسوں دور تھے۔ مشرکین نے اپنا الّو سیدھا کرنے کے لئے انہیں اپنا جیسا مشرک مشہور کر رکھا تھا۔

ف: علماء کرام نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کو ابراہیم کی اتباع کا حکم اصول کے بارے میں تھا ورنہ ان کے فروع اور حضور علیہ السلام میں بہت بڑا فرق ہے اور نہ ہی ان کی اتباع کا آپ کو حکم تھا نہ ان کے مامور تھے اس لئے کہ تبدل الازمنہ والاعصار سے فروع میں تبدل ہوتا رہا۔

ازالۂ وہم اس سے یہ خیال نہ ہو کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے آقا و مولےٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو گئے اس لئے کہ اتباع کے حکم سے افضلیت ثابت نہیں ہوتی[۱] اور اتباع کا حکم صرف اس لئے ہوا کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے[۲] ورنہ آپ تو اکرم الاولین والآخرین ہیں: ؎

تو اصل و باقی طفیل تو اند
تو شاہی و مجموع خیل تو اند

---

[۱]: تفصیل تفسیر اویسی میں پڑھئے۔

[۲]: اس کی بھی ایک وجہ تھی جسے ہم نے تفسیر اویسی میں تفصیل سے لکھا ہے۔

ترجمہ : اے محبوب مدنی صلے اللہ علیہ وسلم آپ اصل ہیں باقی جملہ کائنات آپ کے طفیل ہے آپ بادشاہ ہیں تمام موجودات آپ کے غلام ہیں۔

مسئلہ : اعلان نبوت سے پہلے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے دین کی اتباع کرتے ہیں اور آپ کے دین ملت دین ملۃ ابراہیم علیہ السلام تھا جو کہ بوراثت اسماعیل علیہ السلام انھیں ملا یعنے مسائل حج ومناسک وبیوع وغیرہ میں ابراہیم علیہ السلام کے دین کے مطابق عمل کرتے تھے البتہ قریش مکہ توحید کے عقائد میں غلط ہو گئے تھے اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خالص توحید پر تھے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کے مسلک کی اتباع کی اور اللہ تعالٰے کے حضور میں گردن جھکائی تاکہ اللہ تعالٰے کے ہاں پہنچ جائیں جیسے ابراہیم علیہ السلام کو بارگاہ حق کی حاضری نصیب ہوئی۔

کما قال :

وانی ذاھب الی ربی سیھدین۔

اس اتباع کی برکت سے اللہ تعالٰے کی جانب سے حضور علیہ السلام کو ندا آئی کہ ابراہیم علیہ السلام میرا خلیل تھا آپ میرے حبیب ہیں۔ آپ کے اور ابراہیم علیہ السلام کے مابین فرق یہ ہے کہ خلیل میرے ہاں خود چل کر آیا اور آپ کے لئے براق بھیجا گیا یہی وجہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام شب اسریٰ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو عرض کی گئی یہی خلیل کا مقام ہے۔ اگر آپ چاہیں تو آپ کو اس سے آگے کے مراتب ومقامات طے کرائے جائیں چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ تجلی حق نے سدرۃ کو ڈھانپ لیا پھر یہ حبیب علیہ السلام کا کام تھا کہ ان جلوؤں کو دیکھ کر نہ آنکھ پھیری نہ راہ سے بھٹکے اس کے بعد دنیٰ فتدلیٰ کا مقام طے فرمایا اور قاب قوسین کی منزل پر پہنچے اور یہی حبیب کا مقام ہے جہاں معیت حق اس طرح نصیب ہوئی کہ جس میں غیریت کا وہم بھی ختم ہو گیا۔

کما قال :

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب۔ مجھے اللہ تعالٰے کے ساتھ ایک ایسا وقت نصیب ہوتا ہے وہاں ملک مقرب یعنے جبرائیل علیہ السلام کو بھی رسائی نصیب نہیں۔

ولا نبی مرسل اور نہ ہی کسی نبی مرسل کو۔

یہی حقیقت محمدیہ کا مقام ہے۔ جب متابعت کی منزل طے فرمالی تو آپ کو متبوع کی صفت نصیب ہوئی یہی نکتہ ہے کہ دنیا میں آپ کو اتباع خلیل کا حکم تھا آخرت میں خلیل آپ کے محتاج ہوں گے۔ چنانچہ خود حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

الناس محتاجون الی شفاعتی یوم القیمۃ تمام لوگ میری شفاعت کے محتاج ہوں گے یہاں تک کہ

حتی ابراھیم - ابراہیم علیہ السلام -

[سیدنا اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے فرمایا :-

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا

ہے خلیل اللہ کو حاجت رسولؐ اللہ کی [1]]

مسئلہ آیت سے اتباع رسول کی فضیلت ثابت ہوئی اس لئے کہ اس کی کچھ فضیلت نہ ہوتی تو اللہ تعالٰی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو خلیل کی اتباع کا حکم نہ فرماتا۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کی اتباع اور صلحائے امت کی صحبت کو غنیمت جانے کیونکہ اتباع وصحبت میں سعادت دارین ہے۔

ایجوبہ: دس جانور بہشت میں جائیں گے تو وہ بھی اسی صحبت کی برکت سے۔ ان دس جانوروں میں سے چند یہ ہیں:

① ناقۂ صالح

② دنبۂ اسماعیل

③ نملۂ سلیمان

④ سگِ اصحاب کہف

سگ اصحاب کہف روزے چند

پے مردم گرفت مردم شد

ترجمہ: کتے نے اصحابِ کہف کے قدم پکڑے تو انسانوں جیسا ہوگیا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ افلاس کی تنگی سے متحیر ہوتا ہے تو اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ تو فلاں بندے یا میرے عارف کو پہچانتا ہے وہ عرض کرتا ہے ہاں۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے میں نے تجھے ہبہ کیا (یعنی اس کا مرتبہ تجھے بخشا)۔

ولی اللہ کی شان شیخ بہاؤالدین فرماتے ہیں کہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کا ایک خادم مغربی تھا اس کے سامنے نکیرین کی حدیث کا ذکر ہوا کہ قبر میں نکیرین کا سوال ہوگا۔ اس خادم شیخ بایزید قدس سرہٗ نے کہا کہ دیکھ لینا کہ میں انھیں کیا معقول جواب دوں گا لوگوں نے کہا تمہیں کیسے معلوم ہوگا۔ اس نے کہا میری قبر پر بیٹھ کر سن لینا۔ چنانچہ

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی غفرلہٗ۔

جب وہ فوت ہوا تو نکیرین نے سوال کیا تو اس نے کہا کہ مجھ سے بھی سے سوال کرتے ہو میں نے بیس سال بایزید قدس سرہٗ کی پوستین کاندھے پر رکھی ہے نکیرین اس کا یہ جواب سن کر خاموشی سے چلے گئے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ بے شک یوم ہفتہ کی تعظیم اور اسے صرف عبادت کے لئے فارغ رکھنا اور اسی دن شکار نہ کرنا فرض ہے۔

سوال: تم نے فرض کا معنٰے کہاں سے لے لیا؟

جواب: جعل کا صلہ جب لفظ علٰے واقع ہو تو جعل بمعنے فرض مستعمل ہوتا ہے۔

حل لغات: السبت ہفتہ کے ایک دن کا نام بمعنے القطع والروحۃ اور اس یوم کو اس لئے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے کہ اسی دن ہفتہ کے ایام منقطع ہوتے ہیں کیونکہ ہفتہ کا یہی آخری دن ہے اور اسے اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اسی دن میں آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے فراغت پائی یا اس لئے کہ یہودی اسی دن دنیوی کام سے فارغ البال ہو کر آرام کرتے ہیں یا یہ اسبتت الیھود سے مشتق ہے بمعنے عظمت سبتہا وہ اس لئے کہ یہودیوں کا دعوےٰ تھا کہ ہفتہ کا دن شعائر اسلام سے ہے اور ابراہیم علیہ السلام اس کے محافظ و نگران تھے اب معنے یہ ہوا کہ اے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کا دن نہ شعائر اسلام سے ہے اور نہ ہی آپ اس کی تعظیم کے مامور ہیں۔ ہاں، بنی اسرائیل پر اس کی تعظیم فرض ہوئی وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے بہت بڑے عرصے بعد۔

حکایت کاشفی نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کو دیکھا کہ وہ ہفتہ کے دن سامان اٹھا کر کسی اور جگہ لے جا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی گردن اڑا دو اور اسے ایسی جگہ پر چھوڑو جہاں چالیس دن تک پرندے اس کے ڈھانچے کو کھاتے رہیں۔ (کذا فی زاد المیسر)

ف: یہ صرف اس لئے کہ ہفتہ کے دن کی تعظیم ان کی شریعت میں فرض تھی اور وہ شخص اس دن کی توہین اور گستاخی کر رہا تھا اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے اسے قتل کر دینے کا حکم فرمایا۔ ؎

کرا شرع فتوٰے دہد بر ہلاک
الا تا نداری ز کشتنش باک

ترجمہ: جس کے قتل کر دینے کا فتوٰے شریعت دے اس کے قتل کرنے کے متعلق کوئی خطرہ نہ کرنا۔

عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط ان لوگوں پر جنھوں نے ہفتہ کے دن کے متعلق اختلاف کیا۔ اصل اختلاف حق کے انتخاب میں ہوا وہ اس طرح کہ موسےٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو فرمایا کہ ہفتہ میں صرف ایک دن عبادت کے لئے فارغ کرلو اور وہ جمعہ کا دن ہونا چاہیئے۔ لیکن یہودیوں نے کہا کہ ہم تو ہفتہ کے دن کی تعظیم کریں گے اور اسی دن میں عبادت میں مشغول رہیں گے اس لئے کہ اسی دن اللہ تعالےٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے فراغت پائی سوائے چند مخصوص لوگوں کے سب ہفتہ کے دن پر اڑ گئے

اللہ تعالٰی نے انھیں ہفتہ کے دن کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اس دن مچھلی کا شکار بھی نہ کرنا۔ اس حکم کی پابندی صرف ان لوگوں سے ہوسکی جو جمعہ کے دن کی عبادت کے لئے راضی تھے۔ باقی سب کے سب مخالف حکم ربانی ہوئے اور ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار میں مبتلا ہوئے تو اللہ تعالٰی نے انھیں بندر بنا دیا۔ اور اس عذاب سے وہی محفوظ رہے جو مطیع تھے۔

فائدہ صوفیانہ فقیر (حقی) کہتا ہے کہ جو لوگ نجات پا گئے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ انھوں نے اللہ تعالٰی کے ارادے کے سامنے اپنے ارادوں کو فنا کر دیا بخلاف نافرمانوں کے وہ تباہ و برباد اس لئے ہوئے کہ انھوں نے حکم الٰہی کے سامنے سر نہ جھکائے کیونکہ ان کے نفوس امارہ کی سرکشی باقی تھی اور قاعدہ ہے جو اللہ تعالٰی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اسے اللہ تعالٰی نیکی کی توفیق بخشتا ہے اور جو اپنے ارادہ پر چلتا ہے اسے اللہ تعالٰی نفس سرکش کے سپرد کر دیتا ہے اسی لئے وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ تاکہ فیصلہ فرمائے ان دونوں فریقوں یعنی ماننے اور نہ ماننے والوں کے درمیان۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ قیامت کے دن جس میں وہ اختلاف کرتے تھے یعنی ان کے اختلاف کی تفصیل بتائے گا۔ جس سے موافق کو ثواب اور مخالف کو سزا دے گا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ مخالفین کو جو دنیا میں سزائیں ملیں ان کے علاوہ اور سزائیں آخرت میں پائیں گے اسی طرح نیکوں کو جو دنیا میں نیک صلہ ملتا ہے آخرت کی نیک جزا اس کے علاوہ ہوگی۔

حدیث شریف حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ہم آخر میں آئے لیکن قیامت میں سب سے پہلے ہوں گے اور ہمیں دنیوی ایام میں سے آخری دن ملا ہے، اس سے جمعہ کا دن مراد ہے۔ اس لئے کہ سابقہ امتوں کو اسی دن عبادت کا حکم ملا لیکن انھوں نے اختلاف کیا۔ اللہ تعالٰی نے ہمیں ہدایت بخشی ہمارے لئے جمعہ کا دن ہے اور یہودیوں کے لئے ہفتہ اور نصاریٰ کو اتوار نصیب ہوا۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالٰی کے اوامر و نواہی کے متعلق اختلاف کر کے صراط مستقیم سے ہٹے تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے کر بدعت کی بنیاد ڈالی اور یہ بھی ان کی نفسانی خواہش کے مطابق ہوا پھر اس پر شدت سے کاربند ہوئے تو انکا وہی عمل ان کے لئے وبال جان ثابت ہوا اور راہ مستقیم سے بالکل بھٹک گئے۔

سبق بندوں پر لازم ہے کہ وہ عبادت و طاعات و مجاہدات و طلب حق میں جد و جہد کریں اور بدعت (سیئہ) کو ترک کر دیں۔

حدیث شریف حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میری اور میرے بعد میرے خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی کرو اور اسے مضبوطی سے پکڑو اور بدعات (سیئہ) سے بالکل دور رہو اس لئے کہ ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔

حکایت ایک شخص حضرت الشیخ ابو محمد عبد السلام بن بشیش قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی حضرت جی!

مجھے اوراد و وظائف بتائیے حضرت شیخ کو سنتے ہی غصہ آگیا اور فرمایا کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہوں کہ تجھے کوئی نیا وظیفہ یا ورد بتاؤں ورنہ واجبات و فرائض معلوم ہیں اور معاصی و جرائم بھی کسی سے مخفی نہیں اس لئے تم فرائض و واجبات پر پابندی کرو اور معاصی و جرائم سے بچو اور دنیوی خواہشات سے قلب کو محفوظ کرو اور اللہ تعالے کی دی ہوئی قسمت پر قناعت کرو جب تجھ سے رضائے الٰہی کے مطابق کام ہوں تو تم اللہ تعالے کا شکر کرو اور جب پر کوئی مصیبت نازل ہو تو صبر کرو۔

ف : وان ربك یحکم الخ میں اشارہ ہے کہ قیامت میں اللہ تعالے اہلِ سنت اور اہلِ بدعت کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا اور کہے گا کہ اہلسنت میرے فضل وکرم سے بہشت میں جائیں اور اہلِ بدعت دوزخ میں۔ یہ میرا عدل ہے اور اس کی مجھے کوئی پرواہ بھی نہیں۔

ف : اہلِ بدعت کے بہتر فرقے ہیں یہ اہلِ ظواہر سے ہیں اور اہلِ بواطن کے گیارہ ہیں یہ سب کے سب اعتقاداً حق کے مخالف ہیں اور سب کے سب جہنم میں جائیں گے اور صوفیاء کرام کا ناجی فرقہ وہی ہے جن کا طریقہ اور عقیدہ اور عمل کتاب وسنت کے موافق ہے ہم اللہ تعالے سے زیغ وضلال سے حفاظت کی دعا کرتے ہیں۔

سبق صحبت کے لئے ناصح فی الدین کامل فی طریق الیقین اور مرشد الی الحق المتین کا ہونا ضروری ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

قطع ایں مرحلہ بے ہمرہئی خضر مکن
ظلماتست بترس از خطر گمراہی

ترجمہ : اس راہ کو کسی رہبر کے بغیر طے نہ کر یہاں بڑی تاریکیاں ہیں گمراہ ہونے کا خطرہ کیجئے۔

تفسیر عالمانہ اُدْعُ اے محبوب افضل الرسل صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو شیطان کی راہ سے بچاکر۔ دعوت دیجئے اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ اپنے رب تعالے کے راستہ کی طرف۔ اس سے دین اسلام مُراد ہے جو جنّت اور قربِ الٰہی کا موصل ہے۔

حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ تعالے نے فرمایا : ؎

نور او چون اصل موجودات بود
ذات او چون معطیٔ ہر ذات بود
واجب آمد دعوت ہر دو جہانش
دعوت ذرات پیدا و نہانش

ترجمہ : نور الٰہی تمام موجودات کی اصل ہیں وہ ذات پاک ہر ہر ذرہ کو عطا فرماتی ہے اس سے اس کی ذات کے لئے دعوت ضروری ہے ہر ظاہری و باطنی ذرات کو اس کی دعوت ضروری ہے۔

ف : اعیان موجودہ کا ہر عین اسمائے الٰہیہ کے کسی ایک اسم کی طرف منسوب ہوتا ہے اس لئے وہی عین اسی اسم کے ذریعے اللہ تعالےٰ کی طرف پہنچتا ہے کیونکہ وہی جمیع اسمار کا جامع ہے ۔

سوال : پھر دعوت کا کیا فائدہ جب ہر عین اپنے اسم کے ذریعے اس کی طرف خود بخود پہنچ سکتا ہے ؟

جواب : چونکہ دعوت سے یہ فائدہ ہو جاتا ہے کہ اسم مضل ہادی سے اور جائز عدل سے تبدیل ہو جاتا ہے ۔

بِالْحِكْمَةِ اس سے حجۃ قاطعہ مراد ہے کہ عقائد کے لئے مفید اور منکرین کے شبہات کو مٹانے کے لئے داعیٔ حق کو تائید بخشے یہ طالبین حقائق جیسے خواص امتہ کے لئے ہوتی ہے۔ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ اس سے دلائل اقناعیہ و حکایاتِ نافعہ مُراد ہیں یہ عوام کی دعوت کے لئے ہوتے ہیں۔

حل لغات : موعظۃ مصدر ہے اہلِ عرب کہتے ہیں۔ وعظۃ ۔یعظۃ وعظاً وعظۃ وموعظۃ ہر وہ ذکر جس سے دل نرم پڑ جائے وہ ذکر ثواب سے یا عذاب سے متعلق ہو۔ جب کوئی شخص کسی نصیحت کو قبول کرے تو کہا جاتا ہے : اتعظ۔ یعنی فلاں نے نصیحت کو قبول کیا ۔ (کذا فی القاموس)

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ اور معاندین مخالفین سے مناظرہ کیجئے! اور یہی طریقہ مناظرہ نرمی اور حسن خلق سے بہتر ہے اور یہی طریقہ مناظرہ اور مقدمات مشہورہ پیش کر کے مخالف کے شبہات مٹانا اور اس کے جوش مذہبی کو ٹھنڈا کرنا دوسرے تمام طریقوں سے بہتر ہے۔ یہی طریقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار فرمایا تھا۔ [اور بحمد اللہ تعالےٰ بہت کامیاب ہوئے۔ افسوس! کہ دور حاضرہ میں علمار ومشائخ اس طریقہ سے سخت نفرت کرتے ہیں اور جان چھڑانے کے لئے آیت کا پہلا جملہ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ پڑھ کر اپنی برتری کا دم بھرتے ہیں۔ انھیں ہم صلح کلی سے تعبیر کرتے ہیں جو نہایت گھٹیا درجہ ہے۔[1]]

مسئلہ : آیت سے ثابت ہوا کہ اظہار حق کے لئے مناظرہ ومجادلہ فی العلم جائز ہے۔

ف : تفسیر سمرقندی میں ہے کہ مدعو الی الحق کے تین گروہ ہیں :

(۱) مدعو الی اللہ خاص لوگ ہوں تو ان کو حکمت سے دعوت دینا مفید ہے۔

(۲) مدعو الیہ عوام ہوں تو ان کو موعظہ (پند ونصیحت) فائدہ دے گی۔

(۳) مدعو الیہ بد مذاہب ہیں تو ان سے مناظرہ ومجادلہ کرنا بہتر ہے ۔

یہ بد مذاہب بھی عوام میں شامل ہیں اگرچہ اپنے آپ کو بڑے علمار کہلوائیں بلکہ عوام سے بھی بدتر اس لئے کہ عوام کے عقائد صحیح ہوتے ہیں اور ان کے عقائد فاسد ہونے کے علاوہ ان میں ردی صفات مثلاً ضد، ہٹ دھرمی، عناد، سرکشی، تعصب اور اپنے

---

[1] : اضافہ از مترجم ۔

گرو گنٹھاؤں کی تقلید وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ادراک حق سے محروم ہوتے ہیں بلکہ وہ اپنے عقائد فاسدہ اور صفات کا سدہ کی وجہ سے پرلے درجے کے بیوقوف ہوتے ہیں اگرچہ وہ عوام اہل حق کو بیوقوف سمجھتے ہیں حالانکہ وہ خود بیوقوف اور احمق ترین ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا:

الا انھم ھم السفھا — اور جنھیں وہ بیوقوف اور احمق سمجھتے ہیں وہ درحقیقت بہشتی ہوتے ہیں۔

چنانچہ حدیث شریف میں ایسے لوگوں کے لئے فرمایا کہ بہشتی بھولے بھالے لوگ ہیں۔

سبق: تفصیل مذکور کے بعد جس طرح کا انسان ہو اسی طرح کی افہام وتفہیم کی جائے عوام کو حکمت (اشاروں کنایوں) سے سمجھایا جائے تو وہ کیا سمجھیں گے کیونکہ ان بیچاروں کو تو اور ساری باتیں چاہئیں اس لئے کہ وہ موٹے عقل والے اور سادہ لوح ہیں:

نکتہ گفتن پیش کثر زحکمت بے گمان
جواہر چند از جواہر ریختن پیش خر است

ترجمہ: موٹے عقل والوں کے سامنے نکتہ سنجی ایسے ہے جیسے گدھا کے سامنے جوہر ڈالے جائیں۔

مثنوی شریف میں ہے:

کے توان باشیعہ گفتن از عمر
کے توان بربط زدن در پیش کر

ترجمہ: شیعہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ملفوظات سنانے کا کیا فائدہ ایسے ہی بہرے کے سامنے سارنگی بجانا بے سود۔

اسی طرح اہل حکمت کے سامنے مناظرے مجادلے کی باتیں کی جائیں تو وہ متکلم سے ایسے نفرت کرے گا جیسے نوجوان کو عورت کے دودھ سے۔

تفسیر صوفیانہ ادع الی سبیل ربک الخ میں اشارہ ہے کہ عوام کو دعوت اسلام دی جائے تو بہشت کے مژدہ بھا سے اس کا طریقہ یہ ہے کہ انھیں خوفناک کہانیاں سنائی جائیں اور رحمت حق پر امید کی باتیں بتائی جائیں اس لئے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے ہیں تو بہشت کے لالچ اور دوزخ کے خوف سے انھیں موعظۃ حسنہ سے سمجھایا جائے اور یہ نرمی، مدارات، خوش خلقی اشارے کنایے خلوت میں، کھلم کھلا تصریح سے ہٹ کر کیونکہ کھلم کھلا تو اسے مفید ہے جو حق سے کوسوں دور ہو ...

گر نصیحت کنی بخلوت کن
کہ جز این شیوہ نصیحت نیست
ہر نصیحت کہ برملا باشد!
آن نصیحت بجز فضیحت نیست

ترجمہ: اگر کسی کو نصیحت کرنی ہو تو خلوت میں کرو کہ اس کے سوا اور کوئی نصیحت کا طریقہ نہیں۔ ہر وہ نصیحت جو کھلم کھلا ہو اس نصیحت سے سوائے رسوائی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اور خواص کو حکمت و موعظہ ونصیحت سے دعوت اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالےٰ کی محبت باتیں سنائیں جائیں اور جو طلبِ حق میں اسباب کام دیں ان کی انہیں ترغیب وتحریص دلائی جائے اور اللہ تعالےٰ کے ملنے کے راستہ کی رہبری اور ہدایت دی جائے بلکہ ہوسکے تو وہ راستہ انہیں ایسا دکھایا جائے کہ گویا تمہاری نصیحت ان کے لئے رہبر کامل اور سراج منیر ہے یہاں تک کہ وہ تمہاری اتباع اور تمہارے تزکیہ سے مقربین کے مراتب کو پہنچ جائیں۔

وجادلھم بالتی ھی احسن یہ طریقہ ہر قسم کے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے لیکن اہل نفاق کو بہت زیادہ مفید ہے جب ان پر سختی کی جائے اور اہلِ وفاق سے لطف وکرم اور خوش اخلاقی سے کام لیا جائے اور اہلِ ایمان تواضع وانکسار مفید ہے۔ اور ان سے درگذر کرنا اور ان کی غلطیاں معاف کرنا وغیرہ۔

صاحبِ روح البیان کے پیر و مرشد قدس سرہما کی تقریر دلپذیر فقیر (حقی) کہتا ہے کہ میرے پیر و مرشد قدس سرہٗ نے اپنی کتاب مسمی بہ اللائحات الباقیات میں فرمایا کہ حکمۃ سے بصیرت مراد ہے یعنے مقتضیات کے مطابق دعوت دیجائے مثلاً بعض مقامات پہ نرمی اور تخفیف وتعریض فائدہ دیتی ہے اور بعض مواقع تشدید وتغلیظ مفید ہوتی ہے اسی طرح بعض مواقع جلب مصالح فائدہ دیتے ہیں اور بعض موقعہ سلب مفاسد۔ اسی طرح الموعظۃ الحسنۃ سے وہ پند ونصائح مراد ہیں جو حسنات کو متضمن اور ترغیبات پر مشتمل اور ترہیبات پر حادی ہوں اور قلوب کو محبوبات کی طرف کھینچنے والے اور نفوس کو مقبوحات سے بچانے والے ہوں وغیرہ وغیرہ۔ جس طرح مناسب اور لائق ہو ویسے ہی افہام وتفہیم کی جائے۔ خلاصہ یہ کہ پند ونصائح کے وقت حق اور علم کامل اور عقل تام پیش نظر ہو اس میں نفس، جہل اور حماقت کو کسی قسم کا دخل نہ ہو کیونکہ حق وعلم وعقل کی نصیحت بصیرۃ صحیحہ سے اور نفس وجہل وحمایت کی نصیحت غفلت فاسدہ سے ہوتی ہے۔

ف: الموعظۃ الحسنۃ کا لفظ ایک جامع کلام ہے جو جمیع کلم کا جامع ہے۔

وجادلھم بالتی ھی احسن اور مجادلہ سے مجادلہ حقانیہ مراد ہے وہ جو کہ رفق، نرمی، درگذر، معاف کرنے اور چشم پوشی اور کلام بقدرِ معقول اور نظر بہ انجام کار اور صبر، کسی کی سزا پر عجلت نہ کرنا اور کسی کے دکھ درد پہنچانے پر حوصلہ اور مصائب وتکالیف

قدرتی پر تحمل سے ہو اور امور مذکورہ بالا اظہار حق کے لئے ضروری ہیں اسی لئے اسے اللہ تعالےٰ نے احسن فرمایا ہے اور جو شخص حق کی مخالفت کرے اس کے سامنے حق کی صداقت کا اظہار ضروری ہے اور جو صداقت اسلام کا قائل ہے تو اسے جمیع اغراض و اعراض سے روگردانی کی تلقین کی جائے غرضیکہ جہاں تک ہو سکے مخالفین معاندین راہِ حق سے بھولے بھٹکے ہوئے لوگوں اور جاہلین و غافلین اور باطل کی طرف رجوع کرنے والوں وغیرہ کے حال پر رحم کرم کر کے سیدھے راستہ پر لانا چاہئے اور اس کا طریقہ کار کچھ ہو کسی کو دعا سے کسی کو نصیحت سے کسی کو مارنے سے غرضیکہ جس طرح بن پڑے امت مصطفویہ کو رہ راست پر لانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا جائے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ بے شک تیرا رب تعالےٰ سے خوب جانتا ہے جو راہِ حق سے بھٹک گیا۔ اس سے دین اسلام مراد ہے یا گمراہ سے مراد وہ شخص ہے جو حکمتیں و مواعظ و عبرتیں دیکھنے کے باوجود قبول حق سے اعراض کرتا ہے۔ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ اور ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے اور بس، باقی ہدایت اور گمراہی کی تخلیق اور ان کی جزا و سزا آپ کے ذمہ نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کے سپرد ہے وہی ہدایت یافتہ لوگوں کو جزا اور گمراہوں کو سزا دے گا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ گویا اللہ تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ مجھے ان کے حالات معلوم ہیں جس کی فطرت نیک ہے وہ تھوڑے سے وعظ اور معمولی سی نصیحت سن کر ہدایت حاصل کر لیتا ہے اور جس کی ازل سے بدقسمتی ہے اسے ہزاروں حیلے اور لاکھوں دلائل کام نہیں دیتے۔[۱]

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: ؎

توان پاک کردن ز زنگ آئینہ
و لیکن نیاید ز سنگ آئینہ

ترجمہ: آئینہ سے زنگ دور کیا جا سکتا ہے لیکن پتھر کو آئینہ نہیں بنایا جا سکتا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض
ورنہ ہر سنگ و گلے لؤلؤ و مرجان نشود

ترجمہ: پاک گوہر تو فیض کے قابل ہو سکتا ہے ورنہ ہر پتھر اور گل لؤلؤ و مرجان نہیں ہو سکتا۔

لوگ تین قسم کے ہیں:

(۱) جن کا حسن خاتمہ قطعی اور یقینی ہے جیسے انبیاء علیہم السلام اور عشرہ مبشرہ یعنے دس صحابی رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم:

(۱) ابوبکر صدیق (۲) عمر فاروق (۳) عثمان غنی (۴) علی المرتضیٰ وغیرہم رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔

(۲) جن کا انجام برباد اور اس پر یقین اور نصوص قطعیہ سے ثابت ہے جیسے فرعون، ابوجہل، قارون، ہامان وغیرہم۔
(۳) جن کا نہ نیک خاتمہ یقینی ہے نہ برا جیسے عام مومنین اور ابرار متقین اور عام کفار و مشرکین۔

ازالۂ وہم اگرچہ ابرار و متقین شرعاً ممدوح ہیں اس لئے کہ ان کے عقائد فاسدہ و اعمال صالحہ پاکیزہ تھے اور فجار و کفار بوجہ عقائد فاسدہ و اعمال قبیحہ کے ظاہراً مذموم ہیں لیکن سب کے انجام کو وہی جانتا ہے اس لئے کہ اسی کی طرف سپرد کیا جائے وہی نیک اور بد کو جانتا ہے اور آخرت میں سب کو علیحدہ علیحدہ کر کے دکھا دے گا بہت سے ایسے ہوتے ہیں جنھیں ہم سمجھتے ہیں کہ وہ نیک ہیں حالانکہ درحقیقت وہ اللہ تعالٰی کے دشمن اور شیطان کے پکے دوست ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذالک)۔ اس کا نیک ہونا عارضی تھا جسے ہم نے نیک سمجھ رکھا تھا۔ لیکن درحقیقت اس کی برائی چھپی ہوئی تھی جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی جیسے رات کے آتے ہی سورج کی روشنی چھپ جاتی ہے یا جیسے دن کے آنے سے رات کی تاریکی پوشیدہ ہوجاتی ہے ایسے ہی مرنے کے بعد اس کی اصلی حقیقت ظاہر ہوجاتی ہے کہ ظاہری نیکی مٹتے ہی اصلی کفر و فسق ظاہر ہوگیا اسی طرح عارضی کفر و فسق مرنے کے بعد مٹ جاتا ہے اور اصلی ایمان کا نور ظاہر ہوجاتا ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے۔

حکایت حضرت ابواسحاق رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ایک شخص ہمارے ہاں بار بار حاضر ہوتا لیکن اس کا نصف چہرہ ڈھکا رہتا تھا۔ ایک دن میں نے اس سے پوچھا کہ ہمارے ہاں اکثر حاضر ہوتا ہے لیکن تیرا نصف چہرہ چھپا کیوں رہتا ہے۔ اس نے کہا: اگر آپ مجھے امان دیں تو بتاؤں۔ میں نے کہا: تجھے امان ہے۔ اس نے کہا: میں قبریں کھود کر مردوں کے کفن چرایا تھا۔ ایک دفعہ ایک عورت مدفون ہوئی میں نے اس کی قبر کھودی اور اس کے کفن میں سے بڑی چادر اور لفافہ کو پکڑ کر کھینچنے لگا لیکن وہ عورت اپنے کفن پر قابو پائے ہوئے تھی گویا وہ اپنی طرف کھینچتی تھی اور میں اپنی طرف۔ میں نے اسے کہا کہ تو مجھ پر غلبہ نہیں پاسکتی میرا یہی کہنا تھا کہ میں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا اس پر میں نے کفن چھوڑا تو اس عورت نے زور سے میرے چہرے پر تھپڑ مارا۔ جونہی اس نے چہرہ دکھایا تو واقعی اس کے چہرہ پر پانچ انگلیوں کے نشانات موجود تھے۔ میں نے پوچھا پھر کیا ہوا؟ اس نے کہا: پھر میں ڈر کا مارا قبر سے باہر نکلا اور قبر پر مٹی ڈال کر چلا آیا اور سچی توبہ کرلی کہ آئندہ ایسا کام نہیں کروں گا۔ حضرت ابواسحاق رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہی واقعہ میں نے امام اوزاعی کو لکھا۔ آپ نے جواب بھجوایا کہ اس سے پوچھ لینا تھا کہ اتنا عرصہ تو مردوں کے کفن چراتا رہا ان کے چہروں کا رخ کس طرف پایا۔ ہم نے اس شخص کو بلا کر پوچھا تو اس نے کہا: بعض مردوں کے چہرے قبلہ رخ ہوتے اور بعض کے قبلہ سے پھرے ہوئے نظر آتے تھے۔ میں نے یہی کیفیت امام اوزاعی کو لکھی تو انھوں نے تین بار پڑھا:

انا للہ وانا الیہ راجعون

ہم نے وجہ پوچھی تو انھوں نے فرمایا: جن لوگوں کے چہرے قبلہ سے پھرے ہوئے تھے وہ ایسے تھے جن کی زندگی کتاب و سنت کے خلاف بسر ہوئی! درقاعدہ ہے کہ معاصی و جرائم کی کثرت برے خاتمہ کا سبب بنتے ہیں بلکہ بسا اوقات جرائم

کثیرہ و معاصی کبیرہ کفر کی موت کا موجب ہوتے ہیں۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

عروسی بود نوبت ماتمت
گرت نیک روزے بودے خاتمت

ترجمہ: موت کے وقت تجھے خوشی ہوگی اگر خاتمہ ایمان پہ ہوا۔

ہم اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے نور ایمان کو مٹانے والی آندھی سے ہماری شمع اعتقاد کو محفوظ فرمائے اور ہر وقت اور ہر حال میں ہمیں قولِ ثابت پر ثابت قدم رکھے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ اور اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو۔ ہم نے ارادہ کا معنے اس کیا ہے کہ ایسے محاورات میں لفظ ارادہ محذوف ہوتا ہے مثلاً بخار والے کو طبیب کہتا ہے: ان اکلت فکل قلیلاً یعنے اگر تم کچھ کھانا چاہتے ہو تو تھوڑا سا کھاؤ۔ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ تو اتنا بدلہ لو جتنا اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے۔ اسے معاقبۃ سے اس لے تعبیر کیا ہے کہ مسبب کا سبب پر اطلاق عام ہے یہ کما تدین تدان کی طرح ہے یعنے جیسے کروگے ویسے ہی جزا دیئے جاؤگے۔ مجازی علیہ کو جزا سے تعبیر کرنا اطلاق المسبب علےٰ السبب کے قبیل سے ہے یا مشاکلت و مزاوجہ کی وجہ سے اسے عقاب کہا گیا ہے۔ ورنہ معاقبۃ تو دوسرے کے فعل صادر کرنے کے بعد آتا ہے اور یہاں ابتدائی فعل کو معاقبۃ کہا گیا ہے تو اس کی وجہ وہی ہے کہ مشاکلت یا عرف کی وجہ سے ہے کہ جو بھی کسی کو کچھ سزا دے خواہ وہ کسی فعل کا بدلہ ہو یا نہ ہو اسے معاقبۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ (کذا فی حواشی سعدی المفتی)

شانِ نزول (۱) حضرت قرطبی نے لکھا ہے کہ جمہور اہلِ تفسیر کا اتفاق ہے کہ یہ آیت مدنیہ ہے اور سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ کے حق میں نازل ہوئی ہے! وراں کا واقعہ مشہور ہے کہ مشرکین نے بہت سے اہلِ اسلام کا غزوہ احد میں مثلہ کیا بعض حضرات کے پیٹ چاک کئے اور بعض کے کان اور ناک کاٹ ڈالے بعض کے ذکر، غرضیکہ سوائے حضرت حنظلہ بن الراہب کے تمام شہداء کے ساتھ ایسی ہتک آمیز حرکتیں کیں اور حضرت حنظلہ بھی اس لئے بچ گئے کہ ان کے والد عامر الراہب اس وقت ابوسفیان کے ساتھ تھے۔ ان کے والد کی وجہ سے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو کچھ نہ کیا جب حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد سے فراغت پاکر شہداء کی دیکھ بھال کی تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ کو زبوں حال میں دیکھا کہ آپ کا پیٹ چاک کیا گیا ہے اور ناک اور دونوں کان کاٹے گئے ہیں۔ آپ کو ان کی شہادت سے قلبی دکھ ہوا اِسی لئے آپ نے فرمایا:

رحمۃ اللہ علیک کنت وصولاً للرحم فعالاً	اللہ تعالےٰ آپ پر رحم فرمائے آپ بہت بڑے صلہ رحمی کرنے
للخیر ولولا ان تحزن النساء او یکون سنۃ بعدی	اور ہر نیکی میں بہت بڑا حصہ لینے والے تھے اگر عورتوں کا

لترکتك حتی یبعثك الله من بطون السباع والطیر اما واللہ لئن اظفرنی الله بهم لا مثلن بسبعین مکانك ۔

غم نہ ہوتا یعنی میرے بعد اس طریقہ کے جاری رہنے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں تجھے ایسے چھوڑ دیتا یہاں تک کہ آپ درندوں و پرندوں کے پیٹ سے اٹھتے۔ اگر اللہ تعالےٰ نے مجھے ان پر فتح و نصرت بخشی تو وہ آپ کے عوض ان کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔

صحابہ کرامؓ نے کہا، اگر اللہ تعالےٰ نے ہمیں فتح و نصرت بخشی تو ہم ان کے ساتھ وہ کریں گے جو عرب میں کسی نے نہ کیا ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے ایک چادر منگوائی اور حضرت حمزہ کے چہرے پر ڈال دی لیکن چادر اتنی چھوٹی تھی کہ ان کے پاؤں ننگے رہ گئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: انھیں اذخر سے ڈھانپ دو پھر انھیں آگے رکھ کر دس تکبیریں پڑھیں اس کے بعد ہر شہید کو لایا جاتا اس پر نماز پڑھی جاتی لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اپنی سے نہ اٹھایا گیا یہاں تک کہ ستر شہیدوں کی نماز جنازہ ہوئی اس طرح سے حضرت حمزہؓ کی ستر بار نماز جنازہ ہوئی۔

ف: تبیان میں ہے کہ حضرت حمزہ پر ستر بار نمازیں پڑھی گئیں یا ستر تکبیریں۔

بی بی فاطمہؓ کی نماز جنازہ حضرت ابوبکرؓ نے پڑھائی

مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی تو چار تکبیریں کہیں۔

اس سے شیعہ رافضیوں کا رد ہوگیا۔ وہ کہتے ہیں کہ بی بی فاطمہ حضرت ابوبکر صدیق سے ناراض تھیں۔ اگر ان کا غلط نظریہ صحیح مان لیا جائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ کس طرح پڑھائی وغیرہ وغیرہ۔

رد غیر مقلدین و شیعہ

اس سے فقہاء احناف نے استدلال کیا ہے نماز جنازہ کی کل تکبیریں چار ہیں۔ (کذا فی مشارق الانوار) اور شیعہ پانچ کے قائل ہیں اور غیر مقلدین ان سے بھی کچھ آگے۔ ہر دونوں کی اسی حدیث سے تردید ہوئی۔

شانِ نزول (۲)

اسباب نزول میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو وحشی حبشی (یہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) نے شہید کیا۔ یہ (حضرت) وحشی حضرت جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل کے غلام تھے۔ جبیر کا چچا طعیمہ بن عدی بدر میں مارا گیا تھا۔ غزوہ احد کی طرف روانگی کے وقت (حضرت) وحشی کو کہا کہ اگر میرے چچا کے عوض (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے چچا (حضرت) حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دو گے تو تم آزاد ہو گے۔ اس جوش سے (حضرت) وحشی نے تیر امارا تو ٹھیک نشانہ پر لگا۔ حبشی تیر اندازی میں ضرب المثل تھے۔ اس طرح سے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ شہید ہو گئے پھر ان کے ساتھ ہوا جو کچھ ہوا۔ اس کے بعد حضرت وحشی رضی اللہ تعالےٰ عنہ مسلمان ہو گئے۔ اسے حضور سرور عالم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ھل تستطیع ان تغیب عنی وجھک اے وحشی! اپنا چہرہ چھپا سکتے ہو تو مجھ سے اوجھل رہا کرو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لئے فرمایا کہ وحشی کو دیکھ کر آپ کو حضرت حمزہ یاد آجایا کرتے تھے اس طرح سے حضرت وحشی سے آپ کو طبعی کراہت ہوتی تھی۔

مسیلمۃ الکذاب کا قاتل بھی حضرت وحشی تھا جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا۔ آپ کی مسند پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بٹھایا گیا تو مسیلمۃ الکذاب کے ساتھ جنگ کی ٹھہری۔ حضرت وحشی نے کہا کہ اس بدبخت مسیلمۃ الکذاب کو میں ماروں گا تاکہ حضرت حمزہ کا بدلہ پورا کرسکوں۔ یہ کہہ کر جنگ پہ روانہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت وحشی کو مسیلمۃ الکذاب کے قتل کرنے کی توفیق بخشی۔ خلاصۃ المرام، غزوۂ احد کے شہداء کے دفنانے کے بعد یہی آیت نازل ہوئی۔ چونکہ آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کیفیت کو دیکھ کر قسم کھائی تھی اور اس سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا۔ اسی لئے آپ نے قسم کا کفارہ دے کر کفار سے مذکورہ بالا بدلہ لینے کا ارادہ ترک فرمالیا۔

سوال: فعاقبوا امر ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے اس کا معنے یہ ہوا کہ کفار کا مثلہ کرنا اہلِ اسلام پر فرض تھا اور تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ نے مثلہ سے روک دیا تھا؟

جواب: یہ امر اباحت کا ہے۔

سوال: اباحت پر کفارہ کیسا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے امر فرما کر تعریضاً یعنے ان عاقبتم کے جملہ سے ان کے مثلہ سے روک دیا۔

مسئلہ: تحریم مثلہ کے بارے میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں اس لئے کہ احادیث مبارکہ میں اس کی ممانعت میں بہت بڑی تاکید آئی ہے یہاں تک فرمایا کہ باولے کتے کا بھی مثلہ نہ کرو[1]

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ اگر بدلہ لینے پر صبر کرو اور انھیں معاف کردو۔

ف: پہلے جس کو تعریضاً بیان فرمایا اب اس کی تصریح فرمادی یعنے مخالف کے مثلہ سے درگذر فرمانا۔

لَهُوَ بے شک تمہارا صبر کرنا خَيْرٌ بدلہ لینے سے بہتر ہے یعنے معاف کرنا بدلہ لینے سے اولیٰ ہے۔

لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ صبر کرنے والوں کے لئے۔

سوال: صرف صابرین کے لئے کیوں؟ حالانکہ یہ تو ہر ایک کے لئے بہتر ہے؟

---

[1] افسوس کہ لوگ اپنی داڑھی مونچھیں مونڈوا کر اپنا مثلہ خود کر رہے ہیں۔ تفصیل کے لئے فقیر کا رسالہ نعمۃ المنعم فی لحیۃ المسلم دیکھئے (اویسی)۔

ان کی مدح مطلوب ہے تاکہ صبر کی فضیلت اور اس کے اجر و ثواب کی طرف رغبت ہو۔ اسی لئے اس آیت کے نزول کے بعد حضور تاجدار رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بل نصبر یا رب۔ اے اللہ تعالےٰ! ہم صبر کریں گے۔

مسئلہ: اگر کوئی کسی کو کہے یا خبیث۔ دوسرے کو لائق ہے کہ صبر کرے اور اسے کوئی جواب نہ دے اگر اسے جواباً خبیث کہہ دے تو کوئی جرم نہیں اگر یہی شخص اپنے بالمقابل پر قاضی (حکمِ وقت) کے ہاں دعوےٰ کرے کہ اسے یا خبیث کہنے کی سزا دی جائے تاکہ آیندہ میں ایسی غلطی نہ کرے تو بھی جائز ہے۔ (کذا فی الخلاصہ)

مجمع الفتاویٰ میں ہے کہ اگر کوئی کسی کو کہے یا خبیث۔ اور وہ اسے جواباً یا خبیث کہہ دے تو جائز ہے۔ اس لئے کہ قائل نے یا خبیث کہہ کر اس پر ظلم کیا اور ظلم کا بدلہ لینا جائز ہے۔

کما قال:

ولمن انتصر بعد ظلمه فاولئك ما عليهم من سبيل۔ اور وہ جو ظلم کے بعد بدلہ لے تو اس پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی سزا وغیرہ نہیں لیکن اسے معاف کرنا افضل ہے۔

کما قال تعالےٰ:

فمن عفا و اصلح فاجره على الله۔ جو معاف کرکے صلح کرے تو اس کا اجر اللہ تعالےٰ کے ہاں ہے۔

مسئلہ: اگر قائل ایسا کلمہ کہے جو اس پر حدِ شرعی لازم کرے، تو اسے جواب نہ دے تاکہ اپنے اوپر حد قائم نہ کرائے۔

مسئلہ: تنویر الابصار میں ہے کہ اگر کسی نے کسی کو ناحق مارا پھر اس نے بدلہ لیتے ہوئے مارنے والے کو مارا تو دونوں پر سزا شرعی واجب ہے۔ پہلے ابتدا کرنے والے کو سزا دی جائے پھر جواب دینے والے کو۔

ربط: اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم فرمایا۔ اس لئے کہ صبر کرنا عزائم سے ہے اور عزائم پر عمل کرنا اولیٰ ہے کیونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کی شانوں کو زیادہ جانتے اور آپ کو اللہ تعالےٰ کے احکام پر زیادہ اعتماد ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

وَاصْبِرْ کفار و مشرکین سے جتنی آپ کو اذیتیں، تکلیفیں، مشقتیں پہنچتی ہیں ان پر صبر کیجئے بالخصوص آپ کو ان کے اعراض عن الحق سے جو تکلیف پہنچتی ہے اگرچہ وہ ناقابل برداشت ہیں لیکن آپ میرے فرمان کے مطابق صبر کیجئے۔

مسئلہ: آپ کا صبر کرنا امت کے لئے واجب الاقتداء ہے جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کسی نے کہا کہ آپ صبر کریں گے تو ہم بھی صبر کرسکیں گے اس لئے کہ مقتدی کا صبر امام کے صبر پر موقوف ہے۔

وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ اور آپ کا صبر نہیں مگر اللہ تعالےٰ کی توفیق و اعانت سے وہ اس لئے کہ صبر

اللہ تعالٰی کی صفت ہے اور اس کی صفت سے وہی موصوف ہو سکتا ہے جسے وہ اپنے جلووں سے نوازے۔

ف: حضرت جعفر صادق نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے انبیاء علیہم السلام کو صبر کا حکم دیا لیکن اس صبر کا بہت بڑا ذوق اور اعلیٰ مرتبہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا چنانچہ وما صبرك الا بالله میں حضور علیہ السلام کے صبر کو اپنی توفیق و امانت سے منسوب فرمایا۔

[ردِ شیعہ: شیعہ روافض حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اس ارشادِ گرامی کو غور سے پڑھیں جب کہ وہ ماتم کو اپنے لئے بہت بڑی عبادت سمجھتے ہیں اور صبر کے خلاف ہنگامے برپا کرتے ہیں۔[1]]

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ اور کفار کے ایمان سے مایوس ہو کر غم نہ کھائیے۔ اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا:
فلا تأس على القوم الكافرين

وَلَا تَكُ یہ دراصل لا تكن تھا نون کو کثرت استعمال کی وجہ سے تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے چونکہ لم يعن ولم يخن کثیر الاستعمال نہیں اسی لئے وہاں نون محذوف نہیں ہوا۔ اور اس کے کثرت استعمال کی وجہ سے ظاہر ہے کہ اہل عرب اپنے اکثر افعال میں کان یکون کو ساتھ ملاتے ہیں مثلاً کہتے ہیں۔ کان زید یقوی وکان زید یجلس۔

قاعدہ: اگر کان کے ایسے افعال کے ساتھ حرف شرط واقع ہو تو نون کو ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً ومن يكن الشيطان قرينا فساء قرينا۔ اور فرمایا: ولم يكن الذين الآية

فِي ضَيْقٍ یعنی ان کے مکر و فریب سے آپ تنگدل نہ ہوں۔ یہ مقلوب کلام ہے کلام کو مسجع کرنے کے لئے کلام کو مقلوب کیا گیا ہے اور جب التباس نہ ہو تو کلام کو مقلوب کرنا جائز ہے وہ اس لئے کہ تنگی ایک صفت ہے جو انسان میں پائی جاتی ہے۔ انسان اس میں نہیں پایا جاتا البتہ کوئی شئے بہت زیادہ اور قوی تر ہو جائے تو وہ ایسے محسوس ہوتی ہے کہ گویا محیط ہو گئی ہے۔ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ اس سے جو آپ کے ساتھ آئندہ چل کر مکر و فریب کریں گے اس نہی میں دو فعل ہیں ایک تو کفار کے ایمان نہ لانے سے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا غمگین ہونا اور وہ کفار سے ہو چکا ہے فلہٰذا اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو روکا کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے سے غم نہ فرمائیے۔ دوسرا وہ فعل جو کفار نے آگے چل کر کرنا ہے یعنی مکرو فریب ان کے اس آنے والے فعل سے غمگین ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا بے شک اللہ تعالٰی ان لوگوں کے ساتھ ہے جنھوں نے معاصی سے اجتناب کیا۔

ف: اللہ تعالٰی کی معیت کا معنے ہے ولایت (دوستی) اور فضل و کرم۔

وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ۝ اور وہ لوگ نیک اعمال کرنے والے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ الذین

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی

اتقوا سے وہ لوگ مراد ہیں جو بُرے کے ساتھ برائی نہیں کرتے اور ھم محسنون سے وہ لوگ مراد ہیں جو دشمنی کرنے والے کے ساتھ احسان کرتے ہیں پہلی تقریر پر احسان بمعنے کسی شئے کو جمیل اور حسین بنانا اور دوسرے معنے پر اساۃ کی نقیض ہے۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ محسن کی تین علامات ہیں :

① طاعتِ الٰہی میں جلدی کرتا ہے ۔

② اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء سے بچتا ہے ۔

③ جو اس کے ساتھ برائی کرتا ہے وہ اس کے ساتھ احسان کرتا ہے ۔

سے

ز احسان خاطر مردم شود شاد
بتقوئے خانۂ دین گردد آباد
بسوئے این صفت ہا گر شتابی
رضائے خلق و خالق ہر دو یابی

ترجمہ : احسان سے لوگوں کے دل خوش ہوتے ہیں تقویٰ سے دین کا گھر آباد ہوتا ہے ۔ اگر ان صفتوں کو اپنا لو تو خالق ومخلوق ہر دو راضی ہوں گے ۔

ممشاد دینوری اور فرشتے کی گفتگو حضرت ممشاد دینوری رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک فرشتے کی زیارت کی اس نے فرمایا : جو اللہ تعالےٰ کے ساتھ ہے وہ تباہ وبرباد نہ ہوگا ہاں وہ شاد و آباد ہوگا جس کے ساتھ اللہ تعالےٰ ہوگا ۔ کما قال تعالےٰ :

ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون ۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ محبوب کا محب کے ساتھ ہونا اس لئے کہ اس سے محب ہر وقت اپنے محبوب کی رضا کا طالب ہوگا اگر محب محبوب کے ساتھ ہوگا تو اس وقت محبوب کی ناراضگی اور اس کا روگردان ہونا ممکن ہے اور یہ محب کے لئے نقصان دہ ہے ۔

بزرگوں کی وصیتیں ① حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ عنہ کو بوقت وفات عرض کی گئی کہ کوئی وصیت فرمایئے ۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ہاں تو مال ہی نہیں اس لئے مال کی وصیت نہیں کرتا صرف اتنا کہتا ہوں کہ تم سورہ نحل کی آخری آیات پر عمل کرو ۔ وہ آیات یہ ہیں : ادع الی سبیل ربک الخ ۔

② فقیر (حقی) کہتا ہے کہ وفات سے ایک دن پہلے میرے پیر و مرشد اور شیخ کامل قدس سرہٗ نے اپنے مخصوص مریدین کو جمع کرکے فرمایا : اے میرے عزیزو! تمہیں معلوم ہے کہ میرے ہاں مال و دولت جمع نہیں کہ اس کے متعلق میں تمہیں وصیت کروں البتہ میرے ہاں مذہب اہلسنت کے مطابق شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے اصول ہیں ۔ میں تمہیں

ان پر کاربند ہونے کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں اسی مذہب اہلسنت پر فوت ہو رہا ہوں اور آخرت میں اسی مذہب پر اٹھنا چاہتا ہوں یہی میری وصیت ہے اور تم اسی پر زندگی بسر کرو اور اسی پر مرو۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اس سے شیخ کا مقصد یہ تھا کہ مذہب اہلسنت ٹیڑھا پن اور الحاد نہیں ہے نہ اعتقادیات میں نہ فروعات میں۔

صوفیوں کے گمراہ فرقے

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ اہل تصوف کے بارہ فرقے ہیں۔ ایک ان میں سنی ہے باقی اہل بدعت (ملحد)۔ اور سنّی فرقہ یہی ہے جو فقہ اسلامی کے مطابق اپنے تصوف کو ڈھالتا ہے۔ جو فقہ اسلامی سے ہٹ کر اپنے اجتہادی راستے گھڑتے ہیں وہ تمام بدعتی (ملحد) ہیں۔

سُنّی کی پہچان

سنی صوفی کی پہچان دو علامتیں ہیں :

۱- ظاہر

۲- باطن

ظاہر یہ کہ شریعت مصطفویہ کی پابندی! اور باطن یہ کہ طریقت پر چلنا لیکن علی سبیل البصیرة والیقظہ والعلم یعنے طریقت پر جہالت غفلت اور اندھاپن سے طریقت کی راہ پر چلے۔

سبق

سورۂ نحل کی آخری آیات سے موصوف ہونے کی جدوجہد کرنی لازم ہے اس لئے کہ ان آیات میں عفو و صبر وحلم اور خوشی وغمی میں ہشاش بشاش ہونے اور شے کے فوت ہونے اور آنے والے غم وحزن کا ترک اور تقویٰ واحسان کے جملہ اقسام پر پابند ہونے کا سبق ملتا ہے اسی کو اللہ تعالٰی نے اپنی معیت وولایت اور ایمان کامل اور حسن خاتمہ اور بہتر انجام کی علامت بتائی ہے۔ اے اللہ! ہمیں سیدھے راہ کاملان اور اپنے غیر سے روگردانی کی توفیق عطا فرما اور ہمارے خاتمے ایمان پہ فرما۔ (آمین)

[صاحب روح البیان نے فرمایا کہ (سورہ نحل کی تفسیر شواہد عقل ونقل کے ساتھ ہفتہ کے دن ۱۹ شعبان المبارک ۱۱۰۴ھ کو ختم ہو۔]

فقیر اویسی غفرلہ نے شب ہفتہ قبل نماز عشاء ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۹۷ھ اس کے ترجمہ سے فراغت پائی۔

و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

فقط والسلام

ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی غفرلہٗ
مسجد سیرانی شریف دارالعلوم جامعہ اویسیہ
بہاولپور ۹۷/۶/۲۳ھ

فہرست